پاکیٹ سپیرون

آئینہ اردو

برائے انٹرمیڈیٹ



ابوخالد صدیقی
ابوطاہر صدیقی

خالد بک ڈپو۔ ۴۰ اردو بازار۔ لاہور

EDITION 1-DMA SERIES S701 SHEET 74701



بورڈز آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن لاہور، ملتان، سرگودھا، راولپنڈی، آزاد کشمیر، کوئٹہ، بہاولپور
گوجرانوالہ اور فیڈرل گورنمنٹ بورڈز، اسلام آباد وغیرہ کے
جدید ترین نصاب کے عین مطابق

پائلٹ سپر ون نوٹس

آئینۂ اردو (لازمی)

(پرچہ ب)

انٹرمیڈیٹ، آرٹس، سائنس اور کامرس
کے طلبہ و طالبات کیلئے

مؤلفین

ابو خالد صدیقی ، ابو طاہر صدیقی

خالد بک ڈپو ۴۰۔ اردو بازار لاہور فون ۳۲۲۶۷۳ / ۲۲۳۸۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے ⁂ شمع یہ سودائی دلسوزیٔ پروانہ ہے (اقبال)

آج کل کتابیں لکھنے کا کچھ رواج سا ہو گیا ہے اور اس سلسلے میں زیادہ تر کاروباری ذہنیت کارفرما ہوتی ہے۔ حالانکہ کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ یہ صحیح معنوں میں افادیت کی حامل ہو اور اس سے طلبہ وطالبات کی حقیقی ضرورت کی تکمیل ہو۔ زیرِ نظر کتاب اس مقصد کے تحت لکھی گئی ہے۔ یہ مقصد کہاں تک پورا ہوا ہے۔ اس کا فیصلہ کرنا اساتذہ اور طلبہ کا کام ہے

یہ کتاب (انٹرمیڈیٹ آرٹس، سائنس اور کامرس) کے ان طلبہ وطالبات کے لئے لکھی گئی ہے جو اُردو لازمی کے پرچہ اب) کی تیاری کرنا چاہتے ہیں۔ جملہ متعلقہ موضوعات کو متعلقہ جدید ترین نصاب کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ عملی قواعد کے اصول وضوابط کو وضاحت کے ساتھ دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور ادبی پہلو کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ انشاء پردازی والے حصہ کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مکالمہ نگاری، خطوط نویسی، عرائض نگاری آپ بیتی، تلخیص اور روداد نویسی کے باب میں پہلے تو ہر صنفِ سخن کے مفہوم اور طریقۂ کار کی وضاحت کی گئی ہے اور پھر مفصل اور جامع عملی نمونے پیش کئے گئے ہیں اس ضمن میں طلبہ وطالبات میں تخلیقی وادبی جوہر ابھارنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

مضمون نویسی کے شعبے کو زیرِ نظر کتاب کا حاصل کہنا بے جا نہ ہوگا مضمون نویسی کے مفہوم ومدعا کو بصراحت واضح کیا گیا ہے اور رہنما ہدایات دی گئی ہیں۔ ایک طرف تو مضامین وافر مقدار میں دیئے گئے ہیں اور دوسری طرف موضوعات کے تنوع کا خاص خیال رکھا گیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے موضوعات کے بارے میں جامع اور مفصل معلومات فراہم کردی جائیں اور پھر ان کی ایک انفرادیت یہ ہے کہ اکثر مضامین کو مناسب عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے تاکہ طلبہ وطالبات بآسانی انہیں ذہن نشین کرسکیں۔ مضامین کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بامقصد اور علمی وادبی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کا عمومی انداز ادبی، اسلامی اور ملی نقطہ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ آخر میں بورڈ کے کچھ سابقہ پرچے بھی بطور نمونہ شامل کردیئے گئے ہیں۔

؏ گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف (مؤلف)

فہرست عنوانات

پرچہ اردو (ب)

(انٹرمیڈیٹ)

کل نمبر ۱۰۰

۱. عملی قواعد

امدادی افعال۔ مرکب جملے۔ مطابقت صفت
اسم و ضمیر موصولہ۔ قید۔ تمیز۔ متعلقات فعل
مطابقت اور اس کے مسائل۔ نے اور کو کا استعمال
رموز اوقاف۔ اصلاحِ اغلاط۔ روزمرہ اور محاورہ
محاورات کا درست اور برمحل استعمال — ۲۵ نمبر

۲. خطوط یا عرائض یا آپ بیتی	۱۵ نمبر
۳. رودادنویسی یا مکالمہ نگاری	۱۵ نمبر
۴. تلخیص	۱۵ نمبر
۵. مضمون	۳۰ نمبر
میزان	۱۰۰ نمبر

عملی قواعد

امدادی افعال

تعریف امدادی افعال وہ ہوتے ہیں جو کسی اصل فعل کے ساتھ مل کر مرکب فعل بناتے ہیں۔ اس کے معنی میں زور پیدا کرتے ہیں اور کام کی تکمیل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مثالیں ۱۔ سانپ کو مار ڈالو۔

وضاحت:۔ اس جملے کو ہم یوں بھی لکھ سکتے ہیں ــــــ "سانپ کو مارو" مگر مارو میں وہ تاکید اور زور نہیں جو مار ڈالو میں ہے یعنی ضرور مار ڈالو (ڈالنا) امدادی فعل ہے۔ اصل فعل مار ہے۔

۲۔ اسلم نے پڑھنے کے بعد اپنی کتاب میز پر رکھ دی۔

وضاحت۔ اس جملے میں اصل فعل رکھ ہے اور امدادی فعل دی (دینا) ہے اگر ہم جملہ یوں ہوتا ــــــ "اسلم نے پڑھنے کے بعد اپنی کتاب میز پر رکھی" ــــــ تو اس کے معنی میں زور پیدا نہ ہوتا۔

امدادی افعال کا استعمال

اردو زبان میں بہت سے امدادی افعال مستعمل ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل امدادی افعال کا استعمال ہمارے نصاب میں شامل ہے۔

۱۔ دینا یہ کام کی تکمیل کو ظاہر کرتا ہے کبھی کبھی کام میں جبر و زیادتی کے عنصر کا اظہار بھی ہوتا ہے مثلاً
۱۔ ڈاکوؤں نے مسافروں کا کام تمام کر دیا (۲) باپ نے نافرمان بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔
۳۔ ٹکا سا جواب ملتے ہی وہ واپس چل دیا۔ (۴) پہلوان نے اکرم کو زمین پر پٹخ دیا۔ (۵) جو نہ پڑھنا چاہے اسے جانے دو۔

(۶) میں نے کہا بزم ناز چاہیے غیر سے تہی ❊ سن کر ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

(۷) کتنے ظالم ہیں جو غنچوں کو مسل دیتے ہیں۔

۲۔ لینا فعل کی تکمیل اور فاعل سے قربت کو ظاہر کرتا ہے مثلاً۔۔۔۔۔
۱۔ میں نے سبق پڑھ لیا ہے (۲) کتاب اچھی تھی میں نے رکھ لی ہے (۳) میں نے اپنی تمام رقم بنک سے نکلوا لی ہے (۴) ع چن لیا میں نے تجھے سارا جہاں رہنے دیا (۵) ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے لینا کہاں کی شرافت ہے۔ (۶) جو پھول بھی گرا ملا اس کو اٹھا لیا ❊ جو خستہ دل ملا اسے دل سے لگا لیا

۳۔ آنا فعل کی تکمیل کے بعد فاعل کی پہلی حالت میں واپس آنے کا تاثر دینا ہے یا تاکید کے لیے بھی آتا ہے مثلاً

۱۔ آفتاب! مولوی صاحب کو ذرا اسٹیشن تک چھوڑ آؤ (۲) اس کا دکھ سن کر میرا دل بھر آیا۔

۳۔ مناسب رقم لے آؤ تو بازار چلیں (۴) کیا تم کراچی ہو آئے ہو (۵) پودا اُگ آیا ہے (۶) جاؤ اپنے دوست سے مل آؤ۔

۴۔ جانا یہ بھی فعل کی تکمیل اور تاکید کے لیے آتا ہے کبھی دو کاموں کے یکے بعد دیگرے واقع ہونے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ مثلاً۔

۱۔ مجھے میری کتاب تو واپس دیتے جاؤ (۲) میں اپنا حالِ دل سنا لوں تو چلے جانا (۳) ہر چند میں نے اسے چپ کرایا لیکن وہ بکے جاتا ہے (۴) میں تھک گیا ہوں اب مجھ سے چلا نہیں جاتا (۵) اس بڈھے کا تو دماغ چل گیا ہے۔

۶۔ او دل توڑ کے جانے والے دل کی بات بتاتا جا ✤ اب میں دل کو کیا سمجھاؤں، مجھ کو بھی سمجھاتا جا۔

۷۔ ؎ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ✤ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

۵۔ ڈالنا کلام میں زور پیدا کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات جبر اور افسوس کا عنصر بھی پایا جاتا ہے مثلاً۔ ا

۱۔ استاد نے غصے میں آکر انور کو پیٹ ڈالا (۲) ثمینہ نے تو نوٹ پھاڑ ڈالا (۳) غضب کیا! دروازہ توڑ ڈالا۔ (۴) جو کام تمہیں کرنا ہے کر ڈالو (۵) جو کچھ تمہارے دل میں ہے کہہ ڈالو (۶) اس دہشت ناک خبر نے تو مجھے مار ڈالا۔ (۷) مار ڈالا یار تمہاری طلبی نے۔

۶۔ پڑنا اس میں بھی فعل کی تکمیل، تیزی اور شدّت ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً...

۱۔ بات تو کچھ نہ تھی تم تو خواہ مخواہ لڑ پڑے (۲) بیٹے کو جیل میں دیکھ کر ماں رو پڑی۔ (۳) اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً آگ میں کود پڑی۔ (۴) ہماری فوج کلمہ طیبہ کا ورد کرتی ہوئی دشمن پر ٹوٹ پڑی (۵) ملزم کو دیکھتے ہی تھانیدار اس پر برس پڑا (۶) آندھی چلنے سے پیپل کا درخت گر پڑا۔

(۷) ؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ✤ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۷۔ رہنا فعل کی تکمیل کے ساتھ ساتھ فاعل کے کام مکمل کر لینے کے بعد آرام و سکون کا اظہار بھی کرتا ہے مثلاً

۱۔ سکول کا کام ختم کرو اور سو رہو (۲) جہاں جگہ ملتی ہے پڑ رہو (۳) وہ ہر وقت بے پر کی اڑاتا رہتا ہے (۴) وہ قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں اکثر یہاں آتا رہتا ہے (۵) ؎ تیری یاد ہے کہ دل میں بسی رہتی ہے

۶ ؎ ہوش جاتا نہیں رہا لیکن ✤ جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

۷ ؎ جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن ✤ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

۸۔ چکنا یہ کام کی تکمیل کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات نفی کے معنی بھی ظاہر کرتا ہے مثلاً...

۱۔ میں خط لکھ چکا ہوں (۲) کسان اپنی فصل اٹھا چکے ہیں (۳) فضول انتظار میں بیٹھے ہو وہ آ چکا (۴) جو کچھ کہنا ہے اب کہہ بھی چکو (۵) ڈاکٹر کے آنے سے پہلے مریض مر چکا تھا۔

۶۔ یہ قصہ تمام ہو چکا اب ؎ بس اپنا تو کام ہو چکا اب

۹۔ رکھنا | یہ اصل فعل کی تکمیل، جبر یا فعل ماضی کے خبر کے اظہار کے مفہوم کے ساتھ کرتا ہے مثلاً۔۔۔

۱۔ بخار نے ساری رات مجھے جگائے رکھا ہے (۲) پولیس نے تمام لڑکوں کو تھانے میں بٹھائے رکھا (۳) راز آخر راز ہے کب تک اسے چھپائے رکھو گے؟ (۴) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موئے گھر میں کوئی خزانہ دبا رکھا ہے (۵) میں نے لاہور میں ایک مکان کرائے پر اٹھا رکھا ہے۔

۶۔ مجھ سے مت پوچھ میرے عشق میں کیا رکھا ہے ؎ ایک شعلہ ہے جو سینے میں چھپا رکھا ہے

۷۔ اک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے ؎ اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا

۱۰۔ پانا | کسی کام کے کرنے کی قابلیت رکھنے کو ظاہر کرتا ہے مثلاً۔۔۔

۱۔ وہ ابھی چند قدم بھی نہ چل پائے تھے کہ دشمن نے آ لیا (۲) میں آج شام تک اپنا کام ختم نہ کر پاؤں گا۔ (۳) خبردار! کوئی اندر نہ آنے پائے (۴) چھٹی ملنے پر ہی میں گھر آ پاؤں گا (۵) برف باری میں ہم مری نہ پہنچ پائیں گے (۶) ؎ پنہاں تھا دام سخت قریب آشیاں کے ؎ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے!!

۷۔ ؎ پھول کھلنے بھی نہ پائے تھے، خزاں آ پہنچی۔

۱۱۔ اٹھنا | کسی فعل کی بے اختیاری، تیزی اور دفعتاً وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرتا ہے جیسے!

۱۔ گمشدہ بچے کو پا کر ماں کا چہرہ دمک اٹھا (۲) سپاہی کو دیکھتے ہی چور بھاگ اٹھا (۳) وہ شدت درد سے بلبلا اٹھا (۴) طالب علم یک زبان ہو کر بول اٹھے (۵) شاگردوں کی اوٹ پٹانگ باتوں سے استاد جھلا اٹھا (۶) پہلے تو وہ چپ تھا۔ میرے بولتے ہی وہ بھڑک اٹھا۔

۷۔ ؎ دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے ؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۲۔ چاہنا | یہ فاعل کی خواہش ظاہر کرتا ہے یہ بھی بتاتا ہے کہ کام مستقبل قریب میں ہونے والا ہے نیز اخلاقی کام کے لیے تلقین یا نصیحت کرنے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً۔۔۔

۱۔ رات کے دس بجا چاہتے ہیں خبریں سماعت فرمائیں (۲) کسی کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے (۳) کھانا ہمیشہ ہاتھ دھو کر کھانا چاہیے۔ (۴) ہمیں وقت پر کالج پہنچنا چاہیے (۵) بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے (۶) ؎ نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب

تیرے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

۷۔ ؎ بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی ؎ بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

۱۳۔ سکنا | کسی کام کو تکمیل تک پہنچانے کی قابلیت رکھنے یا اجازت کو ظاہر کرتا ہے مثلاً۔۔۔

(۱) میں کئی زبانیں بول سکتا ہوں (۲) میں اب بھی جھاڑا کو پچھاڑ سکتا ہوں (۳) کاش میں تمہارے کسی کام آسکوں (۴) میں تمہیں غلط بیانی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا (۵) واجبات ادا کر کے ہی تم امتحان میں شرکت کر سکتے ہو۔

(۶) گوش بر آواز تھا مغرب کبھی جس کے لیے ☆ وہ صدا پھر اس زمانے کو نہ سن سکتا ہوں میں

(۷) نہ پاس اس کے جا سکا نہ میں اسے بلا سکا ☆ میں دیکھتا رہا اسے وہ چھوڑ کر چلا گیا۔

(۱۴) **لگنا** کام شروع کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً۔۔۔

(۱) دھوئیں کی وجہ سے میرا دم رکنے لگا۔ (۲) جب وہ بولنے لگتا ہے تو دو دو گھنٹے دم نہیں لیتا۔ (۳) میں ابھی کھانا کھانے لگا ہی تھا کہ اسلم نے دستک دی۔ (۴) منا گھٹنوں کے بل چلنے لگا ہے (۵) بھونچال آنے سے کھڑکیاں ہلنے لگیں۔

(۶) تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں ☆ کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں۔

(۷) پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم ☆ برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

(۱۵) **کرنا** کبھی اس سے فعل کی تکمیل کا نہ ہونے کا احساس ملتا ہے اور کبھی تکرار و تسلسل کا اظہار پایا جاتا ہے مثلاً۔۔۔

(۱) کچھ بننا چاہتے ہو تو دل لگا کر پڑھا کرو (۲) جاہلوں کی صحبت سے بچا کرو (۳) کبھی ہماری طرف بھی آیا کرو۔ (۴) میں پان کھایا کرتا تھا مگر اب چھوڑ دیے ہیں (۵) انجم باغ میں جا کر پڑھا کرتا تھا۔ (۶) دل مرا ڈوبا کیا، اچھلا کیا (۷) مرتا کیا نہ کرتا۔

مرکّب جملے

تعریف جب دو یا دو سے زائد جملے مل کر ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ کہلائے گا مثلاً۔۔۔

(۱) ہم آئے ہی تھے کہ وہ چل دیئے (۲) مقرر نے تقریر شروع کی اور پولیس آگئی (۳) اگر مریض نے دوا نہ کھائی تو مر جائے گا (۴) وہ بدزبان ہے اس لیے اسے کوئی منہ نہیں لگاتا۔ (۵) سب وہاں موجود تھے مگر اکرم نہ تھا۔

ان مثالوں میں ہر جملے کے دو حصے ہیں۔ ہر حصے کا دوسرے حصے کے ساتھ مختلف حروف (کہ، اور، تو، اس لیے، مگر) سے کوئی نہ کوئی تعلق قائم ہے یہی تعلق ان میں ایک مفہوم یا خیال ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

مرکّب جملوں کی اقسام

مرکب جملوں کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ہم رُتبہ جملے (۲) تابع جملے۔

۱۔ ہم رتبہ جملے

اگر مرکب جملے کے اجزا علیحدہ علیحدہ کر دینے سے اپنی جُداگانہ حیثیت برقرار رکھتے ہیں اور مکمل مفہوم ادا کرتے ہیں تو ہم رتبہ جملے کہلائیں گے مثلاً۔۔۔

ہ۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بجلی چمک رہی تھی

ہ۔ انجم رات کو دیر سے گھر آیا اور سو گیا۔

یہ مرکب جملے ہیں لیکن ان کے دونوں اجزا اپنی اپنی جگہ پر اپنا اپنا مفہوم ادا کر رہے ہیں۔ ایسے مرکب جملے "ہم رتبہ" جملے کہلاتے ہیں۔

عام طور پر ہم رتبہ مرکب جملے حروف عطف "اور، پھر، یا، خواہ" وغیرہ کے استعمال سے آپس میں ملائے جاتے ہیں۔ ایسے جملوں کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہیں۔

ا۔ وصلی جملے ii تردیدی جملے iii استدراکی جملے iv ببی جملے

ا۔ وصلی جملے

جب دو ہم رتبہ جملوں کو حرف عطف "اور" کے ذریعے ملایا گیا ہو تو وصلی جملے کہلاتے ہیں مثلاً۔۔۔

ہ احمد کل آیا تھا اور آج چلا گیا ہ کچھوا آہستہ آہستہ چلتا رہا اور خرگوش راہ میں سو گیا ہ ہم نے اپنی کتابیں سنبھالیں اور گھر چلے آئے۔

کبھی کبھی "پھر" سے بھی ان جملوں کو ملانے کا کام لیا جاتا ہے جیسے!

ہ پہلے تو وہ بولتا رہا پھر غصے سے باہر نکل گیا ہ پہلے آئینے میں اپنی شکل دیکھو پھر کسی کا مذاق اُڑانا

ii۔ تردیدی جملے

جب دو ہم رتبہ جملے حروف تردید (یا، کہ، نہیں تو، ورنہ، خواہ، چاہے، نہ) کے ذریعے ملائے جائیں اور معنوں کے اعتبار سے ایک جملہ دوسرے جملے کی تردید یا نفی کرے تو ایسے جملے تردیدی جملے کہلاتے ہیں مثلاً۔۔

ہ تم نے پڑھا کہ نہیں، وہ لاہور گئے کہ نہیں (کہ) حرف تردید

ہ نہیں ورزش کرنی چاہیے ورنہ صحت گر جائے گی (ورنہ) حرف تردید

ہ بادشاہ کو انصاف پسند ہونا چاہیے ورنہ رعایا بددل ہو جائے گی (" ")

ہ فوراً روانہ ہو جاؤ نہیں تو گاڑی چھوٹ جائے گی (نہیں تو) حرف تردید

ہ خوب محنت کرو نہیں تو فیل ہو جاؤ گے۔ (" ")

ہ نہ خود آیا نہ مجھے بلایا (نہ) حرف تردید

ہ نہ اقرار کیا نہ انکار (" ")

- چاہے مزدوری کرو چاہے کسی کی نوکری (چاہیے) ″
- چاہے تسلیم کرو، چاہے نہ کرو ″

۱۱۔ **استدراکی جملے** وہ ہم رتبہ جملے ہیں، جن میں حروفِ استدراک (مگر، لیکن، پر، بلکہ، ہو پہ، کہ) استعمال ہوتے ہیں۔ ان جملوں کے بیان میں باہم مسابقت یا مقابلہ پایا جاتا ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔

ا۔ بیان میں اختلاف واقع ہونا۔ جیسے:
- سب کھیلنے کے لیے آمادہ ہو گئے مگر امجد نے انکار کر دیا۔
- میں اس کے لیے سب کچھ قربان کر سکتا ہوں مگر عزت نہیں دے سکتا۔

ب دوسرا بیان پہلے بیان کو محدود کر دیتا ہے۔ جیسے:
- وہ امیر تو ہے لیکن پیسہ تک خرچ نہیں کرتا۔
- وہ ذہین تو ہے پر ذہانت کا کوئی کام نہیں کرتا۔
- وہ دوست تو ہے پر مصیبت میں کام نہیں آتا۔

ج دوسرے بیان سے پہلے بیان کی توسیع اور ترقی ہوتی ہے، جیسے:
- خوشامد سے دنیا ہی نہیں بلکہ خدا بھی خوش ہوتا ہے۔
- وہ مکار ہی نہیں بلکہ دھوکہ باز بھی ہے
- ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔

۱۲۔ **سببی جملے** ان ہم رتبہ جملوں میں ایک جملہ دوسرے جملے کا سبب یا علت بیان کرتا ہے ان جملوں میں چونکہ، کیونکہ، تاکہ وغیرہ حروفِ علت استعمال ہوتے ہیں، جیسے:
- میں ان کا ساتھ دوں گا کیونکہ (اس لیے) مصیبت کے وقت انہوں نے میرا ساتھ دیا تھا۔
- اس نے میرا کہا نہ مانا اس لیے (لہٰذا) میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔
- چونکہ وہ بہت سست رہتا تھا، اس لیے میں اس سے ناراض رہتا ہوں۔
- چونکہ آپ بزرگ ہیں، اس لیے آپ کا احترام ہم پر لازم ہے۔
- علم حاصل کرو تاکہ فلاحِ دارین حاصل کر سکو۔

۲ **تابع جملے** جب ایک جملے میں ادھوری بات کہی گئی ہو جسے پورا کرنے کے لیے دوسرا جملہ لایا جائے۔ تو دوسرا جملہ پہلے جملے کا تابع جملہ کہلائے گا۔ پہلا یعنی اصل جملہ خاص جملہ کہلائے گا جیسے۔

- اس نے سخت محنت کی مگر وہ فیل ہو گیا - مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی - وہ شریف

نہیں جو میں اسے منہ لگاؤں۔

ان مثالوں میں خط کشیدہ جملے، تابع جملے ہیں۔ اور یہ خاص جملوں کے مفہوم کو مکمل کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔

تابع جملے "کہ، مگر، تو، جو، لیکن، تاہم، تو بھی" سے شروع ہوتے ہیں۔ تابع جملوں کی تین قسمیں ہیں۔

i۔ اسمی جملہ ii۔ وصفی جملہ iii۔ تمیزی جملہ

i. **اسمی جملہ** اس میں تابع جملہ اسم کا کام دیتا ہے۔ اس جملے کی ابتدا عموماً "کہ" سے ہوتی ہے جیسے:

٭ اس نے کہا کہ میں بیمار ہوں ٭ کون نہیں جانتا کہ میرا نام سرفراز ہے ٭ وہاں وہ چہل پہل تھی کہ بیان سے باہر ہے۔

کبھی کبھی "کہ" حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے:

٭ میں نے کہا جاؤ، آپ نہ آنا ٭ اس نے کہا یہاں کیوں آئے ہو۔

کبھی تابع جملہ اصل جملے سے قبل بھی آجاتا ہے جیسے!

چلو چلو! لاہور چلو! ہر طرف یہی صدا آرہی تھی۔ ٭ سیلاب آگیا، سیلاب آگیا وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔

ii۔ **وصفی جملہ** اس میں تابع جملہ صفت کا کام دیتا ہے اور اس کا موصوف خاص جملے میں ہوتا ہے۔ یہ عام طور پر "جو" سے شروع ہوتا ہے جیسے:

٭ اس نے انہی طالب علموں کے نام پکارے جو کتاب میں درج تھے ٭ وہ کام جو آپ سے نہ ہو سکا، میں کیونکر کر سکتا ہوں ٭ خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

بعض اوقات "جو" حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے:

٭ ڈیرا سو مرا ٭ بوؤ گے سو کاٹو گے۔

iii۔ **تمیزی جملہ** وہ جملہ جو خاص جملے کی جز، کیفیت، سبب (علت)، وقت یا مقام بتائے، تمیزی تابع جملہ کہلاتا ہے، ایسے جملے عام طور پر "جب" یا "جو" سے شروع ہوتے ہیں۔

لیکن کبھی کبھی "جیسے، جوں جوں اگر" سے بھی ان جملوں کا آغاز ہوتا ہے جیسے:

٭ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو تارے چمکنے لگتے ہیں ٭ سب سو رہے تھے جو وہ بول پڑا ٭ جوں جوں ہم بلندی پر جاتے ہیں ہوا لطیف ہوتی جاتی ہے ٭ جیسے جیسے موسم میں تبدیلی آتی گئی اس کا مرض بھی کم ہوتا گیا ٭ اگر امتحان کی تیاری کا یہی حال رہا تو خدا ہی حافظ ہے ٭ جیسا آپ کا حکم ہو گا ہم تعمیل

کریں گے۔ ۶۔ اگرچہ وہ غریب ہے تاہم وہ ایماندار ہے ۷۔ اکرم اپنے چچا کے ہاں نہ پہنچ سکا کیونکہ وہ راستہ بھول چکا تھا۔

صفت

تعریف وہ اسم ہے جو کسی اسم کی اچھائی یا برائی یا حالت کو ظاہر کرے۔ جیسے!
۱۔ شریف آدمی کی ہر جگہ قدر ہوتی ہے (۲) میں آج بازار سے نئی کتاب خرید لوں گا۔
(۳) آپ گرم چائے کی ایک پیالی پی لیں۔

ان مثالوں میں شریف، نئی اور گرم اسمائے صفات ہیں۔ جس اسم کی صفت کی جائے، اُسے موصوف کہتے ہیں۔ جیسے اوپر کی مثالوں میں آدمی اور چائے موصوف ہیں۔

اسم صفت کی اقسام

اسمِ صفت کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) صفت ذاتی (۲) صفتِ نسبتی (۳) صفتِ عددی (۴) صفتِ مقداری

۱۔ **صفت ذاتی** وہ صفت ہے۔ جو کسی چیز یا شخص کی اندرونی یا بیرونی حالت کو ظاہر کرے اسے صفتِ مشبہ اور صفتِ تفضیلی بھی کہا جاتا ہے جیسے:
۱۔ بہادر انسان مشکلات کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتا (۲) نیک لڑکا سب کو پیارا لگتا ہے۔
(۳) نادان دوست سے دانا دشمن اچھا۔

ان مثالوں میں بہادر، نیک، نادان، اور دانا صفتِ ذاتی ہیں۔
ساخت کے اعتبار سے صفتِ ذاتی کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ صفتِ مفرد:۔ جو ساخت کے اعتبار سے اکیلی صفت ہو مثلاً بہادر، دلیر، نیک وغیرہ۔
ب۔ صفتِ مرکب:۔ جو دو یا دو سے زیادہ اسموں کی ترکیب سے بنے مثلاً بدخو، سعادت مند، خوبصورت وغیرہ

صفت ذاتی بنانے کے قاعدے

۱۔ کبھی دو اسموں کو ملا کر صفتِ ذاتی بناتے ہیں۔ مثلاً کام چور۔ سینہ زور۔ تنگ دل۔ بدنام
۲۔ کبھی اسم اور امر کو ملا کر بناتے ہیں۔ مثلاً تیز رو۔ دور اندیش۔ بت شکن۔
۳۔ کبھی اسم کے آخر میں ا بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً پیاس سے پیاسا۔ میل سے میلا۔
۴۔ کبھی دو مختلف کلموں کو ملا کر صفتِ ذاتی بناتے ہیں۔ مثلاً منہ پھٹ۔ ہنس مکھ۔ سدا بہار

ھ۔ کبھی مختلف علامات لگا کر صفتِ ذاتی بتلاتے ہیں۔ مثلاً
و۔ اَٹل ۔ اَمٹ ۔ ان پڑھ ۔ انمول ۔
ب۔ بے حیا۔ بے ادب ۔ بے وقوف ۔ بے خوف ۔
پُر۔ پُر جوش ۔ پُر رعب ۔ پُر رعونت ۔
بد۔ بد دماغ ۔ بدصورت ۔ بدخو ۔
کم۔ کم گو ۔ کم ظرف ۔ کم عقل ۔ کم عمر ۔
لا ۔ لاعلاج ۔ لازوال ۔ لاریب ۔

صفتِ ذاتی کے درجات

ا۔ **تفضیلِ نفسی** | جس میں کسی چیز یا شخص کی ذاتی صفت بلا مقابلہ پیش کی جائے مثلاً اچھا، بُرا، نیک، سخی، سرخ وغیرہ۔

ب۔ **تفضیلِ بعض** | جس میں کسی دو چیزوں کا مقابلہ ہو اور ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دی جائے مثلاً اسلم، اصغر سے لمبا ہے یہ سیب تمہارے سیب سے میٹھا ہے۔

ج۔ **تفضیلِ کل** | جس میں کسی ایک چیز کو اسی قسم کی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے مثلاً۔ اسلم اپنی جماعت میں سب سے ذہین ہے۔ حمید قد میں سب لڑکوں سے لمبا ہے۔

۲۔ **صفتِ نسبتی** | وہ صفت ہے جو کسی شخص یا چیز کا تعلق دوسرے شخص یا چیز سے کرے۔ مثلاً۔ (۱) ہمسایہ جبریل امین، بندۂ خاکی (۲) کیا آپ نے حفیظ جالندھری کا شاہنامہ پڑھا ہے؟ (۳) میں ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں (۴) بعض لوگ بڑی امیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

ان مثالوں میں خاکی کا خاک سے، جالندھری کا جالندھر سے، ہاشمی کا ہاشم سے اور امیرانہ کا امیر سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ قواعد کی رو سے یہ تعلق صفتِ نسبتی کہلاتا ہے

صفتِ نسبتی بنانے کے قاعدے

۱۔ اسم کے آگے یائے معروف (ی) لگانے سے صفتِ نسبتی بن جاتا ہے۔ مثلاً لاہور سے لاہوری۔ پاکستان سے پاکستانی۔

۲۔ اگر کسی اسم کے آخر میں الف ہو تو اسے (ئی) سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً طلا سے طلائی۔ دریا سے دریائی۔

۳۔ بعض مرتبہ اسم کے بعد "انہ" لگانے سے صفتِ نسبتی بن جاتا ہے۔ مثلاً غلام سے غلامانہ۔ فقیر سے فقیرانہ۔

۴۔ کبھی اسموں کے آخر میں "انی" لگاتے ہیں۔ مثلاً جسم سے جسمانی ۔ نور سے نورانی ۔

۵۔ بعض اسموں کے آخر پر، وی، ی، این، یلا، یلی وغیرہ لگانے سے صفت نسبتی بن جاتا ہے مثلاً دنیا سے دنیاوی، مکہ سے مکی، شرم سے شرمیلا، شرمیلی وغیرہ

۳۔ **صفت عددی** وہ صفت جس سے کسی چیز کی تعداد یا درجہ ظاہر کیا جائے صفتِ عددی کہلاتی ہے جیسے (۱) میرے پاس آٹھ قلم ہیں (۲) بارہ لڑکے حاضر تھے (۳) چار سوال حل کرو۔

ان مثالوں میں خط کشیدہ الفاظ، اسم عدد ہیں جبکہ قلم، لڑکے اور سوال اسم معدود ہیں۔ صفتِ عددی کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ **معین صفت عددی**:۔ جس کی تعداد ظاہر کی گئی ہو مثلاً۔ اس جماعت میں پچاس لڑکے ہیں۔ دو آدمی آپ کا انتظار کر رہے ہیں، جہیز میں پورے دو لاکھ روپے دیئے گئے۔

ب۔ **غیر معین صفتِ عددی**:۔ جس میں تعداد معلوم نہ ہو جیسے جلسہ میں کئی لوگ حاضر تھے جتنے منہ اتنی باتیں۔ جماعت میں بعض لڑکے شرارتی ہوتے ہیں۔

عددِ معین کے پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ عددِ ذاتی:۔ وہ عدد جو تعداد کو ظاہر کرے مثلاً چار، پانچ، سات، سو، ہزار وغیرہ۔

۲۔ عددِ ترتیبی:۔ وہ عدد جس سے تعداد کے علاوہ ترتیب بھی ظاہر ہو مثلاً پہلا۔ دوسرا۔ چوتھا۔ گیارھواں۔ چہارم۔ ہفتم وغیرہ۔

۳۔ عددِ تضعیفی:۔ وہ عدد جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ چیز کتنے گنا ہے جیسے دگنا، تگنا، اکہرا، دوہرا وغیرہ

۴۔ عددِ کسری:۔ جو کسی چیز کا کوئی حصہ ظاہر کرے مثلاً نصف، پون، ڈیڑھ وغیرہ۔

۵۔ عددِ استغراقی:۔ وہ عدد ہے جو معدود کی پوری تعداد ظاہر کرے مثلاً تینوں، چاروں، ساتوں وغیرہ تینوں لڑکے پاس ہو گئے، ساتوں کے ساتوں نالائق ثابت ہوئے۔ چاروں بچے پڑھ رہے ہیں وغیرہ۔

۴۔ **صفت مقداری** وہ صفت جو کسی چیز کی مقدار کو ظاہر کرے۔ جیسے:
۱۔ اس کی تو گز بھر لمبی زبان ہے (۲) کچھ رقم میرے پاس موجود تھی۔

۳۔ دودھ میں تھوڑی سی چینی ڈال دیجئے۔

ان جملوں میں گز بھر، کچھ اور تھوڑی سی صفات مقداری ہیں۔

صفتِ مقداری کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ **معین صفتِ مقداری**:۔ صفتِ مقداری اگر معین مقدار کو ظاہر کرے تو اسے معین صفتِ مقداری کہتے ہیں۔ مثلاً تولہ بھر، چھٹانک بھر، بالشت بھر،

ب۔ **غیر معین صفتِ مقداری**:۔ اگر اس سے کسی معین مقدار کا پتہ نہ چلے تو اسے غیر معین صفت

مقدار ی کہتے ہیں ۔ مثلاً کچھ روپیہ ۔ ذرا سی چیز۔ تھوڑا سا پانی ۔

ضمیر موصولہ

اسم ضمیر وہ چھوٹا سا کلمہ ہے جو اصلی نام کی بجائے بولا جائے جیسے وقار دسویں جماعت میں پڑھتا ہے وہ بڑا ذہین ہے اس نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔ اس جملے میں وہ اور اس اسمائے ضمیر ہیں ۔

اسم ضمیر کی پانچ قسمیں ہیں ۔

i۔ ضمیر شخصی ii۔ ضمیر موصولہ iii۔ ضمیر استفہامیہ iv۔ ضمیر اشارہ v ضمیر تنکیری

لیکن صرف ضمیر موصولہ ہی ہمارے نصاب میں شامل ہے ۔

تعریف ضمیر موصولہ وہ ضمیر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ ایک پورا جملہ نہ لگایا جائے کچھ معنی نہیں دیتی. جیسے (i) جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں ii۔ جس نے محنت کی کامیاب ہوا ۔

وضاحت ان مثالوں میں "جو" اور "جس نے" اکیلے کچھ معنی نہیں دیتے یہی وجہ ہے کہ "جو" کے ساتھ گرجتے ہیں" اور "جس نے" کے ساتھ "محنت کی" کا جملہ لایا گیا ہے۔ اب ان کے پورے معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ ایسے لفظوں کو "ضمیر موصولہ" کہتے ہیں ۔ اور جو جملہ ان کے ساتھ آتا ہے وہ "صلہ" کہلاتا ہے۔ موصول اور صلہ مل کر جزو جملہ ہوتے ہیں ۔

اب ان مثالوں پر دوبارہ غور کیجئے ۔ اگر صرف "جو گرجتے ہیں" کہا جائے تو بات پوری نہیں ہوتی ۔ بلکہ سننے والے کو نتیجے کا انتظار رہتا ہے ۔

"جس نے محنت کی" سے بھی بات ادھوری رہ جاتی ہے ۔

پس موصول اور صلہ کے بعد ایک اور جملے کا آنا لازمی ہے تاکہ بات مکمل ہو سکے اس جملے کو تکمیل صلہ یا جواب صلہ کہتے ہیں جیسے اوپر کی مثالوں میں "وہ برستے نہیں" اور "کامیاب ہوا" تکمیل صلہ کے لئے آئے ہیں ۔

ان تینوں کی وضاحت ذیل کے نقشے سے ہو سکے گی ۔

موصول	صلہ	تکمیل صلہ
جو	گرجتے ہیں	وہ برستے نہیں
جس نے	محنت کی	کامیاب ہوا ۔

6 اردو میں ضمیر موصولہ صرف "جو" ہے جس کی مختلف حالتیں ہیں ۔

ضمیر موصولہ کی مختلف حالتیں

حالت	واحد	جمع
فاعلی	جو، جس نے	جو، جنہوں نے
مفعولی	جس کو، جسے	جن کو، جنہیں
اضافی	جس کا، جس کے، جس کی	جن کا، جن کے، جن کی
ظرفی	جس میں	جن میں

• جونسا، جونسے، جونسی بھی بطور ضمیر موصولہ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً
جونسا کھیل چاہو، کھیلو، جونسی کتاب چاہیئے لے جایئے۔

• کبھی "کہ" بھی ضمیر موصولہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

ہیں کہ اشوب جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت ⁂ اس کو سمجھا غنیمت دلِ غم دیدہ بہت

ضمائر موصولہ کا استعمال

تعظیم کے موقع پر واحد کے لیے بھی جمع ہی بولی جاتی ہے جیسے:

(۱) جن کا تم نے ابھی ابھی نام لیا ہے وہ میرے بزرگ ہیں (۲) جن کا تم ذکر کر رہے ہو وہ بڑے قابل ہیں

شرط کے موقع پر (۱) جو کرے گا، وہ بھرے گا (۲) جو پڑھے گا، وہ گرے گا، مجھے کیا فکر ہے

تکرار کیلئے کبھی ضمیر موصولہ مکرر آتی ہے۔

(۱) جس جس کو بلانا چاہو، بلالو (۲) جو جو انار پسند ہوں، اٹھالو۔ (۳) جن جن کے پاس گیا، انھوں نے میری مدد نہ کی۔

بے جان کیلئے بے جان کے لیے ضمیر موصولہ "جو کچھ" آتی ہے جیسے۔

"اس ظالم کے ساتھ جو کچھ بھی ہو، تھوڑا ہے — "جو کچھ" کے علاوہ جہاں جہاں جب، جب، جوں، جوں وغیرہ بھی ضمائر موصولہ کا کام دیتے ہیں۔

قید، تمیز، متعلقاتِ فعل

تعریف:۔ وہ الفاظ جو جملے میں فعل کی حالت، وقت، مقام یا طور وغیرہ بتانے کے لئے

استعمال ہوں۔ انہیں قید (تمیز متعلق فعل یا تابع فعل) کہا جاتا ہے کہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ ظرف زماں (وقت یا زمانہ) بتانے والے

جب۔ تب۔ اب۔ کب۔ پرسوں۔ ترسوں۔ دن۔ رات۔ صبح۔ شام۔ پہلے۔ آگے، پیچھے۔ سویرے۔ سدا۔ پھر۔ نت۔ فی الحال۔ اچانک۔ دفعتاً۔ روزانہ۔ ماہانہ۔ سالانہ عنقریب۔ یکایک۔ ہمیشہ۔ آج۔ کل وغیرہ۔

- آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی ——— اب کسی بات پر نہیں آتی!
- نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی ——— مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں۔
- اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اب کیا ہوگا
- جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ ——— کیا کسی کا گلہ کرے کوئی!
- اندھیری رات تھی بھٹکتا پھر رہا تھا کارواں ——— دفعتاً چمک کر نکلا آفتاب زندگی۔
- اب تم کب آؤ گے؟
- صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے ——— عمر یونہی تمام ہوتی ہے۔

۲۔ ظرف مکاں (جگہ یا مقام) بتانے والے

پاس۔ دور۔ قریب۔ اوپر۔ نیچے۔ اندر۔ باہر۔ اِدھر۔ اُدھر۔ اس پاس۔ جدھر۔ کدھر۔ ہر جگہ۔ سامنے۔ درمیان، یہاں، وہاں۔ یہیں۔ جہاں۔ کہاں۔ دائیں بائیں۔ آگے پیچھے وغیرہ۔

- ——— ذرا قریب آؤ یہاں بیٹھو۔
- ——— چلو تم اِدھر اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی۔
- ——— مصیبت کے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو۔
- ——— اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ——— مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
- ——— تم ہم سے روٹھ کر کہاں چلے جاؤ گے ——— جہاں بھی جاؤ گے ہمیں موجود پاؤ گے
- ——— ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ——— کچھ ہماری خبر نہیں آتی۔
- ——— ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ——— ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
- ——— وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا ——— دبا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا

۳۔ کیفیت طور یا طریقہ ظاہر کرنے والے

جیسے۔ یوں۔ کیوں۔ کیسے۔ ٹھیک۔ خوب۔ ہولے۔ دھیرے۔ لگاتار بہت۔ تھوڑا۔ جلدی۔ جھٹ پٹ۔ تقریباً۔ خصوصاً۔ بالکل۔ الغرض۔ یوں۔ باقاعدہ۔ آہستہ

آہستہ ۔ تیزی سے ۔ جوں کا توں ۔ فوراً ۔ عموماً ۔ کما حقہ ۔ حتی الامکان ۔ برعکس ۔ جان بوجھ کر وغیرہ

- ـــــ اکرم درخت سے گر گیا ۔ اب آہستہ آہستہ گھر جا رہا ہے
- ـــــ ہم باقاعدہ سکول جایا کرتے تھے ۔
- ـــــ بچے نے ڈرامے کا مکالمہ جوں کا توں سنا دیا
- ـــــ لگاتار دن رات محنت کرنے سے اس کی صحت پر بہت برا اثر پڑا ۔
- ـــــ اس نے اپنے ردِ عمل کا اظہار فوراً کر دیا ۔
- ـــــ رشید نے عدالت میں جو بیان دیا وہ پہلے بیان کے برعکس تھا ۔
- ـــــ ذرا ہولے چلو مجھ سے چلا نہیں جاتا ۔
- ـــــ رات یوں دل میں تیری کھوئی ہوئی یاد آئی جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے ۔

۴، ایجاب و انکار اور شک و یقین ظاہر کرنے والے

جی ہاں ، اچھا ، ٹھیک ، واقعی ، بجا ، کیوں نہیں ، ہرگز ۔ (ہرگز کے ساتھ نہ یا نہیں ضرور آتا ہے) درحقیقت ۔ شاید ۔ یقیناً ۔ بے شک ۔ غالباً وغیرہ ۔

- ـــــ جی : آپ واقعی درست فرما رہے ہیں ۔
- ـــــ غالباً (شاید) میں نے آپ کو پہلے کہیں دیکھا ہے
- ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۔
- ـــــ ٹھیک ہے لیکن انہوں نے یہ بات تو ہرگز نہیں کہی ۔
- ـــــ بجا کہتے ہو ، سچ کہتے ہو میں تمہیں کب جھوٹا سمجھتا ہوں ۔
- ـــــ کیوں نہیں میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں ۔

۵، تعداد اور مقدار ظاہر کرنے والے

اکثر ۔ بکثرت ۔ کم ۔ بہت ۔ تھوڑا ۔ اتنا ۔ جتنا ۔ اتنی ۔ جتنی ۔ کتنا ۔ ایک بار ۔ دو بار ۔ ایک ایک ۔ دو دو وغیرہ ۔

- ـــــ ایک بار چلے آؤ پھر آ کے چلے جانا
- ـــــ میں اس کو ملنے کے لیے دو دفعہ اس کے گھر گیا ۔
- ـــــ وہ اتنا سمجھدار نہیں ہے جتنا کہ وہ سمجھتا ہے ۔
- ـــــ تندرست رہنا چاہتے ہو تو تھوڑا کھاؤ ۔
- ـــــ ایک ایک کر کے اندر چلے آؤ ۔
- ـــــ وہ مجھ سے اکثر ملنے کے لیے لاہور آتا کرتا تھا ۔

۶ ـــــ نارنگ میں چاول بکثرت بویا جاتا ہے ۔

۶، سبب اور نتیجہ بیان کرنے والے — لہٰذا ۔ اس لیے ۔ اس طرح ۔ کیونکہ ۔ چنانچہ ۔ کیونکر ۔ کہ ۔ تاکہ ۔ سو ۔ پس وغیرہ

۶ ـــــ محنت کرو تاکہ تم امتحان میں کامیاب ہو سکو ۔
۶ ـــــ موسم اچھا تھا اس لیے میں باہر گھومنے پھرنے کے لیے چلا گیا
۶ ـــــ کھایا پیا کرو تاکہ صحت اچھی ہو ۔
۶ ـــــ اس نے محنت نہ کی لہٰذا وہ ناکام ہو گیا
۶ ـــــ کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کھیل ہے ۔
۶ ـــــ ایک سے جب دو ہوئے تو لطفِ یکتائی نہیں
اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں
۶ ـــــ عبادت کرو ۔ کیونکہ انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے ۔

۷، استفہامیہ (کچھ پوچھنے کیلئے) — کب ۔ کہاں ۔ کیوں ۔ کیونکر ۔ کیسے ۔ کس طرح ۔ کیا ۔ کس لیے وغیرہ

۶ ـــــ یارب مجھ کو زمانہ مٹاتا ہے کس لیے — لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
۶ ـــــ ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے"؟ — تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟
۶ ـــــ زندگی زندہ دلی کا نام ہے — مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں
۶ ـــــ میں کیا کہوں کہ گزری ہے کیونکر تمام رات — آنکھوں ہی میں رہا دل مضطر تمام رات
۶ ـــــ تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے — آئے تھے ہم کس لیے کیا کر چلے!
۶ ـــــ کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر — پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

۸، تشبیہ اور مقابلہ ظاہر کرنے والے — جیسا ۔ جیسے ۔ جیسی ۔ ایسا ۔ ویسا ۔ جوں کا توں ۔ یوں ۔ طرح ۔ مانند ۔ ہوبہو ۔ گویا ۔ گوں ۔ آسا وغیرہ

۶ ـــــ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
۶ ـــــ ہوبہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟ — اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون؟
۶ ـــــ کوئی گلگوں قبا آیا ہوا ہے — چمن سارا جو مہکایا ہوا ہے
۶ ـــــ بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے — کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو ۔
۶ ـــــ تمہارے بال سانپ کی طرح بل کھائے ہوئے ہیں ۔
۶ ـــــ تمہارا برتاؤ مثل برادران یوسف سا ہے

۶ ـــــ مانندِ برقِ تیز، مثالِ صبا خوش
۶ ـــــ جیسا سُنا - ویسا پایا۔
۶ ـــــ مجھے یاد کیا ہوا مکالمہ جوں کا توں سُنا دیا۔

۹ **صفت کا اظہار کرنے والے** دلیرانہ، بہادرانہ، فقیرانہ، والہانہ، گستاخانہ، شاہانہ، ویرانہ، لگاتار، آہستہ، تیز۔ فوراً فی الفور۔ جلدی وغیرہ۔

۶ ـــــ وطن واپسی پر صدرِ پاکستان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔
۶ ـــــ اس کا تقریر کرنے کا انداز دلیرانہ تھا۔
۶ ـــــ فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
۶ ـــــ میرے اس حکم پر فی الفور عمل درآمد ہونا چاہیے۔
۶ ـــــ احمد بڑی شاہانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔
۶ ـــــ لگاتار محنت کرتے رہنے سے صحت جواب دے جائے گی۔
۶ ـــــ قاصد کی بے باکانہ اور گستاخانہ گفتگو سے حاضرین دربار میں غصّے کی ایک لہر دوڑ گئی۔
۶ ـــــ اس شہر کو تو ویرانہ بنایا ہوتا۔

۱۰ **مرکب اور لفظوں کی تکرار** متعلقاتِ فعل ہمیشہ ایک ہی لفظ کی شکل میں نہیں، آتے بلکہ بعض اوقات ایک سے زیادہ الفاظ سے مل کر بھی بنتے ہیں مثلاً۔ کبھی کبھی، کچھ کچھ، کہیں کہیں، آگے آگے، پیچھے پیچھے۔ بار بار۔

۶ ـــــ بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں حالت اب اضطراب کی سی ہے
۶ ـــــ کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے
۶ ـــــ چلے تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ ہم اس کے پاس جاتے ہیں مگر آہستہ آہستہ
۶ ـــــ دھیرے دھیرے چلو، مبادا تھک جاؤ۔
۶ ـــــ کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسولؐ

مطابقت

تعریف مطابقت کے لغوی ہیں مُطابق کرنا۔ موافق کرنا اور برابر کرنا۔ لیکن گرامر کی اصطلاح میں فعل کا فاعل، مفعول، ضمیر اور صفت کے مطابق درست استعمال مطابقت کہلاتا ہے۔

مطابقت کے اہم اصول و قواعد

ا۔ فعل کی مطابقت فاعل/مُبتدا سے

(۱) جب کسی جملے میں فاعل یا مبتدا ایک سے زیادہ ہوں تو فعل اس فاعل یا مبتدا کے مطابق واحد یا جمع ہوتا ہے جو جملے میں سب سے آخر میں فعل کے ساتھ آتا ہے جیسے

(۱) ایک قلم، چار دوائیں میز پر تھیں (۲) پانچ تھالیاں اور ایک گلاس ٹوٹ گیا۔

(۲) جب کسی جملے میں فاعل یا مبتدا ایک سے ہوں تو فعل اس فاعل یا مبتدا کے مطابق مذکر۔ مونث ہوتا ہے جو جملے میں سب سے آخر میں فعل کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے

(۱) گائیں اور بیل چر رہے ہیں (۲) بیل اور گائے چر رہی ہیں۔

(3) اگر جملے میں ایک سے زیادہ فاعل یا مبتدا، حرفِ عطف (و، اور، نیز) کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔ تو فعل عموماً جمع آتا ہے جیسے۔

(۱) کتاب اور قلم میز پر ہیں (۲) آپ کے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں؟ (۳) زمین و آسمان جھوم اُٹھے۔ (۴) اگر فاعل یا مبتدا، اسم جمع ہو تو فعل ہمیشہ واحد آئے گا جیسے:

(۱) مجلس برخاست ہو گئی (۲) لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔

(5) بعض اسم، جمع ہونے کے باوجود واحد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے بعد فعل جمع آتا ہے جیسے: آپ کے مزاج کیسے ہیں؟

(6) بعض اسم جمع ہوتے کے باوجود واحد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے بعد فعل بھی واحد آتا ہے۔ جیسے میں نے آپ کا سارا احوال سن لیا۔

(7) جب کسی جملے میں بہت سے فاعل یا مبتدا، آئیں اور ان کے آخر میں "سب کچھ" آئے تو فعل واحد اور مذکر ہو گا جیسے:

ان کی دوکانیں، مکانات اور زیورات سب کچھ فروخت ہو گیا۔

(8) جب کسی جملے میں "جو کچھ، جو کوئی، ہر" بطور مبتدا آئے تو فعل واحد آتا ہے جیسے:

جو کچھ میں نے دیکھا۔ جو کوئی محنت کرتا ہے، ہر آدمی اپنا فائدہ سوچتا ہے۔

ب۔ فعل کی مطابقت مفعول یا خبر کے ساتھ

(۱) جب جملے میں ایک سے زیادہ مفعول یا خبر ہوں تو فعل آخری مفعول یا خبر کے مطابق واحد یا جمع ہوتا ہے جیسے:

(۱) میں نے چار پنسلیں اور ایک پیمانہ خریدا (۲) میں نے ایک پیمانہ اور چار قلم خریدے۔

(2) جب جملے میں ایک سے زیادہ مفعول ہوں تو فعل آخری مفعول کے مطابق مذکر یا مونث آتا ہے۔ جیسے:

(۱) انھوں نے مکان اور دکانیں فروخت کر دیں (۲) انھوں نے دکانیں اور مکانات فروخت کر دیے۔

(3) فعل متعدی کی صورت میں جب مفعول کے ساتھ "کو" علامت مفعول موجود ہو تو فعل کا صیغہ ہمیشہ واحد مذکر آتا ہے جیسے:

تم نے کتابوں کو کہاں رکھا تھا؟

(4) اگر "کو" کی علامت موجود نہ ہو تو پھر فعل کا صیغہ مفعول کے مطابق مذکر، مونث یا واحد جمع ہوگا۔ جیسے:

تم نے کتابیں کہاں رکھی تھیں؟

(5) فعل متعدی کی صورت میں جب فعل میں مصدر بھی موجود ہو تو مونث مفعول یا خبر کے لیے مصدر مذکر اور مونث دونوں طرح صحیح ہے۔ جیسے:

(۱) ہم پر یہ مصیبت بھی آنی تھی (۲) ہم پر یہ مصیبت بھی آنا تھی۔

ج۔ فعل کی مطابقت ضمیر کے ساتھ

۱۔ ضمیر جمع متکلم کی صورت میں مذکر اور مونث کے لیے فعل کی یکساں صورت رہتی ہے جیسے۔

(۱) عورتوں نے کہا ہم آتے ہیں (۲) مردوں نے کہا ہم آتے ہیں:

2۔ "تم" اور "آپ" کے لیے فعل کی صورت مختلف ہیں جیسے:

تم جاؤ۔ آپ نہ آئیں۔

یہاں "آپ نہ جاؤ" کہنا غلط ہے۔

3۔ جب جملے کے شروع میں دو یا دو سے زیادہ ضمیریں ہوں اور وہ الگ الگ قسموں کی ہوں یعنی ان میں سے کوئی غائب ہو۔ کوئی حاضر اور کوئی متکلم تو فعل ہر حال میں جمع آئے گا جیسے:

ا۔ میں اور وہ مل کر جائیں گے (۲) آپ اور وہ کہاں تھے؟

د۔ فعل کی مطابقت صفت کیساتھ

(۱) صفت جب جمع اسم کے ساتھ آئے گی اور اس میں "کو" موجود نہ ہو تو صفت جمع ہو جاتی ہے اور فعل بھی جمع ہو جاتا ہے۔ جیسے:

اسلم نے کپڑے گندے کر لیے ہیں۔

۲ اگر "کو" موجود ہو تو صفت واحد آئے گی اور فعل بھی واحد آئے گا جیسے:

اسلم نے کپڑوں کو گندہ کر لیا ہے۔

۳۔ صفت جب مونث اسم کے ساتھ آئے گی اور اس میں "کو" موجود نہ ہو تو فعل مونث ہوگا ورنہ مذکر جیسے:

۱۔ ابرار نے دیوار خراب کر دی۔ ۲۔ ابرار نے دیوار کو خراب کر دیا۔

۴۔ مونث کی صورت میں موصوف خواہ واحد ہو یا جمع، صفت ہمیشہ واحد آتی ہے۔ مگر فعل اپنے موصوف کے لحاظ سے واحد، جمع ہو جاتا ہے۔ جیسے:

(۱) دیوار اونچی ہے۔ (۲) دیواریں اونچی ہیں۔

۵۔ مذکر کی صورت میں موصوف جمع بھی آتا ہے اور فعل اس کے مطابق جمع ہو جاتا ہے۔ جیسے:

(۱) درخت اونچا ہے (۲) درخت اونچے ہیں۔

"نے" اور "کو" کا صحیح استعمال

"نے" (علامت فاعل) کا استعمال

۱۔ "نے" بنیادی طور پر علامت فاعل ہے اور اسے متعدی افعال میں فاعل کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے:

۱۔ اختر نے کتاب پڑھی ۲۔ اکبر نے خط لکھا ۳۔ صفیہ نے کھانا کھایا۔

۲۔ متعدی افعال کی صورت میں "نے" کی علامت صرف ماضی مطلق۔ ماضی قریب، ماضی بعید اور ماضی شکیہ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ ماضی استمراری اور ماضی تمنائی کے ساتھ استعمال نہیں ہوتی جیسے:

اس نے پڑھا۔ اس نے پڑھا ہے۔ اس نے پڑھا تھا۔ اس نے پڑھا ہوگا۔ درست ہے لیکن اس نے پڑھتا تھا۔ اس نے پڑھتا۔ درست نہیں ہے۔ یہاں "اس نے" کی بجائے "وہ پڑھتا تھا" "وہ پڑھتا" کہا جائے گا۔ یہی اصول فعل مضارع، فعل حال، فعل مستقبل اور امر و نہی کے بارے میں یعنی اس نے کھائے۔ اس نے کھاتا ہے۔ اس نے کھائے گا تو نے کھا۔ تو نے نہ کھا۔ غلط ہے۔ اس کی بجائے "وہ کھائے، وہ کھاتا ہے وہ کھائے گا تو کھا۔ تو نہ کھا صحیح ہے۔

۳۔ لازم افعال کے ساتھ "نے" کی علامت استعمال نہیں ہوتی مثلاً" اختر ہنسا۔ اکبر آیا۔ سعیدہ بیٹھی۔ نجمہ روئی"، کو اختر نے ہنسا۔ اکبر نے آیا۔ سعیدہ نے بیٹھی اور نجمہ نے روئی، نہیں کہہ سکتے۔

۴۔ اردو میں چند افعال لازم ایسے بھی ہیں جن کے ساتھ "نے" لایا جاتا ہے۔ لیکن ان کی مثالیں بہت کم ہیں۔ مثال کے طور پر "تھوکنا" اور "موتنا" لازم مصادر ہیں۔ لیکن ان سے بننے والے افعال کے ساتھ "نے" آئے گا جیسے ...... اکبر نے تھوکا۔ بچے نے موتا۔

۵۔ بعض افعال ایسے بھی ہیں۔ جو اگرچہ متعدی ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ "نے" نہیں آتا مثلاً لانا، بخشنا، بھولنا، شرمانا، بولنا وغیرہ جیسے اکرم کھانا لایا۔ تم مجھ سے خواہ مخواہ بگڑے۔ میں آپ کو نہیں بھولا۔ تو کیوں شرمایا۔ انور بولا۔ لیکن بولنا کے ساتھ جب کوئی لفظ مفعول کے طور پر آتا ہے۔ تو "نے" لگاتے ہیں جیسے: انور نے جھوٹ بولا۔ تو نے بڑا بول بولا ہے۔

۶۔ "چاہنا"، مصدر سے بننے والے افعال کے ساتھ "نے" آتا ہے جیسے اس نے چاہا۔ تم نے چاہا۔ ہم نے چاہا۔ لیکن دل، طبیعت، جی کے ساتھ اگر "چاہا" استعمال ہو تو "نے" نہیں لگاتے جیسے: جب جی چاہا جب دل چاہا۔ جب طبیعت چاہی۔

۷۔ مجھ اور تجھ اگرچہ ضمیر کی مفعولی حالتیں ہیں اور مفعول کے ساتھ "نے" نہیں آتا۔ لیکن جب مجھ اور تجھ کے ساتھ کوئی صفت بھی ہو تو "نے" استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

مجھ بدنصیب نے یہ دن بھی دیکھا۔ تجھ نالائق نے ایسی حرکت کیوں کی؟ تجھ احمق نے سارا کھیل بگاڑا۔ مجھ خاکسار نے کیا قصور کیا تھا؟

۸۔ فاعل اور ضمیر فاعلی جب مصدر کے ساتھ آتی ہے تو "نے" کا استعمال نہیں ہوتا۔ فاعل کی صورت میں "کو" ساتھ لاتے ہیں اور ضمیر فاعلی، مفعول کی شکل اختیار کر لیتی ہے جیسے:

"کلیم نے آج جانا تھا" کے بجائے "کلیم کو آج جانا تھا" میں نے گھر جانا تھا" کے بجائے "مجھے گھر جانا تھا، تم نے کیا لینا ہے" کی بجائے "تمہیں کیا لینا ہے"۔ تو نے یہاں بیٹھا۔ تم نے وہاں نہ جانا، کے بجائے تو یہاں بیٹھنا۔ تم وہاں نہ جانا، صحیح ہے۔ اس قاعدے میں ضمیر فاعلی یوں بدل جائے گی۔ اس نے (اُسے) انہوں نے (انہیں، تو نے (تجھے) تم نے (تمہیں) میں نے (مجھے) ہم نے (ہمیں)

۹۔ "نے" کے استعمال میں ایک اور غلطی بھی عام طور پر کی جاتی ہے مثلاً۔۔۔ "یہ مضمون میں نے پڑھا ہوا ہے"۔ "یہ میزیں ہم نے خریدی ہوئی ہیں"۔ "یہ بات میں نے سنی ہوئی ہے" "یہ بازو میں نے آزمائے ہوئے ہیں۔

ان فقروں میں صحیح صورت یہ ہو گی۔

یہ مضمون میرا پڑھا ہوا ہے (میں پڑھ چکا ہوں) یہ بات میری سنی ہوئی ہے (میں سن چکا ہوں) یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔ (میں آزما چکا ہوں) یہ میزیں ہماری خریدی ہوئی ہیں (ہم خرید چکے ہیں)

"کو" (علامتِ مفعول) کا استعمال

۱۔ "کو" علامتِ مفعول ہے اور اسے متعدی افعال میں مفعول کے ساتھ لایا جاتا ہے۔ جیسے حیدر نے اسلم کو کھانا کھلایا۔ شوکت نے اسلم کو مارا۔ بلی نے چوہے کو پکڑا۔

۲۔ اگر مفعول غیر ذی عقل ہو یا کوئی بے جان چیز ہو تو اس کے ساتھ "کو" علامتِ مفعول عموماً

استعمال نہیں ہوتی جیسے ...... میں نے انگریزی پڑھی ۔ سعید نے کھانا کھایا۔ اکبر نے اختر کا ہاتھ تھام لیا۔

مندرجہ ذیل مثالوں سے اس نکتے کی حقیقت بخوبی واضح ہوگی۔

ہم نے اسد کو دیکھا۔ ہم نے کھیل دیکھا۔ اکبر نے شوکت کو مارا۔ خاور نے سانپ مارا۔ میں ریاض کو جانتا ہوں۔ میں ریاضی جانتا ہوں۔ انھوں نے نوکر کو پیٹا۔ انھوں نے ڈھنڈورا پیٹا۔

(۳) محاورات میں جہاں مفعول مصدر کے ساتھ آتا ہے "کو" استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً۔ کمر باندھنا جان دینا۔ کان کھولنا۔ تارے گننا۔ منہ چڑانا۔ ہمت ہارنا وغیرہ۔ اگر یہاں کمر کو باندھنا۔ جان کو دینا۔ کان کو کھولنا۔ لکھیں گے تو غلط ہوگا۔

(۴) بعض اوقات علامتِ مفعول "کو" کی بجائے "سے" اور "کے" استعمال ہوتی ہے جیسے ...... میں نے اسلم سے کہا۔ اس نے آپ کو کیا پوچھا۔ اکرم نے خالد کو تھپیڑ مارا، صحیح نہیں اور خلافِ فصاحت ہے۔

(۵) فعل مجہول کے مفعول (مفعول مالم یسم فاعلہ) کے ساتھ "کو" نہیں لانا چاہئیے۔ جیسے ۔ دروازے کو بند کیا گیا، کی بجائے دروازہ بند کیا گیا۔ درست ہے البتہ یہ مفعول انسان ہو تو پھر "کو" لانا چاہیئے جیسے اختر کو بلایا گیا۔ اکبر کو بھیجا گیا۔

رموزِ اوقاف

رموز، رمز کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اشارات اور اوقاف، وقف کی جمع ہے جس کا مطلب ہے ٹھہراؤ۔ لیکن اصطلاح میں اوقاف (PUNCTUATION) سے مراد وہ علامات ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علیحدہ کریں۔

ان علامات کے استعمال سے قاری کو عبارت کے پڑھنے اور سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے یہ علامات نہ ہوں تو پڑھنے کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ تفہیم مطالب کے لیے بلاوجہ رکنا پڑتا ہے اور نگاہ بار بار سابقہ سطور کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اس کے برعکس علامات کا استعمال نظر کو سکون بخشتا ہے اور ذہن کو آسودگی میسر آتی ہے۔

اس لیے لازم ہے کہ ہم اردو لکھتے وقت خواہ وہ مکتوب ہو یا مضمون، ان اوقاف کے استعمال سے غفلت نہ برتیں۔

علامات وقف

علامات (اردو میں)	اردو نام	انگریزی نام	علامات (انگریزی میں)
-	ختمہ	FULLSTOP	.
،	سکتہ	COMMA	,
؛	وقفہ	SEMI COLON	;
:	رابطہ	COLON	:
:-	تفصیلیہ	COLONANDDASH	:-
؟	سوالیہ	MORK OF EXClamation	?
!	فجائیہ، ندائیہ	BroHets	!
[()]	قوسین	DoDh	[()]
-	خط	InVrIcd commas	-
دو "	واوین	OLLLi Vue	" "
/	خط فاصل		/

علامات وقف کی وضاحت

ختمہ (-) (۱) یہ ننھا سا خط کسی جملے کے خاتمے کی علامت ہے یوں سمجھئے کہ ختمہ ایک جملے کو دوسرے جملے سے جدا کرتا ہے مثلاً

- ــــــ صدرِ محترم شام کو قوم سے خطاب فرمائیں گے ۔
- ــــــ ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل اور تعمیر میں تعلیم کا بڑا ہاتھ ہے ۔
- ــــــ آنکھیں بڑی نعمت ہیں ۔

(۲) یہ علامت مخففات کے بعد بھی لگائی جاتی ہے اور یہاں اس کا استعمال اس لیے ضروری ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حرف کس لفظ کا مخفف ہے مثلاً۔

بی۔اے (B-A) ایم۔اے (M-A) پی۔ای۔ایس (P-E-S) ج۔س۔م۔ف۔ (جواب سے مطلع فرمائیں) ج۔م۔م (جدیدی محکمہ محاسبی)

(۳) اسی طرح بعض لوگ پورا نام لکھنے کی بجائے اپنے نام کے ایک جزو کو مختصر کر کے لکھتے ہیں۔ مثلاً

ن.م. راشد ، ا۔ د۔ نسیم۔

ایسے اسماء کے مختلف اجزاء کے بعد ختمہ لگانا لازم ہے۔

(۴) کاروباری۔ سرکاری یا نیم سرکاری خط و کتابت میں مراسلہ کے نمبر میں اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً۔

بحوالہ آپ کا مراسلہ نمبر ۴۴-۳-۵ وغیرہ۔

سکتہ ، یہ سب سے چھوٹا وقفہ ہے۔ جو فقرے کے اندر ٹھہراؤ کے لیے لگایا جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) ایسے الفاظ و محاورات کے درمیان جو حروف عطف کے ذریعے مربوط نہ ہوں۔ جیسے

● پنجاب ، سندھ ، بلوچستان اور سرحد پاکستان کے صوبے ہیں۔

● ——— آتش ، باد ، آب اور خاک عناصر ہیں۔

(۲) مخاطب کو خطاب سے ممیز کرنے کے لیے جیسے:

● ——— دوستو، میری بات سنو ——— اللہ کے بندو ، میری طرف دیکھو!

(۳) نفی ، تاکید اور تنبیہ کے لیے ، جیسے

● ——— خیر، کوئی بات نہیں ، اچھا ، میں ابھی آیا۔

● ——— نہیں ، میں نہیں جا سکتا۔

(۴) الفاظ کے ہر گروہ کے بعد یا فقرے کے تشریحی اجزاء کے بعد جیسے

● ——— امجد ایک شریف ، ذہین ، فرمانبردار اور ہوشیار طالب علم ہے۔

● ——— مجلس اردو کا سالانہ مشاعرہ بیک وقت کراچی ، لاہور ، راولپنڈی اور پشاور کے ریڈیو سٹیشنوں سے نشر کیا جائے گا۔

(۵) عبارت اور خصوصاً شعر کی تعقید دور کرنے کے لیے جیسے:

ع ڈالی ، گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ۔

ع طاعت میں تا ، رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ

(۶) جب مبتدا اور خبر کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو تو سکتہ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ جیسے:

● ——— مسدس ، حالی کی سب سے شہرہ آفاق تصنیف ہے۔

● ——— نذیر احمد ، ابن الوقت کے مصنف ہیں۔

(۷) ایسے الفاظ کے درمیان سکتہ استعمال ہوتا ہے جو مترادف یا آپس میں بدل ہوں جیسے:

● ——— جہانگیر ، ابن اکبر ، شاہنشاہ برصغیر پاک و ہند اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

• ____ قائداعظم، بانی پاکستان، بہت بڑے سیاستدان تھے۔

۸۔ جب جملے میں فعل کے بعد "کر" "یا" "کے" محذوف ہو تو اس کے بعد سکتہ کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

• ____ خالد منہ ہاتھ دھو، بستہ بغل میں دبا، سکول کو چل دیا۔

• ____ آئینہ دیکھ، اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

(۹) شرطیہ جملوں اور جزا یا صلہ و موصول کے درمیان سکتہ کی علامت آتی ہے۔ جیسے:

• ____ اگر تم محنت کرتے، تو امتحان میں کامیاب ہو جاتے۔

• ____ چور نے چوری کی، اس لیے سزا پائی۔

(۱۰) چھوٹے جملوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لیے، جیسے:

• ____ کھیلنے کے وقت کھیلو، پڑھنے کے وقت پڑھو۔

• ____ میں پانچ بجے سو کر اٹھا، وضو کیا، نماز ادا کی، سیر کر کے آیا، ناشتہ کیا اور کالج چلا گیا۔

وقفہ (؛) یہ علامت اس جگہ آئی ہے جہاں "سکتے" سے زیادہ ٹھہرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے استعمال کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) جب ایک جملے میں کئی چھوٹے چھوٹے جملے آئیں جیسے:

"اس دور میں، جب ہر طرف افراتفری کا عالم ہے؛ جب رشوت اور بدعنوانی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے؛ جب حق و صداقت کی تمام قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ جب عدل و انصاف عنقا ہو چکا ہے؛ جب مہر و مروت کا نام تک نہیں رہا؛ ایسے میں انجم سے دوست کا دم غنیمت ہے۔"

(۲) جب کسی جملے کے مختلف اجزاء پر زور دینا مقصود ہو جیسے:

"تم روئے اور ہمارا دل بے چین ہوا؛ تمہاری انگلی دکھی تو ہمارے دل پر چوٹ لگی؛ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ہم بیٹھے؛ سینے سے لگایا، چمکارا، لوریاں سنائیں؛ غرض کہ جان، مال، آرام سب کچھ تمہارے لیے تج دیا؛ کیا اس کا یہی صلہ ہے؟"

(۳) طویل جملوں کے بڑے بڑے اجزاء کے درمیان رابطہ قائم رکھنے کے لیے "ورنہ" "اس لیے لہٰذا، اگرچہ، چہ جائیکہ، درآں حالیکہ، بشرطیکہ، لیکن" اور اسی قسم کے دیگر الفاظ آتے ہیں یہاں بات کو سمجھنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے رکنا پڑتا ہے۔ اس لیے وقفہ کی علامت استعمال ہوتی ہے۔ جیسے:

"میرا اور اسلم کا لاہور جانے کا پروگرام تھا؛ لیکن اچانک اسلم کی طبیعت بہت زیادہ

خراب ہوگئی؛ لہٰذا ہم لاہور نہ جا سکے؛ اب ہم پرسوں لاہور جائیں گے؛ بشرطیکہ اسلم صحت یاب ہو جائے؛ اگرچہ اس کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔"

(۴) جملے کے ایسے حصوں کے درمیان علامت وقفہ لائی جاتی ہے جو الگ الگ حیثیت رکھتے ہوں، جیسے:

"مولانا حالی کی یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، مقدمہ شعر و شاعری؛ مولوی نذیر احمد کی مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح؛ مولانا شبلی کی الفاروق، سوانح مولانا روم، سیرۃ النبی اور موازنہ انیس و دبیر؛ اردو ادب کی بلند پایہ تصانیف ہیں۔"

رابطہ (:) یہ علامت وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ ظاہر کرنے کے لیے آتی ہے۔ اس کے استعمال کا کوئی سخت قاعدہ نہیں ہے۔

(۱) عام طور پر کسی جملے میں کسی چیز کا شمار مقصود ہو، جیسے:

انٹرمیڈیٹ کے لیے چار مضامین لازمی قرار دیئے گئے ہیں: اردو، انگریزی، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان۔

(۲) کسی مشہور آدمی کا قول نقل کرنا ہو تو اس شخص کے بعد رابطے کی علامت آئے گی جیسے:

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا: "کام، کام اور کام۔"

(۳) پہلے جملے کی وضاحت کے لیے، جیسے:

یاد رکھو! جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔

؎ کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔

تفصیلیہ (:-) کسی بات کی تفصیل بیان کرتے وقت اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱) حسبِ ذیل، مندرجہ ذیل وغیرہ کے بعد یہ علامت لگائی جاتی ہے مثلاً

- ـــــ صبح کی سیر کے مندرجہ ذیل فائدے ہیں
- ـــــ درج ذیل ادویات استعمال کریں۔

(۲) کسی بزرگ یا دانا کا قول پیش کرتے وقت، جیسے:

- ـــــ قائدِ اعظمؒ فرماتے ہیں:- "......" ● ـــــ سقراط حکیم کا قول ہے:- "......"

(۳) اشیاء کی فہرست گنوانے وقت، جیسے:-

- ـــــ گجرات کی مشہور صنعتیں یہ ہیں:-
- ـــــ پاکستان کے بڑے بڑے دریا یہ ہیں:-

سوالیہ (؟) (۱) یہ علامت ہر سوالیہ جملے کے آخر پر لگائی جاتی ہے۔ جیسے:

● آپ کو کونسا رنگ پسند ہے ؟ ● کب آؤ گے ؟

(۲) بعض اوقات یہی علامت ایک سادہ جملے کو سوالیہ جملے میں تبدیل کر دیتی ہے جیسے :

● یہ آئس کریم آپ نے کھائی ؟ ● آپ نے کھانا کھالیا ہے ؟

ان جملوں میں لفظ "کیا" غائب ہے اور اگر یہاں سے سوالیہ علامت بھی غائب ہو جائے تو جملے کا مفہوم بدل جائے گا۔

(۳) قابلِ تشریح اور تحقیق طلب کلمات کے سامنے یہ علامت لگائی جاتی ہے جیسے :

● عوج بن عنق (؟) سمندر کی مچھلیاں بھون کر کھایا کرتا تھا۔

● عنقا (؟) اتنا بڑا پرندہ تھا کہ بڑے بڑے جانور اٹھائے جاتا تھا۔

ان جملوں میں عوج بن عنق اور عنقا تحقیق طلب ہیں اس لیے ان کے آگے یہ علامت لگائی گئی ہے۔

ندائیہ / فجائیہ (!)

یہ علامت اس جملے یا لفظ کے آگے لگائی جاتی ہے جس سے کوئی جذبہ مثلاً حیرت، غصہ نفرت یا خوف ظاہر ہوتا ہو۔ اس صورت میں اسے فجائیہ کہتے ہیں جیسے :

● ـــــ توبہ ! کس شدت کی گرمی ہے ● ـــــ اوہ ! میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے

● ـــــ اوہو ! کتنا اونچا مینار ہے ● ـــــ اوئی اللہ ! اتنا دہشت ناک سانپ

● ـــــ تف ہے تم پر ! میرے منہ نہ لگو۔

اور اگر کسی کو پکارنا یا خطاب کرنا ہو تو یہی علامت ندائیہ کہلاتی ہے جیسے :

● ـــــ معزز حضرات ● ـــــ سامعین کرام ! ● ـــــ خداوند : اپنی مخلوق پر رحم فرما۔

قوسین [()]

(۱) یہ جملہ معترضہ دوسرے جملوں سے الگ کرنے کے لیے آتی ہے جیسے :

● حضرت قائد اعظمؒ (خدا ان پر رحمت کرے) پاکستان کے بانی تھے۔

● ۔ اسلم صاحب (جن کے چھوٹے بھائی اکرم آپ کے ہم جماعت تھے) کل شام کی گاڑی سے ہمارے ہاں پہنچ رہے ہیں۔

قوسین کی یہ قسم ( ) قوسین صغیر کہلاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قسم قوسین کبیر [ ] بھی ہے یہ اس وقت لگاتے ہیں جب ایک بہت لمبی کئی سطر کی عبارت کی طرف خصوصی توجہ دلانا ہو۔ مگر اس کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ البتہ ریاضی کے سوالات میں یہ خاصی مستعمل ہے۔

(۲) جملے کے درمیان توضیحی کلمات کا اضافہ کرنے کے لیے اور عبارت یا جملے کے آخر میں ماخذ

کا حوالہ دینے کے لیے بھی قوسین کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ٭ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب!! ٭ کس طرف سے آ گئے، کدھر چلے!! (درد)

(۳) تحریر میں کسی اردو لفظ انگریزی یا کسی اور زبان کا متبادل لفظ لکھنا مقصود ہو تو اسے قوسین میں لکھا جائے گا۔ جیسے:

- افرادی قوت (MANPOWER) کو بالکل ضائع کیا جا رہا ہے۔
- جمہوریت (DAMOCRACY) ایک طرزِ حکومت ہے۔

خط (–)

(۱) یہ علامت بھی قریب قریب قوسین ہی کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ یعنی جملہ معترضہ کو باقی عبارت سے جدا کرنے کے لیے۔ جیسے:

- یہ مکان — جس میں ہم رہتے ہیں — کمرے لائے کا ہے۔
- سارے کا سارا خاندان — عمران سے اختلاف رکھتا تھا — نہ معلوم اس نے یہاں شادی کیوں کی۔

(۲) جب کسی لفظ کی تشریح کے لیے بہت سے الفاظ لکھے جائیں تو ان تشریحی الفاظ کے شروع میں اور آخر میں نشان خط لگاتے ہیں۔ جیسے:

- گھر کے افراد — چھوٹے بڑے، مرد عورت، میزبان مہمان — سب مِلا کر پندرہ تھے۔
- پنجاب کے سب دریا — راوی، ستلج، چناب، جہلم، سندھ — سارا سال نہیں بہتے

(۳) جملے میں اچانک تبدیلی کے موقع پر اس علامت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے:

- میں پہلے آنا چاہتا تھا — مگر قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟
- کاش! میں نے ایسا نہ کیا ہوتا — لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟

(۴) گذشتہ باتوں کو اکٹھا کرنے کے لیے جیسے:

- امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ، پیر و جواں — سبھی نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔
- اچھا موسم، وافر پانی، ذرخیز مٹی — سب ہی اچھی فصل کے لیے ضروری ہیں۔

واوین (” “)

(۱) کسی قول کی یا اقتباس کی ابتدا اور آخر میں اس علامت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ واوین میں لکھی ہوئی عبارت ان الفاظ میں ہے جو عبارت میں نقل ہے جیسے:

- الطاف حسین حالی ایک مضمون میں لکھتے ہیں "بھیک مانگنے کی جس قدر مذمت اسلام میں کی گئی ہے۔ شاید ہی کسی مذہب میں اس کی اس قدر برائی کی گئی ہو"

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا۔ "محنت میں عظمت ہے"

۲) ظریفانہ اور طنز:- یہ خطابات و القابات کو واوین میں لکھا جاتا ہے جیسے :

- یہ ہیں ہماری جماعت کے "ذہین ترین" طالب علم۔
- بے چارہ ایم۔ کے سہگل "غریب" آدمی ہے۔ بیسیوں مربع اراضی کا مالک ہے۔

خطِ فاصل (/)

یہ خط ترچھی لکیر کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ اس کا استعمال حسبِ ذیل مواقع پر کیا جاتا ہے۔

۱۔ دفتری مراسلات کے حوالہ نمبر میں عموماً سال کے عدد اور مراعات نمبر میں فرق واضح کرنے کے لیے مثلاً :

نمبر ۶۸۵ - ج - ۷۔۵۳۵/۴۹ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۹ء

نمبر ن میں ۵۸۶/۸۸/۸۴۳۷ جریدہ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء

(۲) دفتری مراسلات میں عمومی صیغہ (جنرل ہیڈ) سے امتیاز کے لیے :

نمبر ۴۵۹ - عمومی / ۱۸ - ز - ۳ (ز)

غ س - نمبر ۸۷۱۴/۸۸ / علم - لاہور مورخہ ۹ مئی ۱۹۸۸ء

(۳) مختلف قسم کے بیانات، سندات اور فارموں کے اندراجات میں متبادل اسما اور افعال کے درمیان خطِ فاصل لکھا جاتا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ مسمی / مسماۃ ...... بن / بنت ......

میں / ہم ..... اقرار کرتا ہوں / کرتے ہیں کہ ....

(۴) ماہ اپریل اگست اور اکتوبر سے قبل تاریخ لکھ کر خطِ فاصل لگایا جاتا ہے تاکہ پڑھنے میں غلطی واقع نہ ہو۔ جیسے :

۲/ اکتوبر ، ۱۴/ اگست ، ۹/ اپریل۔

روزمرّہ اور مُحاورہ

تعریف

محاورہ لغت میں بات چیت کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کے اس مرکب کو کہتے ہیں جسے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہو اور اہلِ زبان کی بول چال سے مطابق ہو مثلاً ___ آسمان سے باتیں کرنا (بہت اونچا ہونا) زبان دینا (وعدہ کرنا) چال بچھانا (دھوکہ دینا) وغیرہ محاورات ہیں کیونکہ ان میں الفاظ اصل معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

اسی طرح قسم کھانا، دھوکہ کھانا، ٹھوکر کھانا، محاورے ہیں۔ لیکن روٹی کھانا، دوا کھانا وغیرہ محاورے نہیں ہیں کیونکہ ان میں کھانا اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

محاورہ کی شرائط

پس محاورے کے لیے ضروری ہے کہ

- اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہو۔ مثلاً "تین پانچ کرنا" (جھگڑا کرنا) محاورہ ہے اس کی بجائے ہم "تین چار کرنا" نہیں کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اہلِ زبان اس طرح نہیں بولتے۔
- دو یا دو سے زائد الفاظ کا مرکب ہو۔
- قواعد کے خلاف نہ ہو۔
- محاورے میں مصدر کے تمام مشتقات استعمال ہو سکتے ہیں۔ لیکن اصل محاورہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً "ہاتھوں کے طوطے اڑ جانا" (حیران اور خوف زدہ ہو جانا) جب کسی جملے میں استعمال ہوگا تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے۔

"میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے"

"تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے" لیکن اگر "ہاتھوں" کی بجائے "ہاتھ" اور "طوطے" کی جگہ "طوطیاں" اور "طوطا" وغیرہ استعمال ہوگا تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ اہلِ زبان اس طرح نہیں بولتے۔ محاورہ خصوصاً، زبان اور شعر کا زیور ہے اگر سلیقے سے باندھا جائے تو نظم ونثر کا درجہ بہت بلند ہو جاتا ہے ؎

صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا　　آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک　　ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی　　تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

روزمرّہ

تعریف

روزمرہ اہلِ زبان کی بول چال کا نام ہے۔ مولانا شبلی نے اس کی تعریف یوں کی ہے ــــ "جو الفاظ اور جو خاص ترکیبیں اہلِ زبان کی بول چال میں زیادہ مستعمل اور متداول ہوتی ہیں ان کو روزمرہ کہتے ہیں۔

روزمرّہ کی شرائط

روزمرہ میں اہل زبان کی تقلید کی جاتی ہے۔ زبان کے سب بولنے والوں کی زبان کو روزمرہ کی حیثیت حاصل نہیں۔ دلی اور لکھنؤ کی زبان کو سند سمجھا جاتا ہے، روزمرہ میں الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے

ہیں مثلاً ـــــ پان سات، آئے دن، روز بروز وغیرہ۔

پان سات کی بجائے چھ آٹھ، آئے دن کی جگہ، آئے روز اور روز بروز کی جگہ دن بدن نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اہلِ زبان اس طرح نہیں بولتے۔

روزمرہ فصاحت کے لیے ضروری ہے۔ بعض اوقات کلام قواعد کی رو سے بالکل صحیح ہوتا ہے۔ مگر روزمرہ کی رو سے غلط مثلاً ـــــ "اس کی چشم میں درد ہے"۔ قواعد کی رو سے درست ہے لیکن روزمرہ کے مطابق "چشم کی بجائے" "آنکھ" آنا چاہیئے۔

محاورے اور روزمرہ میں فرق

۱- روزمرہ کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں بولے جاتے ہیں۔ مگر محاورے میں الفاظ کے حقیقی معنی لینا غلط ہوگا۔ وہ ہمیشہ مجازی معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

(۲) ایک محاورے میں کم از کم دو لفظ ہونے ضروری ہیں۔ لیکن روزمرہ ایک لفظ کا بھی ہو سکتا ہے

(۳) محاورہ قواعد کی حدود میں آتا ہے مگر روزمرہ قواعد سے بالاتر ہوتا ہے کیونکہ اہلِ زبان کی بول چال کے بے شمار طریقے ہوتے ہیں اور ہر طریقہ روزمرہ کی تعریف میں آتا ہے۔

(۴) محاورے میں خصوصیت پائی جاتی ہے جبکہ روزمرہ میں عمومیت پائی جاتی ہے۔

(۵) ہر محاورہ روزمرہ ہوتا ہے مگر ہر روزمرہ محاورہ نہیں ہوتا۔

(۶) روزمرہ کا استعمال کلام نظم و نثر میں فصاحت پیدا کرتا ہے۔ جبکہ محاورے کا زیادہ اور بے سلیقہ استعمال کلام کو بوجھل بنا دیتا ہے۔

(۷) محاورے میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں لیکن روزمرہ اہلِ زبان کو بول چال کے مطابق چلتا ہے

محاورات کے معنی اور استعمال

محاورہ	معنی	استعمال
	الف ممدودہ	
آب آب ہونا	شرمندہ ہونا	مقبول چوہدری کے الزام میں پکڑا گیا۔ اسے ہتھکڑی لگا کر جوالات میں لے جا رہے تھے کہ اس کا دوست محمود ملا، محمود کو دیکھ کر مقبول آب آب ہو گیا۔
〃	〃	
〃	〃	
آبدیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو آجانا	ڈاکٹر نے آبدیدہ ہو کر کہا اب دعا کرو۔ دوا نے کوئی کام نہیں کیا
آبرو پر پانی پھر جانا	بے عزت ہونا	حمید نے اپنی بدکرداریوں سے باپ دادا کی آبرو پر پانی پھیر دیا

محاورہ	معنی	استعمال
	الف ممدودہ	
آبرو خاک میں ملانا	عزت برباد کرنا	انور متواتر تین چار بار فیل ہوا۔ اس نے اپنی اور اپنے خاندان کی "آبرو خاک میں ملادی"۔
آبرو میں بٹہ لگانا	عزت میں فرق آنا	نسیم نے اپنی بدچلنی سے خاندان کی "آبرو میں بٹہ لگادیا"
آپا دھاپی پڑنا	اپنے ہی مطلب کی فکر ہونا	انقلاب ۱۹۴۷ء میں جب سکھوں نے گاؤں پر حملہ کیا تو "سب کو آپا دھاپی پڑ گئی"۔
آپے سے باہر ہونا	ہوش و حواس میں نہ رہنا غصے کو ضبط نہ کر سکنا	باپ بیٹے کی بے جا حرکتوں کے باعث آپے سے باہر ہو گیا اس نے اسے یہاں تک مارا کہ بیٹے کو غش آگیا۔
آتش کا پرکالا	بہت فسادی اور شریر	مقصود سے سارا کوچہ تنگ آچکا ہے، عجیب "آتش کا پرکالا" ہے کہ ہر وقت شرارت اور فساد پر آمادہ ہے۔
آٹے کے ساتھ گھن پسنا	گنہگار کے ساتھ بے گناہ کا مارا جانا۔	شرارت تو چند آدمیوں کی تھی۔ لیکن بہت سے بے گناہ بھی دھر لیے گئے۔ آٹے کے ساتھ گھن بھی پس گیا۔
آٹھ آٹھ آنسو رونا	پھوٹ پھوٹ کر رونا	آج عبدالرحمن کی اکلوتی لڑکی فوت ہو گئی گھر والے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔
آڑے ہاتھوں لینا	شرمندہ کرنا بدھا کرنا۔	پہلے تو اس نے اپنی غلطی تسلیم ہی نہیں کی، لیکن استاد نے "ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ کوئی پیش نہ گئی"۔
آستین کا سانپ	بظاہر دوست بباطن دشمن	میں نے نذیر کی دوستی پر غلط اعتماد کیا۔ وہ تو "آستین کا سانپ نکلا"۔
آسمان ٹوٹ پڑنا	اچانک سخت مصیبت میں پھنس جانا۔	عنایت کا والد اچانک فوت ہو گیا اس پر "آسمان ٹوٹ پڑا"۔
زمین و آسمان کے قلابے ملانا	بے ہودہ مبالغہ کرنا	لطیف بہت باتونی ہے ہر بات میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہتا ہے۔
آسمان سر پر اٹھانا	بہت شور و غل کرنا	لڑکو! چپ ہو جاؤ تم نے "آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے"۔
آسمان سے باتیں کرنا	بہت بلند ہونا	ہمالیہ کی چوٹیاں "آسمان سے باتیں کرتی ہیں"۔
آفت کا پرکالا	بہت مفسد اور شریر	لڑکا کیا ہے "آفت کا پرکالا" ہے ہر وقت شرارت پر آمادہ ہے
آگ بگولا ہونا	بہت غصے میں آنا	محمود باپ کیساتھ اس گستاخی سے پیش آیا کہ وہ آگ بگولا ہو گئے۔
آنکھیں چار ہونا	نظریں ملنا	نعیم اچانک مجھے بازار میں مل گیا: "آنکھیں چار ہوئیں" تو وہ آبدیدہ ہو گیا

محاورہ	معنی	استعمال
	الف ممدودہ	
آنکھ لگنا	سونا۔ عاشق ہونا	ع آنکھ لگتی نہ اگر آنکھ لگائی ہوتی
"	"	ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ کم بخت نے جگا دیا
آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا	بے مروت اور احسان فراموش ہو جانا	سعید بڑا طوطا چشم نکلا۔ وقت آنے پر آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی
"	"	
آنکھیں چرانا	چھپنا، بے توجہی کرنا	ے کل تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے
"	"	
آنکھیں دکھانا	۱۔ ڈانٹنا ۲۔ بے مروتی کرنا ۳۔ خفا ہونا	پہلے تو بشیر خاموش رہا لیکن جب باپ نے آنکھیں دکھائیں تو سب کچھ مان گیا ے کیوں آنکھ دکھاتا ہے تیرا حلقہ گیسو ہے ہم کو اسی چشم سنائی کا رنج و غم
"	"	
آنکھ کا کاجل چرانا	چوری میں ماہر ہونا	ے سکھائی کس نے چوری چشم تر اشکوں کے لڑکوں کو ہوئے یہ چور ایسے جو آنکھ کا کاجل چرا گئے ہیں
"	"	
آنکھ میں کھٹکنا	برا معلوم ہونا ناگوار گزرنا	ے کھٹک رہی چمن کی بہار آنکھوں میں بغیر یار کے سب گل ہیں خار آنکھوں میں
"	"	
آنکھوں پر بٹھانا	بے حد عزت کرنا	پاکستانی عوام سکندر مرزا کو "آنکھوں پر بٹھانے" کو تیار تھے لیکن وہ غدار نکلا۔
"	"	
آنکھوں میں دم آنا	آنکھوں میں تھوڑی سی بینائی ہونا مرنے کے قریب ہونا	ے گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے
"	"	ے تمہاری چشم کے بیمار کا آنکھوں میں دم آنا۔ مناسب تھا اگر اس کو دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے
"	"	
آنکھوں میں خاک ڈالنا	فریب دینا	علی شیر دوکاندار نے سودا تولتے وقت میری "آنکھوں میں خاک ڈال دی۔ گھر آکر تولا۔ تو کم نکلا
"	"	
آؤ بھگت کرنا	خاطر تواضع کرنا خیر مقدم کرنا۔	ہر چند انھوں نے میری آؤ بھگت میں کوئی کمی نہ کی لیکن میرا مقصد پورا نہ ہوا۔
"		
آوازے کسنا	پھبتیاں اڑانا	میاں اپنا راستہ لو "آوازے کسنا" شرافت نہیں۔
آئینہ ہونا	روشن ہونا	میرے اصول آپ پر "آئینہ" ہو چکے ہیں۔

محاورہ	معنی	استعمال
الف مقصورہ		
اپنا سامنہ لے کر رہ جانا	لاجواب ہونا نادم ہونا	۱۔ وکیل نے دلائل دیئے تو ملزم "اپنا سامنہ لے کر رہ گیا" ۲۔ وہ دندان شکن اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔
" اپنا اُلو سیدھا کرنا	" اپنا مطلب نکالنا	آج کل لوگ اپنا "اُلو سیدھا کرتے ہیں"۔ دوسرے کا خیال نہیں کرتے۔
" اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا	" اپنا نقصان آپ کرنا	کریم نے اکرم کو راز بتا کر "اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری"۔
اپنے منہ میاں مٹھو بننا	اپنے منہ سے آپ ہی تعریف کرنا۔	تعریف وہ جو دوسرا کرے "اپنے منہ میاں مٹھو بننے" سے کیا فائدہ۔
" اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانا۔	سب سے الگ ہونا۔	۵۔ "اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد میر تو ویرانہ میں بنائے گا"!
اپنی کھال میں مست رہنا۔	جیسی حالت ہو اس میں خوش رہنا۔	۵۔ "زردار ہیں اپنی شال میں مست کنگال ہیں اپنی کھال میں مست"
" اپنے گریبان میں منہ ڈالنا	اپنے اعمال پر شرمندہ ہونا۔	۵۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال دیکھو دوسروں کی عیب جوئی کب تک!
" الٹی گنگا بہنا	غلط اور بے اصولی کا	آپ نے ایک چور کو گھر محافظ بنایا خوب "الٹی گنگا بہائی"۔
اللے تللے کرنا	فضول خرچی کرنا	یہ "اللے تللے کب تک کرو گے" آخر ایک دن بھیک مانگنا پڑے گا۔
" انگاروں پر لوٹنا	" حسد کرنا	اقبال کی ترقی سے بدخواہ "انگاروں پر لوٹ رہے ہیں" حسد بُری بلا ہے۔
" اونے پونے بیچنا	" سستے داموں بیچ دینا	غلام محمد نے اپنی گائے "اونے پونے داموں بیچ دی"۔
اوس پڑنا	بے رونق اور ناامید ہو جانا۔	صدیق بی اے سے رہ گیا خاندان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔
" اوسان خطا ہونا	ہوش جاتے رہنا	ہم چلے آ رہے تھے کہ راستے میں ایک کالا سانپ پھن اٹھائے پھنکار رہا تھا، مارے ڈر کے ہمارے "اوسان خطا ہو گئے"۔
" " اینٹ سے اینٹ بجا دینا	" " تباہ و برباد کرنا	نادر شاہ نے حملہ کر کے دہلی کی "اینٹ سے اینٹ بجا دی"۔

محاورہ	معنی	استعمال
	ب	
بات بگڑنا	عزت برباد ہونا	جب کسی خاندان کی بات بگڑ جائے تو مشکل سے اس کی عزت سنبھال ہوتی ہے۔
"	"	
بات پانا	حقیقت معلوم ہونا	"بات پائی تو تھی" لیکن اس نے ظاہر نہ کرنے کا عہد لے لیا.
بات رہ جانا	عزت رہ جانا	بڑی مشکل سے "بات رہ گئی" ورنہ بے عزتی میں کوئی کسر نہ تھی.
بات بنانا	حیلہ کرنا	ے نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنائے نہ بنے بات جہاں "بات بنائے" نہ بنے۔
"	"	
بات کھلنا	راز ظاہر ہونا	بھائی جان! خیال رکھیں "بات نہ کھلے" ورنہ ناکامی ہوگی.
بات بننا	کام بننا	واہ "بنی بنائی بات" بگاڑ دی۔ ورنہ کام بن گیا تھا۔
بات کاٹنا	کسی کی بات میں دخل دینا	کسی کی بات کاٹنا بری بات ہے۔
باچھیں کھل جانا	بہت خوش ہونا	نتیجہ نکلا میں سکول میں اول تھا۔ مارے خوشی کے "میری باچھیں کھل گئیں"۔
"	"	
بازار گرم ہونا	تجارت کا ترقی پر ہونا رونق کثرت	۱۔ آج کل بد دیانتی کا بازار گرم ہے۔ ۲۔ خوب گرمی کا گرم ہے بازار۔
بال کی کھال اتارنا	بہت جرح کرنا۔ بہت تحقیق کرنا	خلیل بڑا محقق ہے "بال کی کھال اتارتا ہے"۔
"		"
باوا آدم نرالا ہونا	دنیا سے الگ کام کرنا	اس کی کیا پوچھتے ہو اس کا تو "باوا آدم ہی نرالا ہے"۔
بٹہ لگنا	ساکھ بگڑنا	لڑکے کی بے وقوفی سے خاندان کی "ساکھ بگڑ گئی"۔
بخیہ ادھیڑنا	بھانڈا پھوڑنا حقیقت ظاہر کرنا	اب بھی سمجھ جاؤ ورنہ "بخیے ادھیڑ دوں گا"۔
"		
بخار نکالنا	دل کا غصہ یا جوش نکالنا	اگر اب بھی بخار نہ نکلا ہو تو اور مار لو۔
بدن کے رونگٹے کھڑے ہونا	ڈر کے مارے بالوں کا کھڑا ہونا	جب میں نے بندوق کے فائر کی آواز سنی تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔
"		
بغلیں بجانا	خوش ہو کر اچھلنا	نصیر آج میچ دیکھ کر آیا خوب "بغلیں بجا رہا ہے"۔
بغلیں جھانکنا	شرمندہ ہونا	جب اکرم صاحب سے وراثت کا ایک مسئلہ پوچھا تو "بغلیں جھانکنے لگے"۔
"	"	

محاورہ	معنی	استعمال
بل نکالنا ″	سیدھا کرنا ″	ے اقبال تیرے عشق نے سب بل نکال دیئے مدت سے یہ آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی
بول بالا ہونا ″	ترقی کرنا۔ شہرت ہونا جیت ہونا۔	قائداعظم نے اپنی قابلیت سے ہندی مسلمانوں کا "بول بالا" کر دیا۔
بھانڈا پھوٹنا	بھید ظاہر ہونا	انہوں نے بہت راز چھپایا، لیکن آخر کار بھانڈا پھوٹ ہی گیا۔
بھانپ لینا ″	تاڑ لینا ″	قائداعظم نے انگریزوں اور ہندوؤں کی مسلم دشمنی کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔
بھانڈا پھوڑنا ″	بھید ظاہر کرنا ″	امریکہ کے اخباروں نے بھارت کی پاکستان دشمنی کا "بھانڈا پھوڑ دیا"۔
بھیگی بلی بنانا	بہانہ بنانا	عجیب نالائق ہو جب بھی کام بتاتا ہوں "بھیگی بلی بتلاتے ہو"۔
بے پر کی اڑانا ″	بے اصل اور جھوٹ بات مشہور کرنا۔	بھارت کے اخباروں کو بے پر کی اڑانے میں خوب مہارت ہے ″
بیل منڈھے چڑھنا ″	کام انجام کو پہنچنا، پروان چڑھنا۔	جب تمہارا آپس میں اتفاق نہیں تو یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گا۔
بیڑا اٹھانا	ذمہ لینا	قائداعظم نے پاکستان بنانے کا بیڑا اٹھایا قدرت نے آپ کی امداد کی

پ

محاورہ	معنی	استعمال
پاپڑ بیلنا ″	کئی قسم کے کام کرنا، مکر و فریب سے وقت گزارنا	کئی سال سے کئی قسم کے "پاپڑ بیلے" لیکن مصیبت نہ کٹی۔
پانی پانی ہونا ″	شرمندہ ہونا ″	غلام حسین کو بھری محفل میں جھوٹا ہونا پڑا جس سے وہ پانی پانی ہو گیا۔
پالا پڑنا	واسطہ پڑنا	یہاں ایسے بے سمجھ لوگوں سے پالا پڑا ہے کہ تنگ آ گیا ہوں۔
پانی بھرنا ″	شرمندہ ہونا، ماتحتی کرنا	آج کل بڑے بڑے لائق سیاستدان صدر کے روبرو پانی بھرتے ہیں۔
پانی میں آگ لگانا ″	ناممکن کام کرنا ″	ے خضائل کل کے جو دریا میں بہاتے ہو غضب کرتے ہو ظالم آگ پانی میں لگاتے ہو

محاورہ	معنی	استعمال
پانی پھیر دینا	محنت ضائع کر دینا	تم عجیب آدمی ہو بات کہ کے میرے کئے کرائے پر "پانی پھیر دیا"۔
پاؤں تلے سے زمین نکل جانا	ہوش جلتے رہنا	جنگ کی خبر سنتے ہی میرے "پاؤں تلے سے زمین نکل گئی"
پانچوں گھی میں ہونا	بہت فائدے میں ہونا	آج کل تو تمہاری "پانچوں گھی میں ہیں" وکیونکہ افسر کی مونچھ کا بال بنے ہوئے ہو۔
پاؤں پھونک پھونک کر رکھنا	بہت احتیاط کرنا	مارشل لاء کے دنوں میں پاؤں "پھونک پھونک کر رکھو" ایسا نہ ہو کہیں دھر لیے جاؤ۔
پاؤں پھیلانا	لالچ بڑھنا	؎ حرص کے پھیلنے پر پاؤں بقدر وسعت تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے
پتھر پڑنا	مصیبت آنا بربلا ہونا	؎ "پڑیں پتھر" مقدر پر لڑی ہے آنکھ پتھر سے
پتھر کی لکیر	بہت مضبوط اور پائیدار	میری بات "پتھر کی لکیر ہے"۔ یہ بالکل درست نکلے گی۔
پر و بال نکالنا	ہوش سنبھالنا، فساد پیدا کرنا۔	؎ مطلوب کا سن سمجھ کے سب حال چاہا کہ نکالے "کچھ پر و بال"
پرزے اڑانا	خوب پٹائی ہونا	؎ تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا
پہلو تہی کرنا	جی چرانا	ارشد ہر کام میں "پہلو تہی کرتا ہے"۔ یہ عادت اسے ناکام کرے گی۔
پھوٹ کر رونا	زار و زار رونا	؎ یہ کون پھوٹ کے رویا کہ درد کی آواز رچی ہوئی جو پہاڑوں کے آبشاروں میں ہے
پیٹ کا ہلکا ہونا	بات یا راز کو محفوظ نہ رکھ سکنا	؎ جو پیٹ کے ہلکے چپکے بات کب ان سے رو کیں تو اپھر جائے شکم اور زیادہ
پیٹ پر پتھر باندھنا	فاقے کرنا	اب بھی اتنی مہنگائی ہے کہ بہت سے لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر گزارہ کرتے ہیں۔

ت

محاورہ	معنی	استعمال
تارے گننا	رات کو نہ سونا	رات "تارے گن کر کاٹی ہے۔ ایک دم کیلئے نیند نہ آئی

محاورہ	معنی	استعمال
〃 〃	〃 〃	۷۔ دن گزرتا ہے تنکے چننے میں شب کو رہتے ہیں "تارے گنتے"
ترقی تمام ہونا	غرور جاتے رہنا	صدر کی حکومت میں سیاستدانوں کی "ترقی تمام ہونا"۔
تِل دھرنے کو جگہ نہ ہونا	بہت آدمیوں کا جمع ہونا	جلسے میں اس قدر ہجوم تھا کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔
تین پانچ کرنا	جھگڑا کرنا	تین پانچ کرنے کی ضرورت نہیں دفتر سے باہر ہو جاؤ
تیور بدلنا	ناراض ہونا	آج بخیر نہیں ہیڈ ماسٹر صاحب کے "تیور بدلے" ہوئے ہیں۔
	ٹ	
ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنا	در پردہ برا کام کرنا	ارے صاحب وہ "ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے" جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔
〃 ٹس سے مس نہ ہونا	〃 حرکت نہ کرنا۔ اثر نہ ہونا	میں نے بہت منت خوشامد کی، لیکن بھائی جان "ٹس سے مس نہ ہوئے"۔
〃 ٹکٹکی باندھنا	〃 لگاتار دیکھنا	وحیدا یہ ٹکٹکی باندھنا ایک دن رنگ لائے گا۔
ٹیڑھی کھیر	مشکل کام	امتحان کے بعد ناجائز وسائل سے نمبر بڑھانے کی کوشش کرنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔
〃 ٹھوکریں کھانا	〃 در بدر ذلیل ہونا	در در کی ٹھوکریں کھا کر سمجھ آجائے گی۔
ٹامک ٹوئیاں مارنا	بے سوچے سمجھے کام کرنا	سوال حل کرنے میں ترتیب ہونی چاہیے۔ یونہی "ٹامک ٹوئیاں مارنے سے کیا حاصل۔
〃 ٹیڑھی سنانا	〃 گالیاں دینا	میں اس سے سیدھی بات کرتا ہوں، وہ مجھے "ٹیڑھی سناتا ہے
	ج	
جامے سے باہر ہونا	بے حد خوش ہونا غصے سے بے تاب ہونا۔	۱۔ آج اکرم خوشی کے مارے "جامے سے باہر" ہوا جاتا ہے۔ ۲۔ وہ غصے کے مارے "جامے سے باہر ہو گیا"۔
〃 جامے میں پھولے نہ سمانا	بہت خوش ہونا	انور کا بھائی سات سال کے بعد آیا "وہ جامے میں پھولے نہ سمایا"۔
〃 جان جوکھوں ہونا	〃 جان کا خطرہ ہونا	سمندر میں سے موتی نکالنا "جان جوکھوں کا کام ہے"۔

محاورہ	معنی	استعمال
جان کے لالے پڑنا	جان خطرے میں پڑنا	ابھی گھر چار کوس تھا۔ رات ہو چکی تھی۔ ڈاکوؤں کا سامنا ہو گیا "جان کے لالے پڑ گئے"۔
"	"	
جان میں جان آنا	ذرا تسلی ہونا	سخت گرمی سے دم نکلا جاتا تھا۔ اچانک بادل نمودار ہوئے اور ٹھنڈی ہوا چلی تو جان میں جان آئی۔
"	"	
جلے پھپھولے پھوڑنا	دل کا حسد ظاہر کرنا انتقام لینا	ے ان کے آگے پیش جائے خاک پھوڑتا ہے جلے پھپھولے ناک
"		
جوتیوں میں دال بٹنا	آپس میں نفاق ہونا	آج کل بھائیوں بھائیوں میں عجیب کشمکش ہے "جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے"۔
"	"	
جھاڑ باندھنا	متواتر برسنا	ع جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن اور رات،
جھانسے میں آنا	فریب یا دھوکے میں آجانا۔	اشرف اس کے "جھانسے میں آنے والا تو نہ تھا لیکن فریب کھا گیا۔
"		
جی بھر آنا	ترس آجانا	بیمار کو آزردہ دیکھ کر "میرا جی بھر آیا"۔
جی ٹوٹ جانا	ہمت ہار بیٹھنا	نذیر تین بار میٹرک میں فیل ہو گیا اب اس کا جی ٹوٹ گیا ہے
جی چرانا	کسی کام سے بچنا۔ بہانہ کرنا۔	جو لوگ مشکلات سے "جی چراتے ہیں" وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔
"		
جی چھوٹنا	ہمت جاتے رہنا	میدانِ جنگ میں بڑے بڑے دلاوروں کا جی چھوٹ گیا
جی کو جی میں رہنا	خواہش کا پورا نہ ہونا	ع جی کی جی میں رہی "بات نہ ہونے پائی"۔
جی ڈوبنا	دل کمزور ہونا	بخار دور ہو گیا ہے لیکن اب "جی ڈوبا" جا رہا ہے۔

چ

محاورہ	معنی	استعمال
چاٹ لگنا	چسکا پڑنا۔ عادت پڑنا	گ یہ چاٹ جس کو لگ گئی پھر چھوٹتی نہیں
چادر سے باہر پاؤں پھیلانا	حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا	قرض لے کے نام و نمود کرنا اور چادر سے باہر پاؤں پھیلانا آخر تنگ کرتا ہے۔
چاند پر تھوکنا	بے گناہ پر تہمت لگانا	کسی شریف آدمی پر تہمت لگانا "چاند پر تھوکنا ہے"۔
چراغ پا ہونا	خفا ہونا	"جب بھارت والوں نے سنا کہ ان کا طیارہ گرا لیا ہے تو وہ بہت چراغ پا ہوئے۔
"	"	

محاورہ	معنی	استعمال
چشمک ہونا	ہلکی سی ناراضگی ہونا	دو چار دن سے بشیر اور نذیر میں باہمی "چشمک ہے"۔
چکرا جانا	گھبرا جانا	ہجوم دیکھ کر یونہی "چکرا گئے ہو" تسلی رکھو۔
چکنا گھڑا	جس پر اثر نہ ہو	وحید "ایسا چکنا گھڑا" ہے کہ اس پر نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔
چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا	جاری کام میں رکاوٹ پیدا کرنا،	کارخانہ چالو ہو گیا ہے۔ لیکن ایک حصے دار نے یونہی مقدمہ چھیڑ کر "چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا ہے"
چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا	نہایت شرمندہ ہونا	اب اس میں غیرت کہاں؟ شرم ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔
چولی دامن کا ساتھ	لازم و ملزوم قرب کا تعلق	ہمارا اور اشرف کا "چولی دامن کا ساتھ ہے"
چھاتی پر پتھر رکھنا	صبر کرنا	بس کرو اب بہت رو چکے۔ چھاتی پر پتھر رکھو، اور صدمے کو بھول جاؤ۔
چھاتی پر مونگ دلنا	رقابت سے جلانا	نسیم نے بیوی کو طلاق دے دی۔ اس کے دوست کریم نے اس سے نکاح کر لیا اس طرح نسیم کی پہلی بیوی اس کی چھاتی پر "مونگ دل رہی ہے"۔
چھٹی کا دودھ یاد آنا	گذشتہ عیش یاد کرنا	یونہی باتیں بناتے ہو اگر مقابلہ ہو گیا تو "چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا"۔
چھکے چھوٹ جانا	بدحواس ہو جانا	کشمیر کی جنگ میں قبائیلیوں کی تیر اندازی سے بھارتی فوجیوں کے "چھکے چھوٹ گئے"
چکرا جانا	گھبرا جانا	ایکسیڈنٹ ہوا تو میں چکرا گیا، لیکن بال بال بچ گئے۔

ح - خ

محاورہ	معنی	استعمال
حاشیہ چڑھانا	نمک مرچ لگا کر بات کرنا۔	حامد نے بات پر حاشیہ چڑھا کر کہا تو سب کے اوسان خطا ہو گئے۔
حامی بھرنا	ذمہ داری لینا، اقرار کرنا۔	اب تو میں تمہارے ساتھ جانے کی "حامی بھر لی" ہے پھر نہ کہنا۔
حرف آنا	الزام آنا	نائب مدرس کی بددیانتی سے اول مدرس کی دیانت پر بھی حرف آ گیا ہے
حشر بپا کرنا	کہرام مچانا	کشتی الٹ گئی تو عورتوں اور بچوں نے چیخ و پکار سے حشر بپا کر دیا،
خاک چھاننا	ذلیل ہونا۔ آوارہ پھرنا	آج کل اچھے پڑھے لکھے امیدوار دفتروں کی "خاک چھانتے

		پھرتے ہیں۔
خاک اڑانا	مذاق اڑانا	بزرگوں کا "خاکہ اڑانا" شریفوں کا کام نہیں۔
خدا لگتی کہنا	سچی بات کہنا	تم ہی "خدا لگتی" کہنا، وہ بس وہاں موجود بھی تھا۔
خونِ جگر پینا	غم سہنا، صدمہ برداشت کرنا۔	انور نے اشرف کو بہت پٹیا۔ وہ "خون جگر" پی کر رہ گیا۔
خون سفید ہونا	محبت جاتے رہنا	آج کل بھائیوں بھائیوں کے خون سفید ہو گئے ہیں۔
خدا خدا کرکے	بڑی مشکل سے	"خدا خدا کرکے" سفر ختم ہوا اور جان میں جان آئی۔
خیالی پلاؤ پکانا	فضول ارادے باندھنا	بے شمار نوجوان "خیالی پلاؤ" پکاتے رہتے ہیں کامیابی کا تعلق عمل سے ہے۔
خوابِ خرگوش	سخت غفلت	جو لوگ خوابِ خرگوش میں پڑے رہتے ہیں وہ ناکام رہتے ہیں
خدا سمجھے	تجھ سے ہی انتقام لے	میں عاجز کیا کر سکتا ہوں تم سے "خدا ہی سمجھے گا"۔

د

داغ بیل ڈالنا	بنیاد رکھنا	بابر نے سنہ ۱۸۲۶ء میں ہندوستان میں سلطنت میں مغلیہ کی "داغ بیل ڈالی"۔
دال نہ گلنا	پیش نہ جانا	جب نہرو نے دیکھا کہ چین کے ساتھ اس کی "دال نہیں گلتی" تو وہ امریکہ کی طرف جھکنے لگا۔
دام میں لانا	قابو کرنا، فریب سے، اپنا بنانا،	قائداعظم کو انگریز اور ہندو اپنے "دام میں لانے" کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔
دانت پیسنا	غضب ناک ہونا۔	اکرام اپنے چھوٹے بھائی کی حرکتوں سے تنگ آ گیا اس نے دانت پیس کر کہا گھر سے نکل جاؤ۔
دانت کھٹے کرنا	شکست دینا، مات دینا	لیاقت علی خان نے پنڈت نہرو کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ اس کے "دانت کھٹے کر دیئے"۔
دانتوں میں انگلی دبانا	حیران ہونا	ناصر جاوید کی تقریر سن کر "دانتوں میں انگلی دبا کر" کہنے لگے یہ عمر اور یہ قابلیت۔
دریا کو کوزے میں بند کرنا	بہت سے مضمون کو تھوڑے سے الفاظ میں بیان کرنا۔	مصنف نے ایسا عمدہ جامع مضمون لکھا ہے کہ "دریا کو کوزے" میں بند کر دیا ہے۔

محاورہ	معنی	استعمال
دل اُچاٹ ہونا	دل اکتا جانا، دل نہ لگنا	میرا دل یہاں کی رہائش سے "اُچاٹ ہو گیا ہے" میں نے اپنی رہائش کا انتظام شہر میں کر لیا ہے۔
دلِ باغ باغ ہونا	دل بہت خوش ہونا	میرا دوست مجھے بہت مدت کے بعد ملا اسے دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔
دل بجھنا	دلِ بیزار ہونا	؎ دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب کیا لطف انجمن کا جب "دل ہی بجھ گیا" ہو
دل بیٹھ جانا	ہمت ٹوٹ جانا	بھائیوں کی بے وفائی سے میرا "دل بیٹھ گیا ہے"۔
دلِ چرانا	پہلو تہی کرنا	تعلیم سے "دل چرانا" طالب علم کو ناکام بنا دیتا ہے۔
دل سے اترنا	قدر و قیمت جاتے رہنا	میرے دوست نے میری حسرتوں کا خون کیا ہے۔ اس لیے میرے دل سے اتر گیا ہے۔
دِل کے پھپھولے پھوڑنا	غصہ نکالنا	لطیف! بھائی کو ناراض ہونے دو وہ تو دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے۔
دل کی دِل میں رہنا	تمنا یا حسرت پوری نہ ہونا	ع، رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں کہ نشان قضائے مٹا دیا۔
دل میں کانٹا سا کھٹکنا	دل میں ناگواری محسوس کرنا	تمہاری بدکرداریوں کی وجہ سے میرے دل میں کانٹا سا کھٹکتا رہتا ہے۔
دل میں گرہ پڑنا	دل میں فرق آنا	؎ طبع گری ہوئی ظالم کی سنبھالی نہ گئی جو گرہ دل میں پڑی تھی وہ نکالی نہ گئی
دم بھرنا	محبت کا دعویٰ کرنا	؎ حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا
دم میں دم آنا	زندگی بسر ہونا. تسلی ہونا	؎ تیرے آتے ہی "دم میں دم" آیا ہو گئی یاس اُمیدواری آج!
دھجیاں اُڑانا	خوب خبر لینا ذلیل کرنا	مولوی ثناء اللہ نے مناظرے میں آریہ مناظر کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں
دم نہ مارنا	چپ رہنا، بات نہ کرنا	؎ سر شمع ساں کٹائیے پر دم نہ ماریے منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریے
دھاک بندھنا	شہرت بندھنا، رعب بیٹھ جانا	تھوڑے ہی عرصے میں قائد اعظم کی وکالت کی "دھاک بندھ گئی"۔

محاورہ	معنی	استعمال
ڈ ۔ ر		
ڈنکے کی چوٹ کہنا	علانیہ کہنا	ہم بزدلوں کی طرح کسی کے پیچھے نہیں کہتے جو کہتے ہیں "ڈنکے کی چوٹ" کہتے ہیں۔
"	"	
ڈورے ڈالنا	قابو میں کرنے کیلئے ناجائز ترغیب دینا	قائداعظم پر ہندوؤں نے بہتیرے "ڈورے ڈالے" لیکن وہ ان کے موافق نہ ہو سکے۔
ڈیرے ڈالنا	بیٹھ جانا	مہمان ایک ماہ سے ہمارے ہاں "ڈیرے ڈالے پڑا ہے"
رال ٹپکنا	منہ میں پانی بھر آنا	مختلف قسم کی مٹھائیاں دیکھ کر مسافر کی "رال ٹپک پڑی"۔
راہ پر لانا	سیدھے راستے پر لانا	مقصود بدی میں بہت بڑھ چکا ہے۔ اسے کیسے "راہ پر" لایا جا سکتا ہے۔
"	"	
رسی دراز ہونا	زیادہ مہلت ملنا	ان بدذاتوں کو موت بھی نہیں آتی۔ سچ کہتے ہیں بے ایمان کی "رسی دراز ہے"
"	"	
رنگ بدلنا	بھیس بدلنا	کوئی ہزار "رنگ بدلے" لیکن حقیقت چھپ نہیں سکتی۔
روڑا اٹکانا	رکاوٹ ڈالنا	کام تو ہو جاتا لیکن اب تو ہیڈ کلرک نے "روڑا اٹکا دیا"۔
رونگٹے کھڑے ہونا	ڈر کے مارے حیران رہ جانا	واقعات کربلا سن کر "رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں"۔
ریوڑی کے پھیر میں آنا	مصیبت میں پڑنا	حمید آجکل "ریوڑی کے پھیر میں آ چکا ہے"۔ نہ دن کو آرام ہے نہ رات کو۔
"	"	
ریل پیل ہونا	کثرت سے ہونا	امسال مالٹے کی "ریل پیل ہے" کہ ایک روپے کے آٹھ مل جاتے ہیں۔
"	"	
ز		
زبان زد ہونا	مشہور ہونا	سکندر مرزا کا انجام زبان زدِ خلائق ہے۔
زبان لال ہونا	گونگا ہونا	خدا کی تعریف جیسی چاہیئے ہو نہیں سکتی۔ اس میں بڑے بڑے زبان آوروں کی "زبان لال ہے"۔
"	"	
زخم پر نمک چھڑکنا	ستانا	؎ نمک چھڑکو کہ نمک چھڑکو مزا اس ہی میں آتا ہے قسم لے لو نہیں عادت مرے زخموں کو مرہم کی
"	"	
زمین آسمان کے قلابے	بے حد مبالغہ کرنا	جو شخص باتوں میں "زمین کے قلابے ملاتا ہے" اس کا

محاورہ	معنی	استعمال
ملانا		اعتبار نہیں ہوتا۔
زہر کے گھونٹ پینا "	مجبور کرنا غصہ ضبط کرنا۔	میں انور کی جلی کٹی باتیں سن کر "زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا" ورنہ میرے منہ میں بھی زبان ہے۔
زیر و زبر کرنا "	الٹ پلٹ کرنا، برباد کرنا،	؎ یہ داستاں میری ذرا کان دھر لو مجھ کو فلک نے کر دیا "زیر و زبر" سنو

س

محاورہ	معنی	استعمال
ساکھ جانا "	اعتبار جاتے رہنا "	اب تو وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہے اس کی "ساکھ جاتی رہی" ہے۔
سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا	نیک و بد سب سے یکساں سلوک کرنا	جج صاحب کی پوچھتے ہو وہ تو سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔
سبز باغ دکھانا " "	فریب دینا۔ جھوٹے وعدے سے دھوکے میں رکھنا	ع۔ کیا سبز باغ برسوں دکھائے امید نے " "
ستارہ چمکنا "	نصیبہ بلند ہونا "	؎ ستارہ اس بلند اختر کا چمکے گا زمانے میں یہی ہر ایک پنڈت اور منجم کا بیاں ہے اب
ستم ڈھانا	ظلم کرنا	یہ ہر روز نیا "ستم ڈھانا" مناسب نہیں۔ آخر وہ بھی انسان ہے
سر آنکھوں پر	دل و جان سے منظور	آپ کا فرمان "سر آنکھوں پر" مجھے اپنا غلام سمجھیے۔
سر پر چڑھانا "	منہ لگانا "	اپنے بچے کو ایسے "سر پر چڑھا رکھا" ہے کہ اسے بات کرنے کی تمیز نہیں۔
سر پر کفن باندھنا "	مرنے پر تیار ہونا "	؎ آج واں سر پر کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا
سر منڈاتے ہی اولے پڑنا	شروع ہی میں شرمندگی اور ناکامی ہونا	محمود کو مدرسے میں داخل ہوئے چار دن ہوئے تھے کہ اسے تین روپے جرمانہ ہوا۔ گویا "سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے"
سرخاب کا پر ہونا	خاص قابلیت ہونا۔	سرور خان کو کون سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ لوگ اسے سلام کریں۔

محاورہ	معنی	استعمال
سکہ بیٹھ جانا	رعب جم جانا	قائد اعظم کی قابلیت کا سکہ دوست دشمن سب پر بیٹھ چکا ہے۔
سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا	بوڑھے ہو کر بچوں میں ملنا	وہ دیکھو بوڑھے میاں بھی لڑکوں کے ساتھ ہاکی کھیل رہے ہیں گویا سینگ کٹا کر بچھڑوں میں مل گئے ہیں۔
سونے پہ سہاگہ ہونا	اور زیادہ بہتر ہو جانا	احسن نے پرائیویٹ بی۔اے کا امتحان کیا پھر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کر لیا، اب وہ ایم اے کی تیاری کر رہا ہے۔ اگر ولایت سے ڈگری لے آیا تو "سونے پہ سہاگہ" ہوا سمجھو۔
″	″	

ش

محاورہ	معنی	استعمال
شاق گزرنا۔	ناگوار ہونا۔ برا معلوم ہونا۔	میں نماز پڑھ رہا تھا۔ انور بھاگا بھاگا آیا اور آگے سے گزر گیا۔ مجھے اس کی یہ حرکت بڑی "شاق گزری"۔
″		
ششدر رہنا	حیران رہنا	ممتاز ولایت گیا ہوا تھا۔ اسے ۵ سال کے بعد آنا تھا۔ ابھی سال نہیں ہوا کہ وہ بلا اطلاع آگیا۔ میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔
″	″	
″	″	
شگوفہ کھلنا	انوکھی بات ظاہر ہونا	بھائی ابراہیم نے ہیڈ ماسٹر کے پاس شکایت کی۔ ہیڈ ماسٹر نے حالات معلوم کر کے یہ کہا کہ "نیا شگوفہ کھلا ہے"۔
″	″	
شل ہو جانا	بے حس ہو جانا	لڑکے کو اچانک سردی لگ گئی اس کے ہاتھ پاؤں "شل ہو گئے"۔
″	″	
شیخی بگھارنا	ڈینگ مارنا	کچھ کر کے دکھاؤ۔ یونہی شیخی مارنے سے کیا حاصل
شیخی کرکری ہو جانا	غرور ٹوٹ جانا	؎ ہو گئیں شیخیاں کرکری آج ساری شجاعت اکارت گئی سب تمہاری
″	″	
شیر و شکر ہونا	گھل مل جانا	۱۹۲۱ء میں ہندو مسلم "شیر و شکر" ہو کر رہتے تھے۔
شیرازہ بکھرنا	انتظام درہم برہم ہونا	مولوی صاحب کے مرتے ہی گھر کا تمام "شیرازہ بکھر گیا"۔
شیشہ میں اتارنا	مسخر کرنا	وہ عورت اتنی ہوشیار ہے کہ ہر کسی کو "شیشہ میں اتار لیتی ہے"۔
شیطان کی امانت	بہت لمبی چیز	کہانی کیا ہوئی "شیطان کی امانت" ہو گئی جو ختم ہونے میں نہیں آتی۔
″	″	

محاورہ	معنی	استعمال
شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینا	بہت عدل و انصاف ہونا	حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے ۔

ص - ط

محاورہ	معنی	استعمال
صبح شام کرنا ″	بہانا بنانا۔ جھوٹا وعدہ کرنا۔	رفیق روپے دیتا نظر نہیں آتا، ہمیشہ "صبح شام کرتا ہے"۔ ″
صبر کا پیمانہ لبریز ہو جانا ″	برداشت کی حد ہو جانا۔	دیکھو بھائی "فوراً" روپیہ ادا کرو۔ اب میرے "صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے"؟
صلواتیں سنانا ″	برا بھلا کہنا ″	۔ پڑھتا تھا میں تو تسبیح لیے ہاتھ میں دُر دُر صلواتیں مجھ آکے وہ ناقل سنا گیا
طاق ہونا	بے مثل ہونا	اب تم ہر مضمون میں طاق ہو گئے ہو ۔
طبیعت لڑنا	بات سمجھ میں آجانا	سوال تو مشکل تھا مگر طبیعت لڑ گئی ۔
طوطا چشمی کرنا	بے وفائی کرنا	آج کے شاگرد دلیعد میں "طوطا چشمی کرتے ہیں"۔
طوطے اڑنا ″	عقل اور ہوش جاتے رہنا	میں نے جب سوالات کا پرچہ دیکھا تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کیونکہ بہت مشکل تھا۔
طوطے کی طرح آنکھیں بدلنا	بے حیائی کرنا ″	میں نے نذیر پر بہت احسان کئے لیکن اب وہ طوطے کی طرح آنکھیں بدل گئے ۔
طوفان اٹھانا ″	شور کرنا۔ الزام لگانا	ا۔ لڑکوں نے صبح ہی سے "طوفان اٹھا رکھا ہے" ۲۔ میں نے تو کچھ نہیں کہا انہوں نے یونہی طوفان اٹھا دیا۔
طوطی بولنا	ترقی ہونا، شہرت ہونا	ع۔ بولتا ہے خوب طوطی ان دنوں صیاد کا۔
طومار باندھنا ″	تھوڑی سی بات کو بہت بڑھا دینا۔	بات تو کچھ نہیں تھی۔ آپ نے یونہی طومار باندھ دیا۔
عقدہ کھلنا ″	گرہ کھلنا، مشکل حل ہونا۔	اب یہ عقدہ کھل گیا ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے ذرا سی ہمدردی نہیں ۔
عقل پر پتھر پڑنا ″	عقل ماری جانا ″	وہ تو احمق تھا۔ تمہاری عقل پر پتھر کیوں پڑ گئے۔ کہ تم بھی اس کے کہنے میں آگئے۔

محاورہ	معنی	استعمال
عقل کے ناخن لینا	سمجھ سے کام لینا	یہ تمہاری حقیقی بہن ہے ذرا عقل کے ناخن لو اور سوچو اس کا حق مار کر خدا کو کیا جواب دو گے۔
عید کا چاند ہونا	بہت دیر بعد ملنا	آہا۔ تم کہاں سے بھول پڑے۔ تم تو عید کا چاند ہو گئے۔
عنقا ہونا	ادر قلت	اب ملازمت کہاں وہ تو "عنقا ہو" چکی ہے۔
غصہ تھوک دینا	درگزر کرنا۔ معاف کرنا	اٹھو غصہ تھوک دو اور روٹی کھا لو۔
غضب ڈھانا	بہت سختی کرنا	آج کل تو مجسٹریٹ صاحب عجیب غضب ڈھا رہے ہیں کسی کو پانچ سال سے کم قید ہی نہیں کرتے۔
غم کھانا	دکھ اٹھانا	؎ گھبراؤ نہ پا کے نامرادی غم کھاؤ جو چاہتے ہو شادی
غم غلط کرنا	دل بہلانا	ہم آج کل مطالعہ سے غم غلط کرتے ہیں۔
غتر بود کرنا	غلط ملط کرنا	ہوش سے شعر پڑھو "غتر بود" کیوں کرتے ہو

ف

محاورہ	معنی	استعمال
فاتحہ پڑھنا	امید نہ رکھنا، مر جانا۔	اب مجھے اس کے ملنے کی امید کہاں؟ مدت ہوئی فاتحہ پڑھ چکے ہیں۔
فاختہ اڑانا	عیش و مزے کرنا	وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے
فاقہ مستی کرنا	غریبی میں عیش کرنا	قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
فراٹے بھرنا	تیز دوڑنا۔ تیز پڑھنا	گھوڑا فراٹے بھرتا دوڑا چلا جا رہا تھا۔ فراٹے بھر کر مت پڑھو، ذرا آہستہ آہستہ پڑھو۔
فرشتوں کے پر جلنا	رسائی نہ ہونا	خدا کے دربار میں ہمارا تمہارا کیا ذکر۔ وہاں تو فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔
فرعون بے سامان بننا	بغیر حیثیت کے مغرور بننا۔	غلام حسین کی کیا پوچھتے ہو۔ اب کے فصل اچھی ہوئی وہ "فرعون بے سامان" بنے بیٹھے ہیں۔
فقروں میں آنا	چال میں آنا	اس کے "فقروں میں نہ آجانا" وہ بہت لسان انسان ہے
فضیحتی کرنا	بدنام کرنا	ہوش کی دوا لو۔ اس طرح بدکرداریوں سے بزرگوں کی

محاورہ	معنی	استعمال
"	"	فضیحتی کرنا انسانیت نہیں.
فی نکالنا	عیب نکالنا	دیکھو رحمان! تمہیں "فی" نکالنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں.
	ق	
قافیہ تنگ کرنا	بہت تنگ کرنا	اسلم نام ہی کا اسلم ہے ورنہ اس کی شرارتوں نے تمام مدرسے کا قافیہ تنگ کر رکھا ہے.
"	"	
قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھنا	موت کے قریب ہونا	بھئی ہمارا کیا؟ ہم تو بہت بوڑھے ہو گئے ہیں "قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں".
قبر کے مردے اکھاڑنا	گئی گزری باتوں کا پھر شروع کرنا	معاف کیجیے! اور غصہ تھوک دیجیے، قبر کے مردے اکھاڑنے سے کیا حاصل.
"		
قدم لینا	پاؤں چھونا	ہندو جب اپنے بزرگوں سے ملتے تھے. ان کے "قدم لیتے" تھے.
"	"	
قصہ پاک کرنا	جھگڑا ختم کرنا. مار ڈالنا	۱- اشرف نے بقایا ادا کر کے تمام قصہ پاک کر دیا. ۲- عطا محمد نے بیروزگاری سے تنگ آکر خاں صاحب کا قصہ پاک کر دیا.
"	"	
"	"	
قلعی کھل جانا	حقیقت معلوم ہو جانا	لاکھ چھپاؤ- آخر تو "قلعی کھل ہی جائے گی".
قیامت برپا کرنا	شور و شر ہونا	بس دو گھنٹے سے دیکھ رہا ہوں. تم نے کمرے میں "قیامت برپا کر رکھی ہے".
"	"	
	ک	
کاٹ کھانا	برا لگنا	جب سے ابا جان فوت ہو گئے ہیں، یہ کوٹھی ہمیں کاٹ کھاتی ہے
کالے کوسوں	بہت دور	کویت جا رہے ہو "کالے کوسوں" کا سفر ہے پھر قسمت سے ملیں گے.
کام تمام کرنا	مار ڈالنا	بے رحم نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا "کام تمام کر دیا".
کام آنا	لڑائی میں مارا جانا	اس لڑائی میں ہزاروں کام آئے اور ہزاروں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی.
"	"	
کاغذ کے گھوڑے دوڑانا	خط و کتابت کرنا یا	اب تو آپ کو وہاں خود جانا پڑے گا. کاغذ کے گھوڑے

محاورہ	معنی	استعمال
	فرمان جاری کرنا	"دوڑانے" سے کام نہیں چلے گا۔
کان بھرنا ″	غائبانہ طور پر بدگمانی پیدا کرنا	حمید نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے خوب "کان بھرے"۔ اگلے دن اشرف کو سزا ملی۔
کان پر جوں نہ رینگنا	کہا نہ ماننا۔ اثر نہ ماننا	وحید کو بہت سمجھایا لیکن اس کے "کان پر جوں نہ رینگی"
کان پر ہاتھ رکھنا ″	انجان بن جانا۔ انکار کرنا۔	؎ کانوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہتے ہیں سلام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں
کان کا کچا ہونا ″	کسی کے کہنے سے تحقیق کے بغیر بدظن ہو جانا	تحصیل دار صاحب "کان کے کچے ہیں" ریڈر کے کہنے کا یقین کر لیتے ہیں۔
کان لگانا	دھیان دینا	ذرا "کان لگا کر" میری بات سنو۔
کانٹا سا نکل جانا	چین پڑ جانا	سکول سے حمید کیا گیا، ایک "کانٹا سا نکل گیا ہے"۔
کانٹوں پر کھینچنا ″	بہت تکلیف پہنچانا ″	؎ جلی ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں کھنچی ہیں کانٹوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں
کانوں وکان خبر نہ ہونا	بالکل خبر نہ ہونا	اس بات کو اپنے دل میں رکھنا۔ کسی کو "کان وکان خبر نہ ہو"۔
کروٹیں بدلنا ″	بے چین ہونا ″	خیالِ خواب کہاں سوزِ غم سے جلتے ہیں۔ تمام رات پڑے کروٹیں بدلتے ہیں۔
کڑاہی کا سا ابال ″	عارضی غصہ ″	کوئی بات نہیں ان کا غصہ کڑاہی کا سا ابال ہے ابھی اتر جائے گا۔
کفِ افسوس ملنا	حد درجہ پچھتانا	وقت گذر گیا اب "کفِ افسوس ملنے" سے کیا فائدہ
کسی کا کلمہ پڑھنا ″	کسی کی قابلیت کا اعتراف کرنا	سب لوگ قائداعظم کے تدبر کا "کلمہ پڑھتے ہیں"۔
کلیجہ منہ کو آنا	سخت بے چین ہونا	۱۹۴۷ء کے واقعات سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔
کلیجہ چھلنی ہونا	بہت دکھ ہونا	اس کی طعن آمیز باتیں سن کر میرا کلیجہ چھلنی ہو گیا ہے۔
کوڑیوں کے مول بکنا	بہت سستا بکنا	آج اس کوٹھی کا مال "کوڑیوں کے مول بک گیا ہے"۔
کوئی دم کا مہمان	مرنے کے قریب	مریض بہت کمزور ہو چکا ہے کوئی دم کا مہمان ہے۔
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔	کوئی کسر نہ چھوڑنا ″	میں نے کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

استعمال	معنی	محاورہ
جنگ صفین میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔	لاشوں کے ڈھیر لگ جانا	کشتوں کے پشتے لگ جانا
اب چھوڑ دو۔ تمہاری حماقت سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا ہے	بنا بنایا کام خراب ہو جانا	کھیل بگڑنا
شام کے وقت مال روڈ پر آنے جانے والوں کا "کھوے سے کھوا اچھلتا ہے۔"	بہت بھیڑ ہونا	کھوے سے کھوا اچھلنا
جنگ بدر میں کفار کے ۷۰ آدمی "کھیت رہے"	مارا جانا	کھیت رہنا
ٹھہر کر چلتے ہیں ذرا "کمر سیدھی کر لیں"۔	ذرا آرام کرنا	کمر سیدھی کرنا
؎ نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے	معمولی بات نہیں	کھیل نہیں

گ

استعمال	معنی	محاورہ
پہلے تو وہ آپس میں لڑتے بھی تھے۔ اب ان میں خوب گاڑھی چھنتی ہے۔	بہت محبت ہونا	گاڑھی چھننا
میرے اور بھائیوں کے درمیان جو گتھی پڑ گئی ہے وہ آسانی سے نہیں سلجھ سکتی۔	الجھاؤ پڑنا	گتھی پڑنا
میں نے ملازمت کا جوا گردن سے اتار دیا ہے۔	ذمہ داری چھوڑنا	گردن سے جوا اتارنا
اب جو گرہ دل میں پڑ چکی ہے وہ بڑی مشکل سے نکلے گی ؎ گرہ جو پڑ گئی دل میں بڑی مشکل سے نکلے گی، نہ تیرے سے نکلے گی نہ میرے دل سے نکلے گی۔	محبت اور تعلقات میں فرق آجانا	گرہ پڑنا
دوسروں کی عیب چینی کب تک۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے۔	اپنے عیب دیکھ کر خود شرمندہ ہونا	گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا
؎ بہار اپنی کیا کیا دکھاتا ہے ساون زمیں پہ نئے گل کھلاتا ہے ساون	نئی بات یا بہار دکھانا	گل کھلانا
میری غرض تو تمہیں سمجھانے کی تھی۔ تم الٹا میرے گلے کا ہار ہو گئے ہو۔	پیچھے پڑ جانا	گلے کا ہار ہو جانا
میں تو ہمیشہ آپ کی مہربانیوں کے گن گاتا ہوں۔	تعریف کرنا	گن گانا
؎ دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے۔	عجیب بات ظاہر ہونا	گل کھلنا

محاورہ	معنی	استعمال
گنگا نہانا	فراغت حاصل کرنا	ملازمت سے پنشن ہوئی باعزت ملازمت ختم ہوئی. گویا میں "گنگا نہایا ہوں".
گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھنا	مرنے کے قریب ہونا	ہم بوڑھا اب کوئی دن کے مہمان ہیں "گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں".
گونگے کا گڑ کھانا	چپ ہونا. بات نہ کرنا	کوئی بات تو کرو. تم نے گونگے کا گڑ کھایا ہے. کہ بات کا جواب بھی نہیں دیتے.
گھات میں بیٹھنا	موقع کی تاک میں بیٹھنا	وہ شکاری تھی. شکار کی گھات میں بیٹھا ہے.
گھٹنوں کے بل چلنا	رینگنا. بچے کی طرح چلنا	؎ گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے
گھڑوں پانی پڑ جانا	بہت شرمندہ ہونا	آدمی تو شریف تھا. جب موقع پر جوتی اٹھاتے پکڑا گیا تو اس پر "گھڑوں پانی پڑ گیا".
گھوڑے بیچ کر سونا	بے فکر سو جانا	عجیب آدمی ہو. سورج نکل آیا. لیکن اٹھنے کا نام نہیں لیتے. کیا گھوڑے بیچ کر سوئے ہو.
گھی کے چراغ جلانا	خوشی منانا	اب تو گھی کے چراغ جلاؤ میٹرک میں فسٹ ڈویژن آگئی.
گہری چھننا	خوب محبت ہونا	اب تو خوب گہری چھنتی ہے ورنہ مقدمہ بازی نے دونوں کو تباہ کر دیا تھا.
گیدڑ بھبکی دینا	یونہی دھمکی دینا	چلو اپنی راہ لو میں تمہاری گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا نہیں
گیہوں کے ساتھ گھن پسنا	بروں کے ساتھ نیکوں کو سزا ملے.	حفیظ تو بہت شریف تھا. لیکن اس گھر میں رہنے کی وجہ سے سزا پا گیا. سچ ہے گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گیا.
گلچھرے اڑانا	عیش کرنا.	مقبول کو اپنے باپ کے ورثے سے کافی دولت مل گئی ہے. اب وہ خوب گلچھرے اڑا رہا ہے.

ل

محاورہ	معنی	استعمال
لات مارنا	ٹھکرا دینا	جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں وہ دنیا کی دولت کو لات مار کر اسی سے لو لگاتے ہیں.

محاورہ	معنی	استعمال
لاحول پڑھنا	بیزاری کا اظہار کرنا	نیک انسان جب بھی اپنے دل میں بُرے خیالات محسوس کرتے ہیں تو "لاحول" پڑھتے ہیں
لٹیا ڈبونا	بیڑا غرق کرنا	نذیر نے اپنی حرکات سے خاندان کی "لٹیا ڈبو دی"
لفافہ کھل جانا	راز یا عیب کا ظاہر ہونا	حمید کے حوصلے جرات اور سخاوت کا لفافہ کھل گیا ہے۔ وہ تو مسجد کی تعمیر میں دو روپے کی حقیر رقم بھی نہیں دے سکتا۔
لکیر کا فقیر ہونا	پرانی رسم پر کاربند ہونا	محکمہ زراعت کاشتکاروں کو نئے آلات زراعت کو استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن کاشت کار پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ وہ ایک کان سنتے ہیں دوسرے کان نکال دیتے ہیں۔
لالے پڑنا	خطرہ ہونا	جب کشتی میں پانی پڑنے لگا۔ وہ ہچکولے کھانے لگی تو سب کو جان کے لالے پڑ گئے۔
لکیر پیٹنا	فضول بے فائدہ کام کرنا افسوس کرنا	جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب پیٹنے سے کیا فائدہ
لگانا بجھانا	چغلی کرنا	یہ لگانا بجھانا تم نے کہاں سے سیکھا۔ اس کو چھوڑ دو۔
لوہا ماننا	اعتراف کرنا رعب ماننا	دوست ہی نہیں دشمن تک قائد اعظم کی قابلیت کا لوہا مان گئے ہیں۔
لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا	غریبی میں عیش کرنا۔ فاقہ مستی	نصیر کے پاس پیسہ تک نہیں۔ لیکن قرض اٹھا اٹھا کر لنگوٹی میں پھاگ کھیلتا ہے یہ سب تباہی کے لچھن ہیں
لہو خشک ہونا	بہت ڈر جانا	جب ہیڈ ماسٹر صاحب نے سزا دینے کے لیے بید نکالا تو مارے ڈر کے نذیر کا لہو خشک ہو گیا۔
لہو سفید ہونا	محبت نہ رہنا	آج کل تو بھائیوں بھائیوں کا "لہو سفید ہو گیا ہے" وہ پہلی سی محبت نہیں رہی۔
لہو کے گھونٹ پینا	غصے کے رہ جانا	شریف آدمی گالیاں سن کر لہو کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
لیت و لعل کرنا	ٹال مٹول کرنا	یہ روز روز کی لیت و لعل اچھی نہیں۔ رقم دینا ہے دیدو
لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا	معمولی کام کر کے اپنے آپ کو بڑا کارکن ظاہر کرنا	مسجد تو تیار ہو چکی۔ اب منظور صاحب بھی آگئے اور لگے اینٹ بہ اٹھانے اب گویا وہ لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا چاہتے ہیں۔

محاورہ	معنی	استعمال
لہو پسینہ ایک کرنا	بہت محبت کرنا	ے حلال آدمی کو سے کھانا نہ پینا نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینہ
لینے کے دینے پڑ جانا	نفع کی بجائے نقصان ہونا	ٹھیکیدار صاحب کو ۵۰۰ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا۔ الٹا لینے کے دینے پڑ گئے۔
〃	〃	

م

محاورہ	معنی	استعمال
ماتھا ٹھنکنا	شک ہونا۔ وہم گزرنا	میں نے جب تحصیلدار صاحب کو لیڈر کے ساتھ سرگوشیاں کرتے دیکھا تو وہیں میرا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے
〃	〃	
مات کرنا	شکست دینا	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نیکی، عدل اور ذاتی کیرکٹر نے تمام شاہانِ بنو امیہ کو مات کر کے رکھ دیا۔
〃	〃	
مال اڑانا	چوری کرنا	کوئی ایسا بدمعاش آیا۔ غلہ کے بجس سے مال اڑا کر چلتا بنا
مٹھ بھیڑ ہونا	آمنا سامنا ہونا	مراد ابھی راہ میں تھا کہ احمد نگر کی فوجوں سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔
〃	〃	
مٹھی گرم کرنا	رشوت لینا	پولیس کا کیا ہے جدھر سے مٹھی گرم ہو گی ادھر ہی صحیح ہے۔
مٹی پلید کرنا	ذلیل کرنا	جمیل اپنے ماں باپ کا بڑا نافرمان ہے اس نے تو پورے خاندان کی مٹی پلید کر کے رکھ دی ہے۔
〃	〃	
مٹی خراب کرنا	برباد کرنا، ذلیل کرنا	خرم ایم اے بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی
مری بلا سے	مجھے کیا پروا ہے	میں نے حنیف کو سمجھا دیا کہ گالیاں دینا شریف زادوں کا کام نہیں اگر وہ نہیں سمجھتا تو مری بلا سے۔ ایک دن اس کا خمیازہ بھگتے گا۔
〃	〃	
مسیں بھیگنا	شباب کا آغاز ہونا	نذیر اب بچے نہیں ہو مسیں بھیگ رہی ہیں۔ عقل سے کام لیا کرو۔
〃	〃	
مطلع صاف ہونا	حریفوں سے میدان صاف ہو جانا	محمود جلدی آؤ۔ دشمن بے خبر اور مطلع صاف ہے۔
〃	〃	
مغز چاٹنا	تنگ کرنا	میں نے بہتیرا سر مارا۔ تم نہ سمجھو تو کیا کروں تم نے میرا مغز چاٹ لیا ہے۔
〃	〃	
مقابلے پر ڈٹ جانا	خوب مقابلہ کرنا	کل رات ڈاکہ پڑا۔ گاؤں کا گاؤں مقابلے پر ڈٹ گیا۔

محاورہ	معنی	استعمال
منہ پر ہوائیاں اڑنا	گھبرا جانا	بھئی! خیر ہے "منہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں".
منہ سے پھول جھڑنا	دلفریب باتیں کرنا	منظور باتیں کیا کرتا ہے اس کے "منہ سے تو پھول جھڑتے ہیں
منہ کی کھانا	شکست اور ندامت ہونا	انور ہر جگہ مجھے برا کہتا پھرتا ہے. آج اس نے "منہ کی کھائی" جب سعید نے اسے دو ٹوک جواب دیا.
منہ لگانا	سر چڑھانا. چسکا پڑنا	صاحب! اسے منہ لگانا اچھا نہیں ع چھٹی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی.
منہ میں پانی بھر آنا	کسی چیز کو دیکھ کر رال ٹپکنا	لوٹ کا مال دیکھ کر اکرم کے منہ میں پانی بھر آیا.
منہ میٹھا کرنا	مٹھائی کھلانا	کامل صاحب! میٹرک سے پاس تو ہو گئے اب "منہ کب میٹھا کراؤ گے
منہ میں زبان ہونا	بول سکنا، جواب دے سکنا.	؎ میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت.	بہت بوڑھا ہونا	بابا کالا اس قدر بوڑھا ہو چکا ہے "نہ منہ میں دانت ہے نہ پیٹ میں آنت.
موم کی ناک	غیر مستقل مزاج شخص	خادم! موم کی ناک ہے" دم میں اِدھر دم میں اُدھر، جدھر کسی نے رخ بدلا. بدل گیا.
مینڈکی کو زکام ہوا.	ادنے درجے کے شخص کا اعلیٰ درجہ کے ساتھ مقابلہ کرنا	ممتاز محکمہ نہر کا چپڑاسی ہے. اس نے ڈپٹی کمشنر کے خلاف درخواست دے دی. صاحب نے دیکھا تو کہا. واہ مینڈکی کو بھی زکام ہوا.

ن

محاورہ	معنی	استعمال
ناچ نچانا	تنگ کرنا. ستانا	بھئی انسان پیدا ہوئے ہو تو انسان بن کر رہو. گھر بھر کو "ناچ کیوں نچا رہے ہو"؟
ناطقہ بند کرنا	تنگ کرنا چپ کرا دینا	جب قائد اعظم نے دلائل سے ہندو اور انگریز کا ناطقہ بند کیا تو وہ پاکستان تسلیم کر گئے.
ناک بھوں چڑھانا	تیوری چڑھانا نفرت کرنا.	ساس! "ناک بھوں چڑھا کر" بہو سے کہنے لگی. جب سے یہ چڑیل آئی ہے برکت جاتی رہی ہے.

محاورہ	معنی	استعمال
ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا	کسی کی بات نہ سہنا	افضل بڑا تند مزاج ہے، وہ تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا۔
ناکوں چنے چبوانا	نہایت دق کرنا	محمد غوری نے پرتھی راج کے لشکر کو وہ "ناکوں چنے چبوائے" کہ واقعات اب تک تاریخ میں ثبت ہیں۔
"	"	
ناک کا بال بننا	بہت قریب ہونا	ربڈر کی آجکل پانچوں گھی میں ہیں، وہ مجسٹریٹ کی ناک کا بال بنا ہوا ہے۔
"	"	
نشہ ہرن ہو جانا	نشہ اتر جانا، ہوش میں آجانا	جب شرابی نے سپاہی کو دیکھا تو اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ " مارشل لاء سے رشوت خور افسروں کا "نشہ ہرن ہو گیا"۔
"		
ناک میں دم کرنا	سخت تنگ کرنا	ارشد نے شرارتوں سے تمام مدرسے کا دم "ناک میں کر رکھا ہے"
نقش بٹھانا	اثر پیدا کرنا، رعب جمانا	؎ نقش ایسا بٹھا دیا تو نے دل سے سب کچھ مٹا دیا تو نے
"	"	
نقش بر دیوار ہونا	حیران پریشان ہونا	انور اپنے عزیز کی اچانک موت کی خبر سن کر نقش بر دیوار ہو گیا
نوک جھونک کرنا	طعنہ دینا	کریم غرور نہ کرو، کمزوروں سے اس طرح نوک جھونک کرنا ٹھیک نہیں۔
"	"	
نیچا دکھانا	مغلوب کرنا	؎ حوادث نے ان کو ڈرایا ہے کچھ کچھ مصائب نے نیچا دکھایا ہے کچھ کچھ
"	"	
نیند حرام کرنا	نہ سونا، متفکر ہونا	ناکامی کے خیالات نے میری "نیند حرام کر دی" ہے
نیلا پیلا ہونا	سخت غصے میں آنا	بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو "نیلا پیلا ہو کر کہا تمہاری شرارتوں سے میری نیند حرام ہو گئی ہے۔
"	"	

و - ہ

محاورہ	معنی	استعمال
وارے نیارے ہونا	خوب نفع ہونا	اب کی فصل پر غلہ گندم خریدا، اس سودے میں میرے خوب وارے نیارے ہو گئے۔
"	"	
وقت پڑنا	ضرورت اور مصیبت پڑنا	دوست کی آزمائش وقت پڑنے پر ہوتی ہے۔
وبال جان ہونا	دل پر شاق گزرنا، مصیبت کا باعث ہونا	جلد آجایئے، تمہارے بغیر زندگی "وبال جان ہو گئی ہے"۔
"		
وردِ زباں ہونا	خوب یاد کرنا، بار	منور حسین جلد گھر آجاؤ۔ صبح و شام تمہارا نام سب

محاورہ	معنی	استعمال
	بار ذکر کرنا	کے وردِ زبان ہے۔
ہاتھ اٹھانا	قطع تعلق کرنا، مارنے	ے اٹھایا ہاتھ جہاں سے دیکھ کیا امکاں
〃	کو تیار رہنا، ناامید	کہ بافراغ کردں کنج عافیت میں نشست
〃	ہونا۔	ہ، آپ نے مجھ پر بلا قصور ہاتھ اٹھایا۔ ۳، میں نے تو عرصہ
〃	〃	سے تمہاری طرف سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔
ہاتھ پاؤں نکالنا	شرارت کرنا۔	رشید احمد نے اب ایسے" ہاتھ پاؤں نکالے ہیں" کہ سب کا ناک میں دم کردیا ہے۔
〃	〃	
ہاتھ پاؤں مارنا	تلاش کرنا، کوشش کرنا	میں نے تمہیں ملنے کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن تم نہ ملے۔
〃	〃	ہ، میں نے تمہاری کامیابی کے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن میں ناکام رہا۔
ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا	بے کار بیٹھنا	پورا سال ہوگیا "ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا ہوں" کوئی روزگار اور ملازمت نہیں ملتی۔
〃	〃	
ہاتھ پر ہاتھ مارنا	قول و قرار کرنا	میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا "بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔
〃	〃	
ہاتھ دھو بیٹھنا	ناامید ہونا	میرا اللہ مالک ہے تمہاری طرف سے مدت ہوئی میں ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔
〃	〃	
ہاتھ دھو کر پیچھے پڑنا	بالکل سر ہو جانا	اب کے تم یقیناً کامیاب ہو گئے کیونکہ ہاتھ دھو کر کام کے پیچھے پڑ گئے ہو۔
〃	〃	
〃		ہ، تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہو معاف بھی کرو۔
ہاتھ دھونا	ناامید ہونا	ہم نے جائیداد کی طرف سے ہاتھ دھو لیا ہے وہ نہیں ملنے سے رہی۔
〃	〃	
ہاتھ کھینچنا	الگ ہو جانا، بے تعلق ہو جانا۔	تمہارے والد تو مجھ سے قطع تعلق کر چکے ہیں اب تم نے بھی" ہاتھ کھینچ لیا ہے۔
〃		
ہاتھوں کے طوطے اڑ جانا	سُدھ بدھ نہ رہنا، گھبرا جانا	اپنے بھائی کی بیماری کا تار پڑھ کر اس کے" ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
〃	〃	
ہاتھ لگنا	ملنا، قابو میں آنا	چور نے تالا توڑا اور جو ہاتھ لگا لے کر چمپت ہوگیا۔ اگر

محاورہ	معنی	استعمال
〃	〃	اگر وہ میرے ہاتھ لگ جائے تو اس سے سمجھ لوں۔
ہاتھ ملنا	افسوس کرنا	اب ہاتھ ملنے سے کیا فائدہ جب موقع ہاتھ سے نکل گیا
ہتھے چڑھنا	قابو میں آنا	میں نے اسے تین بار معاف کیا۔ اگر اب میرے ہتھے چڑھ گیا تو چھوڑوں گا نہیں۔
〃	〃	
ہتھیلی پر سر رکھنا	مرنے پر تیار ہونا	بادشاہ کے روبرو کلمۂ حق وہ کہہ سکتا ہے جو اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر جائے۔
〃	〃	
ہتھیلی پر سرسوں جمانا	ناممکن اور عجیب و غریب بات کرنا	؎ زمین نے اس قدر سرسوں ہتھیلی پر جمائی ہے کہ صحرا ابھی نمایاں مثل کشت زعفران ہے اب
〃		
ہتھیلی کھجلانا	روپیہ ہاتھ آنے کا شگون	آج میری ہتھیلی کھجلا رہی ہے کہیں سے روپیہ ہاتھ لگے گا۔
ہکا بکا رہ جانا	حیران پریشان رہ جانا	ناصر جاوید کی تقریر سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔
ہن برسنا	دولت کی افراط ہونا خوب آمدنی ہونا	کمپنی والوں کا کیا پوچھتے ہو۔ ان پر تو ہن برس رہا ہے۔
〃		〃
مہندی کی چندی نکالنا	باریکیاں نکالنا۔ بال کی کھال کھینچنا	تم ہر بات میں مہندی کی چندی نکالتے ہو۔
〃		〃
ہوا باندھنا	غرور کرنا۔ شیخی کرنا۔	؎ ہوا تے وہ "ہوا باندھی" چمن میں کہ مرغان چمن کا سر کھلا ہے
〃	〃	
〃	۲۔ اعتبار جمانا	؎ دیکھو ہوا نہ باندھو اپنی کہ ایک دم میں اے غافلو فنا تم مثل حباب ہو گئے
〃	〃	
ہوا بگڑنا	ساکھ جاتے رہنا۔ اعتبار جاتے رہنا۔	ایک وقت تھا تمام لاہور میں اس کی ہوا بندھی تھی۔ لیکن آجکل ہوا بگڑی ہوئی ہے۔
ہوا کھانا	چمپت ہونا	؎ دیکھو دیکھو بہت نہ اتراؤ ٹھنڈی ٹھنڈی چلو ہوا کھاؤ
〃	〃	
ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا۔	تیز چلنا۔ غرور کرنا۔	؎ لگ ہے زمین پہ لگ ہے فلک پہ مدار ہے گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار ہے
〃	〃	؎ پہلے ہوا کے گھوڑے پہ تو کب سوار تھا
〃	〃	قاصد تجھے لگی ہے ہوا کوئے یار کی

محاورہ	معنی	استعمال
ہوا میں گرہ لگانا	ناممکن اور دشوار کام کرنا	چغتائی ایسا ہی مثال مصور ہے "جو ہوا میں گرہ لگاتا ہے"
ہوا ہونا	جلد روانہ ہونا	وزیر نے قاصد سے کہا یہ لو رقعہ اور ابھی "ہوا ہو جاؤ" بادشاہ تک جلد پہنچاؤ۔
ہوا میں قلعے بنانا	ناممکن اور دشوار کام کرنا	کچھ کر کے دکھاؤ۔ یونہی "ہوا میں قلعے بنانے" کا کیا فائدہ۔
ہوائیاں اڑنا	منہ فق ہونا	ابھی صدر کی آمد کا سنا ہی تھا کہ سیاستدانوں کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
ہوش اڑ جانا	سدھ بدھ نہ رہنا	سانپ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے۔
ہوش کھونا	اوسان خطا ہونا	؎ میرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا
ہوش کے ناخن لو	عقل سے کام لو	پہلے "ہوش کے ناخن لو" پھر مجھ سے بات کرنے کی جرأت کرنا۔
ہو کا مقام	ہیبت ناک جگہ	اس سنسان جنگل میں ایسا ہو کا مقام کہ دن کو بھی وہاں ڈر لگتا ہے۔
ہونٹ چاٹنا	لذیذ چیز کی لذت لینا	ایسا عجیب حلوا بنا ہے کہ کھاؤ اور ہونٹ چاٹتے رہو۔
یارِ غار ہونا	پکا دوست	نعیم ایسا یارِ غار مشکل ملتا ہے
ید طولیٰ حاصل کرنا	بہت مہارت ہونا	اقبال کو علم و ادب میں ید طولیٰ حاصل ہے وہ تقریر اور تحریر میں منفرد ہے۔

اصلاحِ اغلاط

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو ٭ کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

زبان اظہار مطلب کا ذریعہ ہے اور صحیح صحیح مطلب اسی وقت ادا کیا جا سکتا ہے جب ہماری تحریر و تقریر ہر لحاظ سے درست اور اغلاط سے پاک ہو۔ اردو زباندانی کی تعلیم میں زبان و بیان کی اغلاط کی اصلاح کا موضوع بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں ہم صحتِ زبان سے متعلق چند قواعد و بیان کرتے ہیں۔ صحیح اردو لکھنے اور بولنے کے لیے ان کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

۱۔ جملہ میں ہمیشہ پہلے فاعل پھر مفعول اور آخر میں فعل آتا ہے۔ مثلاً استاد نے سبق پڑھا۔ ہم بازار گئے تھے۔ حامد کی کتاب گم ہو گئی۔

۲۔ اگر اسم مذکر ہے تو اس کا فعل بھی مذکر آئے گا۔ اگر اسم مونث ہے تو اس کا فعل بھی مونث ہو گا۔ مثلاً لڑکا آیا۔ لڑکی آئی۔

۳۔ جملہ میں فعل کی واحد جمع اسم کے مطابق آتی ہے مثلاً: تمہارا بھائی آیا تھا۔ تمہارے بھائی آئے تھے۔

۴۔ جب جملہ میں مختلف قسم کے اسم آئیں تو فعل کی تذکیر و تانیث آخری اسم کے مطابق آتی ہے مثلاً میں نے ایک گھوڑا، تین اونٹ اور چار بکریاں خریدی ہیں۔

۵۔ جب مصدر فعل امر یا نہی ہے تو فاعل کے لیے "نے" استعمال نہیں کرتے مثلاً "تم مت جانا" درست ہے۔ اگر اس فقرے میں "تم" کے بعد "نے" استعمال کیا جاتا تو فقرہ غلط ہو جائے گا۔

۶۔ اگر جملے میں ماضی مطلق، ماضی بعید، ماضی استمراری یا ماضی تکیہ آئے تو اس کے ساتھ ہمیشہ "نہیں" آتا ہے "نہ" لکھنا غلط ہے۔ مثلاً میں نے کتاب نہیں خریدی۔ وہ سبق نہیں پڑھتے تھے۔

۷۔ "نہ" کے بعد "ہی" "نہیں آتا۔ مثلاً "نہ سلیم ہی گیا نہ منظور" درست ہے "نہ ہی سلیم گیا نہ ہی منظور" غلط ہے۔

۸۔ ماضی تمنائی اور فعل مضارع کی منفی صورت میں "نہ" آتا ہے مثلاً "اگر وہ محنت نہ کرتا تو پاس نہ ہوتا۔

۹۔ تعظیم کے لیے "آپ" کے ساتھ فعل جمع کی صورت میں لکھتے ہیں مثلاً "آپ وہاں نہ جائیں" صحیح ہے "آپ وہاں نہ جاؤ" غلط ہے۔

۱۰۔ لفظ "ہر" واحد سے پہلے لکھتے ہیں۔ جمع سے پہلے "ہر" لکھنا غلط ہے مثلاً: ہر شخص

ہر شخص غلط۔ ہر لفظ صحیح ہے جب کہ ہر اشخاص۔ ہر الفاظ، غلط ہے۔

۱۱۔ جب جملہ میں تین قسم کی ضمیریں آ جائیں تو سب سے پہلے ضمیر متکلم پھر ضمیر مخاطب اور آخر میں ضمیر غائب لکھتے ہیں مثلاً "میں آپ اور وہ تینوں سیر کو جائیں گے۔

۱۲۔ جب کوئی مصدر لفظ "ہے" کے ساتھ مل کر فعل مستقبل کے معنی دے تو اس کے فاعل کے ساتھ "نے" علامت خاص فاعل نہیں آئے گا مثلاً "میں نے لاہور جانا ہے" کی بجائے "مجھے لاہور جانا ہے" لکھنا چاہیے۔

۱۳۔ آئے گا۔ جائے گا۔ کھائے گا، استعمال کرنا چاہیے۔ آوے گا۔ جاوے گا وغیرہ اب متروک ہو چکے ہیں۔

۱۴۔ جب مرکب توصیفی آئے تو پہلے صفت اور پھر موصوف لکھے مثلاً سرخ پھول، نیک انسان سفید چادر وغیرہ۔

۱۵۔ حرف عطف "واؤ" کا استعمال اکثر فارسی اسماء میں ہوتا ہے۔ ہندی اسماء میں لفظ "اور" لاتے ہیں مثلاً گھوڑا اور گدھا گھوڑا و گدھا غلط ہے۔

(اگر اسم علم کا استعمال ہو تو "واؤ" لکھ سکتے ہیں۔ مثلاً دہلی و لکھنؤ کی زبان اردو ہے)

۱۶۔ اگر کسی جملے میں ایک سے زیادہ فاعل جمع کی صورت میں ہوں تو فعل کی تذکیر و تانیث وقت درج اس اسم کے لحاظ سے ہو گی جو فعل کے ساتھ درج ہو گا مثلاً: تمام مرد اور عورتیں بیٹھی ہیں۔ سب لڑکیاں اور لڑکے بیٹھے ہیں۔

۱۷۔ "ہی" ہمیشہ اس لفظ کے بعد لکھنا چاہیے جس میں زور پیدا کرنا مقصود ہو مثلاً ہم ہی نے کہا تھا کہ ضرور جاؤ۔ تم ہی نے کہا تھا کہ گھوڑا نہ بیچ دو۔

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آ سکے تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمہیں بھلا سکے

۱۸۔ جو لفظ اہل زبان کے نزدیک مذکر ہے اسے مذکر لکھیے اور جو مونث ہے اسے مونث لکھنا چاہیے۔ مثلاً ہری ہری گھاس لاؤ۔ تمہارا مرض لادوا ہے۔ صحیح ہے۔ جب کہ ہرا ہرا گھاس لاؤ۔ تمہاری مرض لادوا ہے۔ غلط ہے

۱۹۔ "لڑاکا" اور "ہکا بکا" کے دونوں لفظ مذکر اور مونث ہیں اور واحد و جمع میں ایک ہی طرح استعمال ہوتے ہیں، مثلاً۔

وہ لڑکا بڑا لڑاکا ہے۔ وہ عورت بڑی لڑاکا ہے۔ وہ دونوں بڑے لڑاکا ہیں۔

احمد ہکا بکا رہ گیا۔ راشد ہکا بکا رہ گیا۔ وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے۔

۲۰۔ ضمیر کے ساتھ علامت مفعول "کو" استعمال کرنا غلط ہیں مثلاً: مجھ کو کہا تھا، کی بجائے

مجھ سے کہا تھا درست ہے۔

۲۱۔ عربی کے جمع الفاظ کو اردو قاعدے کے مطابق دوبارہ جمع یا جمع الجمع بنانا صحیح نہیں مثلاً۔ اولیاء کی جمع اولیاؤں اور وجوہ کی جمع وجوہاتوں لکھنا غلط ہے۔

۲۲۔ لفظ "مبادا" کے معنی ہیں "ایسا نہ ہو" اس لیے مبادا کے بعد دوبارہ "نہ" استعمال کرنا بالکل غلط ہے مثلاً "مبادا وہ فیل نہ ہو جائے، غلط ہے۔ مبادا وہ فیل ہو جائے گا، درست ہے۔

۲۳۔ املاء کی غلطی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح متشابہ الفاظ اور ہم آواز الفاظ کی غلطی سے بھی بچنا چاہیے۔ مثلاً۔ وہ امتحان میں فیل ہو گیا کوئٹہ میں انگور کسرت سے پیدا ہوتا ہے۔

ان فقروں میں فیل کی بجائے فیل اور کسرت کی بجائے کثرت۔ ہونا چاہیے۔

۲۴۔ اہل زبان کے روزمرہ اور محاورے کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے مثلاً اہل زبان کے نزدیک "آئے دن" لکھنا، درست ہے اور "ہر دن" لکھنا، غلط ہے۔ اسی طرح "دن بدن" لکھنا، غلط ہے، جب کہ "روز بروز" درست ہے۔ اسی طرح "اس نے میرے کو کہا"، "ہم نے تمہارے کو بھیجا تھا"۔ غلط ہیں۔ اس نے مجھ کو کہا۔ "ہم نے تمہیں بھیجا تھا"۔ صحیح ہیں۔

۲۵۔ ایک جملے میں دو ہم معنی الفاظ کا لانا صحیح نہیں مثلاً: شب معراج کی رات، ماہ رمضان کا مہینہ، غلط ہے اور شب معراج یا معراج کی رات، ماہ رمضان یا رمضان کا مہینہ درست ہے

۲۶۔ چھوٹے رشتہ داروں کے "الف" کو یائے مجہول (ے) سے بدلنا درست ہے۔ مگر بڑے رشتہ داروں کے "الف" کو یائے مجہول (ے) سے بدلنا درست نہیں مثلاً بیٹے، بھانجے، بھتیجے، پوتے، نواسے درست ہے۔ مگر چچے، نانے، دادے غلط ہے۔

۲۷۔ مونث فعل کے جمع کے صیغوں میں نون غنہ (ں) کا اضافہ درست نہیں مثلاً لکھتی ہیں۔ پڑھتی ہیں کو لکھتیں ہیں۔ پڑھتیں ہیں، کہنا غلط ہے۔

درست جملے

املا کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
یہ شارح عام نہیں ہے	یہ شارع عام نہیں ہے

غلط جملے	درست جملے
صبح کی سیر آدمی کو دن بھر چاک و چوبند رکھتی ہے۔	صبح کی سیر آدمی کو دن بھر چاق و چوبند رکھتی ہے۔
مکدر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔	مقدر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔
میں مطالعے کیلئے "نازر" کی عینک استعمال کرتا ہوں	میں مطالعے کے لیے نظر کی عینک استعمال کرتا ہوں۔
آدمی کو اپنی محدود آمدنی میں رہ کر گزارہ کرنا چاہیئے	آدمی کو اپنی محدود آمدنی میں رہ کر گزارہ کرنا چاہیے۔
میرا گاؤں دریا کے کنارے واقو ہے۔	میرا گاؤں دریا کے کنارے واقع ہے۔
احمد کا باپ جاگیردار کا مضارع ہے۔	احمد کا باپ جاگیردار کا مزارع ہے۔
اسلم دو سو روپے مشاعرہ پاتا ہے۔	اسلم دو سو روپے مشاہرہ پاتا ہے۔
خدا آپکا ہامی و ناصر ہو۔	خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔
صدا عیش دوراں دکھاتا نہیں	سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
اردو شاعری میں اقبال کے کلام کی نذیر ملنا مشکل ہے۔	اردو شاعری میں اقبال کے کلام کی نظیر ملنا مشکل ہے۔
السلام علیکم کے بعد واضع ہو۔	السلام علیکم کے بعد واضح ہو۔
برائے کرم مقرر ارشاد فرمایئے۔	براہِ کرم مکرر ارشاد فرمایئے۔
اب تو دوکاندار کا حساب بے پاک کرنا ہی پڑے گا۔	اب تو دوکاندار کا حساب بے باق کرنا ہی پڑے گا۔
اس شعر میں شاعر نے محبوب کے قد کو سُرو سے تشبیع دی ہے۔	اس شعر میں شاعر نے محبوب کے قد کو سرو سے تشبیہ دی ہے۔

تذکیر و تانیث کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
میں نے آج کی اخبار نہیں پڑھی۔	میں نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔
پرہیز علاج سے بہتر ہوتی ہے۔	پرہیز علاج سے بہتر ہوتا ہے۔
مجھے کھٹے ڈکار آتے ہیں۔	مجھے کھٹی ڈکاریں آتی ہیں۔
میرا بائیسکل ناقابلِ استعمال ہے۔	میری بائیسکل ناقابلِ استعمال ہے۔
تم نے تو خاتون کا ناک کٹوا دیا۔	تم نے تو خاتون کی ناک کٹوا دی

غلط جملے	درست جملے
حادثے کی خبر سن کر میری ہوش اڑ گئی	حادثے کی خبر سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔
مویشیوں کیلئے ہرا ہرا گھاس کاٹ لاؤ	مویشیوں کے لیے ہری ہری گھاس کاٹ لاؤ۔
سانپ کی زہر انتہائی مہلک ہوتی ہے	سانپ کا زہر انتہائی مہلک ہوتا ہے۔
مجھے کراچی کی دو ٹکٹیں دے دیجئے۔	مجھے کراچی کے دو ٹکٹ دے دیجئے۔
گلی میں ہر طرف کیچڑ پھیلا ہوا ہے	گلی میں ہر طرف کیچڑ پھیلی ہوئی ہے۔
مجھے ابھی تک تمہارے آنے کا تار نہیں ملا	مجھے ابھی تک تمہارے آنے کی تار نہیں ملی۔
میں نے آج رات خوفناک خواب دیکھی	میں نے آج رات خوفناک خواب دیکھا۔
پیاز کس بھاؤ بک رہا ہے	پیاز کس بھاؤ بک رہی ہے۔
فٹ بال میری پسندیدہ کھیل ہے	فٹ بال میرا پسندیدہ کھیل ہے۔
جنابہ ہیڈ مسٹریس صاحبہ	جناب ہیڈ مسٹریس صاحبہ

واحد اور جمع کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
کسان نے دس من گیہوں خرید لیا	کسان نے دس من گیہوں خرید لئے
حمید نے بازار سے دو قلم، چار کتابیں اور ایک کاپی خریدے	حمید نے بازار سے دو قلم، چار کتابیں اور ایک کاپی خریدی۔
مجھے تم سے کوئی توقعات نہیں	مجھے تم سے کوئی توقع نہیں
شمسہ کئی سالوں سے بیمار ہے	شمسہ کئی سال سے بیمار ہے۔
یہاں ہر امراض کا علاج ہوتا ہے	یہاں ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔
مشکلاتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔	مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرو
داتا صاحب بہت بڑے اولیاء اللہ تھے۔	داتا صاحب بہت بڑے ولی اللہ تھے۔
میں نے آپ کا ہر الفاظ غور سے سنا ہے	میں نے آپ کا ہر لفظ غور سے سنا ہے۔
دونوں فریقین نے آپس میں صلح کر لی۔	فریقین نے آپس میں صلح کر لی۔
آج ان کا درشن نہیں ہوا	آج ان کے درشن نہیں ہوئے۔

تکرارِ الفاظ

غلط جملے	درست جملے
میں نے اس کتاب سے استفادہ حاصل کر لیا ہے۔	میں نے اس کتاب سے استفادہ کر لیا ہے۔
آبِ زم زم کا پانی باعثِ برکت ہے	آبِ زم زم باعثِ برکت ہے
فی الواقعی غلطی تمہاری ہے۔	واقعی غلطی تمہاری ہے۔
درحقیقت میں آپ کے ساتھ میری کوئی دشمنی نہیں۔	درحقیقت آپ کے ساتھ میری کوئی دشمنی نہیں
لیلۃ القدر کی رات ہزار مہینوں سے افضل ہے	لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے
وہ بمعہ سامان آدھمکے	وہ مع سامان آدھمکے
مبادا کہیں ایسا نہ ہو میں آؤں اور آپ گھر پر نہ ہوں۔	کہیں ایسا نہ ہو۔ میں آؤں اور آپ گھر پر نہ ہوں۔
پرسوں ضرور بضرور تشریف لائیں	پرسوں ضرور تشریف لائیں
خدا جانے وہ کب واپس لوٹیں	خدا جانے وہ کب لوٹیں
اس بڑھیا عورت نے میرا دم ناک میں کر رکھا ہے	اس بڑھیا نے میرا دم ناک میں کر رکھا ہے۔
سپہ سالار فوج کے قتل ہوتے ہی سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔	سپہ سالار کے قتل ہوتے ہی سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔
جلدی کرو مبادا گاڑی چھوٹ نہ جائے	جلدی کرو مبادا گاڑی چھوٹ جائے
میرے بھائی کی شادی بتاریخ ۲۳ مارچ کو ہو گی	میرے بھائی کی شادی ۲۳ مارچ ہو گی
مبلغ سو روپے ازاں محمد اسلم سے وصول پائے	مبلغ سو روپے محمد اسلم سے وصول پائے
میں نے گلِ داؤدی کا پھول توڑا	میں نے گلِ داؤدی توڑا

امالہ کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
بچہ کے ہاتھ میں کھلونا ہے	بچے کے ہاتھ میں کھلونا ہے
فوجوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا	فوجوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا

غلط جملے	درست جملے
میں چھٹی کے دن چچے کے گھر جاؤں گا	میں چھٹی کے دن چچا کے گھر جاؤں گا۔
باورچی خانہ میں آگ جل رہی ہے۔	باورچی خانے میں آگ جل رہی ہے۔
مسلمان عورتوں کو پردہ کی پابندی کرنی چاہیئے	مسلمان عورتوں کو پردے کی پابندی کرنی چاہیے۔
میں اس کے تقاضے سے تنگ آگیا ہوں۔	میں اس کے تقاضے سے تنگ آگیا ہوں۔
میں ایک گھنٹہ سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں	میں ایک گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں
سارا دن وقفہ وقفہ سے بارش ہوتی رہی	سارا دن وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی۔
ذرہ ذرہ میں خدا کا نور ہے	ذرے ذرے میں خدا کا نور ہے
کتا دیوار کے سایہ میں بیٹھا ہے	کتا دیوار کے سائے میں بیٹھا ہے۔
زینہ کی بتی بجھا دو	زینے کی بتی بجھا دو
عامر سادے مزاج کا آدمی ہے	عامر سادہ مزاج آدمی ہے
چوروں نے مردہ کے کپڑے بھی اتار لیئے	چوروں نے مردے کے کپڑے بھی اتار لیئے
وہ اپنی کامیابی پر جامہ میں پھولے نہ سماتا	وہ اپنی کامیابی پر جامے میں پھولے نہ سماتا
زندگی کھیل تماشہ کا نام نہیں	زندگی کھیل تماشے کا نام نہیں

عطف اور اضافت کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
بڑھیا کی چیخ و پکار سن کر لوگ جمع ہو گئے	بڑھیا کی چیخ پکار سن کر لوگ جمع ہو گئے
یہ شور و غل کیسا ہے؟	یہ شور غل کیسا ہے
وہ صحیح و سلامت واپس پہنچ گئے	وہ صحیح سلامت واپس پہنچ گئے
انہوں نے میری خاطر و مدارت کی	انہوں نے میری خاطر مدارت کی۔
ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔	ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے
آپس میں پیار و محبت سے رہو	آپس میں پیار اور محبت سے رہو
گلشن کا رنگ و روپ نکھر گیا	گلشن کا رنگ روپ نکھر گیا
اس کے جھوٹ و فریب کا پول کھل گیا	اس کے جھوٹ اور فریب کا پول کھل گیا۔
کھانے کے ساتھ ساتھ مربہ و اچار بھی رکھ دو	کھانے کے ساتھ مربہ اور اچار بھی رکھ دو

غلط جملے	درست جملے
مویشی شدتِ دھوپ سے ہانپنے لگے	مویشی دھوپ کی شدت سے ہانپنے لگے
لیڈرانِ قوم کا احترام کرنا چاہیئے	قوم کے لیڈروں کا احترام کرنا چاہیئے۔
خدا ہمیں آگِ جہنم سے بچائے	خدا ہمیں آتشِ جہنم سے بچائے۔
میں نے لکڑہارے کو سوئے جنگل جاتے ہوئے دیکھا۔	میں نے لکڑہارے کو جنگل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا
شدتِ بھوک سے میرا بُرا حال ہے	بھوک کی شدت سے میرا برا حال ہے

مطابقت کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
ہم تم کے پاس کبھی نہیں آئے گا	ہم تمہارے پاس کبھی نہیں آئیں گے
میں اور وہ مل کر آیا	میں اور وہ مل کر آئے
کتاب "پطرس کے مضامین" بڑے دلچسپ ہیں	کتاب "پطرس کے مضامین" بڑی دلچسپ ہے
صندوق اور الماریاں کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔	صندوق اور الماریاں کتابوں سے بھری پڑی ہیں۔
قلم دوات میز پر ہیں	قلم دوات میز پر ہے۔
پلیٹ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے	پلیٹ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔
آپ کب تشریف لاؤ گے	آپ کب تشریف لائیں گے۔
ماں بیٹی واپس چلی گئی	ماں بیٹی واپس چلی گئیں
یہ لڑکی بہت اچھی پڑھتی ہے	یہ لڑکی بہت اچھا پڑھتی ہے۔
بازار سے چند لڑکے اور لڑکیاں گزر رہے ہیں	بازار سے چند لڑکے اور لڑکیاں گزر رہی تھیں۔
اس جلسہ میں کئی مرد اور عورتیں آئے	اِس جلسہ میں کئی مرد اور عورتیں آئیں۔
تقریر کرنی ایسی آسان نہیں جیسا تم سمجھتے ہو	تقریر کرنا ایسا آسان نہیں جیسا تم سمجھتے ہو
آپ کھڑے ہو جاؤ	آپ کھڑے ہو جائیں۔
عورتوں نے کہا ہم ابھی آتی ہیں۔	عورتوں نے کہا ہم ابھی آتے ہیں۔
بھاوجہ صاحبہ بیمار ہیں	بھاوج صاحبہ بیمار ہیں

غلط جملے	درست جملے
تم میرا انتظار کیجیے	تم میرا انتظار کرو
برائے مہربانی کرکے اس کی امداد کرنا	مہربانی کرکے اس کی امداد کرنا
آپ آؤ گے تو ان کے گھر چلیں گے	آپ آئیں گے تو ان کے گھر چلیں گے ۔
آپ یہاں بیٹھو میں ابھی آیا	آپ یہاں بیٹھیں میں ابھی آیا
عورتوں نے کہا ہم جاتی ہیں	عورتوں نے کہا ہم جاتے ہیں ۔
وہ گھوڑا گاڑی کس کا ہے	وہ گھوڑا گاڑی کس کی ہے ؟

"نے" اور "کو" کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
تیرے کو شرم آنی چاہیے	تجھے شرم آنی چاہیے
ہم نے آپ کے بارے میں مرزا صاحب کو کہہ دیا ہے	ہم نے آپ کے بارے میں مرزا صاحب سے کہہ دیا ہے
کیا آپ نے چڑیا گھر کو دیکھا ہے ؟	کیا آپ نے چڑیا گھر دیکھا ہے ۔
کیا آپ نے میرا بھائی انور دیکھا ہے	کیا آپ نے میرے بھائی انور کو دیکھا ہے
کھڑکیوں کو بند کر دو	کھڑکیاں بند کر دو
انھوں نے آج واپس جانا ہے	انہیں آج واپس جانا ہے
اس نے مجھ کو پوچھا	اس نے مجھ سے پوچھا ۔
میں نے بہت سی کتابیں منگوائی ہیں	مجھے بہت سی کتابیں منگوانی (منگوانا) ہیں
جی نے چاہا تو ضرور آؤں گا	جی چاہا تو ضرور آؤں گا ۔
میں نے تمہارا نام نہیں بھولا	میں تمہارا نام نہیں بھولا
یہ رسالے میں نے پڑھے ہوئے ہیں	یہ رسالے میرے پڑھے ہوئے ہیں
حامد نے اکبر کو بہت کچھ کہا	حامد نے اکبر سے بہت کچھ کہا
میں نے کل اسلم کو خط لکھنا ہے	مجھے کل اسلم کو خط لکھنا ہے
دل نے چاہا تو مٹھائی لیتا آؤں گا	دل چاہا تو مٹھائی لیتا آؤں گا
جو کچھ تم نے دینا ہے اس غریب کو دے دو	جو کچھ تمہیں دینا ہے اس غریب کو دے دو
روشندان کو بند کر دیا تو کمرے میں حبس ہو گیا	روشندان بند کر دیا تو کمرے میں حبس ہو گیا ،

غلط جملے	درست جملے
کان کھول کر سن لو آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا	کان کھول کر سن لو آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا
میری کاپی کو میز کے اوپر رکھ دو	میری کاپی میز پر رکھ دو
کیا بلی دودھ کو پیتی ہے	کیا بلی دودھ پیتی ہے
ہم نے اتنا قیمتی کپڑا لے کر کیا کرنا ہے	ہمیں اتنا قیمتی کپڑا لے کر کیا کرنا ہے۔
اگلی اتوار پر میں بھی نے کام پر جانا ہے	اگلے اتوار کو بھی مجھے کام پر جانا ہے
تم اپنے کو سیدھا کرو	تم اپنا الو سیدھا کرو
میں نے آج تک اس کا احسان نہیں بھولا	میں آج تک اس کا احسان نہیں بھولا۔
ہم اردو کو بخوبی جانتے ہیں	ہم اردو بخوبی جانتے ہیں
گولی پہلے ہی کھالی تھی اب میں نے شربت پینا ہے۔	گولی پہلے ہی کھالی تھی اب مجھے شربت پینا ہے۔
میں نے آج پھر کچہری جانا ہے	مجھے آج پھر کچہری جانا ہے
چور نے مالک مکان کو لاٹھی ماری	چور نے مالک مکان کے لاٹھی ماری
کیا تم میرے مکان کو نہیں جانتے؟	کیا تم میرا مکان نہیں جانتے؟
آپ نے جانا ہی تھا تو ریل سے کیوں نہ گئے؟	آپکو جانا ہی تھا تو ریل سے کیوں نہ گئے؟
اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہو تو ہمت کو کبھی نہ ہارو	اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہو تو ہمت کبھی نہ ہارو
مجید نے ننھے کو مکا مارا	مجید نے ننھے کے مکا مارا
تم بھی بچوں کی طرح منہ کو چڑاتے ہو	تم بھی بچوں کی طرح منہ چڑاتے ہو۔
میں نے یہ کتاب پڑھی ہوئی ہے	یہ کتاب میری پڑھی ہوئی ہے
یہ بچہ ابھی روٹی یا پھل کو نہیں کھاسکتا	یہ بچہ روٹی یا پھل نہیں کھاسکتا
گاڑی روکو میں نے یہیں اترنا ہے	گاڑی روکو مجھے یہیں اترنا ہے
آپ نے لڈو کھلانے ہیں یا پیڑے	آپ کو لڈو کھلانے ہیں یا پیڑے
کسی اور سے پوچھو میرے کو خبر نہیں	کسی اور سے پوچھو مجھے خبر نہیں
حامد کو کہہ دو کہ آئندہ وقت پر آیا کرے	حامد سے کہہ دو کہ آئندہ وقت پر آیا کرے۔
ابا جی نے قائد اعظم دیکھے تھے	ابا جی نے قائد اعظم کو دیکھا تھا۔
ہم نے یہ قصہ سنا ہوا ہے	یہ قصہ ہمارا سنا ہوا ہے۔

درست جملے	غلط جملے
شکاری نے ایک ہی گھنٹے میں دو ہرن مارے	شکاری نے ایک ہی گھنٹے میں دو ہرنوں کو مارا
اس نے میری بات سن کر منہ پھیر لیا.	اس نے میری بات کو سن کر منہ کو پھیر لیا
تجھے ہوشیار رہنا چاہیے..	تجھ کو ہوشیار رہنا چاہیے
جونہی افضل نے دروازہ کھولا کتا اس سے لپٹ گیا.	جونہی افضل نے دروازے کو کھولا کتا اس کو لپٹ گیا
بہن نے بھائی کے تھپڑ مارا	بہن نے بھائی کو تھپڑ مارا
آخر ایک دن سبھی کو مرنا ہے.	آخر ایک دن سبھی نے مرنا ہے
میں نے مظہر سے کہہ دیا تھا کہ چار بجے آئے.	میں نے مظہر کو کہہ دیا تھا کہ چار بجے آئے
کیا تم اپنے لڑکے کو بھی نہیں پہچانتے ؟	کیا تم اپنا لڑکا بھی نہیں پہچانتے ؟
میری بات سنو اور اس پر عمل کرو	میری بات کو سنو اور اس پر عمل کرو
مجھے کل لاہور جانا ہے کیا آپ کو کچھ منگوانا ہے ؟	میں نے تو کل لاہور جانا ہے کیا آپ نے کچھ منگوانا ہے ؟
میں نے زاہد سے کہا کہ کوئی برا الفاظ استعمال نہ کرو	میں نے زاہد کو کہا کہ کوئی برا الفاظ استعمال نہ کرو
آخر وہ کامیاب ہو گیا.	آخر کو وہ کامیاب ہو گیا.
یہ بات میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا تھا.	یہ بات میں آپ کو پہلے ہی کہہ چکا تھا
انہیں وہاں نہیں جانا تو اور کہاں جانا ہے ؟	انہوں نے وہاں نہیں جانا تو اور کہاں جانا ہے ؟
صدر مجلس نے حاضرین سے خطاب کیا	صدر مجلس نے حاضرین کو خطاب کیا
چپڑاسی سے کہو گھنٹی بجا دے	چپڑاسی کو کہو گھنٹی بجا دے

روزمرّہ محاورہ اور ضرب المثل کی غلطیاں

درست جملے	غلط جملے
پاکستان روز بروز ترقی کر رہا ہے	پاکستان دن بدن ترقی کر رہا ہے
میں ہر روز بلاناغہ سیر کو جاتا ہوں.	میں ہر روز بے ناغہ سیر کو جاتا ہوں
جھوٹ بولنا بہت بری عادت ہے	جھوٹ مارنا بہت بری عادت ہے
شریف بچے گالیاں نہیں دیتے	شریف بچے گالیاں نہیں نکالتے

غلط جملے	درست جملے
شور سن کر میری نیند کھل گئی	شور سن کر میری آنکھ کھل گئی
مصیبت کے وقت بڑوں بڑوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔	مصیبت کے وقت بڑے بڑوں کے ہوش اُڑ جاتے ہیں۔
امید ہے آپ میری بات کا برا نہیں منائیں گے	امید ہے کہ آپ میری بات کا بُرا نہیں مانیں گے
حادثے کی خبر سن کر سلیمہ ہکی بکی رہ گئی	حادثے کی خبر سن کر سلیمہ ہکا بکا رہ گئی
لڑکیاں بازار جاتیں ہیں۔	لڑکیاں بازار جاتی ہیں۔
علامہ اقبال مرحوم صاحب پاکستان کے قومی شاعر تھے	علامہ اقبال مرحوم پاکستان کے قومی شاعر تھے۔
مجھے پچاس روپوں کی سخت ضرورت ہے	مجھے پچاس روپے کی سخت ضرورت ہے
ریل گاڑی نے سو میلوں کا فاصلہ دس گھنٹوں میں طے کیا۔	ریل گاڑی نے سو میل کا فاصلہ دس گھنٹے میں طے کیا۔
میں آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتا ہوں	میں آپ کی خیریت چاہتا ہوں
اکبر نے اعلانیہ میری حمایت کی	اکبر نے علانیہ میری حمایت کی
دسمبر ٹیسٹ نے ارم کی لیاقت کا بھانڈہ توڑ دیا	دسمبر ٹیسٹ نے ارم کی لیاقت کا بھانڈہ پھوڑ دیا
تم نے تو حاتم کی قبر پر پاؤں مار دیا	تم نے تو حاتم کی قبر پر لات مار دی
پاک فوج نے بھارتی حملوں کا ذہن شکن جواب دیا۔	پاک فوج نے بھارتی حملوں کا دندان شکن جواب دیا۔
خدا بدکاروں کی رسی لمبی کر دیتا ہے	خدا بدکاروں کی رسی دراز کر دیتا ہے
تمہیں کسی کے رنگ میں پانی نہیں ڈالنا چاہیئے	تمہیں کسی کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنی چاہیئے
مہنگا روئے بار بار سستا روئے ایک بار	سستا روئے بار بار مہنگا روئے ایک بار۔
عقل بڑی کہ گلے	عقل بڑی کہ بھینس
کاغذ کی کشتی کب تک بہے گی	کاغذ کی ناؤ کب تک بہے گی
بے ایمانی کر کے تمہیں اپنا منہ سیاہ نہیں کرنا چاہیئے	بے ایمانی کر کے اپنا منہ کالا نہیں کرنا چاہیے
بیٹے کو مصیبت میں دیکھ کر ماں کا دل منہ کو آنے لگا۔	بیٹے کو مصیبت میں دیکھ کر ماں کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔
میں سردیوں میں آگ سینکتا ہوں اور دھوپ تاپتا ہوں۔	میں سردیوں میں آگ تاپتا ہوں اور دھوپ سینکتا ہوں۔

غلط جملے	درست جملے
گاڑی چھوٹنے ہی والی ہے	گاڑی چھوٹنے کو ہے۔
مزدور شام ہی سے مویشی بیچ کر سو جاتے ہیں	مزدور شام ہی سے گھوڑے بیچ کر سو جاتے ہیں
تم غریبوں پر کیوں ظلم کرتے ہو	تم غریبوں پر کیوں ظلم ڈھاتے ہو۔
مجاہدوں نے طیش کھا کر زبردست حملہ کیا	مجاہدوں نے طیش میں آکر زبردست حملہ کیا۔
بڑھیا بڑی لڑاکی ہے	بڑھیا بڑی لڑاکا ہے۔
پرچے میں دیے گئے سوالات مشکل تھے	پرچے میں دیے گئے سوالات مشکل تھے
اس کی چشم میں درد ہے	اس کی آنکھ میں درد ہے
میں خدا کی رحمت سے بے اُمید نہیں	میں خدا کی رحمت سے نااُمید نہیں
تم بہت بے انصاف ہو	تم بہت ناانصاف ہو،
آپ مجھ سے بے حق ناراض ہو گئے	آپ مجھ سے ناحق ناراض ہو گئے
ہیلن کیلر نابینی تھی	ہیلن کیلر نابینا تھی
کینسر بے علاج مرض ہے	کینسر لاعلاج مرض ہے
ظفر ہمیں ملا	ظفر ہم سے ملا
میں بازار میں انہیں ملا	میں بازار میں ان سے ملا
تم چھت کے اوپر کھڑے کیا کر رہے ہو	تم چھت پر کیا کر رہے ہو
کمرے کے اندر کون بیٹھا ہے؟	کمرے میں کون بیٹھا؟
راہگیر تیز رفتار گاڑی کے نیچے آکر کچلا گیا	راہگیر تیز رفتار گاڑی کے نیچے آکر کچل گیا
سنایئے! آپ کی مزاج کیسی ہے	کہیے! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟
تم اپنی قلم خود کیوں نہیں گھڑ لیتے	تم اپنا قلم خود کیوں نہیں بنا لیتے
میں خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا	میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا
زاہد کے بغیر کوئی بھی وقت پر نہیں پہنچا	زاہد کے سوا کوئی بھی وقت پر نہیں پہنچا
غریب کے بچے فاقے مر رہے ہیں	غریب کے بچے فاقوں مر رہے ہیں۔
احمد پانچ دس روز سے بیمار ہے	احمد پانچ چھ روز سے بیمار ہے۔
بھارت پچھلے کئی سالوں سے خشک سالی کا شکار ہے۔	بھارت پچھلے کئی سال سے خشک سالی کا شکار ہے۔
یہ ہمارا اپنا مکان ہے۔	یہ ہمارا ذاتی مکان ہے۔

غلط جملے	درست جملے
میں آپ کا بے حد مشکور ہوں	میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں
ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر میری تقرری نہیں ہو سکی۔	ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر میرا تقرر نہیں ہو سکا۔
وہ دس سالوں سے کرائے کے مکان میں رہ رہا ہے	وہ دس سال سے کرائے کے مکان میں رہ رہا ہے۔
پانچ میں نہ پندرہ میں	تین میں نہ تیرہ میں
دمڑی کی گڑیا آنہ سر منڈائی	دمڑی کی گڑیا ٹکا سر منڈائی
لکڑی کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی	کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی
یہ منہ اور ماش کی دال	یہ منہ اور مسور کی دال

"نہ نہیں اور نہ ہی" کے استعمال کی غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
اسلم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا	اسلم نے میرے مشورے پر عمل نہیں کیا
اس نے والدین کا کہا نہ مانا ہے۔	اس نے والدین کا کہا نہیں مانا ہے
صفیہ جھوٹ نہ بولتی تھی	صفیہ جھوٹ نہیں بولتی تھی۔
اگر تم محنت نہیں کرتے تو کامیاب نہیں ہوتے	اگر تم محنت نہ کرتے تو کامیاب نہ ہوتے۔
سچ بولنے والا کبھی نقصان نہ اٹھائے گا	سچ بولنے والا کبھی نقصان نہیں اٹھائے گا۔
بک بک نہیں کر	بک بک نہ کر
زبیر سے کہیں کہ وہ آوارہ نہیں پھرے	زبیر سے کہیں کہ وہ آوارہ نہ پھرے
نہ ہی سعید آیا نہ ہی احمد پہنچا	نہ سعید ہی آیا نہ احمد ہی پہنچا۔
نہ میں نے سبق یاد کیا نہ ہی اسلم نے	نہ میں نے سبق یاد کیا نہ اسلم ہی نے

"ہی" اور "بھی" کے استعمال میں غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
تم نے ہی تو مدد کا وعدہ کیا تھا	تم ہی نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا

غلط جملے	درست جملے
یہ شرارت نصیر کی ہو گی	یہ شرارت نصیر ہی کی ہو گی
یہاں کوئی بھی شخص قابل اعتبار نہیں	یہاں کوئی شخص بھی قابل اعتبار نہیں
پڑھائی میں زبیر کا بھی دل نہیں لگتا	پڑھائی میں زبیر کا دل بھی نہیں لگتا۔
قائد اعظم جہاں بھی گئے عوام نے ان کا پر جوش استقبال کیا۔	قائد اعظم جہاں کہیں بھی گئے عوام نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔
کوئی بھی پاکستانی ملکی مفاد کے خلاف کام نہیں کر سکتا۔	کوئی پاکستانی ملکی مفاد کے خلاف کام نہیں کر سکتا۔
چاہے جتنی بھی کوشش کرو تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو گی	چاہے جتنی کوشش کرو تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو گی۔
جب بھی دیکھو طاہرہ پڑھائی میں مصروف ہوتی ہے۔	جب دیکھو طاہرہ پڑھائی میں مصروف ہوتی ہے۔
میں کبھی کبھی کشمیر نہیں گیا۔	میں کبھی کشمیر نہیں گیا۔
آم کھانے کو تمہارا بھی دل چاہتا ہو گا۔	آم کھانے کو تمہارا دل بھی چاہتا ہو گا۔
جو کام کرو دل لگا کر کرو	جو کام بھی کرو دل لگا کر کرو۔
سعیدہ کسی بھی دن سکول سے غیر حاضر نہیں رہی	سعیدہ کسی دن بھی سکول سے غیر حاضر نہیں رہی۔

متفرق غلطیاں

غلط جملے	درست جملے
سکول کا نتیجہ سو فیصدی رہا۔	سکول کا نتیجہ سو فیصد رہا۔
پولیس تحقیق میں مصروف ہے۔	پولیس تفتیش میں مصروف ہے۔
میں اس معاملے کی تفتیش کروں گا۔	میں اس معاملے کی تحقیق کروں گا۔
وہ بلا روک ٹوک آگے بڑھ گئے	وہ بے روک ٹوک آگے بڑھ گئے
میری باتوں نے اسے لاجواب کر دیا۔	میری باتوں نے اسے لاجواب کر دیا۔
ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے	ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے
سنائیے کیا حال چال ہے؛	سنائیے کیا حال ہے؟

غلط جملے	درست جملے
میں آپ کے غریب خانے پر حاضر ہوا تھا	میں آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوا تھا
میں آپ کی بات سن کر حیرانگی ہوئی ۔	مجھے ان کی بات سن کر حیرانی ہوئی ۔
برخوردار حمیدہ خانم کی شادی ہوئی	عزیزہ حمیدہ خانم کی شادی ہوئی ۔
یہ مثل تم پر صادر آتی ہے ۔	یہ مثل تم پر صادق آتی ہے ۔

مکالمہ نگاری

مکالمہ کے معنی بات چیت ۔ گفتگو کرنا کسی سے ہم کلام ہونا اور سوال و جواب کرتے ہیں انگریزی زبان میں اسے ڈائیلاگ کہتے ہیں ۔ اصطلاح میں دو آدمیوں کے درمیان بات چیت کا نام مکالمہ ہے ۔ مکالمہ کی افادیت مسلمہ ہے ڈرامے ۔ افسانے ۔ ناول ، ریڈیو ، سینما ، ٹی ۔ وی اور روزمرہ زندگی میں مکالمے آتے ہیں ۔ مکالموں کو پڑھ کر افراد قصہ کی شخصیت اور ان کی خوبیوں ، خامیوں ، عادات ، خصلتوں ، اور صلاحیتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ جب تک کوئی شخص گفتگو نہیں کرتا ۔ اس کی خوبیاں اور خامیاں پوشیدہ رہتی ہیں ۔ بلکہ کسی کی سماجی و ذہنی سطح کا اندازہ اس کی گفتگو سے ہو جائے گا ۔ مکالمہ دو انسانوں کے درمیان گفتگو ہوتی ہے ۔ اچھے مکالمہ نویس میں یہ خوبی ہونی چاہیئے کہ وہ گفتگو کو تخیل کی مدد سے ایسے انداز میں لکھے کہ غیر فطری یا غلط نہ سمجھی جائے ۔ بلکہ اس پر گمان ہو کہ سچ مچ اسی طرح ہوا ہے ۔

مکالمہ نگاری کیلئے ہدایات

۱۔ مکالمہ لکھتے وقت بات چیت کرنے والوں کے نام دائیں طرف لکھنے چاہئیں ۔

۲۔ سادگی اور بے تکلفی کے انداز میں خیالات کو ترتیب وار لکھا جائے ۔

۳۔ ہر کردار کو بات چیت کے لیے برابر موقع دیا جائے اور گفتگو کو فطری انداز میں آگے بڑھایا جائے ۔ تدریجی نقطہ نظر سے سرگرمی پیدا کی جائے اور یکایک ختم کرنے کی بجائے کسی نتیجہ پر مکالمہ ختم کیا جائے ۔

۴۔ غیر ضروری تکرار ۔ محاورات ۔ غیر مانوس الفاظ اور تراکیب سے گریز کیا جائے ۔

۵۔ مکالمہ کی معلومات کا صحیح اور وسیع ہونا اور اس کے نکات کا ترتیب وار ہونا ۔ اشد ضروری ہے ورنہ ساری بات چیت بناوٹ محسوس ہو گی ۔

۶۔ گفتگو آسان ۔ عام فہم زبان میں کی جائے اور موضوع کے مطابق مدلل اور مختصر ہو ۔

۷۔ ماہرانہ ۔ دانش ورانہ اور فلسفیانہ خیالات کو بھی دلچسپ اور عام فہم انداز میں لکھنا چاہیے

۸۔ ہر کردار کے رنگ ڈھنگ کے مطابق بول چال کا فطری انداز اختیار کیا جائے ۔ جس سے اس کی انفرادیت نمایاں ہو ۔

۹۔ امتحانی نقطۂ نظر سے اور مکالمہ کے فطری انداز سے واقفیت اسی لحاظ سے ممکن ہے کہ خود بھی خیالی مکالمے لکھ کر ان کی مشق کریں ۔

۱۰۔ فرضی اور خیالی مکالمے لکھنے کے سلسلے میں فطری قوت خیال سے اور ان کے روزمرہ مشاہدہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ آسانی سے مکالمے لکھ سکیں گے ۔

۱۱۔ مکالمہ میں مزاح اور طنز و ظرافت سے شگفتہ انداز بیان اختیار کیا جائے ۔

۱۲۔ برمحل شعروں ، مصرعوں اور کہاوتوں وغیرہ سے مکالمہ میں دلکشی اور دل پذیری پیدا کی جاسکتی ہے

۱۳۔ مکالمہ نگاری کے وقت موضوع کے بارے میں بنیادی نکات ذہن نشین کر لینے چاہییں ۔ گفتگو میں ترتیب اور تسلسل کا خیال رکھنا چاہیئے ۔

۱۴۔ جو کہا جائے ۔ مختصر ، مدلل اور موضوع کے عین مطابق ہو ۔

مجاہد بیٹے اور اس کے باپ کی گفتگو

بیٹا :۔ ابا ، اب ہمیں رخصت کرو ۔ ہم فوج کے ساتھ ضرور جائیں گے ۔

بوڑھا :۔ جان بابا

ع اک ذرا ہوش سنبھالو ابھی دنیا کو دیکھو

جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ۔ میدانِ جنگ میں بڑے بڑے بہادروں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں

بیٹا :۔ ابا جان ؛ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے میں نہ رکوں گا ۔

بوڑھا :۔ بیٹا ناکردہ کار ہو ۔ جاکر کیا بناؤ گے ؟

بیٹا :۔ ابا ہم زخمیوں کو پانی پلائیں گے ؟

بوڑھا :۔ اس خیال سے درگزر کرو ۔ یہاں ہم اکیلے مر نہ جائیں گے بغیر !

بیٹا :۔ (زار زار رو کر) ابا جان ، تم مر جاؤ تو خیر مگر زخمیوں کی خبر گیری مقدم ہے ۔ میرا قصور اس وقت معاف کرنا ۔ ایک تمہاری جان جانے سے اگر سو کا بھلا ہو تو ابا تم اپنی جان کا خیال نہ کرو ۔ (فسانہ آزاد .... رتن ناتھ سرشار)

بدمزاج خاوند اور اس کی بیوی کا مکالمہ

بیوی۔ میں نے کہا۔اب آٹھ بج چکے ہیں۔ دن چڑھ گیا ہے۔ دنیا کام کاج میں لگ گئی۔میں مصالحہ پیس چکی۔ رات اور صبح کے برتن دھو چکی۔ ہنڈیا چولھے کی فکر کرنے والی ہوں۔ آپ ہیں کہ اب تک پڑے کروٹیں لئے جارہے ہیں۔

خلیل۔(دوسرے کمرے سے) میرے کروٹیں لینے سے تمہارے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھنے لگا۔

بیوی۔ عجیب تماشا ہے۔ ہفتہ بھر اتوار کا انتظار کرتے ہیں۔ کہتے رہتے ہیں کہ اب کی اتوار کو یہ کروں گا وہ کروں گا۔ تازہ ہوا کھانے کو صبح صبح باغوں کی سیر کو نکل جاؤں گا۔ اور جب اتوار کا دن آتا ہے تو آدھا دن بستر پر پڑے انگڑائیوں اور جمائیوں کی نذر کر ڈالتے ہیں۔ اللہ جانے سمجھ کو کیا ہو گیا ہے۔

خلیل۔(دوسرے کمرے سے) جو جی چاہے گا کروں گا۔ تم کون ہوتی ہو ٹوکنے والی؟

بیوی۔ ٹوک کون رہا ہے۔ میں تو تمہارے ہی بھلے کو یہ کہہ رہی ہوں۔ دن اچھا تھا گھومنے کو چلے جاتے تو تفریح ہو جاتی۔

خلیل۔(دوسرے کمرے سے) جی ہاں چکر آرہے ہوں تو گھومنے سے اچھی تفریح بھلا اور کیا ہو سکتی ہے؟

بیوی۔ چکر آرہے ہوں تو میں بھلا کب لٹو کی طرح گھومنے کو کہہ رہی ہوں۔ ہفتہ بھر دفتر میں میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے گزر جاتا ہے۔ اتوار کے روز زیادہ نہیں گھنٹہ بھر ہی باغ میں پھر لیا کرو تو طبیعت اچھی خاصی رہے۔ پھر تمہیں تو اس دن چین پڑے گا۔ جب نصیب دشمناں میز کے ہو کے رہ گئے۔

خلیل۔(دوسرے کمرے سے) جب معلوم ہے کہ مجھے چین کس طرح پڑ سکتا ہے تو چپکی بیٹھی ترکاری کاٹو میرا دماغ کیوں چاٹ رہی ہو۔ (از ڈراما خوشی۔ امتیاز علی تاج)

استاد اور شاگرد کے درمیان مکالمہ

شاگرد: السلام علیکم سر

استاد: وعلیکم السلام (وقفہ) آؤ مظہر!

شاگرد: سر آپ نے مجھے پہچان لیا؟

استاد: لائق اور ہونہار بچے ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔

شاگرد: سر! میری قابلیت صرف آپ کی رہنمائی کی بدولت ہے۔ ورنہ میں کس لائق تھا۔

استاد : اتنا عرصہ کہاں رہے ۔

شاگرد : سر ! امریکہ سے پی ۔ ایچ ۔ ڈی سیاسیات کر کے آیا ہوں ۔

استاد : ماشاء اللہ ! تم سے یہی امید تھی ۔ اب کیا ارادہ ہے ۔

شاگرد : ملازمت کروں گا سر ۔

استاد : کوئی پیش کش !

شاگرد : ہاں ! سر مجھے پرنسپل ایف ۔ سی کالج لگایا جا رہا ہے ۔ آپ سے مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں ۔

استاد : بہت اچھے ! درس و تدریس ایک مقدس پیشہ ہے فوراً یہ عہدہ قبول کر لو ۔

شاگرد : سر ۔ یہ سب آپ کی محنت اور مشقت کا پھل ہے ۔ میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا ۔

استاد : تمہارے لیے یہی بہتر ہے ۔

شاگرد : اچھا سر ۔ اب اجازت دیجیے سر ۔

استاد : خدا حافظ

شاگرد : خدا حافظ سر

گاہک اور پھل فروش کا مکالمہ

گاہک : مجھے کچھ کینوں اور امرود خریدنے ہیں ۔

دوکان دار : فرمایئے ! کون سے کینو اور کتنے امرود تول دوں ۔

گاہک : ان کا بھاؤ تو پہلے بتاؤ پھر میں تمہیں ان کی مقدار بتاؤں گا ۔

دوکان دار : یہ کینو پانچ روپے درجن اور امرود تین روپے کلو ہیں فرمایئے ۔

گاہک : غضب خدا کا یہ ملکی مال اور اس قدر مہنگا ۔ کیا یہ ایران سے درآمد کیے گئے ہیں ۔

دوکان دار : جناب یہ کینو سرگودھا اور امرود سیالکوٹ سے آ رہے ہیں ۔

گاہک : بھئی اس شہر میں تو خوب لوٹ کا بازار گرم ہے کچھ تو خیال کرو

دوکان دار : جناب یہ سارا منڈی والوں کا قصور ہے ۔ ہم تو واجبی سا نفع لے کر بیچ دیتے ہیں ۔

گاہک : بھئی پھر تم خود ہی واجبی دام بتاؤ ، جو لینا چاہتے ہو ۔

دوکان دار : میں نے تو مناسب بتلائے ہیں ۔

گاہک : کینو چار روپے درجن اور امرود دو روپے کلو کے لگاؤ ۔

دوکان دار : واہ جناب ! اس بھاؤ تو میں منڈی سے بھی نہیں لایا ہوں ۔ اس کے علاوہ میونسپٹی کو بھی

: سو روپے کرایہ دیتا ہوں۔

گاہک : کچھ خود ہی مناسب رعایت کر دو۔

دوکاندار: بابو جی یہ لاہور ہے۔ یہاں تو رکشہ بھی میٹر پر نہیں چلتا۔ مال لانے جانے میں وہ بھی منہ مانگے کرائے وصول کرتے ہیں۔ پھر میں نے بھی تو کچھ کما کر بچوں کی روٹی ٹبے جانی ہے۔

گاہک : اچھا میاں زیادہ بحث نہ کرو۔ یہ کینو ایک درجن اور امرود ایک کلو تول دو۔

مسافر اور رکشہ ڈرائیور کے درمیان مکالمہ

مسافر : رکشہ والے (ڈرائیور رکشہ چلا کر مسافر کے پاس آتا)

ڈرائیور : جی صاحب۔

مسافر : رکشہ خالی ہے۔

ڈرائیور : جی۔ بالکل۔

مسافر : راج گڑھ چلو گے۔

ڈرائیور : جی نہیں۔

مسافر : کمال ہے رکشہ خالی بھی ہے اور چلتے بھی نہیں۔

ڈرائیور : بابو جی۔ سچ بات کہہ دوں۔

مسافر : بھلے آدمی کہہ کیوں نہیں دیتے۔ اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے۔

ڈرائیور : میرا رکشہ راج گڑھ کا نام سن کر بدکتا ہے۔

مسافر : (حیران ہو کر) بدکتا ہے۔

ڈرائیور : جی حضور۔ راج گڑھ کا نام ہی راج گڑھ ہے ورنہ نہ صرف رکشہ کے بلکہ میرے بھی انجر پنجر ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ انار کلی کہو تو لے چلوں۔

مسافر : کمال کرتے ہو جانا مجھے راج گڑھ ہے اور باتیں انار کلی کی کرتے ہو۔

ڈرائیور : تو پھر گھبرا کے چلے چلو۔ رکشہ میں بیٹھو سے تو پتہ بھی نہ چلے گا۔

مسافر : عجیب انسان ہو۔ آخر میں کتنی بار کہوں کہ مجھے راجگڑھ جانا ہے۔

ڈرائیور : (ہنس کر) بہت پیار ہے راجگڑھ سے۔ اچھا تو سنیے میٹر سے ایک روپیہ زائد لوں گا۔

مسافر : ایک روپیہ زیادہ۔ وہ کیوں؟

ڈرائیور : (رکشہ سٹارٹ کرتا ہے) چھوڑیئے بابو جی دیکھ لیا راج گڑھ سے آپ کا پیار بھی۔

مسافر : عجیب سر پھرے انسان ہو۔ مسافر رکشہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ اور رکشہ چل پڑا ہے

دو ہم جماعتوں کے درمیان مکالمہ ایک کھلاڑی ہے اور دوسرا کتابی کیڑا

سہیل : کدھر چلے ہو دوست کبھی تو کتاب کو ہاتھ سے چھوڑ کر آؤ فٹ بال کھیلیں۔

علی : مجھے معاف کرو بھئی۔ امتحان قریب ہے اور تمہیں فٹ بال کی سوجھی ہے۔

سہیل : ارے امتحان تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ امتحان قریب آئے گا تو پڑھ لیں گے۔ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ چلو آؤ ساتھ!

علی : بھئی کہہ جو دیا اس وقت معاف کرو۔ اگر میں اس امتحان میں پاس نہ ہوا تو آگے کیسے پڑھوں گا۔

سہیل : پڑھ کر کیا کرو گے۔

علی : سنا نہیں علم بہت بڑی دولت ہے۔

سہیل : ہزاروں ڈگریاں لیے پھرتے ہیں۔ انہیں کوئی چپڑاسی بھی نہیں رکھتا۔

علی : میں نوکری کے لیے نہیں علم حاصل کرنے کے لیے محنت کرتا ہوں۔

سہیل : لیکن! کیا یہ نہیں سنا کہ صحت مند جسم میں ہی اچھا ذہن ہوتا ہے۔

علی : سنا ہے لیکن یہ کہیں نہیں پڑھا کہ فٹ بال کھیلنے سے علم حاصل ہوتا ہے۔

سہیل : بھئی آپ کوئی کھیل کھیلیں گے تو آپ کی صحت برقرار رہے گی۔ اچھی صحت ہو گی تو ذہنی نشوونما بھی بہتر ہو گی۔ ذہن بہتر ہو گا تو آپ کسی بھی علم کو سیکھ سکتے ہیں۔

علی : خیر تم اپنا فلسفہ رہنے دو۔ مجھے صحت مند جسم سے زیادہ صحت مند ذہن اچھا لگتا ہے

سہیل : اچھا تو یہ خیالات ہیں آپ کے میرے دوست اگر آپ کا ذہن بہت اچھا ہے اور علم سے مالا مال ہے۔ مگر صحت کے لحاظ سے آپ کمزور ہیں۔ اب آپ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ذہن کا ساتھ نہیں دیتا تو آپ کا علم کس کام کا۔

علی : میں اتنا کمزور نہیں ہوں۔ کہ ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا سکوں۔

سہیل : مجھے تو ایسا نظر آ رہا ہے۔ یہ مدقوق چہرہ ہڈیوں کا پنجر۔ آنکھوں پر عینک اور چہرہ پر ہوائیاں۔ کبھی آئینہ دیکھا ہے۔

علی : ہاں میں سمجھتا ہوں کہ جسمانی طور پر میری یہ حالت ہے مگر کیا کروں کھیل کود میں میرا دل نہیں لگتا مجھے صرف کتابوں سے پیار ہے۔

سہیل : تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیم جسمانی کے متعلق بھی جاننا ضروری ہے کیونکہ یہ ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس سے افراد کی ذہنی جسمانی، جذباتی اور سماجی طور پر متوازن نشوونما ہوتی ہے۔

علی : انشاءاللہ میں اپنی صحت کی نشو و نما کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیم جسمانی کی طرف بھی توجہ دوں گا۔ چلو فٹ بال کھیلیں، اور دونوں مل کر فٹ بال گراؤنڈ میں چلے جاتے ہیں

ڈاکٹر اور مریض کے درمیان مکالمہ

مریض : السلام علیکم ۔ ڈاکٹر صاحب!
ڈاکٹر : وعلیکم السلام۔ اب کیسی طبیعت ہے؟
مریض : سر میں درد ہے اور ہلکا سا بخار بھی۔
ڈاکٹر : تمہیں ٹائیفائیڈ بخار ہے۔ آہستہ آہستہ اترے گا۔ کل کے مقابلے میں آج تمہاری حالت بہتر ہے۔
مریض : ہاں ڈاکٹر صاحب!
ڈاکٹر : تمہیں پوری طرح آرام کرنا چاہیئے۔
مریض : ڈاکٹر صاحب! میرا دل کچھ کھانے کو چاہتا ہے۔
ڈاکٹر : تمہیں ہلکی غذا کھانی چاہیے۔ ثقیل غذا کھانے سے تمہارا مرض بڑھ سکتا ہے۔
مریض : ڈاکٹر صاحب ایک ہفتے سے ہلکی غذا کھا رہا ہوں۔
ڈاکٹر : ایک دو ہفتے اور صبر کر لو۔ کہتے ہیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔
مریض : اچھا جی! جیسی آپ کی مرضی۔
ڈاکٹر : میں دوا لکھ دیتا ہوں بازار سے لے لینا۔ خدا نے چاہا تو جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے
مریض : آپ کی بڑی مہربانی ڈاکٹر صاحب۔ آپ نے اتنی توجہ کے ساتھ میرا علاج کیا۔
ڈاکٹر : یہ تو میرا فرض تھا۔
مریض : اچھا میں اب چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔
ڈاکٹر : خدا حافظ!

ٹکٹ چیکر اور مسافر کے درمیان گفتگو

ٹکٹ چیکر : (مسافر سے) ٹکٹ پلیز!
مسافر : (جیبوں کی تلاشی لیتے ہوئے) انجانے کہاں گم ہو گیا۔
ٹکٹ چیکر : کیا واقعی آپ نے ٹکٹ خریدا تھا۔
مسافر : جی بالکل! میں کبھی بغیر ٹکٹ کے سفر نہیں کرتا۔

ٹکٹ چیکر : تو پھر آپ کا ٹکٹ کہاں گیا؟
مسافر : ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیب سے بٹوا نکالتے وقت کہیں گر گیا ہے۔
ٹکٹ چیکر : آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بغیر ٹکٹ سفر کرنا جرم ہے۔
مسافر : مگر جناب میں نے ٹکٹ خریدا تھا۔
ٹکٹ چیکر : اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟
مسافر : ثبوت تو کوئی نہیں۔
ٹکٹ چیکر : آپ کہاں سے سوار ہوئے تھے؟
مسافر : حیدرآباد سے!
ٹکٹ چیکر : کہاں جا رہے ہیں؟
مسافر : لاہور!
ٹکٹ چیکر : حیدرآباد سے لاہور تک کے کرایہ اور جرمانہ کی رقم مل کر ایک سو دس روپے بنتی ہے۔
مسافر : (بٹوے سے رقم نکال کر دیتے ہوئے) یہ لیجیے! اور اس کی رسید مجھے دیجیے!
ٹکٹ چیکر : (روپے لیتے ہوئے) بُرا نہ مانیے گا۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔
مسافر : کوئی بات نہیں۔ آپ رسید بنائیے!
ٹکٹ چیکر : (رسید دیتے ہوئے) یہ لیجیے! آپ کا بہت بہت شکریہ!
مسافر : مفت میں ایک سو دس روپے کی چھٹی پڑ گئی۔ لیکن یہ تو سب میری اپنی لاپرواہی کا نتیجہ ہے
ٹکٹ چیکر : آئندہ احتیاط رکھیئے گا۔

دو دوستوں میں سگریٹ نوشی کے موضوع پر مکالمہ

کمال : السلام علیکم۔ امجد
امجد : وعلیکم السلام۔ آج بڑے دنوں کے بعد ملاقات ہوئی کہاں رہے۔
کمال : بھئی کام اتنا زیادہ ہے کہ فرصت ہی نہیں ملتی۔
امجد : کہو اب تمہاری سگریٹ نوشی کا کیا حال ہے؟
کمال : میں نے سگریٹ پینا چھوڑ دیا ہے۔
امجد : کیا کہا؟ سگریٹ پینا چھوڑ دیا ہے۔ تعجب ہے تم تو دن رات سگریٹ پیتے تھے۔ ایک ختم ہوئی۔ دوسری سلگائی۔
کمال : ہاں بھئی! میں بلا کا سگریٹ نوش تھا۔ پھر اچانک بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا سگریٹ

نوشی چھوڑ دو۔ ورنہ تمہاری بیماری شدت اختیار کر جائے گی۔

امجد : سنا ہے سگریٹ میں جو تمباکو ہوتا ہے وہ انسانی صحت کے لیے مضر ہے۔

کمال : تمباکو میں ایک زہر ہوتا ہے جو نکوٹین کہلاتا ہے اس کو تھوڑی سی مقدار ہی انسان کو ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔

امجد : ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ سگریٹ پینے سے پھیپھڑوں کا سرطان ہو جاتا ہے۔

کمال : یہ بڑا موذی مرض ہے جو انسان کی جان لے کر ہی چھوڑتا ہے اور اس کا علاج اب تک دریافت نہیں ہوا۔

امجد : تم بہت اچھا کیا کہ سگریٹ نوشی ترک کر دی

کمال : خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ سگریٹ نوشی ترک کرنا کوئی کام بھی نہیں۔ صرف قوت ارادی کی ضرورت ہے ہمت کرے انسان تو ہو نہیں سکتا۔

امجد : ہاں بھئی! اللہ تعالیٰ سب کو اس عادت بد سے بچائے۔ اس سے نہ صرف صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ روپیہ بھی برباد ہوتا ہے۔

کمال : اچھا خدا حافظ! پھر ملاقات ہو گی۔

امجد : خدا حافظ!

دو دوستوں میں مکالمہ کسی میچ پر تبصرہ

عرفان : السلام علیکم۔

مجید : وعلیکم السلام۔

عرفان : کہاں سے آ رہے ہو؟

مجید : قذافی سٹیڈیم سے آ رہا ہوں۔

عرفان : اچھا تو تم بھی آسٹریلیا اور پاکستان کا ہاکی ٹیسٹ میچ دیکھ کر آ رہے ہو۔ بھئی میں نے بھی ٹیلی ویژن پر وہ میچ دیکھا۔ بڑا دلچسپ میچ تھا۔

مجید : ہاں عرفان۔ پاکستانی کھلاڑیوں نے بڑے اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا۔

عرفان : پاکستانی کھلاڑی خوب جم کر کھیلے اور گول کرنے کے موقعوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا پہلا گول منظور نے پنلٹی کارنر کی ہٹ لگاتے ہوئے کیا۔ دوسرا گول منور الزمان نے پنلٹی کارنر کی ہٹ لگا کر کیا۔

مجید : تیسرا گول بھی منور الزمان نے کیا۔ چوتھا گول منظور نے کیا۔

عرفان : آسٹریلیا کی ٹیم بھی کافی مضبوط تھی۔ لیکن اس نے متعدد پنلیٹی کارنر ضائع کیے صرف ایک پنلیٹی سٹروک پر گول کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مجید : کھیل ختم ہونے پر پاکستان جیت گیا۔ پاکستان ٹیم نے چار گول اور آسٹریلیا کی ٹیم نے صرف ایک گول کیا۔

عرفان : اس میچ میں پاکستان کے دو چوٹی کے کھلاڑی ٹھہنانہ اور رشید جونیئر نہ کھیل سکے لیکن اس میں باوجود ٹیم کا پلہ بھاری رہا۔

مجید : پاکستان کی ہاکی ٹیم دنیا کی چند بہترین ٹیموں میں سے ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ ہاکی کے بین الاقوامی مقابلوں میں اپنی امتیازی حیثیت برقرار رکھے گی۔

عرفان : انشاءاللہ

مجید : مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے۔ خدا نے چاہا تو جلد ملاقات ہو گی۔ خدا حافظ!

عرفان : خدا حافظ!

خطوط نویسی

خطوط نویسی کیا ہے

خط وہ تحریر ہے جو فاصلے اور دوری کے باعث لکھی جائے۔ ورنہ ان باتوں کو حضوری کی صورت میں زبانی بیان کیا جا سکتا ہے۔ گویا خط ایک طرح کی تحریری گفتگو ہے۔ اسی لیے اسے نصف ملاقات کہا گیا ہے۔ کبھی ہم اپنے والدین، بہن بھائیوں اور عزیزوں اور دوستوں کو خط لکھ کر دل کی بات کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہم سے دور بستے ہیں اور ہم ان کے پاس نہیں جا سکتے۔ یا مکتوب الیہ رہتا تو آپ کے شہر ہی میں ہے۔ لیکن مصروفیت کے باعث وہاں جا کر اس سے گفتگو نہیں کر سکتے۔

خط کی زبان سادہ، شگفتہ اور روزمرہ بول چال کے مطابق ہونی چاہیے تاکہ اسے پڑھ کر وہی لطف اور فائدہ حاصل ہو جو آپس کی ملاقات سے حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح مرزا غالب نے خطوط نویسی کو روزمرہ کی ایک چیز بنا دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے دو اشخاص آمنے سامنے گفتگو کر رہے ہیں۔ خط لکھنا بھی ایک فن ہے جس میں مشق سے مہارت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں اہم مکتوب نگاروں کے خطوط کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

خطوط کی اقسام

۱۔ **ذاتی یا نجی خطوط** ایسے تمام خطوط جو عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو لکھے جائیں اور جن میں ذاتی، نجی اور گھریلو قسم کی اور رازدارانہ باتیں درج ہوں، نجی خطوط کہلاتے ہیں۔ ایسے خطوط کا اندازِ تخاطب اور لب و لہجہ سراسر شخصی، بے تکلف اور غیر رسمی ہوتا ہے۔ پھر بھی ان خطوط میں مراتب کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ ذاتی باتوں کے علاوہ بسا اوقات سیاست، ادب، فلسفہ اور معاشرہ جیسے موضوعات پر بھی خیال کیا جاتا ہے

۲۔ **کاروباری خطوط** وہ خطوط جو تجارتی اداروں یا کاروباری لوگوں، تاجروں وغیرہ کو اشیاء کی خرید و فروخت یا اسی قسم کے معاملات کے بارے میں لکھے جاتے ہیں۔ انہیں کاروباری یا معاملاتی خطوط کہتے ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں تجارتی و صنعتی ادارے ادبی، ثقافتی، معاشرتی ادارے اور طلبہ کی انجمنیں بالعموم اسی ڈھنگ میں خطوط لکھتی ہیں۔

۳۔ **سرکاری خطوط** انہیں دفتری خطوط بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ خطوط یا درخواستیں ہیں۔ جو حصولِ ملازمت کے لیے لکھی جاتی یا کسی محکمے کے افسر کو اس کے محکمے سے متعلقہ مسئلے کے بارے میں لکھی جائیں۔ مثلاً گلیوں، نالیوں اور سڑکوں کی صفائی کے لیے میونسپل کمیٹی یا کارپوریشن کے کسی ذمہ دار افسر کو درخواست لکھنا۔ ان خطوط میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جو سرکاری محکموں کے لوگ سرکاری کاموں کے لیے ایک دوسرے کو لکھتے ہیں۔ سرکاری خطوط دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اول وہ جنہیں خالصتہً سرکاری یا دفتری کا نام دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے وہ جنہیں نیم سرکاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان دونوں قسموں میں معمولی امتیاز یا فرق پایا جاتا ہے۔

خط کے اجزاء

پیشانی اس حصہ میں لکھنے والا اپنا پورا پتہ اور خط لکھنے کی تاریخ درج کرتا ہے۔ صفحے کے شروع میں دائیں جانب خط لکھنے والا اپنا مقام یا اپنے ادارے کا نام اور پتہ درج کرتا ہے اور اس کے نیچے تاریخ تحریر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مورخہ یا تاریخ وغیرہ کے الفاظ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

القاب و آداب مکتوب الیہ کو مخاطب کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

انہیں القاب کہتے ہیں، القاب کے ساتھ مناسب آداب بھی لکھے جاتے ہیں۔ القاب و آداب ہیں اگرچہ زیادہ تکلف غیر ضروری ہے تاہم ان کے استعمال میں مکتوب الیہ کی عمر، مقام اور مرتبے کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ان دونوں چیزوں سے کاتب اور مکتوب الیہ کے باہمی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

القاب سے آگے کاما (،) ڈال کر یا اگلی سطر کے دائیں پہلو میں تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر آداب درج ہوں گے۔ ان سے مراد سلام و دعا کے کلمات ہیں۔

مضمون خط یہ خط کا مرکزی اور اہم حصہ ہوتا ہے۔ کاتب، مکتوب الیہ کو جو کچھ لکھنا چاہتا ہے اس حصے میں تحریر کرتا ہے۔ خط کا یہ حصہ نہایت موثر اور جاندار ہونا چاہیے۔ ایک عمدہ خط کو جانچنے کا یہی معیار ہے۔ اسے خط کا متن بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایجاز و اختصار کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے

خاتمہ ہر نجی، سرکاری یا کاروباری خط کا ایک اختتامیہ ہوتا ہے۔ نجی خطوط میں ان کی نوعیت دعائیہ کلمات کی ہوگی۔ کاروباری خطوط میں رویہ مراعات حاصل کرنے کا ہوگا اور سرکاری خطوط میں اختتامیہ، عذر طلبی کی درخواست و دعوت پر مبنی ہوگا۔

آخر میں صفحہ کے بائیں جانب کاتب اپنا نام مع اپنے مقام کے تحریر کرے گا۔ مقام و مرتبہ کے لیے الفاظ کے چناؤ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً بڑوں کے لیے نیاز مند اور اپنے سے چھوٹوں کے لیے دعاگو جیسے کلمات اچھے لگتے ہیں۔ نیاز مند، تابع فرمان، طالب دعا، دعاگو مخلص، خیر اندیش وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ ہی نچلی سطر میں اپنا نام اختصار اور سادگی سے لکھنا چاہیئے۔

پتہ جب خط ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے تو اس پر مکتوب الیہ کا نام اور پورا پتہ درج کیا جاتا ہے۔ اگر مکتوب الیہ شہر میں رہتا ہو تو مکان، گلی، محلے یا سڑک کا نام اور نمبر وغیرہ لکھنا چاہیئے۔ اور اگر گاؤں میں رہتا ہو تو ڈاکخانہ، تحصیل اور ضلع لکھنا ضروری ہے جو خطوط یا لفافے محکمہ ڈاک کی جانب سے فراہم کیے جاتے ہیں، ان پر مکتوب الیہ کے ایڈریس کے لیے باقاعدہ جگہ فراہم کر دی جاتی ہے۔ خط کا یہ جزو نہایت اہم ہے۔ اس کے بغیر آپ کا خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

خط کے مدارج ایک نظر میں

گورنمنٹ کالج، لاہور (مقام)

۱۰ اپریل سنہ ۱۹۹۰ء (تاریخ)

قبلہ محترم والد صاحب (القاب)

السلامُ علیکم (آداب)

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

مضمونِ خط

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

والسلام (دعائیہ کلمہ)

آپ کا فرمانبردار بیٹا (خاتمہ)

طاہر محمود

گاؤں کا پتہ

بخدمت گرامی قدر!
چوہدری حبیب اللہ
موضع نگور، ڈاکخانہ آڈھا
تحصیل ڈسکہ، ضلع سیالکوٹ

شہر کا پتہ

بخدمت گرامی قدر
جناب غلام نبی شاہ ہاشمی
مکان نمبر ۶۶، راوی پارک راوی روڈ
لاہور

والد کے نام خط

اپنی تعلیمی مصروفیات سے متعلق

سیالکوٹ
۲۵، مارچ ۱۹۹۰ء

قبلہ محترم والد صاحب

السلام علیکم، آپ کا گرامی نامہ کل کی ڈاک سے موصول ہوا۔ آپ کی، محترمہ امی جان اور بہن بھائیوں کی خیر و عافیت کی اطلاع پا کر دل کو اطمینان و سکون حاصل ہوا۔ آپ نے میری تعلیمی مصروفیات کے بارے میں دریافت فرمایا ہے۔ سو گذارش ہے کہ الحمدللہ، آپ کی دعاؤں سے میرا تعلیمی پروگرام بطریق احسن چل رہا ہے۔ مجھے اس ضمن میں اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہے۔ میں پوری دل جمعی کے ساتھ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوں اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کروں گا۔ میں اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہوں کہ تعلیم ہی اصل زیور انسانیت ہے۔ میں اس زیور سے اپنے آپ کو مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے مستقبل کو سنوارنا چاہتا ہوں۔ اپنے خاندان کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں اور ملک و قوم اور انسانیت کی خدمت میرا مقصدِ حیات ہے۔

میں باقاعدگی سے کالج جا رہا ہوں۔ اور اپنے اساتذہ کرام سے پورا پورا استفادہ کر رہا ہوں۔ میرا شمار کالج کے حاضر باش طلبہ میں ہوتا ہے۔ میں چھٹی شاذ و نادر ہی لیتا ہوں۔ ایک تو جب طبیعت زیادہ ناساز ہو اور دوسرے جب کوئی انتہائی ضروری کام کرنا ہو۔ یا گھر پر پڑھائی پوری دل جمعی کے ساتھ کرنے کے لیے! میری پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ مجھے اپنے تعلیمی نصاب پر مکمل عبور حاصل ہو۔ اس ضمن میں مجھے جو دقت پیش آتی ہے اس کے حل کے لیے اپنے اساتذہ کرام سے رجوع کرتا ہوں۔ ہمارے ایک پروفیسر صاحب نہایت شفقت و محبت کے ساتھ ہمیں کچھ زائد وقت بھی دیتے ہیں۔ جس سے ہمیں بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ میرے چند ایک ذہین اور قابل ہم جماعت بھی ہیں۔ ہم باہمی اشتراک و تعاون سے ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں۔ کچھ مفید معاون کتب سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

میں نے امتحان کی تیاری کے لیے باقاعدہ نظام الاوقات بنایا ہوا ہے۔ میں صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے نمازِ فجر باجماعت ادا کرتا ہوں۔ پھر میں کچھ تلاوتِ قرآنِ مجید کرتا ہوں۔ اور

اس کے بعد کچھ سیر اور ورزش کرتا ہوں۔ اور کچھ وقت پڑھائی کرتا ہوں۔ پھر ناشتہ کے بعد کالج چلا جاتا ہوں۔ اور وہاں مصروف وقت گزارتا ہوں۔ واپسی پر کھانا کھانے کے بعد تین چار گھنٹے تک پڑھتا ہوں۔ میں نیند بھی پوری کر لیتا ہوں اور اپنی صحت کا خاص خیال رکھتا ہوں۔ میں سختی کے ساتھ اس نظام الاوقات پر عمل کرتا ہوں۔ اور نماز پابندی سے ادا کرتا ہوں۔

مجھے ہر دم آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم اور آپ کی دعا سے انشاء اللہ میں امتحان میں عمدہ پوزیشن حاصل کر کے آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا۔ امی جان کی خدمت اقدس میں مودبانہ سلام اور تمام بہن بھائیوں کو سلام و دعوات و پیار۔

آپ کا تابع فرمان

طارق محمود

چھوٹے بھائی کے نام خط

(نصابی مطالعہ کے ساتھ غیر نصابی تعلیمی سرگرمیوں کی تلقین)

فیصل آباد

۱۰ اپریل ۱۹۹۰ء

عزیزم مسعود! دعوات

کل کی ڈاک سے مجھے عزیز کا خط موصول ہوا جس میں عزیز نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تعلیمی مصروفیات کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ تم پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے آپ کو پڑھائی میں مصروف رکھے ہوئے ہو۔ لیکن میں نے تمہارا خط بنظر غائر پڑھنے کے بعد یہ تاثر لیا ہے کہ تم بلاشبہ پڑھائی میں تو مصروف رہتے ہو بلکہ اپنے آپ کو پڑھائی کے لیے وقف کر رکھا ہے مگر کسی قسم کی غیر نصابی سرگرمی میں حصہ نہیں لیتے۔ تمہاری یہ بات محل نظر ہے۔ مجھے اسی کے بارے میں کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔ امید ہے تم میری باتوں کو ہمہ تن گوش ہو کر سنو گے۔ اور ان پر خلوص دل سے عمل کرو گے۔

عزیزم! اس میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ طالب علم کے لیے تعلیم اور پڑھائی ہی اوڑھنا بچھونا ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کا ہرگز یہ بھی مطلب نہیں کہ وہ کتابی کیڑا بن کر رہ جائے۔ اور وہ دیگر کسی قسم کی غیر نصابی سرگرمی میں حصہ نہ لے۔ جو طالب علم ایسا طریق اختیار کرتا ہے۔ وہ سخت غلطی کا ارتکاب

کرتا ہے۔ تم نے سنا ہو گا کہ "صحت مند دماغ ایک صحت مند جسم ہی میں ہوتا ہے" اس لیے تمہارے لیے یہ لازمی ہے کہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ اپنی صحت کا بھی خاص خیال رکھو۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی پسند کے کسی کھیل کا انتخاب کر لو اور باقاعدگی کے ساتھ اس میں حصہ لیا کرو۔ اس سے تمہاری ورزش ہو جایا کرے گی۔ جو صحت کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ اور پھر اس کھیل میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اعزاز بھی حاصل کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ کالج کی اور بھی بہت سی غیر نصابی سرگرمیاں ہیں تمہیں ان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ مثلاً تم تقریری اور بحث ومباحثے کے مقابلے میں حصہ لے سکتے ہو اس سے اظہار خیال کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان اپنے مافی الضمیر کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی قدرت حاصل کر سکتا ہے۔ اس کی خوابیدہ صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ اور اس کے ذہن میں وسعت وکشادگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں کسی کھیل یا ڈرامے اور اسی قسم کے دیگر مشاغل، اور تقریبات میں بھی حتی المقدور حصہ لینا چاہیئے۔ اس قسم کی سرگرمیاں جسمانی وذہنی صحت کی ضامن ہیں۔ انسانی شخصیت کی بھرپور نشوونما ہوتی ہے۔ وہ اپنے معاشرے اور ماحول سے مطابقت پیدا کرنا سیکھتا ہے اور آگے چل کر وہ زندگی کی اہم تر ذمہ داریوں اور فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکتا ہے لہٰذا تم اپنا نظام الاوقات اس انداز میں مرتب کرو کہ نصابی مطالعے اور غیر نصابی سرگرمیوں کا سلسلہ مطابقت و موافقت کے ساتھ چلتا رہے۔

مجھے توقع کرنی چاہیے کہ تمہارا آئندہ خط کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات کر سکے گا۔ اور وہ تمہاری زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی کا آئینہ دار ہو گا۔ والدین و بہن بھائیوں سے پیار و سلام

والسلام!
تمہارا بھائی
حامد محمود

دوست کے نام خط

بیرون ملک سے واپس آکر ہم وطنوں کی خدمت کی تلقین

لاہور
۱۰ ستمبر ۱۹۹۰

پیارے دوست سعید

السلام علیکم! آپ کا خط موصول ہوا۔ یاد آوری کا بہت بہت شکریہ! دوستی کا یہی تقاضا

ہے کہ دوستوں کو فراموش نہ کیا جائے۔ مقام تشکر ہے۔ کہ آپ نے حقِ دوستی کو خوب نبھایا ہے۔ یہ معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی کہ آپ ڈاکٹری ایم۔ ڈی، حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اس نیک ارادے میں کامیاب فرمائے۔ ڈاکٹری کا پیشہ واقعی ایک معزز پیشہ ہے۔ اس میں دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور پھر معقول ذریعہ معاش بھی ہے۔

جہاں مجھے آپ کے اس مبارک پروگرام کا سن کر حقیقی مسرت ہوئی، وہاں مجھے۔ اس بات پر افسوس بھی ہوا کہ آپ مستقلاً امریکہ ہی میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق نہیں ہے۔ میں اسے بنظر احسن نہیں دیکھتا۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ ہر شخص جب بیرونِ ملک چلا جاتا ہے تو وہ وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور اپنے وطن اور اہل وطن کو فراموش کر دیتا ہے۔ ازراہ مہربانی آپ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کیجیے۔ بیشک آپ وہاں ڈاکٹری کی اعلیٰ ڈگری حاصل کریں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ، آپ ملازمت یا پریکٹس بھی وہیں کریں۔ آخر، وطن کا بھی آپ پر حق ہے۔ اسی وطن نے آپکو جنم دیا ہے۔ پالا پوسا ہے۔ اس کی بھی آپ سے کچھ توقعات ہیں۔ ان توقعات کو ٹھیس تو نہ پہنچائیے۔ کیا آپ یہ بات پسند کرتے ہیں کہ یہ وطن بھی ترقی کی منازل طے کرے، خوشحال ہو۔ پھلے پھولے۔ اور اسے بھی اقوام عالم کی صف میں ایک ممتاز مقام حاصل ہو۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے وہ فرزندان جو اعلیٰ ڈگری کے حامل ہیں، باہر کا رخ کرنے کی بجائے اسی کی خدمت کو اپنی زندگی کا شعار اور نصب العین بنائیں۔

یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ محض اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر اپنے وطن سے منہ موڑ لیا جائے اور اسے اور اس کے مفادات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر ذہین لوگ اسی طرح نقل وطن کرتے رہے تو پھر اس کا کیا بنے گا؟ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارا ملک ابھی ترقی پذیری کے مرحلے میں ہے۔ اسے ذہین افراد اور جوہر قابل کی ضرورت ہے۔ یہی لوگ محنت کریں گے۔ اور جذبۂ ایثار و قربانی سے کام لیں گے تو یہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو گا۔ بالخصوص ہمارے دیہات نہایت پس ماندہ حالت میں ہیں۔ ان کی پس ماندگی کا ازالہ ابھی کرنا ہے۔ اور پھر یہاں آپ کے والدین ہیں۔ اعزہ واقربا ہیں۔ دوست احباب ہیں۔ آخر ان کے بھی کچھ جذبات واحساسات ہیں۔ ان کی بھی کچھ خواہشات، تقاضے اور توقعات ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ میرے یہ چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ ہی کچھ اثر کر جائیں تو غنیمت جانوں گا۔ مجھے امید کرنی چاہیے کہ آپ اپنے آئندہ خط میں مجھے یہ مژدہ سنائیں گے کہ آپ کورس کی تکمیل کے بعد فوراً مراجعت فرمائیں گے۔ اہل خانہ واحباب سے دعا و سلام۔ والسلام

تمہارا مخلص

فاروق احمد

دوست کے نام خط
امتحان میں ناکامی پر ہمت افزائی

سرگودھا

۱۷ اپریل ۱۹۹۰ء

پیارے دوست امجد

السلام علیکم! چند روز ہوئے مجھے آپ کا خط موصول ہوا۔ جس میں آپ نے ایف۔ ایس سی۔ کے امتحان میں اپنی ناکامی کی اطلاع دی ہے۔ بے شک یہ خبر افسوسناک ہے۔ اور مجھے آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ میں آپ کے اس رنج و افسوس میں برابر کا شریک ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی گذارش کروں گا کہ اسے اپنے دل پر اثر انداز نہ ہونے دیں۔ اور نہ ہی اپنے اوپر مایوسی اور ناامیدی کو مسلط کریں۔ زندگی میں ایسے مراحل آیا کرتے ہیں۔ ان سے بددل نہیں ہونا چاہیئے بے شک ناکامی وقتی طور پر متاثر کرتی ہے۔ لیکن بلند ہمت لوگ اس کا خندہ پیشانی سے سامنا کرتے ہیں۔ وہ اس کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتے۔ بلکہ یہ ناکامی ان کی ہمت کو آزماتی ہے۔ اور تازیانے کا کام دیتی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مشہور مقولہ ہے۔ کہ ناکامی کامیابی کا زینہ ہے۔ لیکن پست ہمت لوگ وقتی ناکامی سے بددل اور مایوس و ناامید ہو کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ گویا وہ اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ ان کی قوت ارادی کمزور ہوتی ہے۔ اور وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اکثر بڑے لوگوں کی زندگی میں بھی ناکامیوں کے مراحل آئے۔ لیکن وہ ان سے بددل نہ ہوئے۔ بلکہ پھر سے عزم نو کے ساتھ کمر ہمت باندھی اور دنیا میں عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے

امیر تیمور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ایک جنگ میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ایک دیوار کے سائے میں سستا رہا تھا کہ اس نے ایک چیونٹی کو دیکھا کہ وہ سو بار اناج کا دانہ لے کر دیوار پر چڑھی لیکن اس میں کامیاب نہ ہوئی۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور وہ آخر کار دیوار پر چڑھ گئی۔ تیمور کو چیونٹی کی ہمت سے ایک نیا جذبہ اور ولولہ ملا۔ اس نے دوبارہ فوج کو منتظم کیا اور فتح یاب ہوا۔ اسی طرح شہاب الدین غوری کو ترائن کی پہلی لڑائی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن یہ شکست اسے بددل نہ کر سکی۔ بلکہ یہ اس کی ہمت مردانہ کے لیے تازیانہ بن گئی اور ترائن کی دوسری لڑائی میں اس نے شاندار فتح پائی۔ اور اس کے نتیجے میں برصغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مشہور شعر ہے۔

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا — وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا

اس لیے میں آپ سے یہی گذارش کروں گا کہ آپ ایک لمحہ کے لیے بھی مایوسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں۔ بلکہ محنت اور تندہی سے کام لیتے ہوئے آئندہ امتحان میں شایان شان کامیابی حاصل کیجئے۔ اگر آپ کمر ہمت باندھ لیں تو نہ صرف تلافی مافات کر سکتے ہیں بلکہ اعلیٰ پوزیشن حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔

چچا جان و چچی صاحبہ اور دیگر لواحقین کو سلام و دعا۔

والسلام
آپ کا خیر اندیش
خالد محمود

سہیلی کے نام خط

(برائے تعزیت)

گوجرانوالہ

۲۲ اپریل ۱۹۹۰ء

پیاری ساجدہ

السلام علیکم، کل کی ڈاک سے مجھے آپ کی طرف سے یہ روح فرسا خبر ملی کہ آپ کی والدہ ماجدہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔ یقین مانیے مجھے اس المناک اطلاع سے دلی صدمہ اور قلق ہوا۔ میں الفاظ میں اپنے رنج و غم کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔ مرحومہ بڑی خوبیوں کی مالک تھیں۔ وہ ایک خدا ترس پرہیز گار اور نیک دل خاتون تھیں۔ انہیں میرے ساتھ ایک خاص لگاؤ اور اُنس تھا۔ میں ان کی محبت و شفقت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مجھے تو ابھی تک اس اطلاع پر یقین نہیں آرہا۔ ابھی پچھلے ماہ مجھے ان کے نیاز حاصل ہوئے تھے اور ان کی صحت بھی بظاہر بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ لیکن یہ مشیت ایزدی ہے۔ انسان کو دم مارنے کا یارا نہیں۔ موت کا وقت معین ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ کسی کو بھی موت سے مفر نہیں ہے۔ ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے   آج اُن کی، کل ہماری باری ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا کہ وہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کو اور دیگر پسماندگان کو صبر و جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ اب ہمارے لیے مرحومہ کی خدمت کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ ان کی روح کو زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کریں۔ ہمیں چاہیے کہ ہر نماز کے بعد

اپنی دعاؤں میں انہیں ہرگز نہ بھلائیں ۔

جو خلا مرحومہ کی وفات حسرت آیات سے پیدا ہوگیا ہے ۔ اس کا پُر ہونا ممکن نہیں ہے ۔ خدا کے بعد ماں کا وجود ہی ایک ایسی ہستی ہے جسے اپنی اولاد سے بے لوث اور والہانہ محبت ہوتی ہے ۔ ماں کی دعا کو جنت کی ہوا کہا جاتا ہے ۔ اور حدیث رسولؐ کے مطابق "ماں کے قدموں تلے جنت" ہے ۔ یہ امر باعث طمانیت ہے کہ آپ کو مرحومہ کی خدمت کرنے کا پورا پورا موقع ملا ۔ اور وہ اس حالت میں رخصت ہوئیں کہ آپ کو ان کی خوشنودی اور رضامندی حاصل تھی ۔ یہ آپ کی بہت بڑی سعادت ہے ۔

یہ بات تو واضح ہے کہ اس صدمے سے جو زخم آپ کے دل کو پہنچا ہے وہ وقت کے ساتھ ہی مندمل ہوگا ۔ لیکن آپ کو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے ۔ مشیت ایزدی کے آگے کیا چارا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا ۔ انسان کو خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے ۔ اللہ رب العزت آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے ۔

ایک حدیثِ رسولؐ ہے کہ "جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو میری وفات کو یاد کرلیا کرو ۔"

محترم چچا جان اور دیگر لواحقین سے اظہارِ تعزیت اور سلام دعا

والسلام

آپکی شریکِ غم

طاہرہ

چھوٹے بھائی کے نام خط

پاکستان آرمی میں کمیشن ملنے پر مبارکباد

سیالکوٹ

۲۲ ، اپریل ۱۹۹۰ء

عزیز محمد عمران

السلام علیکم ! ابھی ابھی مجھے تمہارا خط مژدہ جانفزا بن کر موصول ہوا کہ تمہیں پاکستان آرمی میں کمیشن مل گیا ہے ۔ ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہیں کہ تمہیں یہ اعزاز ملا ہے الحمدللہ کہ عزیز نے جملہ مراحل امتحان اور ٹیسٹ بخیر و خوبی پاس کرلیے ہیں ۔

یہ عزیز کی ذاتی محنت ، کوشش اور کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں اپنی محنت شاقہ کا یہ صلہ دیا ہے ۔ میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کریں ۔

ہماری یہ کس قدر خوش بختی ہے کہ تم نے خاندانی روایات کو قائم و برقرار رکھا ہے ۔ قبلہ محترم

والد صاحب بھی پاک فوج میں بہترین خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ اور آجکل وہ ایک ریٹائرڈ میجر کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو توفیق دے کہ نہ صرف خاندانی روایات کو برقرار رکھو بلکہ ان میں ایک سنہری باب کا اضافہ کر سکو۔ فوج کا محکمہ انتہائی اہم اور یہ پیشہ انتہائی مقدس و محترم ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی درخشاں روایات کا امین ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی یوں ترجمانی کی ہے ؎

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا

ہماری تاریخ سپہ گری کے عظیم کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ دنیا حضرت خالدؓ و طارق، محمد بن قاسم، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور سلطان محمود غزنویؒ جیسے مجاہدین و غازیان اسلام کے درخشندہ اور حیرت انگیز کارناموں اور معرکوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ عزیز کو بھی اللہ رب العزت نے یہ اعزاز بخش کر موقع دیا ہے کہ اپنے اسلاف کی زریں روایات کو پیش نظر رکھو اور ملک و ملت کی خدمت بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کرو۔

مومن کا شیوہ اور مقصدِ حیات جہاد ہے۔ یہی جذبۂ جہاد مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کا ذریعہ ہے۔ جب تک وہ اس جذبہ سے سرشار رہے۔ دنیا میں انہیں برتری حاصل رہی۔ اور انہوں نے چاردانگِ عالم میں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ لیکن جب وہ اس جذبہ سے عاری ہو گئے تو وہ نکبت و ادبار کے گڑھوں میں جا گرے۔ اب اگر ہم پھر سے اپنی عظمتِ رفتہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے جہاد کو ہمیں اپنا مقصدِ حیات بنانا ہوگا۔

ابھی عزیز نے جو سفر اختیار کیا ہے، یہ اس کا آغاز ہے مجھے امید ہے کہ تم پوری محنت، تندہی اور لگن سے اپنی تربیت کے مختلف مراحل کی تکمیل کرو گے۔ اور پھر ملک و ملت کی بہترین خدمت سرانجام دے سکو گے۔ ہم نے پاکستان آگ اور خون کا دریا عبور کر کے حاصل کیا ہے۔ اس کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ تحفظ آزادی کا مرحلہ حصولِ آزادی کے مرحلے سے کٹھن تر ہے۔ ہمیں پاکستان کو ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ میں تبدیل کرنا ہے۔ تاکہ دشمن اس کی طرف ٹیڑھی نظر نہ اٹھا سکے خدا عزیز کا حامی و ناصر ہو۔

جملہ افرادِ خانہ سے دعا و مبارک باد۔

والسلام
تمہارا بھائی
عبدالرحمٰن

اخبار کے ایڈیٹر کے نام خط

(جلد سے جلد دولت مند بن جانے کے رجحان پر تنقید)

راوی پارک لاہور

۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء

مدیر محترم!

السلام علیکم، میں آپ کے مؤقر جریدے کی وساطت سے اس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک میں راتوں رات دولت مند بن جانے کا رجحان ایک خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے۔ امید ہے آپ ان سطور کو اشاعت پذیر فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

ہر شخص کے دل و دماغ پر مادہ پرستی کا بھوت کچھ اس طور پر سوار ہو چکا ہے کہ وہ اخلاقی و روحانی اقدار کو یکسر فراموش کر چکا ہے۔ بس اس کی تمنا، آرزو اور دوڑ دھوپ اسی محور کے گرد گھومتی ہے کہ وہ جلد سے جلد دولت مند بن جائے۔ اور اس کا معیار زندگی اتنا بلند ہو کہ دوسرے لوگ اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھا کریں۔ یہ درست اور بجا ہے کہ انسان کی بنیادی ضروریات بہر کیف پوری ہونی چاہئیں اور یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ لیکن دولت کے جنون میں مبتلا ہو جانا اور اس کے حصول کے لیے جائز و ناجائز اور حلال و حرام ذرائع کی پروا نہ کرنا، شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً ایک قابلِ مذمت حرکت ہے کوئی مہذب معاشرہ اسے گوارا نہیں کر سکتا۔

یہ رجحان معاشرے میں طرح طرح کی برائیوں اور خرابیوں کو جنم دیتا ہے۔ معاشرے میں طبقاتی تقسیم معاشی ناہمواری، احساسِ محرومی اخلاقی بے راہروی اور اسی قسم کی دیگر بدعنوانیاں پروان چڑھتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جو رشوت کا بازار اس قدر گرم ہے، اس کا محرک یہی رجحان اور جذبہ ہے۔ جب ایک جونیئر ملازم رشوت کے بل بوتے پر اعلیٰ معیار زندگی اپنا لیتا ہے۔ تو اس جیسے اور اس سے سینئر ملازم ضرور اس دوڑ میں شریک ہوں گے یا پھر کڑھ کر رہنا پڑے گا اور وہ احساسِ محرومی کا شکار رہیں گے۔ پھر یہ ناجائز کمائی اور بہت سے قبیح افعال و اثرات کا موجب بنتی ہے۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ بڑی کثیر تعداد میں لوگ بیرونِ ملک کا رخ کرتے ہیں۔ اور ان کا مقصد محض امارت و ثروت ہوتا ہے۔ مڈل میٹرک کے بعد بلکہ اس سے بھی کم تعلیم یافتہ افراد محض دولت کو مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں۔ وہ رنگین ٹی، وی، ریفریجریٹر، وی، سی، آر، ڈیک وغیرہ جیسی آسائشات تو حاصل کر لیتے ہیں اور بنک بیلنس بھی خوب بنا لیتے ہیں۔ لیکن ایک بڑا اجتماعی اور قومی نقصان یہ ہوتا ہے کہ افرادِ قوم تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ تعلیم بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے اور محض روپیہ پیسہ مقصد

حیات بن جاتا ہے۔

کئی لوگ جلد سے جلد دولت مند بننے کے لیے سمگلنگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، اور منشیات وغیرہ کا کالا کاروبار اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح معاشرے کی اخلاقی اقدار و روایات پامال ہو کر رہ جاتی ہیں اور معاشرہ جرائم کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اور معاشرہ اس رجحان کو ختم کرنے اور اصلاحِ احوال کے لیے مناسب اقدامات بروئے کار لائیں۔

والسلام

نیازمند

عبدالستار، راوی پارک، راوی روڈ لاہور

اخبار کے ایڈیٹر کے نام خط

(ٹریفک کے حادثات و تدارک)

مکرمی و محترمی

السلام علیکم! مجھے آپ کے موقر جریدے کے ذریعے ایک نہایت سنگین مسئلہ کے بارے میں کچھ اظہارِ خیال کرنا ہے۔ امید ہے آپ ان سطور کو اشاعت پذیر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

مجھے جس سنگین مسئلے کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے وہ ٹریفک کی بدانتظامی سے متعلق ہے۔ ٹریفک کے بڑھتے ہوئے حادثات نے ایک نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ صبح سویرے جب اخبار دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو اس میں اندوہناک حادثات کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادثات، روزمرہ زندگی کا ایک معمولی بن کر رہ گئے ہیں۔ بعض سرپھرے ڈرائیور آگے نکل جانے کے جنون میں کئی پیدل چلنے والوں کو روند ڈالتے ہیں۔ اور اکثر بسوں اور ویگنوں کا آپس میں تصادم ہو جاتا ہے جس سے بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ایک انسانی جان بھی اتنی قیمتی اور اہم ہوتی ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ ان حادثات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ بڑھتے ہوئے حادثات اور انسانی جانوں کا یوں بے تحاشا ضیاع ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

میں اس خط کے ذریعے متعلقہ اعلیٰ حکام سے التماس کرتا ہوں کہ وہ ان ہولناک حادثات کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کریں۔ چیکنگ کے نظام کو زیادہ موثر بنایا جائے۔ اور ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی کرنے والے کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ اس سلسلے میں نوآموز اور اناڑی قسم کے ڈرائیوروں کا محاسبہ بھی ضروری ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ رکشا اور ٹیکسی ڈرائیور ٹریفک کے اصولوں کی پابندی نہیں کرتے۔ اور بعض اوقات تو وہ چوک میں سے گزرتے ہوئے ٹریفک کے

اشاروں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں تانگے اور ریڑھے والے تو اپنے آپ کو اس پابندی سے یکسر مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ اس بے ضابطگی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سڑک پار کرتے والے راہگیران کی زد میں آتے رہتے ہیں۔ اور کئی بار صحیح سمت سے آنے والی گاڑیاں بھی تصادم کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حادثات کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ٹیکسی ویگن اور بسوں کے ڈرائیور گنجائش سے بہت زیادہ سواریاں بٹھا لیتے ہیں۔ اور پھر چھوٹی اور تنگ سڑکیں بھی ان حادثات کا موجب بنتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان سڑکوں کو زیادہ سے زیادہ کشادہ کیا جائے اور ٹریفک کا نظام درست کیا جائے۔ ہمارے لیے یہ بات کس قدر شرمناک ہے کہ غیر ملکی لوگ ہماری ٹریفک کی بری طرح مذمت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، ایک غیر ملکی سیاح نے کہا تھا کہ پاکستان کی سڑکوں پر گاڑی چلانا اور پھر صحیح و سلامت بچ نکلنا معجزے سے کم نہیں۔ امید ہے۔ اس سنگین صورتِ حال کا جلد از جلد تدارک کیا جائے گا۔

نیاز مند

محمد الیاس ۸۰۔ راوی روڈ لاہور۔

ناظم پاکستان ٹیلی ویژن کے نام خط

(طلبہ کے پروگرام کو بہتر بنانے کی تجاویز)

مکرمی و محترمی

السلام علیکم، یہ خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام معیار تنوع اصلاح و دلچسپی کے لحاظ سے کافی بہتر ہو گئے ہیں۔ اور اب یہ پروگرام بیرون ملک بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن مجھے سطورِ ذیل میں کچھ طلبہ کے پروگرام کے بارے میں اپنی معروضات پیش کرنی ہیں۔ امید ہے آپ ان معروضات پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے اور اصلاحِ احوال کے لیے مناسب اقدامات بروئے کار لائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ٹی، وی پر طلبہ کے جو پروگرام پیش کیے جاتے ہیں وہ قطعاً ناکام اور غیر معیاری ہیں۔ ان میں تنوع اور اصلاح کا پہلو بھی کم ہوتا ہے۔ سب سے بنیادی بات تو یہ ہے کہ ان پروگراموں کو اسلامی روایات و اقدار اور نظریہ پاکستان کا صحیح ترجمان و عکاس ہونا چاہیے۔ ان سے اسلامی تہذیب و ثقافت اجاگر ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ ان کے تنوع اور دلچسپی کا عنصر بھی ضروری ہے۔ یہ پروگرام یکسانیت اور بوریت پیدا کرنے والے نہ ہوں۔ بلکہ ان میں کوئی اور زندہ دلی کی جھلک نمایاں ہونی چاہیے۔ لیکن یہ زندہ دلی تہذیب و شائستگی کے دائرے میں ہونی چاہیے۔ ان پروگراموں میں کوئی غیر شائستہ اور اخلاق سے گری ہوئی بات نہیں ہونی چاہیے

ان پروگراموں کا مقصد طلبہ کی معلومات میں اضافہ کرنا ان میں تہذیب و شائستگی پیدا ان چڑھانا صحت مندانہ تفریح بہم پہنچانا، اور دلچسپی پیدا کرنا ہونا چاہیئے۔

پھر ایک اور بات خصوصی توجہ کی متقاضی ہے۔ ان پروگراموں میں تعلیم و تعلم کا عنصر اس عمدگی اور خوش اسلوبی سے سمونا چاہیئے۔ کہ تفریح اور دلچسپی بھی برقرار رہے اور طلبہ مفید تعلیمی معلومات بھی حاصل کر سکیں۔ تاریخ، ادب اور سائنس وغیرہ مضامین و موضوعات کو دلچسپ اور جاندار انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ سائنس کے میدان میں جدید معلومات عمدگی اور نفاست سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ادب کے مختلف پہلوؤں اور ادبی شخصیات سے طلباء کو روشناس کرایا جا سکتا ہے اس کے ذریعے طلباء کو مختلف علاقوں کی سیر و سیاحت کرائی جا سکتی ہے۔ تاریخ ٹیلی ویژن کا ایک دلچسپ، بامقصد اور مفید موضوع بن سکتا ہے۔ پچھلے دنوں نسیم حجازی کے ناول ٹی۔ وی۔ پر بڑی خوبی عمدگی اور فنی مہارت سے پیش کئے گئے تھے۔ اسی قسم کے موضوعات کو اور وسعت دی جا سکتی ہے۔

طلبہ کے لیے ذہنی آزمائش کے پروگرام بھی نہایت کارآمد اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا اور وسیع پیمانے پر اہتمام ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہو اور ان میں جذبۂ مسابقت فروغ پائے۔ یقین جاننا چاہیئے کہ اگر ٹی۔ وی کو خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی کے ساتھ تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو اس سے نہایت مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک اس سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کی اچھی باتوں کو اپنانا چاہیئے۔ اور اپنی قومی و ملی انفرادیت کو بھی برقرار رکھنا چاہیئے۔

نیاز آگیں

فاروق احمد ۲۶، راوی پارک لاہور

سپرنٹنڈنٹ پولیس کے نام خط

(برائے اقدامات امن و امان)

مکرمی ایس، پی صاحب

السلام علیکم، مجھے آپ کی خدمت میں علاقے کے امن و امان کی تشویشناک صورت حال کے بارے میں گذارش کرتا ہے۔ امید ہے آپ میری ان معروضات پر ہمدردانہ غور فرماتے ہوئے اصلاح احوال کے لیے مناسب اقدامات و تدابیر عمل میں لائیں گے۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ علاقے کے امن وامان کی صورتِ حال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ ہر شریف شہری مضطرب اور بے چین ہے کہ اس کی زندگی میں پُرسکون لمحات کب آئیں گے۔ آج کسی شہری کی جان، مال اور آبرو کو تحفظ حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ اسلامی معاشرے کی یہی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت ہے۔ جیسا کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ "اے مسلمانو! تمہاری جان، مال اور آبرو اسی طرح مقدس و محترم ہے جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ مقام مقدس و محترم ہے"۔ اگر شہریوں کو یہ تحفظ حاصل نہیں ہے تو ایسا معاشرہ ہرگز اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ آپ اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ ان کے صفحات مختلف قسم کی وارداتوں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ چوری، ڈکیتی، لوٹ مار، جیب تراشی، قتل و غارت فحاشی اور عصمت دری داغوا کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ ایک عام شہری جب رات کو سونے کے لیے بستر پر دراز ہوتا ہے تو وہ طرح طرح کے خدشات اور اندیشے لیے ہوئے محض خدا کے بھروسے پر نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ وہ ہر دم اس دھڑکے سے دوچار رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب اس پر بھی کوئی اُفتاد آن پڑے۔ جہاں قدم قدم پر یہ اندیشے اور خدشات ہوں وہاں سکون کے لمحات کیسے میسر آسکتے ہیں۔

آپ کو تحفظِ عامہ اور امن وامان کی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے مناسب اقدامات و تدابیر بروئے کار لانی چاہئیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مختلف مقامات پر پولیس کی معقول نفری تعینات کی جائے۔ تاکہ شہری آرام وسکون کی نیند سو سکیں۔ اور وہ اندیشہ ہائے دور دراز سے محفوظ و مامون رہیں۔ اس ضمن میں بندہ ایک تلخ حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہماری پولیس کے کچھ اہلکار واضح طور پر اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہیں۔ وہ نہ صرف قانون شکنی کرنے والوں سے چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور خود ان کے جرائم میں بھی شریک ہوتے ہیں پولیس کا محکمہ فوج کے محکمہ کی طرح انتہائی اہم ہے فوج کا کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے اور پولیس کا کام اندرونِ ملک امن وامان قائم رکھنا ہے۔ اور ایسی فضا پیدا کرنا ہے جس میں ہر شخص کی جان، مال اور آبرو محفوظ ہو۔ آخر خلافتِ راشدہ میں بھی تو پولیس کا محکمہ باقاعدہ قائم تھا۔ اور اپنے فرائض بطریق احسن اور مثالی انداز میں سجالاتا تھا۔ ہماری پولیس کو بھی انہی روایات کو اپنانا چاہیے تاکہ وہ عند الناس اور عند اللہ سرخرو ہوسکیں۔

نیازمند

اخلاق احمد کوتوالی روڈ۔ فیصل آباد

عرائض نگاری

عرائض نگاری (یا درخواست نویسی) عام خطوط نویسی سے کس طرح مختلف ہے؟

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عام خطوط نویسی کے مقابلے میں عرائض نگاری کچھ مختلف نوعیت رکھتی۔ ہئیت کے لحاظ سے یہ فرق ہوتا ہے کہ درخواست پر کاتب کے پتہ کے بعد مکتوب الیہ کا عہدہ اور پتہ درج ہوتا ہے اور القاب و آداب کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد نہایت مختصر الفاظ میں نفس مضمون کا خلاصہ بصورت موضوع یا عنوان لکھا جاتا ہے اور اس کے نیچے لکیر کھینچ دی جاتی ہے پھر خط کا حوالہ نمبر اور تاریخ درج کی جاتی ہے۔ اور اختتام میں لکھنے والا، کوئی رسمی لفظ اپنے لیے نہیں لکھتا، بلکہ اپنے عہدہ کی مہر والی جگہ پر دستخط ثبت کر دیتا ہے۔

عرائض نگاری میں اندازِ تخاطب بنیادی طور پر غیر شخصی ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی درخواستیں ان امور پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جن کا تعلق ذات سے نہیں، معاملات سے ہوتا ہے۔ اندازِ بیان بڑی حد تک رسمی، سنجیدہ اور تکلف آمیز ہوتا ہے۔

چند ضروری اشارات

۱۔ جس افسر کے نام درخواست لکھنی ہو، سب سے پہلے ادب و احترام کے ساتھ اس کا عہدہ اور پتہ پیشانی پر تحریر کرنا چاہیئے۔

۲۔ دوسری سطر کے عین درمیان "جناب محترم" یا "جناب عالی" یا "حضور والا" کے الفاظ لکھیں۔

۳۔ تیسری سطر میں "مؤدبانہ گزارش ہے" یا "مؤدبانہ التماس ہے" کے الفاظ لکھ کر ساتھ ہی اپنا مقصد یا مدعا لکھنا شروع کر دینا چاہیئے۔

۴۔ درخواست کا مضمون بالکل واضح صاف اور جامع ہونا چاہیئے۔ غیر ضروری طوالت سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کوئی بات غلط یا خلافِ واقعہ نہ ہو۔ افسر مجاز کے ادب و احترام کا پورا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

۵۔ درخواست کا مضمون مؤدبانہ اور دعائیہ الفاظ پر ختم کرنا چاہیئے۔

۶۔ درخواست کے آخر میں "العارض" یا "درخواست گزار" کے الفاظ لکھ کر نیچے اپنا نام اور پورا پتہ مع تاریخ لکھ دیا جاتا ہے۔

۷۔ سالانہ امتحان کی صورت میں نام اور پتے کی بجائے صرف رول نمبر لکھنا چاہیے۔

۸۔ درخواست خوش خط اور کاغذ کے صرف ایک طرف لکھیں۔

۹۔ درخواست کے اختتام میں اپنا پتہ فدویانہ انداز میں لکھا جاتا ہے اور خاتمے کے ایک طرف تاریخ لکھی جاتی ہے۔ تاکہ پتہ چلے کہ یہ درخواست کب موصول ہوئی اور اس کے بعد اس پر عمل درآمد کی رفتار کیا رہی۔

درخواست بنام پرنسپل

طلباء کا کوئی اہم مسئلہ اور اس کا حل

بخدمت جناب پرنسپل صاحب گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

جنابِ عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ کالج میں ہمیں چند ایک ایسے مسائل کا سامنا ہے جن کے باعث ہمیں حصول تعلیم میں دقتیں پیش آ رہی ہیں ان میں سے ایک مسئلہ تو اساتذہ کی کمی کا ہے۔ یقین مانیئے طلبہ کی اتنی کثیر تعداد کے پیش نظر موجودہ سٹاف قطعاً ناکافی ہے۔ ایک ایک کلاس میں طلبہ سو سے بھی متجاوز ہو چکے ہیں۔ جس کے باعث ہم متعلقہ لیکچرار سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ موجود سائنس لیبارٹری ہماری ضروریات کے لیے قطعاً ناکافی ہے۔ ہم خاطر خواہ طور پر سائنس کے پریکٹیکل نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ کالج ہاسٹل میں بھی قیام اور طعام کا معقول انتظام نہیں ہے۔ ہمارا ہاسٹل تنگیٔ داماں کا شکار ہے۔ دیگر بھی اس میں کئی انتظامی خرابیاں ہیں جس کی وجہ سے ہم ہاسٹل کے طلبہ سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتے۔

امید ہے۔ آپ اپنی اولین فرصت میں ان مسائل کو حل کرنے کے لیے مناسب اقدامات کریں گے۔

زیادہ آداب

العارض

محمد سعید رول نمبر ۵۷، سال دوم گورنمنٹ کالج

گوجرانوالہ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۹۰ء

درخواست بنام پرنسپل

(برائے معافی جرمانہ)

بخدمت جناب پرنسپل صاحب گورنمنٹ کالج فیصل آباد

جناب عالی!

مودبانہ گزارش ہے کہ میں گزشتہ دو ہفتے مسلسل کالج سے غیر حاضر رہا ہوں۔ اس کا مطلب میری علالت ہے۔ میں جمعۃ المبارک کو اپنے گاؤں گیا تو وہاں مجھے بخار کی شکایت ہو گئی۔ اس بخار نے ٹائیفائیڈ کی شکل اختیار کر لی اور میں صاحبِ فراش ہو گیا۔ اس بنا پر میں کالج حاضر نہ ہو سکا اور مجھے بیس روپے جرمانہ کر دیا گیا۔ میں آپ کو بذریعہ ڈاک بھی رخصت علالت کی درخواست نہ بھیج سکا۔ کیونکہ میں ایک دور افتادہ گاؤں میں رہتا ہوں، جہاں کوئی ڈاک خانہ نہیں ہے میں ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے گاؤں میں کوئی مستند ڈاکٹر نہیں ہے میرا علاج گاؤں کے ایک حکیم کرتے رہے ہیں۔ البتہ ان کی تصدیق پیشِ خدمت ہے۔

علاوہ ازیں میرے والدین کی مالی حالت بھی بہتر نہیں ہے۔ اور میرے لیے جرمانہ ادا کرنا ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔ امید ہے۔ آپ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ جرمانہ معاف کر کے ممنون فرمائیں گے۔

زیادہ نیاز

العارض

محمد علی متعلم ایف۔ اے، سالِ اول، رول نمبر ۱۲۵

گورنمنٹ کالج فیصل آباد مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۹۰ء

درخواست بنام پرنسپل

برائے حصول کیریکٹر سرٹیفکیٹ

بخدمت جناب پرنسپل صاحب گورنمنٹ کالج نارووال

جناب عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں دو سال آپ کے ادارے میں زیر تعلیم رہا ہوں۔ میں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان ۱۹۸۱ء میں دیا تھا۔ میرا کالج کا رول نمبر ۲۵۰ ہے اور بورڈ کا رول نمبر ۲۰۷ تھا۔ میں نے مذکورہ امتحان ۷۰۰ نمبر لے کر درجہ اول میں پاس کیا تھا۔ میرا شمار کالج کے قابل ترین

طلبہ ہی ہوتا ہے ۔ میرا تعلیمی ریکارڈ شاندار رہا ہے ۔ اس کے علاوہ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیتا تھا۔

میں کالج یونین کا صدر تھا۔ کالج میگزین کا مدیر بھی رہا ۔ تقریری مقابلوں میں میں نے متعدد انعامات حاصل کئے ۔ میں کالج کی کرکٹ ٹیم کا کپتان بھی تھا ۔ تمام اساتذہ کرام میرے بہترین تعلیمی ریکارڈ عمدہ کردار اور مؤدبانہ رویے کی بنا پر ہمیشہ مجھے قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے ۔

میں آپ کا انتہائی ممنون احسان ہوں گا ۔ اگر مجھے مندرجہ بالا کوائف کی روشنی میں کیریکٹر سرٹیفکیٹ عطا کیا جائے گا ۔

زیادہ آداب

العارض

ناصر اقبال، سابق طالب علم گورنمنٹ کالج نارووال

مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۹۰ء

درخواست برائے حصولِ ملازمت

پچوپالہ

۱۰ اپریل ۱۹۹۰ء

بخدمت جناب مینیجر صاحب پرویز ٹیکسائل ملز، راوی روڈ لاہور

جنابِ عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ مجھے روزنامہ "نوائے وقت" میں آپ کے دیئے گئے اشتہار کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی فیکٹری میں ایک اکاؤنٹس کلرک اور ایک سٹینوگرافر کی اسامیاں خالی ہیں ۔ میں اپنی خدمات بطور سٹینوگرافر کے خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہوں ۔

جہاں تک میری تعلیمی استعداد اور تجربے کا تعلق ہے میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے گورنمنٹ ہائی سکول پچوپالہ سے ضلع بھر میں پہلی پوزیشن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا ۔ اس کے بعد گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج گجرات سے ۱۹۸۲ء میں ڈی کام کا امتحان پاس کیا ہے ۔ جس میں میرے ۵۰۰ نمبر تھے ۔ ڈی کام میں میں نے شارٹ ہینڈ رکھی ہوئی تھی ۔ دوران تعلیم میرے اساتذہ میری ٹائپ اور شارٹ ہینڈ رفتار اور صحت کے بارے میں بہت مطمئن رہے ۔ تعلیم کے بعد میں نے اب تک ملت ٹریکٹرز لمیٹڈ لاہور میں بطور سٹینوگرافر ملازمت کر رہا ہوں ۔ لیکن وہاں ترقی دینے کی عجیب وغریب

شرائط کی وجہ سے میرے لیے اپنی صلاحیتیں اُجاگر کرنے کے بہت کم مواقع میسر ہیں۔

میں پچیس سال کا صحت مند نوجوان ہوں۔ میری تعلیم، غیر تعلیمی سرگرمیوں اور ملازمت کے دوران کارکردگی اور تجربے سے متعلق اسناد کی متعلقہ نقول درخواست کے ہمراہ منسلک ہیں۔

مجھے امید ہے آپ مجھے انٹرویو کا موقع دیں گے۔ اگر آپ اس سلسلے میں کوئی شخصی ضمانت لینا چاہیں تو میں وہ بھی حسبِ منشاء پیش کر سکتا ہوں۔ باقی ضروری معلومات انٹرویو کے موقع پر پیش کروں گا۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ مجھے اپنی سرپرستی میں خدمت بجالانے کا موقع دیں گے تو میں آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا۔

امید ہے، آپ میری درخواست پر ہمدردانہ و مشفقانہ غور فرمائیں گے۔

طالبِ توجہ

مقصود احمد چوپالہ ضلع گجرات

درخواست بنام ڈپٹی کمشنر

(برائے معافی لگان)

بخدمت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر ضلع جہلم

حضورِ والا!

ہم بذریعہ درخواست ہٰذا مؤدبانہ انداز میں آپ سے ملتمس ہیں کہ امسال بلا کی سردی اور پالا پڑنے سے فصلِ ربیع کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ یہ تو حضور پر واضح اور عیاں ہے کہ ہمارے ضلع کی زمین سنگلاخ ہے اور آب پاشی کا کوئی مناسب انتظام بھی نہیں ہے۔ لہٰذا سازگار اور موافق موسمی حالات میں بھی ہمارے ضلع میں پیداوار خاصی کم ہوتی ہے۔ لیکن اس مرتبہ تو خشک سالی نے قیامت ڈھادی ہے۔ اور غلہ اسقدر قلیل مقدار میں پیدا ہوا ہے کہ قحط کے آثار نظر آرہے ہیں۔ یہ علاقہ ویسے بھی پسماندہ ہے۔ یہاں کے زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بمشکل پالتے ہیں۔

اندریں حالات ہمارے علاقہ کے مفلوک الحال کسان اور کاشت کار سخت پریشانی کے عالم میں ہیں۔ ان میں مالیہ ادا کرنے کی سکت نہیں ہے۔ بلکہ انہیں تو یہ فکر دامن گیر ہے کہ کیسے بسر اوقات کریں گے۔ وہ کل کو کھائیں گے کیا اور آئندہ فصل کے لیے بیج وغیرہ کیسے بچا کر رکھ سکیں گے۔

لہٰذا مؤدبانہ التماس ہے کہ حضورِ والا اس سال لگان اور مالیہ کی وصولی سے ہمارے علاقہ کو مستثنیٰ

قرار دے کر ہم غریبوں پر نظر کرم فرمائیں۔ اس کے لیے ہم آپ کے سراپا سپاس ہوں گے۔
خدا آپ کے اقبال میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

عـــــــرضـی

باشندگان تحصیل پنڈ دادن خان، ضلع جہلم

۱۵ مئی ۱۹۹۰ء

۱۔ کرم داد نمبر دار علاقہ	۲۔ غلام قادر زمیندار
۳۔ محمد شفیع کاشتکار	۴۔ فتح دین کاشتکار

درخواست بنام چیئرمین میونسپل کمیٹی

شکستہ سڑکوں کی مرمت و صفائی کیلئے

بخدمت جناب چیئرمین صاحب میونسپل کمیٹی سیالکوٹ

جناب عالی!

مؤدبانہ گذارش ہے کہ شہر کے بعض حصوں میں سڑکوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ وہ اکثر مقامات سے شکستہ ہو چکی ہیں ان کی یہ شکستگی اور خستگی شہریوں کے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ آمد و رفت کے لیے سخت دقت کا سامنا ہے۔ اکثر مقامات پر گڑھے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر برسات کے دنوں میں تو حالت نہایت ابتر ہوتی ہے۔ جگہ جگہ پانی تالابوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کیچڑ اور دلدل کے باعث آمد و رفت محال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شہر کے بہت سے حصوں کی صفائی عام کی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ صورت اختیار کر چکی ہے۔ گلیوں میں جا بجا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اور سخت تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر وقت مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں۔ گندے پانی کا نکاس بھی صحیح نہ ہونے کے باعث نالیوں کی سخت دشواری پیش آتی ہے۔ رکے ہوئے پانی کی یہ نالیاں اس وقت مکھیاں اور مچھروں کی "فیکٹریاں" بن چکی ہیں جس سے اہل شہر سخت تنگ اور پریشان ہیں۔

اگر گلیوں اور نالیوں کی صفائی کا فوری اور خاطر خواہ طور پر انتظام نہ ہوا تو ڈر ہے کہ اہالیان شہر کسی وبائی مرض کی لپیٹ میں نہ آ جائیں۔ ازراہ مہربانی کمیٹی کے خاکروبوں کو ہدایت فرمائیں کہ وہ نالیوں اور گلیوں کی روزانہ صفائی کیا کریں۔ آخر وہ تنخواہ کس بات کی لیتے ہیں؟ جو گڑ شکستہ اور خراب ہو چکے ہیں۔ ان کی مرمت کا بندوبست ہونا چاہیے۔ اسی طرح شکستہ اور ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کی مرمت

کے لیے بھی فوری اقدامات کی ضرورت ہے۔

امید ہے آپ اس ضمن میں جلد از جلد مناسب کارروائی عمل میں لا کر ہمیں ممنون فرمائیں گے۔

عرضے

نیازمندان، اہالیان شہر سیالکوٹ

مورخہ ۲۱، اپریل ۱۹۹۰ء

درخواست برائے اجراء گرلز ہائی سکول

بخدمت جناب ڈائریکٹر تعلیمات، گجرات ریجن گجرات

جناب عالی!

مودبانہ گذارش ہے کہ ہمارے گاؤں میں گرلز ہائی سکول کا قیام نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ آس پاس کوئی ہائی سکول نہیں ہے کہ بچیاں تعلیم حاصل کر سکیں۔ انہیں اس مقصد کے لیے چھ چھ سات سات میل فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے بڑی دقت کا سامنا ہے اور اکثر گھرانوں کی بچیاں زیور تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں۔ ہمارے گاؤں کی آبادی دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اتنی آبادی کے لیے لازماً ہائی سکول کا قیام عمل میں آنا چاہیئے۔ حکومت تعلیم کو عام کرنے کے لیے بہت کچھ اقدامات کر رہی ہے۔ اور اشاعت تعلیم حکومت کی پالیسی کا ایک بنیادی مقصد ہے۔ اس لحاظ سے ہمارے گاؤں کی بچیوں کا تعلیم سے بے بہرہ رہنا ایک قومی المیہ ہے۔ ظاہر ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کسی لحاظ سے بھی لڑکوں کی تعلیم سے کم اہم نہیں ہے۔

اہل دِہ سکول کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی مدد آپ کے تحت ہر طرح کا اشتراک و تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ سرکاری عمارت کی تکمیل تک عارضی طور پر کوئی مکان بھی اس غرض کے لیے وقف ہو سکتا ہے۔

میں انتہائی ممنون ہوں گا۔ اگر مندرجہ بالا حقائق و کوائف کی روشنی میں آپ ہمارے گاؤں میں گرلز ہائی سکول کے اجراء کی منظوری عنایت فرمائیں گے۔ والسلام

العارض

مقصود احمد تحصیل و ضلع گجرات گاؤں چوپالہ

آپ بیتی

آپ بیتی کیا ہے؟

آپ بیتی سے مراد کسی بھی چیز یا ذی روح کے وہ احوال وکوائف ہیں جسے وہ خود اپنی زبان سے بیان کرے۔ آپ بیتی کو انگریزی میں آٹو بائیو گرافی اور فارسی میں خودنوشت کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو نطق کا وصف بخشا ہے جس کی بدولت وہ اپنے احوال کو خود بیان کر سکتا ہے۔ جبکہ دنیا کی کوئی دوسری مخلوق اس پر قادر نہیں۔ اس لیے آپ کو کسی بے جان یا ذی روح کی آپ بیتی لکھتے وقت یہ فرض کرنا پڑے گا کہ آپ وہی چیز ہیں۔ جس کی آپ بیتی لکھنے کے لیے آپ سے کہا گیا تھا۔

اچھی کہانی لکھنے والا شخص اچھی آپ بیتی بھی لکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں فرق صرف لکھنے کے رویے میں ذرا سی تبدیلی کا ہے "اس" اور "وہ" کی بجائے "میں" کے صیغے میں بات کہنے کا ہنر یاد ہو تو یہ کام بڑا آسان ہے۔

طریق کار

۱۔ وسعت مشاہدہ :۔ آپ بیتی لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان نے اپنے گرد وپیش کے ماحول کا گہری نظر اور بصیرت سے مطالعہ و مشاہدہ کیا ہو۔ جس چیز کی آپ بیتی لکھی جائے پڑھنے والے کو یہ اس کی حقیقی کہانی معلوم ہو۔

۲۔ ربط وتسلسل :۔ آپ بیتی میں کہانی یا افسانے کے لیے کی طرح حالات وواقعات کا تسلسل بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہ بے جان ہو کر رہ جائے گی۔ اس میں ابتداء عروج اور نتیجے کی کیفیت واضح ہونی چاہیے تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔

۳۔ اضافے کی ضرورت :۔ کسی ادب میں کوئی ایسی کہانی یا آپ بیتی نہیں ہے جسے سو فیصد حقیقت اور واقعاتی کہہ سکیں۔ ہر کہانی کو افسانے کے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں کچھ اضافوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اضافے انسانی فطرت کا خاصہ ہیں۔

نوٹ :۔ کچھ بڑے آدمیوں اور ادیبوں کی آپ بیتیاں ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔ ان کا مطالعہ مفید رہے گا۔

گلاب کے پھول کی آپ بیتی

"تازہ جیسے گلاب، شگفتہ، معطر، دلکش" میں نے اپنے متعلق لوگوں کو اکثر یہ الفاظ کہتے سنا ہے۔ واقعی مجھے یہ خصوصیات حاصل ہیں۔ میں پھولوں کا بادشاہ ہوں۔ دنیا بھر کا ادب میری تعریف و توصیف سے بھرا پڑا ہے۔ شاعروں، گویوں، فلاسفروں، ادیبوں اور علم نباتات کے ماہرین مجھے اپنے اپنے انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے رہتے ہیں قدیم ایرانی شعرا مجھے ہمیشہ بلبل سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ وہ مجھے بلبل کی دلہن کہہ کر پکارتے ہیں۔ انگریزی کے شعرا بھی ہمیشہ بلبل سے میری نسبت قائم کرتے رہے ہیں۔

بلبل کے گیتوں کا سرچشمہ میری خوبصورتی اور رعنائی ہے اردو کے شعرا نے بھی مجھے اکثر اپنے تشبیہات میں استعمال کیا ہے۔ میر تقی میر کا یہ شعر میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے ؎

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

قائداعظم نے میری تعریف و تحسین میں جو الفاظ کہے تھے۔ انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ان سے کسی نے پوچھا تھا۔ کہ آپ کو کس نام سے پکارا جائے؟" تو انہوں نے جواب دیا تھا۔ "گلاب کے پھول کو کسی نام سے پکار لو۔ کچھ فرق نہیں پڑتا۔" یقین مانیے اس وقت میرا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ اسی طرح میرے لیے وہ لمحات بھی انتہائی مسرور کن تھے۔ جب علامہ اقبال نے پھول کا تحفہ عطا ہونے پر فرمایا تھا ؎

تجھے وہ شاخ سے توڑیں؟ زہے نصیب ترے　　تڑپتے رہ گئے گلزار میں رقیب ترے

کوئی تقریب میرے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میں دولہا کے سہرے میں سجایا جاتا ہوں مجھے گلدستوں میں سجایا جاتا ہے۔ مہمانِ خصوصی پر میری پتیاں نچھاور کی جاتی ہیں۔ مجھے بطورِ تحفہ پیش کیا جاتا ہے اور میں نے اکثر یہ الفاظ سنے ہیں کہ "پھول سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں"۔ یہاں تک کہ قبروں پر بھی میری چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔

میری نشوونما ہر موسم اور آب و ہوا میں ہو سکتی ہے۔ میں مصر کے صحراؤں اور آئس لینڈ کے برفانی علاقوں میں بھی پایا جاتا ہوں۔ بعض مقامات پر میرا رنگ سفید یا زرد ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے مقامات پر میں گلابی لبادہ اوڑھ لیتا ہوں۔ شاید آپ سوچتے ہوں کہ لوگ صرف رنگت یا خوبصورتی کی وجہ سے میری تعریف کرتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ دراصل میری جس خصوصیت کے باعث لوگ میرے

دلدادہ ہیں۔ وہ میری دلکش اور پیاری خوشبو ہے۔ یقین جانئے دنیا کی تمام خوشبوئیں میری خوشبو کے سامنے ہیچ ہیں۔ میری اس خوبی کے باعث مجھے ہر محفل میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ملکہ نورجہاں کے بارے میں آپ نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ اسی کے ہاتھوں عطر گلاب ایجاد ہوا ہے۔ سچ پوچھئے تو باغ کی اصل زیب و زینت میرے دم سے ہے۔

پھولوں کی دنیا میں میری حکمرانی مسلّم ہے۔ لیکن مجھے کبھی کبھی اپنے حریف پھول چنبیلی پر رشک آجاتا ہے۔ بعض لوگ اس کی تعریف میں بھی رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ لیکن مجھے اس کی پروا نہیں میں اپنی حقیقت کو خوب سمجھتا ہوں۔ اللہ نے جو شان اور عزت مجھے دی ہے وہ کسی پھول کو حاصل نہیں۔ قدردان لوگ میری قدر خوب پہچانتے ہیں۔ جب میں نایاب ہو جاؤں تو لوگ میری خاطر بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ قدیم یونانی اور رومی لوگ دعوتوں اور تقریبات میں اپنے سروں پر میرے ہار سجایا کرتے تھے۔

میں سورج کی تابناک شعاعوں سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ شبنم کے قطرے مجھ پر موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ اس وقت میں مکمل طور پر جواہر نگار بن جاتا ہوں۔ موسم بہار کے خوشگوار جھونکے مجھے تازگی بخشتے ہیں اور اس موسم میں میری دلربائی و عطر بیزی اپنے جوبن پر آتی ہے۔ بہار کا تصور میرے بغیر ادھورا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے میرے بارے ہی میں کہا ہے۔

بہار آئی کھلے گل زیب صحن گلستاں ہو کر عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر

لیکن مجھے اکثر گرم ہواؤں، تتلیوں، شہد کی مکھیوں اور شریر لڑکے اور لڑکیوں سے خوف رہتا ہے۔ گرم ہوائیں چلتی ہیں تو میری دلفریب خوشبو غائب ہو جاتی ہے لڑکے اور لڑکیاں مجھے توڑنے کی کوشش کرتی ہیں۔ میں ان کی دست درازی کی مزاحمت کرتا ہوں۔ اور لبا اوقات میرے تیز ہتھیار کانٹے ان کی انگلیوں کو زخمی کر دیتے ہیں لیکن میں سب سے بڑھ کر شہد کی مکھیوں اور تتلیوں کا ستم رسیدہ ہوں وہ میرے سینے پر بسیرا کر لیتی ہیں اور میرا سارا رس چوس کر مجھے بیچارگی میں چھوڑ جاتی ہیں۔ میرا محافظ اور رکھوالا مالی جو صبح و شام مجھے سیراب کرتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ وہ بھی ان کی دست برد کے سامنے بے بس ہے۔ لیکن میں اپنی رنگت، خوبصورتی اور خوشبو سے سب کو مسرور کرتا ہوں اور میں ایک روزہ مختصر سی زندگی سے مطمئن ہوں۔

ایک اور ظلم بھی مجھ پر ڈھایا جاتا ہے میری پتیاں مسل مسل کر مجھے گلقند میں تبدیل کر کے مرتبانوں میں بند کر دیا جاتا ہے میں نیم جان بلکہ بے جان ہو جاتا ہوں اور عرصہ دراز تک اِن مرتبانوں میں پڑا رہتا ہوں۔ لیکن میں اس پر بھی مطمئن ہوں کہ چلو میرے دم سے حضرت انسان کو کچھ نہ کچھ تو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کے لیے پیغام شفا بن جاتا ہوں اور اس سے مجھے روحانی سکون اور اطمینان

حاصل ہوتا ہے۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے، خدا حافظ!

گھوڑے کی آپ بیتی

اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اور اپنے ان سہانے دنوں کو یاد کرتا ہوں۔ جب میں ایک بچھیرا تھا اور سبزہ زاروں میں آزادانہ چرتا پھرتا تھا۔ وہ میری زندگی کے خوشگوار ترین لمحات تھے مجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بس میں اپنی ماں کے پیچھے پیچھے بھاگا کرتا تھا۔ جو ایک نہایت عمدہ سفید عربی گھوڑی تھی۔ مجھ پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ میرا زیادہ تر وقت سرسبز و شاداب میدانوں میں گزرتا تھا۔ جہاں میں نرم و نازک گھاس کترتا تھا اور کلیلیں کرتا پھرتا تھا۔

لیکن مسرت و شادمانی کے یہ لمحات عارضی ثابت ہوئے۔ جب میں کافی بڑا ہو گیا تو ایک سائیس آیا اور اس نے میری گردن میں لمبا سا رسا باندھ دیا اور اس طرح مجھے آزادی سے محروم کر دیا۔ اس نے مجھے چابک مار مار کر ایک دائرے کی صورت میں چکر دینے شروع کر دیئے۔ اس برتاؤ نے مجھے خوفزدہ اور غضب ناک کر دیا۔ لیکن اس نے یہ مشقت جاری رکھی یہاں تک میں اسقدر تھک گیا کہ بمشکل کھڑا ہو سکتا تھا۔ تاہم مجھے میری ماں نے بتایا کہ مزاحمت کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہے اور قصہ مختصر یہ کہ مجھے سواری کے لیے مکمل طور پر تیار کر لیا گیا۔

مجھے ایک نوجوان افسر نے پولو کھیلنے کے لیے خرید لیا شروع شروع میں تو میں اس کھیل سے مانوس نہ ہو سکا۔ لیکن جلد ہی مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ میرا آقا بہت مہربان انسان اور ایک عمدہ سوار تھا۔ کھیل میں جیت پر میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا اور میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہتا۔ لیکن میری خوشی کے یہ لمحات بھی جلد ختم ہو گئے۔ میرا آقا مقروض ہو گیا اور اس نے مجھے ایک ایسے شخص کے پاس بیچ دیا جو بگھی رکھتا تھا۔ اب مجھے بگھی میں جوت دیا گیا۔ اور میں تنگ و تاریک راستوں پر دوڑنے لگا مجھے اس کام سے نفرت تھی۔ میں حتی المقدور اپنی رفتار سست رکھتا۔ جب میرا ڈرائیور مجھے چابک رسید کرتا تو میری نفرت اور بڑھ جاتی اور میں کسی نہ کسی رکاوٹ کا بہانہ بنا کر رک جاتا اور چلنے کا نام نہ لیتا۔ میں نے محسوس کیا کہ سم مارنا ایک اچھا حیلہ ہے۔ اور جب بھی مجھے بگھی میں جویا جاتا تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھاتا۔ بلکہ سم مارنا شروع کر دیتا۔ آخر کار میرا مالک مجھ سے بددل اور مایوس ہو گیا۔ اور مجھے ایک ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا جو شکار کھیلنے کا شوقین تھا۔

میں شادمان و مسرور ہو گیا کہ پھر سے سواری کے کام پر واپس آ گیا ہوں۔ کھلے میدانوں میں جب

یاں شکاری کتوں کے ساتھ ہرنوں کے پیچھے سرپٹ دوڑتا تو میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا۔ یہ لمحات بھی میری زندگی کے ناقابلِ فراموش لمحات ہیں۔ لیکن ایک حادثہ پیش آجانے سے خوشی کے یہ لمحات بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ ایک دن میرے آقا نے مجھے ایک بڑی چھلانگ لگانے پر مجبور کیا۔ جو میں صحیح طور پر لگانے میں کامیاب نہ ہو سکا اور میں اپنی پوری کوشش کے باوجود گر پڑا۔ میرا آقا بھی گر پڑا۔ اور اس کا بازو ٹوٹ گیا اور میری ایک ٹانگ میں بری طرح موچ آگئی۔ مجھے اس کا از حد افسوس ہوا۔ لیکن تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے!

کئی ہفتے تک میں ایک ہسپتال میں زیرِ علاج رہا۔ اور پھر مجھے ایک ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جسے سواری کے لیے ایک اصیل گھوڑے کی ضرورت تھی۔ وہ ایک مہربان آقا تھا۔ اور بڑی عمدگی سے سواری کرتا تھا۔ میں کئی سال تک خوش دلی کے ساتھ اس کی خدمت بجا لاتا رہا۔ اس نے بھی میرے ساتھ بہت عمدہ برتاؤ کیا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی۔ ورنہ میں دیکھتا تھا کہ میرے کئی ساتھیوں پر ان کے آقا بے حد ستم ڈھاتے تھے۔ ان سے کام ان کی ہمت سے زیادہ لیتے تھے۔ اور خوراک کم دیتے تھے۔ لیکن میرے آقا نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میرے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں۔ میں اپنی استطاعت کے مطابق اپنے مالک کی خدمت بجا لاتا ہوں۔ وہ مجھ سے ہلکا کام لیتا ہے اور میرا زیادہ تر وقت کھیت میں چرنے میں گزرتا ہے میں اپنے آقا کا وفادار ہوں اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ گھوڑے کی وفاداری ضرب المثل ہے۔ میں اپنے آقا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتا میں اپنی اس پرسکون زندگی سے بے حد مطمئن ہوں اور اپنے خالق کا شکر بجا لاتا ہوں آپ میری رام کہانی سن چکے ہیں اب مجھے اجازت دیجئے۔ خدا حافظ!

کرنسی نوٹ کی آپ بیتی

میں ایک پھٹا پرانا اور بوسیدہ کرنسی نوٹ ہوں۔ اگرچہ میری مالیت اب بھی ایک روپیہ ہے لیکن اب مجھے کوئی قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ میری ہیئت اس قدر تبدیل ہو چکی ہے کہ میری پہچان مشکل ہو گئی ہے۔ مجھ پر چاند ستارے کا نشان ماند پڑ چکا ہے۔ میرا نمبر بھی صحیح طور پر نہیں پڑھا جاتا۔ مجھ پر ایک عبارت لکھی ہوتی تھی: "حصولِ رزقِ حلال عبادت ہے" مجھے اس پر فخر تھا۔ اس کے ذریعے تبلیغ کا کام بھی ہوتا ہے۔ لیکن اب یہ عبارت بھی مسخ ہو چکی ہے۔ جس کا مجھے بے حد افسوس ہے مجھ پر علامہ اقبالؒ کے مزار کی تصویر بھی بہت نمایاں تھی۔ اب اس کی پہچان بھی مشکل ہے سیکرٹری وزارتِ مال کے

دستخط بھی نہیں پڑھے جاتے۔ مجھ پر جگہ جگہ ٹیپ لگا کر جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میری خدمات کا دائرہ کئی سالوں پر محیط ہے مجھے ابھی تک اپنی جوانی اور عروج کا زمانہ یاد ہے۔ جب میں ایک سو روپے کے بنڈل کی صورت میں حکومت کے خزانہ میں رہتا تھا۔ اس وقت میری آب و تاب قابلِ دید تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت مسرور تھا۔ مجھ پر چاند ستارا بھی نمایاں اور روشن تھا اور باقی تصاویر اور عبارات بھی پوری چمک دمک رکھتی تھیں۔ مجھے اپنی ہئیت پر فخر تھا۔

میری عملی زندگی کا آغاز بینک سے ہوا۔ ایک صاحب اپنا چیک تڑوانے کے لیے بینک آئے کلرک نے بڑے نوٹوں کے ساتھ ایک روپے والا سو کا بنڈل بھی ان صاحب کو دے دیا۔ مجھے دوسرے نوٹوں کے ہمراہ ایک بیگ میں بند کر دیا گیا۔ وہ صاحب ہمیں گھر لے گئے اور ہمیں اپنی بیگم کے حوالے کر دیا۔ بیگم صاحبہ نے بڑے نوٹ تو بکس میں سنبھال کر رکھ دیئے اور سو روپے والا بنڈل نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ سب سے پہلا نوٹ جو اس بنڈل سے جدا ہوا وہ عاجز ہی تھا۔ بیگم صاحبہ نے مجھے اپنے بچے کے حوالے کیا۔ اور وہ مجھے ایک دکاندار کے پاس لے آیا۔ دکاندار میری آب و تاب دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اس نے ایک عرصہ کے بعد بالکل نیا نوٹ دیکھا تھا۔ اس وقت میری سج دھج قابلِ دید تھی۔ اس نے مجھے سیف میں رکھ دیا۔ جہاں کئی عمر رسیدہ نوٹ پڑے تھے۔ وہ بھی مجھے رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہاں اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے نوٹ اور سکے پڑے تھے۔

میں کچھ عرصہ دکاندار کے سیف میں پڑا رہا۔ مجھے پرانے نوٹوں اور گندے سکوں سے گھن آتی تھی۔ میں انہیں اپنے سے کمتر سمجھتا تھا۔ جہاں تک سکوں کا تعلق ہے وہ سب کے سب مالیت میں مجھ سے کم تھے۔ بڑے نوٹ گو مالیت میں زیادہ تھے۔ لیکن مجھے اپنے نئے پن پر فخر تھا۔ ایک روپے کے تو تمام نوٹوں پر مجھے برتری حاصل تھی۔ کیونکہ ان میں اکثر بوسیدہ ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ میری آب و تاب پر جلتے تھے۔ اور مجھ پر طرح طرح کے آوازے کستے تھے لیکن ایک عمر رسیدہ نوٹ مجھ پر بہت مہربان تھا۔ اور وہ مجھے ہمیشہ نصیحت کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا "میرے بھائی! پرانے نوٹوں کی عزت کیا کرو۔ ایک روپیہ آخر روپیہ ہی ہے، خواہ وہ کتنا ہی پرانا اور بوسیدہ ہو چکا ہو۔ اور پھر تم پر بھی یہ وقت آنے والا ہے"۔ اس کی یہ نصیحت میرے دل میں گھر کر گئی اور میں سوچنے لگا، واقعی مجھے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے۔

ہماری گفتگو کا سلسلہ سیف کے کھلنے سے منقطع ہو گیا۔ اور دکاندار نے مجھے ریزگاری میں ایک خاتون کے حوالے کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے پرس میں رکھ لیا۔ لیکن گلی میں سے گزرتے ہوئے اس خاتون نے جب پرس میں سے ایک ضروری کاغذ نکالا تو میں بھی ساتھ چلا آیا، اور اس خاتون کی بے خبری میں میں زمین پر گر پڑا۔ میں کچھ دیر وہاں بے یارو مددگار پڑا رہا۔ اتفاق سے

میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس ایک لڑکا وہاں سے گزرا۔ اور اس نے مجھے اٹھا لیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور مجھے اپنی ماں کے حوالے کر دیا۔ اس غریب عورت نے جب مجھے پایا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ وہ اور اس کا خاندان مسلسل دو دن سے بھوکے تھے۔ اب وہ اپنا بھوک کا سامان کر سکتے تھے۔ اس وقت مجھے بیحد مسرت ہوئی کہ میں کسی بیچارگی میں کام آیا ہوں۔

میں اپنی ہنگامی اور سرگرم زندگی کا سوواں حصہ بھی آپ کو نہیں بتا سکا۔ میں نے بڑی سرگرم اور مصروف زندگی بسر کی ہے اور کہیں پر بھی زیادہ عرصہ آرام نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ گردش میں رہا۔ مجھے اس پر فخر ہے۔ کیونکہ میرا فرض منصبی یہی ہے مجھے اس روپے کی زندگی قطعاً پسند نہیں ہے جو اگرچہ میرے ساتھ ہی معرضِ وجود میں آیا لیکن وہ زندگی بھر ایک کنجوس کے مضبوط سیف میں بند پڑا رہا۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے جو کسی کے کام نہ آئے؟ اچھا، اب خدا حافظ!

سپاہی کی آپ بیتی

میں ایک پاکستانی سپاہی ہوں۔ مجھے اس پیشے پر فخر ہے۔ میں نے اسے اپنی مرضی سے منتخب کیا ہے۔ جہاد میرا نصب العین ہے۔ ملک و ملت کی خدمت کرنا میرا شیوہ ہے۔ میں اپنے دین اور وطن کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں یہاں تک کہ میں اس راہ میں جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ میں اسلام کا سپاہی ہوں۔ ایک وقت تھا کہ میں انگریز کی خاطر اپنے ہی بھائی بندوں پر گولی چلاتا تھا۔ میری زندگی بے مقصد تھی۔ لیکن اب میں اپنے دین اور ملک و ملت کا پاسبان اور محافظ ہوں۔ یہی اصل مقصدِ حیات ہے۔

مجھے اپنے وطن پاکستان سے محبت ہے۔ یہ اسلام کا گہوارہ ہے۔ اسے ہم نے اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ بنانا ہے۔ تاکہ دشمن اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ میں اپنے ملک کی سرحدوں کا محافظ ہوں پاکستان کا سپاہی دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ الحمد للہ کہ ہماری فوج دنیا کی بہترین افواج میں شمار ہوتی ہے جب بھی پاکستان پر کوئی نازک وقت آیا ہے میں ہمیشہ سینہ سپر رہا ہوں۔ اور اب بھی اسی جذبے سے سرشار ہوں۔

میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ ملک کی آزادی و سلامتی کا انحصار اس کے سپاہیوں کی بہادری و شجاعت ہی پر ہے مجھے ہر وقت ملک کے دفاع کے لیے آمادہ و تیار رہنا پڑتا ہے۔ نہ معلوم دشمن کب حملہ کر دے اس لیے مجھے ہمیشہ تیار اور چاق و چوبند رہنا پڑتا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ صرف بہادر صحت مند اور ذہین افراد کو پاکستانی فوج میں لیا جاتا ہے اور پھر انہیں فوجی تربیت کے کٹھن اور پُر مشقت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مجھے بھی ان تمام مدارج سے گزرنا پڑا ہے اور اب بھی یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ اصل میں سپاہی کی پوری زندگی جفاکشی اور مشقت کی زندگی ہوتی ہے۔ فوجی پریڈ تو ہمارا روزمرہ کا معمول ہے۔ اس کے علاوہ ہم سے اور بہت سے سخت اور دشوار کام لیے جاتے ہیں ہمیں مختلف مہماتی کاموں میں مصروف رکھا جاتا ہے۔ ہمیں جدید ہتھیاروں کا استعمال اور جنگ کے نئے نئے طریقے سیکھنے پڑتے ہیں اس پر مشقت زندگی کا عادی ہو چکا ہوں۔ اصل میں یہ مسلسل مشقت اور سرگرمی و فعالیت ہمارے لیے اشد ضروری ہے، کیونکہ ہمیں کسی وقت بھی ہنگامی حالات کا سامنا ہو سکتا ہے اور نہایت مختصر نوٹس پر ہمیں تیار و مستعد ہونا پڑتا ہے اگر سپاہی سستی، کاہلی اور تساہل کا شکار ہو جائے تو دفاع وطن کا تقاضا پورا نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ آج کے زمانے میں جنگی ہتھیاروں اور وسائل کی بڑی اہمیت ہے لیکن اصل چیز سپاہی کا حوصلہ اور جذبہ ہے اگر حوصلہ اور جذبہ مفقود ہو تو جدید سے جدید ہتھیار بھی کچھ کام نہیں آتے اس لیے میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنا سیکھوں پھر اپنے اندر جوشِ ایمانی اور جذبہ جہاد پیدا کروں۔ مجھ میں حوصلہ اور جرأت ہو۔ ہماری ملی تاریخ سپاہیانہ کارناموں سے بھری پڑی ہے مجھے اپنے اسلاف کی زریں روایات کا پاس و لحاظ ہے۔ جب میں حضرت خالدؓ و طارقؒ، محمد بن قاسمؒ، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور سلطان محمود غزنویؒ جیسے مجاہدین و غازیانِ اسلام کے عظیم کارنامے پڑھتا اور سنتا ہوں تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میرا دل جذبوں اور ولولوں سے لبریز ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی مثالی سپاہی کے بارے میں کہا ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ ۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

میں دیانت داری، خلوص، محنت، تندہی اور لگن سے کام کرنا چاہتا ہوں مجھے جھوٹ اور بے جا تعریف و خوشامد سے سخت نفرت ہے میں محض اپنی قابلیت اور کارکردگی کی بنیاد پر ترقی پانے کا خواہشمند ہوں ایسی ترقی بھی کوئی ترقی ہے جو محض خوشامد اور سفارش کے بل بوتے پر حاصل کی جائے۔ میں اپنے فرض منصبی کو خوب سمجھتا ہوں۔ اپنے اعلیٰ افسران کا حکم بجا لانا میرا شیوہ ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ سپاہی کو احکامات کی پابندی بلا چون و چرا کرنی چاہیئے۔ یہاں دلیل بازی اور حیلہ سازی کام نہیں دیتی۔

میری قوم نے مجھ سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ میں ان پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ اور قوم کو مایوس نہیں کروں گا۔ لیکن مجھے اپنی قوم سے بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ یہ بجا

ہے کہ ملکی دفاع کا انحصار زیادہ تر فوج ہی پر ہوتا ہے۔ لیکن محض فوج یکاو تنہا یہ فریضہ سرانجام نہیں دے سکتی۔ قوم کو چاہیئے کہ وہ بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اپنی فوج کی پشت پناہی کرے۔ جب تک قوم کا بھرپور تعاون واشتراک نہ ہو اور اس کی تمام تر ہمدردیاں فوج کو حاصل نہ ہوں فوج ہرگز اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔ اب اجازت چاہتا ہوں خدا حافظ!

پھٹے پرانے جوتے کی آپ بیتی

اب میں ایک پھٹا پرانا جوتا ہوں۔ کوئی مجھے دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا۔ سب نفرت وبیزاری سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ میں نفرت وبیزاری کے یہ چرکے کھاتا ہوں اور انہیں سہنے پر مجبور ہوں۔ مجھ سے نفرت وبیزاری کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ میں نے حضرتِ انسان کی کس قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ اسی خدمت کا نتیجہ ہے کہ میں اس مقام کو پہنچا ہوں۔ وفاداری کا صلہ یوں دیا جاتا ہے مجھے اس کی توقع نہ تھی۔

اگرچہ اب میری حالت نہایت خستہ اور ناگفتہ بہ ہے۔ لیکن میرا ماضی نہایت شاندار رہا ہے۔ مجھے اپنا یہ درخشاں ماضی کبھی بھی بھولی نہیں سکتا۔ آپ بھی یہ رنگین سرگزشت سنیئے۔ میری ہستی کی ابتدا ایسے ہوئی کہ میں ایک نہایت خوبصورت اور خوش رنگ گائے کی کھال کا ایک حصہ تھا۔ یہ گائے سرسبز وشاداب میدانوں میں چرا کرتی تھی۔ دودھ بھی خوب دیتی تھی اور اپنے مالک کی بڑی خدمت گزار تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گائے اپنی جوانی اور حسن وجمال کھو بیٹھی۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ "ہر کمالے را زوالے"۔ اسی طرح گائے پر بھی بڑھاپا آگیا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی۔ اور اس کی خوبصورت کھال ہڈیوں سے چمٹ کر رہ گئی۔ اب مالک کی بے وفائی اور ناقدری دیکھیئے کہ جو گائے کبھی اس کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اب اس کی نفرت وبیزاری کا شکار ہو کر رہ گئی۔

آخر گائے کا مالک اس سے اس قدر بیزار ہو گیا اور اتنا تنگ آگیا کہ ایک روز اسے اونے پونے ایک قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اسے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ قصاب گائے کو کھینچتا ہوا لے گیا۔ اور اسے ذبح کر دیا۔ جب وہ کھال کو گوشت سے الگ کر رہا تھا میں ناقابلِ برداشت اذیت محسوس کر رہی تھی۔ جب یہ انتہائی تکلیف دہ مرحلہ ختم ہوا تو مجھے نمک لگا کر خشک کیا گیا۔ اس طرح میری تکلیف میں اور اضافہ ہو گیا۔ اب قصاب نے مجھے ایک ٹینری کے مالک کے ساتھ

فروخت کر دیا۔ جہاں مختلف مسالوں سے مجھے صاف کیا گیا اور میں چمڑے کی شکل اختیار کر گئی۔

اس کے بعد مجھے ایک گودام میں بند کر دیا گیا۔ وہاں تین ماہ کے قریب قیام رہا۔ ایک دن ایک جفت ساز نے مجھے خریدا اور اپنی فیکٹری میں لے گیا۔ وہاں مجھے بے شمار ٹکڑوں کی صورت میں کاٹا گیا اور مجھے کئی مشینوں سے گزرنا پڑا۔ یہاں تک کہ میں نے ایک چمکدار اور دیدہ زیب بوٹ کی شکل دھارلی۔ جو بھی میری چمک دمک دیکھتا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ پھر مجھے اور میرے جیسے اور بہت سے ساتھیوں کو گتے کے ڈبوں میں بند کر دیا گیا۔ ایک جوتوں کے تاجر نے ہمیں خریدا اور اپنی دکان میں جا سجایا۔ وہاں چند روز ہمارا قیام رہا۔ ہم بہت سکون اور آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس دوران کئی گاہک دکان پر آئے۔ ہمیں ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انہوں نے اپنے پاؤں ہمارے اندر ڈال کر ہمیں جانچا اور پرکھا لیکن ابھی شاید ہمیں مزید آرام و راحت کی ضرورت تھی۔ اس لیے کسی گاہک سے جھا ؤ طے نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہمارا معیار خاصا اونچا تھا۔ اور دکاندار زیادہ قیمت طلب کرتا تھا۔ ایک دن ایک افسر وہاں پر آیا۔ اُسے ہمارا ایک جوڑا پسند آگیا۔ اس نے دکاندار کو منہ مانگے دام دیئے اور ہمیں گھر لے گیا۔

ہمارا خریدار چونکہ ایک امیر آدمی تھا اس لیے ہم بہت عیش میں رہے وہ ہمیں پہن کر تنگ گھر کے فرش اور قالینوں پر پھرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ہمیں پہن کر کار میں سیر کو نکل جاتا اور ہم بھی سیر سے خوب لطف اندوز ہوتے۔ یہ دور ہماری زندگی کا سنہری اور ناقابلِ فراموش زمانہ تھا۔ اس کے نوکر ہر روز ہمیں پالش کر کے خوب چمکا دیتے۔ اور ہماری آب و تاب میں اور اضافہ ہو جاتا۔ چونکہ ہمارے مالک کے پاس جوتوں کے اور بھی کئی جوڑے تھے۔ اس لیے ہماری باری شاذ و نادر ہی آتی تھی۔ اور ہمارا زیادہ تر وقت آرام و راحت میں گزرتا تھا۔

مگر ہمارے یہ پُر سکون اور پُر مسرت لمحات جلد ہی ختم ہو گئے۔ اور ایک تکلیف دہ دور کا آغاز ہو گیا۔ ہمارے مالک نے ہمیں ایک نوکر کے سپرد کر دیا۔ شروع شروع میں اس نے ہمیں بڑی احتیاط اور حفاظت سے رکھا، ہمیں پالش بھی کیا۔ لیکن بعد میں اس نے ہمیں بے رحمی سے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ وہ ہمیں تمام دن پہنے رکھتا اور ہر وقت کام میں لگا رہتا تھا۔ کبھی بازار جاتا تھا۔ کبھی ریلوے اسٹیشن پر اور کبھی ہوٹلوں میں۔ ہم پھر بھی خوش تھے کہ خوب سیر ہو رہی تھی۔ مگر کثرت استعمال نے ہمارے اعضاء ڈھیلے کر دیئے اور جسم کو چور چور کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا روغن اور رنگ اڑ گیا۔ ہم جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ اور ہماری ہیئت بالکل بدل کر رہ گئی تھی ہم بدوضع ہو چکے تھے اور درد، تکلیف اور اذیت سے ہمارا بُرا حال تھا۔

کچھ عرصے کے بعد ہمارے مالک نے اس نوکر کو اپنا ایک اور جوتا عنایت کر دیا۔ اب

نوکر کو ہماری ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ ایک دن ایک فقیر وہاں آیا۔ اس نے ایک جوتے کا سوال کیا۔ نوکر نے ہمیں اٹھا کر اس فقیر کے حوالے کر دیا۔ اس طرح ہم اپنے مالک سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گئے۔ فقیر نے ہمیں اس وقت تک استعمال کیا جب تک ہم بالکل ہی جواب دے گئے۔ اور ناکارہ ہو کر رہ گئے۔ ہمیں یہ اطمینان تھا کہ ہم ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری کر رہے ہیں۔ آخر جب ہمارا جوڑا الگ ہو گیا تو فقیر نے ہمیں کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا۔ اب ہم اپنے شاندار ماضی کو یاد کرتے ہیں۔ اور آنسو ضبط کر کے رہ جاتے ہیں۔

ایک کرسی کی آپ بیتی

اب آپ مجھے جس حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ اس سے آپ قطعاً اندازہ نہیں کر سکتے کہ مجھے کبھی ایک کرسی کہلانے کا اعزاز حاصل تھا۔ اب میرا انجر پنجر الگ ہو چکا ہے میرے بازو بھی الگ ہو چکے ہیں۔ میری ٹانگیں جواب دے چکی ہیں۔ اور میری پشت اور سیٹ کا حلیہ بگڑ چکا ہے۔ میرے رنگ و روغن کا کہیں دور دور تک نشان نہیں۔ اب میں کباڑ خانے میں پڑی اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ میرا ماضی نہایت شاندار ہے۔ میں اس دور کے حسین لمحات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب شیشم کے ایک درخت کی صورت میں جنگل کی آزاد فضاؤں میں میرا بسیرا تھا۔ مجھ پر کئی بہاریں اور خزائیں گزری ہیں۔ بہاروں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اور خزاؤں سے بے نیاز رہا۔ میری گھنی چھاؤں میں انسان، جانور اور پرندے سبھی بسیرا کرتے تھے۔ اور یہ بات میرے لیے انتہائی مسرت بخش تھی۔ مجھے سکون و اطمینان تھا کہ مخلوقِ خدا کو مجھ سے فائدہ پہنچتا ہے۔ میں اکثر یہ شعر گنگنایا کرتا تھا ؎

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں   کہ کام آئے دُنیا میں انساں کے انساں

میں سوچتا تھا کہ اچھا انسان وہی ہے جو دوسروں کے کام آئے۔ اسی طرح اچھا درخت وہ ہے جو مخلوقِ خدا کے کام آئے۔ انسان ایک دوسرے کے کام آئے نہ آئے لیکن میرے لیے خدمتِ خلق ہی اصل مقصدِ حیات تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں عمر رسیدہ ہو گیا اور بڑھاپا مجھ پر بُری طرح مسلط ہو گیا۔ اب میں ٹنڈ منڈ درخت کی صورت میں اپنی بے بسی اور بیچارگی پر آنسو بہا رہا تھا۔ مجھے افسوس تھا کہ اب مخلوقِ خدا میری گھنی چھاؤں سے محروم ہو گئی۔ لیکن ایک بات میرے لیے اطمینان بخش تھی۔ گو کہ

کمبے کوئی غریب لکڑہارا ادھر آنکلتا اور میرے جسم کے کچھ حصے کاٹ لیتا۔ اس سے مجھے اذیت تو بہت ہوتی، لیکن میں سوچتا تھا کہ یہ بے چارے لکڑہارے کا روزگار ہے۔

ایک دن کچھ آدمی بڑے بڑے کلہاڑے اور آریاں لے کر وہاں پہنچ گئے۔ انہیں میں دیکھ کر کانپ اٹھا انہوں نے اپنا کام بڑی بے رحمی سے شروع کیا اور چند گھنٹوں کے بعد میرے پاؤں زمین سے اکھڑ چکے تھے اور میں دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ آریوں سے میرے کئی ٹکڑے کیے گئے اور مجھے ایک چھکڑے پر لاد کر ٹمبر مارکیٹ پہنچا دیا گیا۔ وہاں میرا قیام تقریباً دو ماہ تک رہا۔ ایک دن ایک بڑھئی اُدھر آنکلا اور اسے ہمارے کئی ٹکڑے ٹمبر مرچنٹ سے خرید لیے وہ ہمیں اپنی دکان پر لے آیا۔ وہاں آرے سے چیر کر ہمارے تختے بنائے گئے اور بڑھئی نے ان تختوں سے مختلف قسم کا فرنیچر تیار کرنا شروع کیا۔ انہی میں سے ایک تختے سے بڑھئی نے مجھے ایک کرسی کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

آغاز میں تو میں اس قدر دیدہ زیب نہ تھی۔ لیکن بڑھئی نے رنگ و روغن کر کے مجھے خوب چمکا دیا۔ اب ہر شخص مجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا تھا۔ لیکن چونکہ میری قیمت بہت زیادہ تھی۔ اس لیے کسی کو خریدنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آخر ایک دن ایک امیر اور صاحب حیثیت شخص ادھر آنکلا۔ وہ دیکھتے ہی میرا شیدائی ہو گیا اور بڑھئی کو منہ مانگے دام دے کر مجھے اپنی ملکیت میں لے لیا اور اپنے ملازم سے اٹھوا کر مجھے اپنے گھر لے گیا۔

اس امیر شخص کے گھر میں اگرچہ اور بھی بہت سی کرسیاں تھیں۔ لیکن مجھے وہ خاص طور پر پسند کرتا تھا۔ کبھی مجھ پر بیٹھ کر وہ لکھنے پڑھنے کا کام کرتا۔ کبھی مجھے اپنے باغیچے میں بچھوا کر مجھ پر بیٹھ کر اخبار کا مطالعہ کرتا اور تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوتا۔ اس کے بیوی بچے بھی بڑے شوق سے مجھے استعمال کرتے تھے۔ کوئی مہمان آجاتا تو مجھے ہی اس کی خدمت کا اعزاز بخشا جاتا۔ الغرض اس گھر میں مجھے ہر طرح کا آرام اور سکون میسر تھا۔ میری خوب دیکھ بھال ہوتی تھی۔ گھر کا ملازم روزانہ مجھے جھاڑ پھونک کر رکھتا تھا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد میرا رنگ و روغن کچھ ماند پڑ گیا تو مجھے دوبارہ پالش کرایا گیا اور اس طرح میری چمک دمک پھر عود کر آئی اور میری خوشی و مسرت پھر سے لوٹ آئی۔

لیکن خوشی کے یہ لمحات جلد ہی اختتام پذیر ہو گئے۔ وہ اس طرح کہ میں حادثے کا شکار ہو گئی۔ ایک دن گھر کی مالکن مجھے ضرورت کے تحت بالائی منزل پر لے گئی۔ کچھ وقت تو میں ان کی خدمت بجا لاتی رہی۔ پھر وہ کسی کام سے نیچے آگئیں۔ اس دوران ان کے چھوٹے بچے مجھ سے شغل کرنے لگے وہ مجھ پر اچھلنے کودنے لگے اور ایک بچے نے میری ٹانگ سے رسی باندھ کر

مجھے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ سوءِ اتفاق سے میں سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی نیچے پختہ فرش پر جا گری۔ اس حادثے میں میری دونوں ٹانگیں کام آ گئیں۔ میرے مالک کو مجھے اس حالت زار میں دیکھ کر بیحد افسوس ہوا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ قسمت کا لکھا بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر بیگم صاحبہ میری سفارش کرتیں تو مجھے اس گھر سے دیس نکالا ملتا، بہر حال ملازم مجھے ایک کباڑ خانے میں لے آیا اور کچھ معمولی سی رقم لے کر چلتا بنا۔ اس طرح میں بے بسی و بیچارگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئی۔ یہ انقلابات زمانہ ہیں۔ جن سے کسی کو مفر نہیں۔ اسی لیے تو علامہ اقبال فرما گئے ہیں ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اب میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں۔ خدا حافظ!

تلخیص

تلخیص کیا ہے؟ تلخیص سے مراد یہ ہے کہ کسی عبارت کا مفہوم یا مطلب حتی المقدور کم سے کم الفاظ اور مربوط انداز میں لکھا جائے تاکہ اس کے تمام اہم اور نمایاں پہلو واضح ہو جائیں۔ یہ اختصار اصل عبارت کا ایک تہائی ہونا چاہیے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہوتا ہے۔

انگریزی میں تلخیص کو سمری یا پریسی کہتے ہیں۔ عملی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر محکمے اور شعبے میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کے بغیر مختلف امور و معاملات میں دقت پیش آتی ہے۔

مثال:- مثلاً آپ کسی جلسہ میں شرکت کرتے ہیں اور آپ کا کوئی عزیز یا دوست یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ جلسے کا لب لباب کیا تھا؟ اب آپ یہ تو نہیں کرتے کہ پورے جلسے کی کارروائی شروع سے آخر تک بیان کر دیں۔ بلکہ آپ صرف اس کے اہم نکات اور موٹی موٹی باتیں بیان کرتے ہیں۔ یہی تلخیص ہے۔

طریق کار:-

۱۔ دی ہوئی عبارت کو چند بار غور سے پڑھیں اور اہم نکات پر نشان لگائیں۔

۲۔ ان اہم نکات کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کریں کہ عبارت میں معنی، ربط اور تسلسل پیدا ہو جائے۔

۳۔ آسان، سادہ اور جامع الفاظ استعمال کریں۔ مشکل الفاظ وتراکیب سے گریز کریں۔
۴۔ کسی عبارت میں تکرار پائی جائے تو اسے نظر انداز کر دیں۔
۵۔ عبارت میں جو حوالے وضاحت کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ انہیں نظر انداز کر دیں، البتہ کسی اہم حوالے کا اختصار پیش کریں۔
۶۔ عبارت آرائی اور زورِ بیان دکھانے کی خاطر استعمال شدہ الفاظ وتراکیب، محاورات، ضرب الامثال، تلمیحات اور تشبیہات کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔
۷۔ ایک عبارت کئی نکات پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ ہر نکتہ کا خلاصہ بیان کریں۔ لیکن ربط کا خیال رکھیں۔
۸۔ اصل عبارت میں جتنے پیرے ہوں، یہ ضروری نہیں کہ خلاصہ بھی اتنے ہی پیروں پر مشتمل ہو۔ حسبِ ضرورت پیرے کم کیئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مفہوم ادا ہو جائے۔
۹۔ اگر عبارت مکالمے کی صورت میں ہو تو حسبِ ضرورت الفاظ تبدیل کر دیں۔
۱۰۔ اپنی طرف سے نہ تو تنقید کریں نہ تبصرہ۔
۱۱۔ عنوان جامع ہونے چاہیئے۔ تاکہ پوری عبارت کا مفہوم اس میں سمٹ آئے۔
۱۲۔ ایسے جامع الفاظ استعمال کریں۔ جو مفصل امور کو اختصار سے ادا کر سکیں۔ مثلاً "اس کے ماں باپ وفات پا گئے"، کی جگہ "وہ یتیم ہو گیا"، "کھیتوں کو پانی دینا" کی جگہ "آبپاشی"، "بہت جلد غصے میں آنے والا" کی جگہ "زود رنج" استعمال کیا جا سکتا ہے وغیرہ۔

مثالیں

عبارت نمبر ۱۔ حقیقت میں برصغیر کی سیاست جنگ کے میدان کا نقشہ پیش کرتی تھی تین قومیں اپنے مستقبل کا ہیولٰی، مختلف متضاد زاویہ ہائے نگاہ سے کھینچ رہی تھیں۔ انگریز، ہندوستان میں اثر و رسوخ قائم رکھنا چاہتے تھے۔ جس کے لیے وہ کانگریس سے سمجھوتہ چاہتے تھے۔ گاندھی ہند و راج کے لیے بلا شرکتِ غیرے طاقت چاہتا تھا اور اس کے لیے انگریز کو دبا کر یا دوستی سے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ مسلمان انگریزوں کے تحکم اور غلامی سے بچنا چاہتے تھے۔ لیکن ان تینوں میں سب سے کمزور پارٹی تھے۔ پاکستان یوں نہیں بنا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ

کو ایک قوم کہنا شروع کر دیا تھا یا انہیں خود ارادیت کا تصور سوجھ گیا تھا پاکستان تو سیاست کے میدانِ جنگ میں پڑ نور دشمن کی چالوں سے بچ کر، انہیں بے اثر کرکے اور ہر مڈھ بھیڑ کے بعد آگے بڑھ کر انچ انچ زمین کو فتح کرکے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ جنگ کے نقشے تو ہر ملٹری ہیڈ کوارٹر میں موجود ہیں۔ مگر فتح پانے والا جرنیل مشکل ہی سے دستیاب ہوتا ہے تاریخ میں شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوا ہے کہ کسی قوم کو ایسا قائد ملے جو اس کے لیے ایک نیا ملک تشکیل دے۔ حسنِ اتفاق سے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسا قائد مل گیا جس نے انگریزوں اور ہندوؤں کی تمام چالوں کو ناکام بنا کر پاکستان حاصل کیا۔

لاہور ۱۹۷۵ء

تلخیص:۔ برصغیر کی سیاست بہت ہنگامی تھی۔ تین قوموں کا مقابلہ تھا۔ انگریز کانگریس سے گٹھ جوڑ کرکے اپنا تسلط چاہتے تھے۔ ہندو صرف اپنا اقتدار چاہتے تھے۔ لیکن مسلمان کمزور اور بے بس تھے۔ پاکستان زبردست جدوجہد اور مقابلے کے بعد وجود میں آیا۔ جنگ کے نقشے تو سب بنا لیتے ہیں فتح کسی کسی جرنیل کو حاصل ہوتی ہے۔ خوش قسمتی سے یہاں کے مسلمانوں کو قائد اعظم جیسا عظیم رہنما میسر آ گیا جس نے انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشوں کو ناکام بنا کر پاکستان حاصل کر لیا۔

عنوان قیامِ پاکستان کا کارنامہ

عبارت نمبر ۲۔ ہندوستان کسی زمانے میں بھی ایک نہ تھا اور مستقل ملک نظر نہیں آتا تھا۔ یہاں کا ہر صوبہ ایک نئی راجدھانی، ایک نئی زبان، ایک الگ تمدن یعنی ایک نیا ملک تھا جو اپنے لیے مخصوص خصوصیات رکھتا تھا۔ سنسکرت زبان یہاں کی مشترک مقدس زبان ضرور نظر آتی ہے۔ لیکن تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی زمانے میں تمام ہندوستان کی مشترک گفتگو کی زبان تھی۔ ہندوستان کا میدان داخلی اقوام کے علاوہ خارجی حملہ آور قوموں کا بھی ہمیشہ جولان رہا ہے، تورانی، پھر آرین، پھر عرب، ترک، پٹھان، مغل اقوام یکے بعد دیگرے ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ سولھویں صدی میں اہلِ یورپ کا یہاں کے سواحل پر گزر ہوا۔ جن میں سے پہلے پرتگالی اور ان کے بعد فرانسیسی اور سب سے آخر میں انگریز تھے۔ ایک ایسا ملک جو مختلف نسلوں مختلف قوموں اور مختلف زبانوں کا مجموعہ تھا۔ ناگزیر ہے کہ وہاں باہمی میل جول کے بعد ایک زبان پیدا ہو اور وہ پیدا ہوئی اور اس کا نام اردو ہے

لاہور ۱۹۷۵ء

تلخیص:۔ ہندوستان کبھی متحدہ ملک نہیں رہا۔ ہر علاقہ کی جداگانہ حیثیت تھی۔ سنسکرت مقدس زبان ہوتے ہوئے مشترک زبان نہ تھی۔ ہندوستان میں متعدد بیرونی قومیں، تورانی، یونانی، عرب

ترک، پٹھان، مغل، اور پھر پرتگالی، فرنچ اور انگریز داخل ہوئے. ان مختلف اقوام کے لیے ایک مشترکہ زبان ضرور تھی اور وہ اردو تھی.

عنوان زبان اردو کی تخلیق

عبارت نمبر ۳- مزہبی قوائے انسانی پر بہت بڑا اثر ڈالتی ہے بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے شفاف آئینے کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے. معلم اول حکیم ارسطو سمجھتا تھا کہ غلامی تمدنِ انسانی کے قیام کے لیے ضروری ہے. مگر مذہب اور زمانہ حال کی تعلیم نے انسان کی جبلی آزادی پر زور دیا اور رفتہ رفتہ مہذب قومیں محسوس کرنے لگیں کہ یہ وحشیانہ تفاوتِ مدارج بجائے اس کے کہ قیام تمدن کے لیے ضروری جزو ہو، اس کی تخریب کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت مذموم اثر ڈالتا ہے اسی طرح اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا مفلسی بھی نظم عالم کے لیے ایک ضروری جزو ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو؟

لاہور ۱۹۷۶ء

تلخیص :- غربت انسانی قوتوں اور روح کے لیے تباہ کن ہے ارسطو اسے ضروری سمجھتا تھا لیکن مذاہب اور تعلیم کی بدولت مہذب قوموں کے نزدیک یہ تمدن کی تعمیر نہیں بلکہ تخریب کرتی ہے- امیری غریبی کا یہ فرق بڑا اثر ڈالتا ہے آج یہ بات نہایت اہم ہے کہ کوئی شخص غربت کا شکار نہ ہو

عنوان غربت کا مسئلہ

عبارت نمبر ۴- ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی گئی ہے وہ ذی شعور ہے اس کو تمام قوائے ظاہری اور باطنی دیئے گئے ہیں. ان کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے. تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور ان کے انجام کی سوجھ اس کو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے. اس کی فطرت ایسی ہے کہ اپنے لیے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لیے حاجت مند ہے. پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس پتلے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پتلا آپ اپنا مالک رہے.

لاہور ۱۹۷۷ء

تلخیص :- انسان فطرتاً آزاد خود مختار ہے وہ عقل و فہم رکھتا ہے. وہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ سکتا ہے. وہ ضروریات زندگی فراہم کر سکتا ہے. وہ قدرت رکھتا ہے. خدا کی یہی منشا تھی

کہ انسان اختیارات کا مالک ہو۔

عنوان — انسان کی خود مختاری

عبارت نمبر ۵۔ اگرچہ مرزا غالب اپنی شاعری کا سکہ اس وجہ سے کہ زمانہ اس کا اندازہ کرنے سے عاجز تھا، پبلک پر جیسا کہ چاہیے تھا، نہیں بٹھا سکے تھے، مگر وسعتِ اخلاق، حسنِ معاشرت اور صلح کل سے انہوں نے ایک عالم کو سحر کر لیا تھا قطع نظر شاگردوں اور مستفیدوں کے دوستوں اور ہوا خواہوں کی تعداد جس سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہنچ گئی اور ہر ایک کے ساتھ ان کے برتاؤ کا طریقہ ایسا مہر انگیز تھا کہ ہر شخص اپنے تئیں ان کے مخصوص ترین دوستوں میں سے شمار کرتا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کی اپنی دسترس سے بڑھ کر خبر لینی، نوکروں اور لگے بندھوں کو عسرت کے وقت اپنے سے علیحدہ نہ کرنا۔ درماندگی میں دوستوں کی امداد کرنی اور ان کی مصیبت پر مثل یگانوں کے افسوس اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنا، ہر حال پاسِ وضع اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دینا۔ مذہبی تعصبات سے پاک ہونا اور ہر مذہب وملت کے دوستوں کے ساتھ یکساں صفائی اور خلوص سے ملنا، یہ اور اسی قسم کی تمام خصوصیات جو دار الخلافت کی قدیم سوسائٹی کا زیور سمجھی جاتی تھیں۔ ان کی ذات میں جمع تھیں خصوصاً وفاداری، حق شناسی، اور احسان مندی کی شریف خصلت جو ہندوستان کے قدیم خاندان کا شعار تھا مرزا کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چونکہ ان کے چچا نصر اللہ بیگ خاں لارڈ لیک کی مہمات میں شریک رہے تھے اور ان کی وفات کے بعد گورنمنٹ نے ان کے پس ماندوں کے لیے جن میں ایک مرزا بھی تھے، کئی ہزار روپیہ سالانہ بطور پنشن کے مقرر کر دیا تھا مرزا نے جیسا کہ ان کی تحریرات سے ظاہر ہے، اخیر عمر تک گورنمنٹ کے اس احسان کو فراموش نہیں کیا۔

مولانا حالی — لاہور ۱۹۷۰ء

تلخیص:۔ مرزا غالب لوگوں پر اپنی شاعری کا زیادہ اثر قائم نہ کر سکے لیکن اپنے اعلیٰ اوصاف کی بنا پر ایک دنیا کو متاثر کیا۔ ان کے شاگرد اور دوست ہزاروں تھے ہر شخص انہیں اپنا بہترین دوست سمجھتا تھا۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کا اپنی طاقت سے بڑھ کر خیال رکھتے تھے۔ اور ضرورت میں دوستوں کے کام آتے تھے۔ وہ بہت وضعدار اور خوددار انسان تھے۔ وہ مذہبی تعصب سے پاک تھے۔ ان کے دوست ہر مذہب وملت سے تعلق رکھتے تھے۔ قدیم معاشرے کی تمام اعلیٰ خصوصیات ان میں موجود تھیں بڑے وفادار اور احسان مند تھے۔ ان کے چچا انگریزی فوج کے ملازم تھے۔ اس لیے مرزا کو معقول پنشن ملی جس پر وہ حکومت کے بہت احسان مند ہے۔

عنوان — مرزا غالب کے اخلاق وعادات

عبارت نمبر ۶ اپنے پوشیدہ عیبوں کے معلوم کرنے کا ایک عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ ہمارے دشمن ہم کو کیا کہتے ہیں؟ ہمارے دوست اکثر ہمارے دل کے موافق ہماری تعریف کرتے ہیں۔ یا تو ہمارے عیب ان کو عیب ہی نہیں معلوم ہوتے اور یا ہماری خاطر کو ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ رنجیدہ کرنے کے خیال سے ان کو چھپاتے ہیں یا ایسی نرمی سے کہتے ہیں کہ ہم ان کو نہایت خفیف سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے دشمن ہم کو خوب ٹٹولتا ہے اور کرید کرید کے ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے۔ گو وہ دشمنی سے چھوٹی بات کو بڑا کر دیتا ہے مگر اکثر اس کا کچھ نہ کچھ اصلیت ہوتی ہے۔

دوست ہمیشہ دوست کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لیے ہم کو اپنے دشمن کا زیادہ احسان مند ہونا چاہیے کہ ہم کو ہمارے عیبوں سے مطلع کرتا ہے اگر ہم نے اس کے طعنوں کے سبب ان عیبوں کو چھوڑ دیا تو دشمن سے ہم کو وہی فیض ملا جو ایک شفیق استاد سے ملنا چاہیے تھا دشمن جو عیب صحیح یا غلط ہم میں لگاتا ہے۔ ہمارے فائدے سے خالی نہیں۔ اگر وہ ہم میں ہوتا تو ہم اپنے عیب سے مطلع ہو جاتے ہیں۔ اور اگر نہیں ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ عیب ہم میں نہیں پلوٹارک کا دشمنی کے فائدوں پر جو مضمون ہے اس نے یہ بات لکھی ہے کہ دشمن جو ہم کو بدنام کرتے ہیں اس سے ہم کو ہماری برائیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہماری گفتگو میں اور ہمارے چال چلن میں اور ہماری تحریر میں جو نقص ہیں وہ بغیر ایسے دشمن کی مدد کے کبھی معلوم نہیں ہوتے۔

سرسید احمد خان لاہور ۱۹۸۰ء

تلخیص:۔ دشمنوں کے ذریعے ہمیں اپنے چھپے ہوئے عیب معلوم ہوتے ہیں۔ دوست ہمیں خوش کرنے کی خاطر ہمارے عیب چھپاتے ہیں۔ لیکن دشمن ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہمارے عیب نکالتا ہے ان میں کچھ حقیقت ہوتی ہے۔ دوست اچھائیوں کو بڑھاتا ہے اور دشمن عیبوں کو اس لیے دشمن کا ہمیں شفیق استاد کی طرح احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں ہمارے عیب بتلائے۔ اگر یہ صحیح ہیں تو انہیں دور کر سکتے ہیں۔ ورنہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم ان سے خالی ہیں۔ پلوٹارک نے ٹھیک لکھا ہے کہ دشمن کے ذریعے ہم اپنی جو اصلاح کر سکتے وہ کسی اور طرح ممکن نہیں۔

عنوان دشمن بطور خیر خواہ

عبارت نمبر ۷۔ وہ پارس پتھر جس کا ذکر ہم نے شروع کیا تھا، علم ہے۔ صاحب علم، جس چیز کو ہاتھ لگاتا ہے وہ سونا بن جاتی ہے۔ نیلا آسمان، ستارے اور چاند ہم روز دیکھتے ہیں۔ مگر جب علم نجوم جاننے والا انہیں دیکھے گا تو اس کے سامنے یہ ستارے اور چاند ایک کتاب بن جائیں گے۔ ان کے

نیلا آسمان ایک سمندر ہوگا۔ جہاں سے وہ علم کے موتی نکالے گا۔ نباتات کا علم سبزیوں کے بارے میں ہمیں کچھ بتاتا ہے جمادات اور کیمیا کا علم ہی ہے۔ جس سے آج دنیا کو اتنی تہذیب اور اتنا تمدن ملا ہے۔ زندگی کا خزانہ بھر گیا ہے انسان قدرت کی طاقتوں سے سونا بنا رہا ہے۔ نفسیات کا علم ذہن کی خوابیدہ طاقتوں کو بیدار کر رہا ہے۔ وہ انسان کے اندر ایک ایسی قوت پیدا کرتا ہے جس سے وہ ساری کائنات پر چھا سکتا ہے۔

سرگودھا ۱۹۷۵ء

تلخیص:۔ علم ایک پارس پتھر ہے یہ ایک بہت بڑا کمال ہے۔ ایک عام آدمی کے مقابلے میں ماہر نجوم کائنات کے مشاہدے سے حقیقی راز نکالتا ہے۔ نباتات، جمادات اور کیمیا کے علم کی بدولت ہمیں تہذیب و تمدن ملا ہے۔ نفسیات کا علم انسان کے اندر کائنات پر چھا جانے کی قوت پیدا کرتا ہے۔

عنوان علم کے کرشمے

عبارت نمبر ۸۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ "جس شخص نے کسی انسان کو قتل کیا، بغیر اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو یا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔" جہاں تک خون کا بدلہ لینے یا فساد فی الارض پر سزا دینے کا سوال ہے اس کا فیصلہ ایک عدالت ہی کر سکتی ہے یا کسی قوم سے جنگ ہو تو ایک باقاعدہ نظامِ حکومت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ بہرحال کسی فرد کو انفرادی طور پر یہ حق نہیں ہے کہ وہ قصاص لے یا فساد فی الارض کی سزا دے۔ اسلیے ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ قتل کا ہرگز ارتکاب نہ کرے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتلِ انسان کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ خدا اور رسولؐ کا یہ حکم تمام انسانوں کے بارے میں ہے اپنے ہم مذہب اور نسل و رنگ کے لوگوں کی تخصیص نہیں ہے۔

سرگودھا ۱۹۷۷ء

تلخیص:۔ قرآن مجید کی رو سے کسی انسان کا قتل ناحق گویا تمام انسانوں کا قتل ہے۔ خون کا بدلہ لینے یا فساد برپا کرنے کی سزا صرف باقاعدہ حکومت یا عدالت دے سکتی ہے۔ کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں قتل کا ارتکاب انفرادی طور پر ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث شریف کے مطابق قتل انسانی شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ شریعت کا یہ حکم سب کے لیے ہے

عنوان قتل، گناہِ عظیم

عبارت نمبر ۹۔ دنیا میں جب بھی حق پر برا وقت آیا جب بھی جھوٹ اور کذب کے طوفانوں نے حق کو گھیرا، جب بھی ظلمت کی آندھی چڑھی حق کے دیوانوں نے بڑھ کر اس چیلنج کا مقابلہ کیا تعداد کی

قلت کے باوجود باطل کی کثرت کے سامنے ڈٹ گئے۔ سینہ سپر ہو گئے۔ باطل کے ظاہری رعب اور دبدبہ کے باوجود ان کے پائے استقامت نہیں لڑکھڑائے۔ وہ قطعاً نہیں گھبرائے۔ وہ جان و مال اور اہل و عیال کی قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار تھے اور رہے۔ کربلا کی داستان بھی انہی جیالوں کے خون سے رنگین ہے۔ بدر و حنین کا معرکہ بھی انہی کے ایمان و ایثار کا منہ بولتا ثبوت ہے دنیا میں باطل آج بھی ذلیل و رسوا ہے اور حق آج بھی سربلند ہے۔

آج بھی حق ہی فاتح ہے۔ اور اس کا ڈنکا بجتا ہے۔

سرگودھا ۱۹۷۹ء

تلخیص:۔ جب بھی حق پر آزمائش کا وقت آیا اور باطل نے سر اٹھایا، حق پرستوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کثرتِ باطل کی پروا نہ کی۔ انہوں نے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ کربلا اور بدر و حنین کے معرکے اس پر گواہ ہیں۔ آج بھی باطل سرنگوں ہے اور حق کو غلبہ حاصل ہے۔

عنوان غلبۂ حق یا مردانِ حق۔

عبارت نمبر ۱۰:۔ اردو صحیفہ نگاری کی تاریخ کوئی ڈیڑھ سو برس پرانی ہے۔ بلاشبہ صحافت قومی زندگی کے ہر شعبہ کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ اصل حالات اور واقعات سے پردہ اٹھاتی ہے چیزوں کی اصلیت کو اجاگر کرتی ہے اور قوم کی فکر اور سوچ کے دھاروں کو مثبت راہِ عمل دکھاتی ہے ہمارے صحافی ہمیشہ سے یہ مقدس فرض ادا کرتے آئے ہیں۔ ہر دور میں انہوں نے حریتِ آزادی اور فکر و عمل کی یہ مشعل روشن رکھی۔ یہ سن اٹھارہ سو ستاون ۱۸۵۷ء کے وقائع نویس ہوں یا دورِ جدید کے "جرنلسٹ" انہوں نے ہمیشہ قومی سلامتی، بقا اور آزادی کے لیے بھرپور کام کیا ہے اردو صحافت کا دامن مولانا محمد علی جوہر کے جواہر پاروں، ابوالکلام آزاد کے فن پاروں، مولانا ظفر علی خان کے فکری نشتروں اور حمید نظامی کی سنجیدہ نگارشات سے مالا مال ہے

سرگودھا ۱۹۸۰ء

تلخیص:۔ اردو صحافت ڈیڑھ سو برس پرانی ہے۔ یہ حالات و واقعات کی صحیح ترجمانی اور قوم کی رہنمائی کرتی ہے۔ ہمارے صحافیوں نے اعلیٰ روایات قائم کی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ قومی سلامتی اور آزادی کے لئے کام کیا ہے۔ مولانا جوہر، مولانا آزاد، مولانا ظفر علی خان اور حمید نظامی نامور صحافی ہیں۔

عنوان اردو صحافت کا کردار

عبارت نمبر ۱۱:۔ تعلیمی پستی کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں اور ان کی تفصیل کے لیے دفتر

درکار ہے لیکن میرے خیال میں گرتے ہوئے معیارِ تعلیم کا بنیادی سبب اور اصل وجہ تعلیم کے لئے مثبت منصوبہ بندی کا فقدان ہے سستی شہرت اور نام نہاد نعرۂ ترقی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ نام نہاد ماہرین نے تعلیم کو عام کرتے کا نعرہ لگایا تو ہر تحصیل اور ہر قصبہ میں ایک ایک کالج منصۂ شہود پر آیا۔ یہ کالج بھی اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔ اور نونہالانِ قوم بھی مفت میں اپنی جان کو کھو رہے ہیں کالج تو ہر تحصیل میں موجود ہے مگر عمارت سے محروم، عمارت ہے تو اساتذہ کی کمی اور عدم تو بھی اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اساتذہ ہیں کہ رہائش کے مسئلہ سے دوچار۔ در بدر مارے مارے پھرتے ہیں۔ عوام اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ان کا تعاون نہ ہونے کے برابر ہے جب تک کالج تدریسی عمارت تجربہ گاہ، کامن ہال، ہال سٹل سے محروم اور پرنسپل اور اسٹاف رہائش کے مسئلوں سے دو چار رہیں گے، معیارِ تعلیم گرتا ہی چلا جائے گا

سرگودھا ۱۹۸۰ء

تلخیص:۔ پستیِ معیارِ تعلیم کے کئی اسباب ہیں۔ بڑا سبب ناقص منصوبہ بندی ہے۔ نام نہاد ترقی پسندی کی بدولت ہر تحصیل و قصبہ میں کالج تو کھل گیا۔ لیکن بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ مثلاً عمارت کا فقدان اساتذہ کی کمی، رہائش کا مسئلہ، تجربہ گاہ ہال و ہاسٹل سے محرومی وغیرہ، ان مسائل کے باعث قوم کے نوجوانوں کا نقصان ہے اور تعلیمی معیار گر رہا ہے گا۔

عنوان معیارِ تعلیم کی پستی

عبارت نمبر ۱۲۔ شاعر کبھی حجرے میں تنہا بیٹھتا ہے کبھی سب سے الگ پھرتا ہے کبھی کسی درخت کے سائے میں تنہا نظر آتا ہے اور اسی میں خوش ہوتا ہے۔ وہ کیسی ہی خستہ حالی میں ہو مگر مزاج کا بادشاہ اور دل کا حاتم ہوتا ہے۔ بادشاہ کے پاس فوج و سپاہ دفتر و دربار اور ملک داری کے سب کارخانے اور سامان موجود ہیں۔ اس کے پاس کچھ نہیں مگر الفاظ اور معانی سے وہی سامان بلکہ اس سے ہزاروں درجے زیادہ تیار کر کے دکھا دیتا ہے۔ بادشاہ سالہا سال میں کن کن خطرناک معرکوں سے ملک یا خزانہ جمع کرتا ہے یہ جسے چاہتا ہے گھر بیٹھے دے دیتا ہے اور خود پروا نہیں کرتا۔ بادشاہ کو ایک ولایت فتح کر کے وہ خوشی نہیں ہوتی جو اسے ایک لفظ ملنے سے ہوتی ہے جو اپنی جگہ پر موزوں سجا ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ اسے ملک کی پروا بھی نہیں۔ سرگودھا ۱۹۸۳ء

تلخیص:۔ شاعر جہاں ہو خوش رہتا ہے۔ وہ مزاج کا بادشاہ اور دل کا حاتم ہے وہ بادشاہ کی طرح سرو سامان نہیں رکھتا۔ لیکن وہ الفاظ و معانی سے ایسا سامان تیار کرتا ہے۔ جس کا جواب نہیں۔ وہ شاہی خزانوں کو لٹاتا ہے۔ بادشاہ کو ملک فتح کرنے سے اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ جتنی اسے موزوں لفظ کے ملنے سے ہوتی ہے۔

عنوان شاعر کی بادشاہی

مشقی عبارات

۱

یہ سارا عالم ہست و بود جو ہمارے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے، اور جس کا ایک جزو ہم خود ہیں، دراصل ایک بادشاہ کی سلطنت ہے۔ اسی نے اس کو بنایا ہے۔ وہی اس کا مالک ہے اور وہی اس کا واحد حاکم ہے۔ اس سلطنت میں کسی کا حکم نہیں چلتا سب کے سب تابع فرمان ہیں اور اختیارات بالکلیہ اس ایک مالک و فرمانروا کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان اس مملکت میں پیدائشی رعیت ہے۔ یعنی رعیت ہونا یا نہ ہونا اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ یہ رعیت ہی پیدا ہوا ہے اور رعیت کے سوا کچھ اور ہونا اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس نظام حکومت کے اندر انسان کی خودمختاری و غیر ذمہ داری کے لیے کوئی جگہ نہیں نہ فطرۃً ہو سکتی ہے۔ پیدائشی رعیت اور ایک جزو مملکت ہونے کی حیثیت سے اس کے لیے کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے۔ کہ جس طرح مملکت کے تمام اجزا بادشاہ کے امر کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کر رہے ہیں۔ یہ خود اپنے لیے طریقِ زندگی وضع کرنے اور اپنی ڈیوٹی آپ تجویز کر لینے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ مالک الملک کی طرف سے جو ہدایت آئے اس کی پیروی کی۔ اس ہدایت کے آنے کا ذریعہ وحی ہے اور جن انسانوں کے پاس وہ آتی ہے وہ نبی ہیں۔

۲

ذہنی سطح کے اعتبار سے کائناتِ انسانی تین گروہوں میں منقسم ہے، ایک وہ طبقہ ہے جو فکر و اجتہاد کی لائقِ رشک نعمتوں سے بہرہ مند ہے ایک جماعت متوسط درجے کی ذہنی صلاحیتوں کی مالک۔ تیسرا گروہ عوام کا ہے۔ جنہیں محض تقلید و پیروی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ صاحب فکر و اجتہاد لوگ روشِ عام کا تتبع نہیں کرتے۔ ان کی پسند اور قبول کا معیار دوسروں سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے۔ یہ اپنے ذہنوں سے سوچتے اور اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی چیز محض اس لیے قابلِ رد و حصول نہیں ہوتی کہ بہت بڑے گروہ کے نزدیک وہ پسندیدہ یا غیر پسندیدہ ہے۔ وہ ہر چیز کی قدر و قیمت کو خود سوچ سمجھ کر مقرر کرتے ہیں اور جب ایک چیز کو صحیح سمجھ لیتے ہیں تو پھر اس کی اشاعت اور اس کے پھیلانے میں اپنی تمام قوتوں کو صرف کر دیتے ہیں اہنیں اپنے اجتہادات اور علمی کاوشوں سے اتنی روحانی لذت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی راہ میں بڑے سے بڑے ایثار کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ متوسط طبقہ اور عوام اس معاملہ میں یکساں

حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا کہ وہ یا تو ان تمام خیالات سے اتفاق کریں اور ان کو مان لیں، یا پھر تعصب و جہالت کی وجہ سے انتہائی دشمنی کا اظہار کریں۔

— ۳ —

شاید پاکستانی کسی وقت یہ خیال کریں کہ اسلامی معاشرے کی تعمیر کا کام ان کے ابتدائی اندازہ سے کہیں زیادہ دشوار طلب ہے لیکن سوچا جائے تو اب ان کے لیے کوئی راہ مفر باقی نہیں ان کے وعدے اور دعوے اتنے بلند بانگ اور واضح تھے کہ ان کی تکمیل سے گریز نا ممکن ہوگیا ہے ان کی تاریخ اب تاریخ اسلام ہوگی۔ ان کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری آن پڑی ہے۔ اب خواہ وہ اسے پسند کریں۔ یا اس پر نادم ہوں۔ بہر حال وہ اسلامی ریاست کے تصور کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسے زیادہ دیر سرد خانے کی نذر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت اسلامی ریاست کے نظریہ کو ختم کرنے کا فیصلہ محض طریق کار کی تبدیلی کا فیصلہ ہی نہیں ہوگا۔ یہ تو گویا اپنے وطن اور وطن کی اساس پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہوگا۔ اور تمام دنیا اس گریز سے یہی مطلب اخذ کرے گی کہ اسلامی ریاست کا نظریہ لایعنی اور اس کا نعرہ محض فریب نظر تھا۔ جو حیاتِ جدید کے تقاضوں سے نبٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا یہ کہ پاکستانی بحیثیت ایک قوم کے اسے اپنی قومی زندگی پر نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس صورت میں دنیا کے نزدیک خود مسلمانوں کے معتقدات ایمان ہی مشکوک اور قابلِ تنقید ٹھہریں گے۔

— ۴ —

وہ لا جاہل تھے اور اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے۔ ان کے ماضی کی تاریخ نہ ختم ہونے والی قبائلی جنگوں تک محدود تھی۔ اور ان کے سامنے ان جنگوں کو جاری رکھنے کے سوا کوئی مستقبل نہ تھا۔ جو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ظلم سہنے پر مجبور کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا تو یہی لوگ ایک نئے دور کے مشعل بردار بن گئے کارسازِ فطرت نے اپنی رحمت کی گھٹاؤں کے نزول کے لیے ایک بے آب و گیاہ صحرا کو منتخب کیا۔ عرب کے ظلمت کدے سے نور کا ایک سیلاب نمودار ہوا اور مختلف قبائل اور اقوام کو اپنے آغوش میں لیتا ہوا اطرافِ عالم پر چھا گیا۔ اسلام تپتے ہوئے صحراؤں میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا۔ اور خلقِ خدا اس کی پیاسی تھی۔ دنیا جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی۔ اور اسلام ایک نئی صبح کا آفتاب تھا انسانیت، ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور اسلام اس کے لیے عدل و مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا۔

— ۵ —

ہر قوم کی تعمیر نو میں اس کی تاریخ ایک اہم حصہ لیتی ہے۔ تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جسے

سامنے رکھ کر قومیں اپنے ماضی اور حال کا موازنہ کر سکتی ہیں اور یہی ماضی اور حال کا موازنہ ان کے مستقبل کا راستہ تیار کرتا رہتا ہے ماضی کی یاد مستقبل کی امنگوں میں تبدیل ہو کر ایک قوم کے لیے ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے لیکن اگر یہی قوم اپنے ماضی کے روشن زمانے پر بے عملی کے نقاب ڈال دے تو اس کے لیے مستقبل کے راستے تاریک ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے ماضی کی داستان دنیا کی تمام قوموں کی تاریخ سے زیادہ روشن ہے۔ اگر ہمارے نوجوان بے علمی اور جہالت کے پردے اٹھا کر اس روشن زمانے کی ایک معمولی سی جھلک بھی دیکھ لیں تو مستقبل کے لیے انہیں کامیابی اور فلاح و سعادت کی ایک ایسی شاہراہ عمل نظر آئے گی، جو آفتاب کی طرح روشن ہے

— ۶ —

اگر انسان صرف روح اور بدن کے مجموعہ کا نام ہوتا تو پھر گھوڑا انسان کیوں نہیں ہے؟ روح اور بدن تو اس کے پاس بھی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان میں روح اور بدن کے علاوہ کچھ اور بھی ہے جو کسی حیوان میں نہیں ہے، وہ کیا ہے؟ کہنے کو تو وہ نفس ناطقہ ہے جس کی بدولت انسان تمام حیوانات سے جداگانہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نفس ناطقہ کیا ہے؟ بالفاظِ دیگر "انا" کیا ہے

یہی تو وہ جوہر ہے جس کی بدولت انسان میں شعور کے علاوہ شعورِ ذات بھی پایا جاتا ہے۔ اسی کو اقبال رح نے خدا کا راز قرار دیا ہے۔ انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا مظہر تام ہے۔ اس کے اندر روح اور بدن کے علاوہ ایک اور جوہر بھی ہے جسے انا (ایگو) سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انائے مقید، دراصل انائے مطلق کا پرتو ہے۔ اسی لیے اس میں الوہیت کا رنگ نظر آتا ہے اور جو شخص اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے وہ خدا کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

— ۷ —

اس دنیا میں انسان کی ساری آزمائش صرف اس بات کی ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں اور ماننے کے بعد اتنی اخلاقی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کا اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام ؑ کی بعثت میں، کتابوں کی تنزیل میں حتیٰ کہ معجزات تک میں عقل کے امتحان اور اخلاقی قوت کی آزمائش کا ضرور لحاظ رکھا ہے اور کبھی حقیقت کو اس طرح بے پردہ نہیں کر دیا ہے کہ آدمی کے لیے مانے بغیر چارہ نہ رہے۔ کیونکہ اس کے بعد تو آزمائش بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور امتحان میں کامیابی و ناکامی کا کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی بناء پر یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اس وقت کا انتظار نہ کرو جب اللہ اور اس کی سلطنت کے کارکن فرشتے خود سامنے آ جائیں گے، کیونکہ پھر تو فیصلہ ہی کر ڈالا جائے گا۔

۸

جو لوگ کہ حسنِ معاشرت اور تہذیبِ اخلاق و شائستگی عادات پر بحث کرتے ہیں۔ ان کے لیے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو برا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے اور اسی میں خوش رہتی ہے۔ کیونکہ جن باتوں کی چھٹپن سے عادت اور موانست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو اس کے معنی یہ ہو جاویں گے کہ بھلائی اور برائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے۔ جس چیز کا رواج ہوگیا اور عادت پڑ گئی وہی اچھی ہے اور جس کا رواج نہ ہوا اور عادت نہ پڑی وہی بری ہے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں۔ بھلائی اور برائی فی نفسہٖ مستقل چیز ہے۔ رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا عیب نہیں لگاتا، کیونکہ سب کے سب اس کو کرتے ہیں مگر ایسا کہنے سے وہ چیز اگر فی نفسہٖ بری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی۔ پس ہم کو صرف اپنے ملک یا اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کر لینا نہ چاہیے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اس کی اصلیت کا امتحان کرنا چاہیئے۔ تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بسبب رسم و رواج کے ہم کو اس کی بدی خیال میں نہ آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ بدی ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے

(سر سید احمد خاں)

۹

جب حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ظہور ہوا تو دنیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ حضورؐ کی بعثت سے ایک نئی صبح طلوع ہوئی۔ سارے جہان میں ایک نئی روشنی ضوفگن ہوئی "سراج اور قمرِ منیر" کی آمد سے ساکنانِ ارض کے شب و روز کی تیرگی کافور ہو گئی۔ کائناتِ ارضی میں اس تاریخ کا عظیم ترین انقلاب رونما ہوا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دینِ اسلام دنیائے موجود کے تمام مذہبی نقطہ ہائے نظر پر حاوی ہو گیا۔ ماقبلِ اسلام کی ایسی اقدار جو اس بین الاقوامی دستورِ حیات اور عالمِ انسانیت میں وحدت پیدا کرنے والے تاریخی انقلاب سے متصادم تھیں سب کی سب کم عیار ٹھہریں۔ غرض تاریخِ انسانی کا نیا دور شروع ہوا۔ جسے دورِ مصطفویؐ کہا جاتا ہے۔ اس دور میں نورِ مصطفویؐ کی شعاعیں مشرق سے مغرب تک اور چین سے یورپ تک بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں منعکس ہوئیں جس کے اثرات کے نتیجہ میں نئے علوم و فنون، طبیعاتی سائنس اور جدید فلسفہ الہیات وجود میں آیا جس سے عالمِ بشریت ابھی تک ناآشنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انسان کی اجتماعی زندگی اور روحانی ارتقا کی راہیں کھل گئیں۔ جو تہذیب و تمدن کی ہمہ جہتی نشوونما کے لیے محرک ثابت ہوئیں۔

۱۰

نیچرل سے شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً و معنیً دونوں حیثیتوں سے نیچرل یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو۔ لفظاً نیچرل کے موافق ہونے سے یہ غرض ہے کہ الفاظ اور ان کی ترکیب بندش تابمقدور اس زبان کی معمولی بول چال کے موافق ہو جس میں وہ شعر کہا گیا ہے۔ کیونکہ ہر زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ اس ملک والوں کے حق میں جہاں وہ زبان بولی جاتی ہے۔ نیچر یا سیکنڈ نیچر کا حکم رکھتے ہیں۔ پس شعر کا بیان جس قدر کہ بے ضرورت معمولی بول چال اور روزمرہ سے بعید ہوگا۔ اسی قدر ان نیچرل سمجھا جائے گا۔ معنیً نیچر کے موافق ہونے سے یہ مطلب ہے کہ شعر میں ایسی باتیں بیان کی جائیں جیسی کہ ہمیشہ دنیا میں ہوا کرتی ہیں۔ یا ہونی چاہئیں۔ پس جس شعر کا مضمون اس کے خلاف ہوگا وہ ان نیچرل سمجھا جائے گا۔

مولانا الطاف حسین حالی

۱۱

علامہ اقبالؒ حکیم الامّت اور پیامی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فلسفی بھی تھے۔ انہوں نے اسلامی فلسفہ کے علاوہ مغربی حکماء کے نظریات اور فلسفہ کا بھی غائر مطالعہ کیا۔ یہ کہنا بجا ہے کہ وہ بیک وقت مشرقی و مغربی اور قدیم و جدید فلسفوں اور فلاسفر کی تحقیقات و نظریات پر ناقدانہ اور ماہرانہ عبور رکھتے تھے۔ علامہ اقبالؒ کی اس تمام تحقیق اور کاوش کا نچوڑ مختصر الفاظ میں یوں مختصر کیا جا سکتا ہے کہ وہ عالم کی ہدایت اور ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی کے لیے صرف اس لازوال حکمت کو صراطِ مستقیم قرار دیتے ہیں جو قرآنِ حکیم نے پیش کی اور اسی کو سب کے لیے صحیح واحد ضابطۂ حیات اور ابدی نجات کا ضامن و قائد بتلاتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنی فارسی اور، اردو شاعری اور اپنے خطبات و مقالات کے ذریعہ اپنے اسی پیغام کو عام کرنے میں اپنی ساری عمر صرف کی۔

۱۲

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا ہے اور جس کا نام لوگ روح لیتے ہیں۔ مگر اس کی حقیقت کچھ نہیں بتلا سکتے، ایسی شریف چیز ہے کہ کسی کی مملوک ہونے کی لیاقت ہی نہیں رکھتی کیا نتائجِ قانونِ قدرت یا خدا کی روح یا امر سب کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے؟ کیا ہم سی ہی ایک مخلوق ہماری ملکیت میں آسکتی ہے؟ حاشا وکلا۔ پس صاف عیاں ہے کہ غلامی اس قادرِ مطلق کی مرضی اور قانونِ قدرت دونوں کے برخلاف ہے۔ تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا ہوئے ہیں اور کچھ شبہ نہیں کہ زندگی اور آزادی خوشی حاصل کرتے میں یکساں اور غیر قابل انتقال استحقاق رکھتے ہیں۔ غلامی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوای بجوض شگفتہ و تر و تازہ رہنے کے پژمردہ

بلکہ محض معطل و بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس کی محنت اس کی سود مندی کے لیے نہیں رہتی۔ بس کسی طرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہو سکتی۔ (سر سید احمد خاں)

۱۳

اقبال رح نے دعویٰ کیا تھا کہ موجودہ سائنس یا علوم جدیدہ مسلمانوں کی میراث ہے اور یہ بھی کہ یورپ ان عرب مسلمانوں کا شاگرد رہا ہے جنہوں نے نہ صرف سات سو سال تک کی طویل مدت تک اسپین کے تخت و تاج کو زینت بخشی ہے۔ بلکہ اس کی درسگاہوں میں درس و تدریس اور تجربہ خانوں میں دادِ تحقیق بھی دی اور ملک کے گوشے گوشے میں علم کی وہ شمعیں روشن کیں، جن کی ضیاپاشیوں سے سارا یورپ جگمگا اٹھا۔ اقبال صرف یہی نہیں کہتے ہیں کہ علوم جدیدہ مسلمانوں کی میراث ہے یا یہ کہ علومِ جدیدہ کے اولیں بانی مسلمان ہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ جن اصولوں۔ مشاہدۂ فطرت استقرائی طرزِ استدلال، اور تجرباتی طریقِ تحقیق پر چل کر مسلمانوں نے ان علوم کو مدون کرنا شروع کیا تھا جن پر آج بھی موجودہ سائنس دان عمل کر رہے ہیں۔ وہ سب کے سب اسلام کے عطا کردہ ہیں۔ علوم و فنون کے میدان میں جو عظیم الشان کامیابی عربوں نے حاصل کی تھی، وہ دراصل ان ہی اسلامی اصولوں کی رہین منت تھی۔ یہ اصول اس علمی و سائنسی جدوجہد میں عربوں کے لیے رہبر و رہنما اور قوتِ محرکہ ثابت ہوئے تھے۔

۱۴

کہانی سے انسان کی دلچسپی اور اس مشغلے سے اس کا لگاؤ۔ اس کی اجتماعی زندگی کی ایسی حقیقت ہے جسے تاریخ کی سنجیدگی اور اس کے فکر کی منطق نے بھی پورے وثوق کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ انسان اپنی حیاتِ اجتماعی کے بالکل ابتدائی دور میں فطرت کی جن قوتوں سے نبرد آزما اور برسرِ پیکار تھا۔ اس پیکار اور کشمکش میں اسے سختی کی جن منزلوں سے گزر کر فتح و ظفر کا روئے تاباں دیکھنے کی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اس کی روداد میں اس کے لیے قندِ مکرر کی چاشنی تھی۔ کام و دہن کی اسی چاشنی سے آشنا کرنے کی خواہش نے اسے آپ بیتی دہرانے کا عادی بنایا یہی کہانی یا داستان سرائی کا آغاز ہے تھکے ہارے انسانوں کو اپنے سارے دن کی تھکن دور کرنے کے لیے فطرتاً کسی ایسے مشغلے کی جستجو، ہوتی تھی جو اس کے فطری احساس برتری کو بھی تسکین دے سکے۔ اور اس پر عارضی طور پر ایسی خود فراموشی طاری کر سکے کہ اس ماحول میں حقائق کی سختیاں اور تلخیاں اسے نہ ستا پائیں۔

۱۵

مولانا حالی کا خاندان بہت بڑا تھا اور دل اس سے بھی بڑا۔ ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے اور محتاج کی مدد کرنے کے لیے وہ ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ آمدنی بہت کم مگر قناعت کی اتنی

دولت سے مالامال تھے۔ کسی قسم کا لالچ انہیں چھو کر بھی نہیں گیا تھا۔ انہوں نے کبھی اپنے دوستوں کے ذریعے سے کسی بڑی ملازمت کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تصانیف سے کبھی مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ایک آدھ کتاب کے سوا باقی مشہور تصانیف کی رجسٹری نہیں کرائی۔ اور نہ حق تصنیف لیا۔ سب تصانیف قوم کے لیے وقف رہیں۔ بیسیوں ناشروں نے ان کی کتابوں سے ہزاروں روپے کمائے اور کما رہے ہیں۔ لیکن خود مصنف نے ان سے ایک پیسے کا فائدہ نہ اٹھایا ان کا اصول تھا جو کتاب قوم کی اصلاح کی غرض سے لکھی جائے اسے کسی شخص کی ملکیت نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ قوم کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

روداد نویسی

رُوداد کا مفہوم :-

روداد کے معنی کارروائی اور کیفیت کے ہیں۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جو حقیقتِ حال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ ان حالات و واقعات کی تفصیل ہوتی ہے جو کسی شخص کا مشاہدہ یا تجربہ ہوں۔ انگریزی میں اسے رپورٹ کہتے ہیں۔

روداد نویسی کی اقسام :-

1- تاثراتی روداد :- اس روداد کا پہلو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تقریب کا ذکر کسی محفل میں کرے یا اپنی کسی تحریر میں اس کا حوالہ دے۔ یہ انداز واقعاتی ہوتا ہے۔ اسے تاثراتی رپورٹ کہا جاتا ہے۔

2- اخباری روداد :- اس روداد کا پہلو یہ ہے کہ کسی اخبار کا رپورٹر اس کا اجمالی جائزہ اپنے اخبار کے ذریعے شائع کرتا ہے۔

3- سیکرٹری کی روداد :- اس کا انداز یہ ہے کہ اس تقریب کو منعقد کرنے والی مرکزی شخصیت (جسے عرفِ عام میں سیکرٹری یا معتمد کہتے ہیں)، وہ اس تقریب کی کارروائی کو تحریری صورت میں پیش کرتا ہے نصابی نقطۂ نظر سے ایسی کارروائی کی مشق اور ایسی ہی تحریروں کا اعادہ مقصود ہے۔

روداد نویسی کا طریق کار :-

1- آسان زبان :- روداد لکھتے وقت آسان زبان استعمال کرنی چاہیے کیونکہ روداد جو اصولی

طور پر کہانی جیسی ایک چیز ہے ، پُر تکلف ادبی اندازِ بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔

۲۔ **حقائق نگاری** :۔ رو داد میں حقائق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے ۔ سچی اوصاف باتیں اصل واقعات کی روشنی میں پیش ہونی چاہئیں ۔ یہ تحریر دراصل اصل واقعات کی تفصیل کا ریکارڈ ہے ۔ اس کا مقصد اشتہار بازی نہیں ہے ۔

۳۔ **اصل الفاظ** :۔ ضروری ہے کہ مقررین اور ناقدین کے منہ سے نکلنے والے اصل الفاظ ہی کو ریکارڈ کیا جائے ۔ کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم بدل جاتا ہے اور حقیقتِ حال کی ترجمانی نہیں ہو پاتی ۔

۴۔ **وسیع تر ادبی ذوق** :۔ رو داد نویسی میں ذاتی تاثرات کو شامل نہ کیا جائے ۔ بلکہ تاثرات کی نوعیت وسیع تر ادبی اور تنقیدی ذوق اور تخلیقی و تحقیقی رویوں کی ترجمان ہونی چاہیے ۔

۵۔ **جامعیت** :۔ شرکائے تقریب کا ذکر مختصر مگر جامع انداز میں ہونا چاہیے ۔ اشعار یا مضامین کے سلسلے میں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ بلکہ چند ایک اہم حصوں کو بطور حوالہ پیش کرنا کافی ہے ۔ رو داد تفصیلات کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔

۶۔ **متعلقہ شخصیات کا تعارف** :۔ مجلس یا تقریب میں شرکت کرنے والی اہم شخصیت کا واضح انداز میں ذکر ہونا چاہیے ۔ اس کی وضاحت ضروری ہے کہ وہ عام سامع کی حیثیت مہمانِ خصوصی کے طور پر صدر نشین بن کر تقریب میں شریک تھے ۔ کس نے سٹیج پر کیا کردار ادا کیا ، جس سے تقریب کے آغاز ، عروج اور انجام کا نقشہ قاری کی نظر میں پھر جائے ۔

۷۔ **تلاوتِ قرآن پاک اور صدرِ مجلس کی اجازت** :۔ تلاوتِ قرآنِ پاک اور صدرِ مجلس کی اجازت سے تقریب کے آغاز و اختتام کا اعلان بھی رو داد کا حصہ ہے ۔

رو دادِ تقریب بسلسلہ "یوم اقبال"

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے ؛ عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے یوم ولادت کی مناسبت سے ۹ نومبر ۱۹۸۴ء کو گورنمنٹ کالج سرگودھا کی " اردو مجلس " نے شاعرِ مشرق کی یاد میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا ۔ یہ تقریب نو بجے صبح کالج ہال میں منعقد ہوئی ۔ تقریب کی صدارت ملک کے معروف دانشور اور اقبال شناس پروفیسر مرزا محمد منور صاحب نے کی ۔

مقررہ وقت پر کالج ہال اساتذہ ، معززینِ شہر اور طلبہ سے کھچا کھچ بھر چکا تھا ۔ صدر

تقریب کو کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی گئی۔ صاحبِ موصوف گورنمنٹ کالج لاہور سے تشریف لائے تھے۔ تالیوں کی گونج میں موصوف کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے تو جلسے کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی۔ سال دوم کے طالب علم حافظ محمد جواد نے تلاوتِ کلام پاک کی۔ ان کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی اور ان کی قرأت کے سوز نے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تلاوت کے بعد ایک طالب علم نے نعت کے موتی بکھیرے اور عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔

"اردو مجلس" کے نگران پروفیسر نصیر الدین ہمایوں نے تقریب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آج کی تقریب عظیم اسلامی مفکر اور فلسفی شاعر حضرت علامہ اقبالؒ کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آج کی تقریب میں شرکت کے لیے لاہور سے متعدد اہلِ علم حضرات تشریف لائے ہوئے ہیں۔ یہ ان کی بے پایاں عنایت ہے کہ وہ دور دراز کا سفر اختیار کر کے یہاں تشریف فرما ہوئے۔ امید ہے آپ حضرات ان کے بلند پایہ خیالات سے پورا پورا استفادہ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے تقریب کے سب سے پہلے مقالہ نگار جناب ناصر اقبال کو اظہارِ خیال کی دعوت دی۔

ناصر اقبال صاحب کے مقالے کا موضوع تھا "اقبال کا فلسفہ خودی" صاحبِ موصوف نے فلسفہ خودی پر سیر حاصل بحث کی انہوں نے بتایا کہ خودی اصل میں عرفانِ ذات کا دوسرا نام ہے۔ جب انسان اپنی ہستی کا عرفان حاصل کر لیتا ہے اور ضبطِ نفس اور اطاعت الٰہی کے ذریعے اپنی خودی کو مستحکم کر لیتا ہے تو وہ خلافتِ الٰہیہ کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کا اصل مقصود یہ ہے کہ مومن اپنا مقام پہچان لے۔ انہوں نے علامہ کے بہت سے اشعار اس ضمن میں پیش کیے۔

مثلاً خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ

اس کے بعد سیکرٹری نے کالج کے ایک طالب علم احمد سعید کو دعوت دی کہ وہ کلامِ اقبالؒ پیش کریں چنانچہ مذکورہ طالب علم نے علامہ اقبال کی یہ مشہور غزل بڑے ترنم اور سوز کے ساتھ پیش کی۔ اور سامعین کو مسحور کر دیا ؎

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

دوسرا مقالہ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا صاحب کا تھا۔ ان کا موضوع تھا "اسلام اور اشتراکیت" موصوف کے مقالے کا موضوع دلچسپ تھا۔ اس لیے سامعین نے

اسے نہایت توجہ اور انہماک سے سنا۔ مقالہ نگار کا موقف یہ تھا کہ علامہ اقبالؒ اشتراکیت کے سراسر خلاف تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے "اسلامی سوشلزم" کی ترکیب بھی کہیں استعمال نہیں کی۔ علامہ، اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ اس میں کسی پیوند کاری کے حق میں نہ تھے۔ ان کا فلسفہ یا فکر اصل میں قرآنی تعلیمات ہی کا ترجمان تھا۔ انہوں نے علامہ کے متعدد اشعار بطور حوالہ پیش کیے۔

مثلاً ؎ قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان

اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

تیسرے مقالہ نگار اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کے پروفیسر شیخ محمد رفیق تھے۔ ان کا موضوع تھا "اقبالؒ کا مردِ مومن"۔ موصوف نے بڑی عمدگی اور جامعیت کے ساتھ اپنے موضوع کو نبھایا انہوں نے بتایا کہ اقبال کا مردِ مومن جلال و جمال کا مجموعہ ہے۔ اس پر تعلیماتِ قرآنی کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اقبال کا مردِ مومن عشق کو عقل پر ترجیح دیتا ہے اور جو عشق عقل کے تابع ہو اسے خام گردانتا ہے۔ اقبال کا مردِ مومن ایک ایسا بااصول انسان ہے۔ جو انسانیت کے لیے باعثِ رحمت ہے اور اس کا کردار انسانی بقاء کے لیے ضروری ہے۔ وہ ایمان، یقین اور اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ ہے ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

آخر میں تقریب کے صدر پروفیسر منور صاحب کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔ آپ نے اپنی عالمانہ اور حکیمانہ تقریر میں اس امر پر زور دیا کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک ایمان کی پختگی اور استحکام فرد کی سیرت و تعمیر کے لیے بنیادی چیز ہے۔ ایمان کی مضبوطی ہی سے یقین کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں ؎

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے

یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

صدرِ محترم نے طلبہ پر زور دیا کہ وہ اپنے کردار کی تعمیر اور سیرت کی پختگی کی طرف خصوصی توجہ دیں۔ کیونکہ طلبہ ہی قوم کا اصلی سرمایہ ہیں۔ مستقبل کی گرانبار ذمہ داریاں انہی نے اپنے کندھوں پر اٹھانی ہیں۔

تقریب کے خاتمے پر صدرِ جلسہ نے "اردو مجلس" کے اراکین، محمد امجد، نوید احسن، حافظ محمد جواد، احمد سعید اور فاروق احمد کو اردو مجلس کی سرگرمیوں میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے پر خصوصی اسناد عطا کیں۔

کالج کے پرنسپل نے صدرِ مجلس، مہمانِ خصوصی خواجہ ذکریا صاحب اور دیگر مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس طرح یہ یادگار تقریب بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

کالج اسٹوڈنٹس یونین کی تقریب حلف وفاداری

کالج کے انتخابی قواعد وضوابط کے مطابق سیکرٹری کالج اسٹوڈنٹس یونین کا تعلق سال دوم کے طلبہ سے تھا۔ میں نے کالج کے انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ اور کثرت رائے سے جیت کر کالج اسٹوڈنٹس یونین کا سیکرٹری منتخب ہو چکا تھا۔ منتخب عہدہ داران برائے ۱۹۸۳ء و ۱۹۸۴ء کی حلف برداری کی تقریب کالج ہال میں بروز ہفتہ بتاریخ ۲۵، دسمبر ۱۹۸۳ء کو بڑی سادگی اور وقار سے منائی گئی۔ کالج ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سٹیج کے سامنے والی اگلی نشستوں پر مہمان اور اساتذہ کرام تشریف فرما تھے۔ ٹھیک دس بجے صبح کالج کے پرنسپل جناب ایس۔ اے حامد صاحب، مہمان خصوصی جناب جسٹس جاوید اقبال کو اپنے جلو میں لیے چند سینئر اساتذہ کرام کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے۔ مہمان خصوصی کے ہال میں داخل ہوتے ہی تمام طلبہ اور اساتذہ کرام ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔

سٹیج پر گذشتہ سال کے عہدہ داران انجمن طلبہ کے درمیان خصوصی کو بٹھایا گیا۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ قاری محمد قاسم صاحب نے بڑی پیاری آواز اور پرسوز لہجے میں قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں اور پھر ان کا ترجمہ سنایا۔ اس کے بعد صدر انجمن طلباء نے منتخب اراکین انجمن طلباء کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ بالترتیب صدر، نائب صدر، معتمد اور مختلف کلاسوں کے نمائندوں کا تعارف کرایا گیا۔ اراکین نے اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ صدر انجمن کے کہنے پر سیکرٹری نے گذشتہ سال کارکردگی کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔

صدر انجمن طلباء کے کہنے پر جناب پرنسپل صاحب نے مہمان خصوصی کا مختصر تعارف کرایا اور انہیں دعوت دی کہ وہ معزز اراکین سے حلف وفاداری لیں۔ مہمان خصوصی نے حلف کے الفاظ پڑھے اور عہدہ داران نے ایک ایک لفظ دہرایا۔ یہ الفاظ کچھ یوں تھے۔

"میں .... کی حیثیت سے اللہ رب العزت کو حاضر وناظر جان کر عہد کرتا ہوں کہ کالج کے وقار اور تقدس کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔ طلبہ کے حقوق کا تحفظ کروں گا اور ایسی سرگرمیوں سے تعلق نہیں رکھوں گا جن سے کالج، طلبہ یا ملک وقوم کے مفادات کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

صدر طلبہ نے اپنے مختصر خطاب میں سب سے پہلے ان طلبہ کا شکریہ ادا کیا جن کے تعاون سے وہ اس اہم عہدے کے لیے منتخب ہوا۔ بعد میں اس نے سب طلبہ کو مطمئن و پرسکون رہنے اور مخالفین سے دست تعاون بڑھانے کی اپیل کی تاکہ پرامن ماحول میں علمی اور ادبی سرگرمیاں جاری رکھی جاسکیں نیز اس

نے کالج کے بعض اہم مسائل کی طرف انتظامیہ کی توجہ مبذول کرائی۔ جس میں سڑکوں کی ناقص حالت، تدریسی کمروں کی کمی اور کھیل کے میدانوں کی قلت وغیرہ کے مسائل شامل تھے۔ حاضرین کو یقین دلایا گیا کہ تعلیمی فضاء کو مکدر نہیں ہونے دیا جائے گا۔ کالج میں سیاسی عمل دخل کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔ نظریۂ پاکستان کی ترویج واشاعت اور دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ غیر نصابی سرگرمیوں کو نصابی اور تعلیمی مشاغل کے معاون کی حیثیت سے بروئے عمل لایا جائے گا۔

آخر میں مہمان خصوصی جناب جسٹس جاوید اقبال تقریر کے لیے اٹھے۔ انہوں نے طلبہ کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا اور فرمایا کہ طلبہ قوم کا سب سے بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔ مستقبل کی گرانبار ذمہ داریاں انہیں اپنے کندھوں پر اٹھانی ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ اپنی تمامتر توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز کر دیں اور کسی قسم کی تخریبی یا منفی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں۔ قوم کی ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ انہیں قوم کی ان توقعات پر اترنا چاہیے انہوں نے چند ایک ایسے دلچسپ واقعات سنائے جن کی غرض وغایت اپنی تعلیم میں انہماک پیدا کرنے کے اچھے نتائج وثمرات کا بیان تھا۔

مہمانِ خصوصی کے خطاب کے بعد جناب پرنسپل صاحب نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر کالج میں تشریف لائے اور کالج کے مسائل کے حل سے ہمدردانہ دلچسپی ظاہر کی۔

اختتام تقریر کے ساتھ ہی مجھے مہمان خصوصی کی اجازت سے جلسے کے برخواست ہونے کا اعلان کرنے کی ہدایت تھی۔ میں اٹھا اور مائیک پر جا کر مہمانِ خصوصی کی اجازت سے اجلاس کی برخواستگی کا اعلان کیا۔ یہ میرا پہلا موقع تھا کہ میں نے اتنے بڑے مجمے سے خطاب کیا۔ الحمدللہ مجھے مایوسی وناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جلسہ برخواست ہوا اور ہم نے مہمانِ خصوصی اور اساتذہ کرام کے ساتھ چائے کا ایک کپ پیا۔

ایک یادگار مباحثہ

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق "بزم ادب" گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے زیر اہتمام بروز ہفتہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء بوقت نو بجے صبح کالج ہال میں ایک محفلِ مباحثہ منعقد ہوئی۔ موضوعِ بحث تھا۔

"اس ایوان کی رائے میں جمہوریت بہترین طرزِ حکومت ہے"

اجلاس کی صدارت سال چہارم کے طالب محمد سرفراز صدر "بزم ادب" نے کی۔ میں اس مجلس کا سیکرٹری تھا۔ کارروائی کا آغاز میری درخوست پر حافظ محمد سلیمان متعلم سال دوم نے تلاوتِ قرآنِ پاک سے کیا اور اس کا ترجمہ پیش کیا۔ میں نے سابقہ اجلاس کی کارروائی پڑھ کر سنائی۔ صدر مجلس نے

اعتراضات طلب کئے۔ حاضرین نے منظوری دے دی۔ صدر نے دستخط ثبت کر کے کارروائی کی توثیق کر دی۔

میری درخواست پر صدرِ مجلس مائیک پر آئے اور انہوں نے مباحثے کے قواعد و ضوابط پڑھ کر سنائے اور مقررین سے ان قواعد کی پابندی کی اپیل کی۔ انہوں نے حاضرین سے التماس کیا کہ مباحثے کی کامیابی کے لیے پورا پورا اشتراک و تعاون کیا جائے تاکہ ہر مقرر بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔

اب میں نے مقررین کی فہرست اٹھائی اور سب سے پہلے قائدِ ایوان جناب محمد ارشد متعلم سال چہارم کو ایوان کے سامنے قرارداد کی وضاحت کے لیے بلایا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت پُروقار انداز میں اور پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ قرارداد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قرارداد خود اپنے الفاظ میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور عیاں را چہ بیاں؛ بہر کیف میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسان نے سالہا سال کے تجربات و مراحل سے گزر کر جمہوریت کی منزل پائی ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہی بہترین طرزِ حکومت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرزِ حکومت میں ہر طبقے کی نمائندگی ہوتی ہے۔ اور تمام معاملات و امور باہمی صلاح مشورے سے سرانجام پاتے ہیں۔ کسی کو کسی پر بالادستی یا اجارہ داری حاصل نہیں ہوتی اور تمام افرادِ قوم کے مفادات و حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔

قائدِ ایوان کے دلائل بڑے وزنی تھے اور وہ بڑے پُراعتماد لہجے میں اپنا مافی الضمیر بیان کر رہے تھے۔

اب جناب امجد سعید متعلم سال سوم قائدِ حزبِ اختلاف تشریف لائے اور انہوں نے قرارداد کی مخالفت میں اپنے زورِ بیان کا مظاہرہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ قرارداد میں جمہوریت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ کونسی جمہوریت؟ ایک قسم کی جمہوریت تو وہ ہے جس کی مذمت علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں کی ہے ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہ جمہوریت مغرب سے درآمد شدہ ہے اور قطعاً ہمارے حسبِ حال نہیں ہے۔ اس جمہوریت میں صرف ووٹوں کی گنتی ہوتی ہے۔ اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ووٹر کا اخلاق و کردار کیا ہے۔ نہ ہی امیدوار کو اس پیمانے پر ناپا جاتا ہے۔ اس قسم کی جمہوریت میں حق و باطل کا معیار صرف ووٹ ہوتے ہیں۔ اگر کثرتِ رائے سے ایک غلط بات منظور ہو جائے تو اسے درست اور صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً اگر خدانخواستہ ایوان کی اکثریت سود کو حلال و جائز قرار دے دے تو اس سے سود جائز نہیں ہو جائے گا بلکہ وہ حرام ہی

رہے گا۔ لہٰذا ان دلائل و شواہد کی روشنی میں آج کی قرارداد کی پرزور مخالفت بلکہ مذمت کرتا ہوں اور ایوان سے اپیل کرتا ہوں کہ اسے واپس لیا جائے۔

جناب نصیر الدین قرارداد کے حق میں بولنے آئے تو انہوں نے امجد سعید کی باتوں کو محض جذباتیہ اور جوشِ جنون کا مظہر قرار دیا۔ ان کے اس شعر پہ حاضرین نے جی بھر کر داد دی ؎

خِرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خِرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

انہوں نے گرمئ گفتار سے محفل کو خوب گرمایا اور فرمایا کہ قرارداد کے الفاظ بالکل واضح اور روشن ہیں۔ آخر محض جمہوریت کے لفظ سے یہ لوگ کیوں بدکتے ہیں؟ اس سے قطعاً اس امر کا اظہار نہیں ہوتا کہ یہ مغربی طرز کی جمہوریت ہے۔ ظاہر ہے ہر ملک اور قوم کی جمہوریت اپنے اصول و اقدار اور روایات کی ترجمان ہوگی۔ اس لیے یہاں اختلاف کی گنجائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مجھے بتائیں کہ اگر جمہوریت بہترین طرزِ حکومت نہیں ہے تو کیا آمریت اور مطلق العنانیت طرزِ حکومت ہے؟ دلیل سے بات کیجیے، محض جذبات سے کھیلنا کہاں کی انصاف پسندی ہے؟

جناب معظم علی شاہ مخالفت میں بولنے آئے اور آتے ہی یہ شعر پڑھ کر حاضرین سے خراجِ تحسین وصول کیا ؎

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

انہوں نے فرمایا کہ جمہوریت سے کسی کو انکار نہیں لیکن بات حقائق اور تجربات کی ہے۔ معاف کرنا ہمارے عوام کا اجتماعی شعور اتنا پختہ نہیں ہے کہ ہم بار بار اس قسم کی جمہوریت کے تجربات کرکے ملک و قوم کی قسمت سے کھیلتے رہیں۔ جمہوریت کا تجربہ ان ممالک میں کامیاب ہوتا ہے جہاں کے عوام کی اکثریت باشعور اور اہلِ الرائے ہو۔ ورنہ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے والی بات ہے۔ علامہ اقبال نے صحیح فرمایا تھا ؎

گریز از طرزِ جمہوری، غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

یعنی جمہوری طرز سے گریزاں رہو اور کسی پختہ ذہن اور اہلِ الرائے کی پیروی کرو۔ کیونکہ اگر دو سو گدھوں کا مغز یکجا کر دیا جائے تو اس سے انسانی دماغ و فکر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس پر حاضرین نے خوب تالیاں بجا کر داد دی۔ ایک ڈیڑھ منٹ تک خوب شور و غل اور ہنگامہ رہا۔ پھر فاضل مقرر نے ایک دو چٹکلے چھوڑے، مسکراہٹیں پھیل گئیں اور قہقہے بلند ہوئے۔

نوید احسن متعلم سالِ سوم قرارداد کے حق میں بول رہے تھے۔ انہوں نے کہا، مقام افسوس ہے کہ حقائق پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ کتنا پاکستانی عوام کی توہین ہے کہ وہ بے شعور اور بے بہرہ ہیں۔ آخر دنیا ہمارے بارے میں کیا خیال کرے گی کہ یہ قوم اتنا شعور بھی نہیں رکھتی کہ حصولِ آزادی اور تحفظ آزادی کا مفہوم کیا ہے؟ کیا یہ قوم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے لیے تیار ہو چکی ہے؟ آخر ایسا کیوں فرض کر لیا گیا ہے کہ یہاں جمہوریت ناکام ہو چکی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں جمہوریت کو صحیح طور پر آزمایا ہی نہیں گیا۔ اگر ہر چار پانچ سال کے بعد انتخابات ہوتے رہتے تو آج یہ انہونی بات کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ آخر، بھارت کو کیا سرخاب کے پر لگے ہیں کہ وہاں جمہوریت پوری کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔ کیا ہم ان سے گئے گزرے ہیں کہ اندیشہ ہائے دور دراز میں الجھے ہوئے ہیں۔ خدارا اس ملک اور قوم پر رحم کیجیے اور اسے اجو کہ روزگار نہ بنائیے۔ جو قوم آگ اور خون کا دریا عبور کر کے آزادی حاصل کر سکتی ہے وہ اپنی آزادی کا تحفظ بھی کر سکتی ہے۔ اس قوم پر اعتماد کیجیے اور دنیا میں اسے ذلیل و رسوا نہ کیجیے۔

حقیقت یہ ہے کہ نوید احسن کے مدلل اندازِ گفتگو اور سوز و گداز نے حاضرین پر گہرے اثرات چھوڑے۔ احسن فاروق متعلم سال دوم مخالفت میں آئے اور کہنے لگے کہ جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس تلخ حقیقت سے بے بہرہ ہیں کہ ہمارا ملک بار بار اس قسم کے تجربات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ عوام تو صرف پر سکون زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن طالع آزما سیاست دان اپنے مخصوص مفادات و مقاصد کے تحت عوام کا سکون برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر اسی الیکشن کے چکر نے پاکستان کو دو لخت کر دیا ہے کیا اب کوئی اور المیہ دہرانا چاہتے ہیں؟ حاضرین نے ان کی باتوں کا بھی بڑا اثر لیا۔

محمد اشرف صاحب قرارداد کے حق میں بولنے کے لیے آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پیشرو مقرر نے جوشِ بیان میں حقائق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کون کہتا ہے کہ پاکستان جمہوریت کی وجہ سے ٹوٹا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جمہوریت کو پامال کرنے کے نتیجہ میں یہ کچھ ہوا۔ اگر الیکشن کرائے گئے تھے تو پھر اکثریتی پارٹی کو کیوں نہ اقتدار سونپا گیا؟

باقی رہی تجربات کی بات تو انہی کے ذریعے قومیں سرخرو ہوتی ہیں ہمارا الیقین ہے کہ اگر صحیح نہج پر جمہوری تجربات کیے جائیں تو ان کے نتائج ہرگز منفی نہیں ہو سکتے بایں وجہ کہ پاکستان جمہوریت اور عوام کی اجتماعیت ہی کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا تھا۔ اور اسی اساس پر قائم رہ سکتا ہے باقی راستے تباہی کی طرف جاتے ہیں۔ جہاں تک سیاست دانوں کا تعلق ہے۔ چند کھوٹے سکوں کے باعث آپ کو سب کو مطعون نہیں کر سکتے۔ ان میں اہلِ نظر بھی ہیں۔ اور محبِ وطن بھی! اور وہ ملک و قوم کو صحیح لائنوں پر چلانے کی مکمل استعداد رکھتے ہیں۔

اب مقررین ختم ہو چکے تھے۔ منصفین میں سے ایک صاحب نے فیصلے کا اعلان کیا۔ ثانی سالِ چہارم کو ملی۔ اوّل سے سوم تک کے انعامات تقسیم ہوئے۔ اس سے قبل حاضرین نے قرار داد کے حق میں ووٹ دیا اب ایک بج رہا تھا۔ جناب صدر کے اعلان کے مطابق اجلاس برخاست ہوا۔ لوگ خراماں خراماں گھروں کو روانہ ہوئے اول، دوم، سوم آنے والے طلبہ کے ہاتھوں میں چمکتے ہوئے کپ اور کتابیں تھیں جنہیں دوسرے طلبہ رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

ایک یادگار مشاعرہ

اعلان کے مطابق گورنمنٹ کالج ...... کی "بزم اردو" کے زیر اہتمام ۱۵ نومبر ۱۹۸۴ء کو ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی اِس تقریب کا اہتمام کالج ہال ہی میں کیا گیا تھا۔ ایک خوبصورت سٹیج لگائی گئی اور شامیانوں کا اہتمام کیا گیا۔ مشاعرہ اعلان کے مطابق رات ۸ بجے شروع ہوا۔ مشاعرے کی صدارت "بزم اردو" کے صدر سالِ چہارم کے طالب علم شاہد محمود آسی نے کی جج سیکرٹری کے فرائض مجھے سونپے گئے کہ میں اس بزم کا سیکرٹری نامزد ہوا تھا۔ سب سے پہلے میں نے بزم کے عہدہ داروں کے انتخاب کی کارروائی پڑھ کر سنائی جناب صدر نے دستخط کر کے اس کی منظوری دے دی مشاعرے کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا اور اس کا ترجمہ پیش کیا گیا۔

اس شعری تقریب کے لیے جناب احمد ندیم قاسمی کو مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ جو ملک کے نامور، پختہ کار اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ انہوں نے اس مشاعرے میں شرکت فرما کر ہماری "بزم اردو" کی تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا۔

پروگرام کے مطابق سب سے پہلے طالب علم شعراء کو باری باری اپنا کلام سنانے کی دعوت دی گئی میں نے سب سے پہلے سالِ اول کے طالب علم احسان الٰہی کو سامعین کے حضور اپنا کلام پیش کرنے کو کہا۔ احسان کی طالب علمانہ کاوش پر سامعین نے خوب داد دی کچھ بے ذوق افراد نے آوازے کستے ہوئے فضا کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ لیکن جلد ہی صورتِ حال پر قابو پا لیا گیا۔

صدر مجلس نے سامعین سے اپیل کی کہ وہ خوش ذوقی سے کلام سنیں اور ماحول کو بگاڑنے کی کوشش نہ کریں اب سالِ دوم کے طالب علم امجد سعید اسد کی باری تھی۔ ان کے ترنم اور سوز نے سامعین کو بہت متاثر کیا اور مجمع پر سکون نظر آنے لگا۔ اِن کے اشعار کی بہت پذیرائی ہوئی ؎

اس رُخِ گل کی بھلا ہو تابِ نظارہ کسے　　　　میں تو کیا گر چشمِ نرگس بھی شرمانے لگے
خواب میں آنے سے جن کو اس قدر پرہیز ہے　　　　روز روشن میں بھلا کیوں سامنے آنے لگے

سامعین مختلف شعراء کے کلام سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اتنے میں سالِ سوم کے طالب علم

شاعر عبدالحمید زاہد کی باری آگئی۔ ان کا مزاحیہ کلام بہت پُر لطف اور معنی خیز تھا۔ ان کی طنز میں بصیرت اور نکتہ دانی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ سامعین ان کے کلام سے بہت محظوظ ہوئے۔

اب سال چہارم کے طالب علم تاج الدین تاج کی باری آئی۔ ان کے کلام میں بڑی روانی، بے ساختگی اور شگفتگی پائی جاتی تھی۔ ان کے یہ اشعار خاص طور پر پسند کیے گئے۔

آج تو آہوں نے میری بھی رسائی خوب کی
ماہ تاباں دیکھئے، باللّٰہ بام آ ہی گیا۔
دیکھ کر مجھ کو وہ یوں ماہِ لقا کہنے لگا
ہم بھلا بیٹھے پرگم کردہ نام آ ہی گیا

جناب احمد ندیم قاسمی بھی اس پر بے ساختہ واہ کہہ اٹھے۔

اب سال چہارم کے طالب علم اور "بزم اردو" کے صدر جناب شاہد محمود آسی کی باری آئی۔ ان کے کلام میں کافی پختگی اور رچاؤ تھا۔ ان کے جو اشعار سامعین کے دلوں میں اتر گئے اور بار بار سنے گئے پیشِ خدمت ہیں ؎

قدم چوموں میں قسمت کے بلائیں لوں ہزار اکی
دل بیتاب کی گر ہو رسائی کوئے جاناں تک
اگر معلوم ہو جائے ادھر ان کا گزر ہو گا
بچھا دوں اپنی آنکھیں گھر سے لیکر کوئے جاناں تک

طالب علم شعراء کے بعد اساتذہ کرام کی باری آئی۔ سب سے پہلے جناب احسن کلیم کو دعوتِ سخن دی گئی۔ ان کے کلام میں درد بھی تھا۔ اور سوز بھی تھی اور سلامت بھی۔ خاص طور پر یہ شعر بہت پسند کیے گئے۔ اور جناب مہمانِ خصوصی نے بھی داد دی ؎

میرے کیوں نالۂ دلگیر کا شکوہ ہو تم کو
شبِ فرقت میں اے جاناں یہی ہے رازداں میرا
تڑپتا ہے جو دل پہلو میں یہ بھی ساتھ دیتا ہے
یہ غم خوار ہے میرا، یہی ہے پاسباں میرا

اب پروفیسر سلیم صاحب کو دعوتِ کلام دی گئی۔ ان کی غزل بڑی جاندار، رواں اور پر سوز تھی۔ موصوف کے یہ اشعار بہت سراہے گئے ؎

کیوں بھلا چرخ ہمیں پیش نہ ڈالا تو نے
تیری گردش کا کیا باقی کوئی دور نہ تھا؟
نیم بسمل ہی جو زخمی کو تڑپتے چھوڑا!!
تیرے ترکش میں کیا تیرِ جفا اور نہ تھا؟

پروفیسر حامد محمود اختر اگرچہ انگریزی کے استاد ہیں۔ لیکن طبیعت موزوں پائی ہے۔ ان کے رنگِ تغزل کو بہت سراہا گیا۔ خاص طور پر یہ شعر داد کے مستحق ٹھہرے ؎

مرا تذکرہ بزم میں ہو رہا تھا
نیا گل کوئی پھر کھلا چاہتا ہے
خدا صبر دے میرے بے تاب دل کو
زمانے میں رسوا کیا چاہتا ہے!

پروفیسر کاظمی صاحب کی یہ غزل بہت پسند کی گئی۔ کلام میں روانی اور بے ساختگی تھی۔ جذبات کی بہترین ترجمانی و عکاسی کی گئی تھی ۔

مراد جدوفق محفل کہاں ہے ؟ نظر میں گو نہیں، دل میں نہاں ہے۔

وہ ہر لمحہ ہمارے روبرو ہے ادھر ہے وہ ادھر ہے وہ یہاں ہے۔

اسی طرح پروفیسر ناصر اقبال کے کلام کو بھی بہت سراہا گیا۔ ان کی غزل بھی رنگِ تغزل کا ایک عمدہ نمونہ تھی ۔

بڑی عمر ہے تمہاری ابھی ذکر تھا تمہارا

مرے دل کی انجمن میں تم بہار بن کے آئے

اب رات کافی بیت گئی تھی۔ مشاعرے کا سلسلہ جاری تھا۔ لوگ رنگارنگ کلام سننے میں محو و مستغرق تھے۔ اب مہمانِ خصوصی کی باری آئی۔ جناب احمد ندیم قاسمی مشاعرے کے آخری شاعر تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ موصوف کے کلام میں بڑی پختگی، سادگی اور معنویت پائی جاتی ہے۔ شعر یوں کہتے ہیں گویا بات کر رہے ہیں۔ ان کے کلام میں بے ساختگی بھی ہے اور جامعیت بھی درست ہے، جائے استاد خالی است! ان کا کلام ملاحظہ فرمایئے ۔

آئینہ دیکھ کے ایک اور تماشا دیکھو! اپنے پیکر میں مرا حسنِ تمنا دیکھو

تم کو خوش آئی نہ شاید میری پلکوں کی نمی دل میں اترے ہو تو آؤ مرا صحرا دیکھو

میری پیاس مری آنسو مری آنکھوں میں کبھی مرے بن، میرے گلستاں مرے دریا دیکھو

میں اگر یاد نہ آؤں تو چمن میں جا کر شاخ کے ہاتھ سے گرتا ہوا پتا دیکھو

جناب احمد ندیم قاسمی کا ایک ایک شعر دلوں میں ترازو ہو رہا تھا۔ ہال میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سامعین کی زبانیں تو کیا دل بھی واہ واہ کر اٹھے۔ ایک کے بعد دوسری غزل کی فرمائش ہوئی، موصوف نے فرمائش پوری کر کے معذرت چاہی اور اس طرح رات کے ایک بجے کے قریب مشاعرہ اختتام پذیر ہوا یعنی صدر بزم کے حکم سے اجلاس کے برخواست ہونے کا اعلان کیا سامعین کا اٹھنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا۔ تاہم اعلان کے ساتھ ہی بادلِ نخواستہ انگڑائیاں لیتے ہوئے سامعین ہال سے باہر آئے اور ہم لوگ مہمان شاعر کو ان کی قیام گاہ تک چھوڑنے چلے گئے۔

——— ☆ ———

مضامین

مضمون نویسی

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں ۔۔ اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

(میر انیس)

مضمون نویسی ایک فن ہے۔ جس میں مشق کے ذریعے مہارت حاصل کی جا سکتی ہے اس کے لیے وسیع مطالعے اور گرد و پیش کے حالات و واقعات کے مشاہدے اور گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ پھر اپنے مشاہدات و تاثرات اور معلومات کو مناسب اور موزوں پیرائے میں بیان کرنے کی صلاحیت بھی درکار ہوتی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں کہ "اردو بلکہ ہر زبان میں سب سے مشکل اور اہم بات یہ ہے کہ ایک موزوں بات کس طرح موزوں الفاظ میں بیان کر دی جائے۔"

مختصر الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ مضمون نگاری میں مندرجہ ذیل عناصر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں :-

۱۔ خیالات مضمون نگاری میں خیالات کو اولیت حاصل ہے۔ جب تک ایک موضوع کے متعلق آپ کے پاس خاطر خواہ مواد اور معلومات نہ ہوں، آپ اس موضوع پر چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتے۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے اخبارات، رسائل اور کتب کے مطالعہ سے اپنے خیالات و معلومات میں وسعت پیدا کرنی چاہیئے اس مقصد کے لیے نصاب کے علاوہ دیگر دینی، تاریخی، علمی و ادبی اور معلوماتی کتب کے مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

۲۔ الفاظ الفاظ خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اگر ہمارے ذہن میں خیالات کا وافر ذخیرہ موجود ہو، ہماری معلومات بھی کافی وسیع ہوں لیکن ان کو بیان کرنے کے لیے ہمارے پاس موزوں الفاظ کا ذخیرہ نہ ہو تو ہم دوسروں کو اپنی تحریر و تقریر سے متاثر نہیں کر سکتے جس طرح اچھے لباس سے انسان کی شخصیت باوقار اور پُر کشش بنتی ہے۔ اسی طرح اگر خیالات کو مناسب اور موزوں الفاظ کا جامہ پہنا کر دوسروں کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ ان کے دلوں میں اتر جائیں گے۔ اس سلسلے میں طلبہ کو چاہیئے کہ وہ اردو کے بلند پایہ اہلِ قلم کے ادبی شہ پاروں کا مطالعہ کریں

۳۔ صحتِ زبان وبیان

مضمون نگاری میں خیالات والفاظ کے بعد زبان وبیان کی صحت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ہماری تحریر روزمرہ، محاورہ اور گرامر کی اغلاط سے یکسر پاک ہونی چاہیئے۔ کیونکہ زبان کی اغلاط سے مضمون کا حسنِ بیان غارت ہوکر رہ جاتا ہے لہٰذا صحتِ املاء کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔

۴۔ ترتیب

وہ دماغ جس میں خیالات ومعلومات کا ذخیرہ تو موجود ہو۔ لیکن ان خیالات ومعلومات میں کوئی نظم اور ترتیب نہ ہو۔ اس کی حیثیت ایک کباڑیئے کی دکان کی سی ہے۔ جس میں بہت سی چیزیں بغیر کسی سلیقے اور ترتیب کے بکھری پڑی ہوئی ہیں۔ یہی حال اس مضمون کا ہے۔ جس میں لکھنے والے نے اپنے خیالات پیش کرتے ہوئے کسی ترتیب اور تسلسل کا اہتمام نہ کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی موضوع پر منتشر اور غیر مربوط خیالات کو صحتِ زبان کا لحاظ رکھتے ہوئے عمدہ ترتیب اور سلیقے سے پیش کرنے کا نام ہی مضمون نویسی ہے۔

عام ہدایات

۱۔ مضمون لکھنے سے پہلے دیئے ہوئے موضوع کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہر قسم کے ضروری خیالات کو ایک خاص ترتیب سے ذہن میں جمع کرلیں اور پھر اسی ذہنی ترتیب کے مطابق اطمینان سے مضمون لکھنا شروع کردیں

۲۔ کمرۂ امتحان میں جب پرچہ آپ کے سامنے آئے تو جو مضمون لکھنا ہے اس کا پہلے فیصلہ کرلیں۔ بے شک اسے لکھیں بعد میں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کو اس کے مواد کے بارے میں سوچنے کا موقع مل جائے گا۔ کیونکہ انسان کا دماغ مسلسل سوچ بچار اور غور و فکر کا مرکز بنا رہتا ہے۔

۳۔ مضمون کی ترتیب کا خاص خیال رکھیں آگے کی بات پیچھے اور پیچھے کی بات آگے لکھ دینے سے مضمون بے ربط ہوجاتا ہے۔

۴۔ مضمون کو مناسب پیروں میں تقسیم کریں۔ ایک بات ایک پیرے میں اور دوسری بات کے لیے دوسرا پیرا ہونا چاہیئے۔

۵۔ اپنا مطلب چھوٹے چھوٹے اور سادہ جملوں میں ادا کریں۔ کیونکہ لمبے لمبے جملے لکھنے سے بات الجھ جاتی ہے اور پڑھنے والا بھی اکتا جاتا ہے۔

۶ - اپنے مضمون میں کوئی غلط واقعہ یا غلط بات ہرگز نہ لکھیں۔ ہمیشہ صحیح باتوں کو سادہ اور آسان زبان میں تحریر کریں۔

۷ - اپنے مضمون میں ایک بات کو بار بار نہ دہرائیں۔ ایک ہی قسم کے خیالات و الفاظ سے مضمون بدمزہ اور پھیکا ہو جاتا ہے۔

۸ - جو کچھ لکھیں۔ سوچ سمجھ کر لکھیں۔ تاکہ مضمون میں زیادہ کانٹ چھانٹ کرنے کی ضرورت نہ پڑے اگر کوئی لفظ یا جملہ مجبوراً کاٹنا پڑے تو اس پر ایک لکیر کھینچ دیں۔

۹ - مضمون میں موقع محل کے مطابق قرآن مجید کی آیات و احادیث (یا ان کا ترجمہ) اقوال و اشعار استعمال کریں۔ جو حوالہ دینا ہو اسے الگ اور نمایاں کر کے لکھیں۔

۱۰ - مضمون کو مناسب پیروں میں تقسیم کر کے ان کے موزوں عنوانات قائم کریں

۱۱ - جہاں تک ممکن ہو اپنے مضمون کو نہایت صاف اور خوشخط لکھیں۔ کیونکہ خوشخطی اور صفائی سے مضمون کی خوبی بڑھ جاتی ہے۔

۱۲ - مضمون ختم کر لینے کے بعد اسے ایک بار پڑھنے کے لیے ضرور وقت نکالیں تاکہ املا اور زبان کی چھوٹی موٹی غلطیوں کی اصلاح ہو سکے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حیاتِ طیبہ

نبوت کی حقیقت

دنیا میں انسان کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کا انتظام خود ہی کر دیا ہے۔ انسان کے لیے تمام مادی ضروریات فراہم کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح اللہ نے انسان کے روحانی تقاضوں کی تکمیل بھی کر دی ہے۔ اس نے دنیا میں انسان کو اپنا خلیفہ یا نائب بنا کر بھیجا ہے شیطان کا کام انسانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے نبی اور رسول بھیجتا رہا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان پیغمبروں نے اپنی اپنی قوموں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا، انہیں ایک خدا کی پرستش سکھائی، شرک اور بت پرستی سے روکا، جاہلانہ رسموں کو توڑا خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتایا اور صحیح قوانین بنا کر ان کی پیروی کی ہدایت کی۔ ان سب کا مذہب ایک ہی تھا یعنی اسلام اور سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دینِ اسلام کی تکمیل فرما دی۔ حضورؐ کی نبوت قیامت تک تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔

بقول علامہ اقبال ؎

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

حضورؐ کا خاندان

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں۔ آپؐ کا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیلؑ سے ملتا ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپؐ کا تعلق عرب

کے مشہور قبیلے قریش سے تھا. جو سارے ملک میں نہایت معزز و محترم سمجھا جاتا تھا. آپ کے باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب تھا۔ عبدالمطلب مکے کے بڑے ممتاز و نامور سردار تھے، جنہیں اپنے زمانے میں زبردست اقتدار حاصل تھا آپ کی والدہ حضرت آمنہؓ بنتِ وہب. یثرب کے ایک نہایت باعزت اور قابلِ احترام خاندان کی عورت تھیں۔ جب حضرت عبداللہ جوان ہوئے اور کاروبار کے قابل ہوئے تو ان کے والد حضرت عبدالمطلب نے حضرت آمنہ سے ان کی شادی کر دی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ تجارت کے سلسلے میں ملک شام کی طرف گئے لیکن وہاں اچانک بیمار ہو گئے۔ اسی حالت میں مکے واپس آ رہے تھے کہ یثرب سے گزرتے ہوئے اپنی ننھیال میں ٹھہر گئے اور وہیں انتقال کر گئے۔

ولادت باسعادت

حضرت عبداللہ کی اس افسوسناک موت کے چند ماہ بعد پیر کو صبح صادق کے وقت نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔ یہ ربیع الاول کی ۹ تاریخ تھی اور عام الفیل انگریزی مہینے کے مطابق یہ تاریخ ۲۲، اپریل ۵۷۱ء تھی۔ بعض مورخین آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲ تا ۱۳، ربیع الاول بھی بتاتے ہیں۔ آپ کے دادا کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے آپ کا نام محمدؐ رکھا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں، میرا یہ بیٹا بڑا ہو کر دنیا کا بہت بڑا آدمی بنے اور ساری دنیا میں اس کی عزت اور تعریف کی جائے۔ حضرت آمنہؓ نے آپ کا نام احمدؐ رکھا۔ یہ دونوں نام نہایت اعلیٰ ہیں۔ محمدؐ کا معنیٰ ہے، جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو اور احمدؐ کا مطلب ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ جب آپ سات دن کے ہوئے تو آپ کا عقیقہ کیا گیا۔

پرورش

ان دنوں مکہ کے معزز لوگوں میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو بہتر تربیت کے لیے دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہر سال دایہ عورتیں شہر میں آتیں اور ننھے بچوں کو ان کے وارثوں سے اپنے ساتھ لے جاتی تھیں۔ اس سال جو مختلف عورتیں آئیں ان میں سے آپ کو ساتھ لے جانے کا شرف قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حضرت حلیمہؓ کو حاصل ہوا۔ حلیمہ آپؐ کو اپنے ساتھ لے گئیں، جہاں آپ چار پانچ برس تک رہے اور اس دوران حضرت حلیمہ

ایک بار آپؐ کو مکے لائیں اور ماں سے ملا کر پھر واپس لے گئیں، کیونکہ اُن دنوں شہر میں ایک وبا پھیل رہی تھی۔ حضرت حلیمہ کے اپنے بچے بھی تھے۔ چنانچہ آپؐ ان بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور بکریاں بھی چرایا کرتے تھے۔ جب حضرت حلیمہ آپؐ کو واپس لائیں تو آپؐ نہایت صحت مند اور تندرست تھے۔

بچپن

حضرت حلیمہ سے واپس آجانے کے بعد آپؐ اپنی والدہ کے ساتھ رہنے لگے۔ جب آپؐ کی عمر چھ برس ہوئی تو آپؐ کی والدہ میکے تشریف لے گئیں۔ وہ ہر سال اپنے خاوند کی قبر پر جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس بار وہ آپؐ کو ہمراہ لے گئیں۔ واپسی پر بیمار ہوگئیں اور وفات پاگئیں۔ انہیں ابواء کے مقام پر دفن کیا گیا اس سفر میں آپؐ کی خادمہ اُمّ ایمن بھی ساتھ تھیں۔ وہ آپؐ کو لے کر مکے میں آئیں اور آپؐ کے دادا کے سپرد کر دیا۔ دادا نے آپؐ کو اپنی نگرانی میں لے لیا لیکن آپؐ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو دادا بھی وفات پاگئے۔ حضرت عبدالمطلب اپنی وفات سے پہلے آپؐ کو آپؐ کے چچا حضرت ابوطالب کے سپرد کر گئے۔ وہ اپنی اولاد سے بڑھ کر آپؐ کی خبر گیری کرتے تھے۔

جوانی

آپؐ نے جس پاکیزگی کے ساتھ اپنا بچپن گزارا ویسے ہی جوانی میں رہے۔ نہ کبھی کسی کے ساتھ جھگڑا کیا نہ لہو و کھیل کود میں شریک ہوئے۔ آپ میں عرب کے عام نوجوانوں کی طرح عیش و طرب اور لہو و لعب کا شائبہ تک نہ تھا۔ البتہ نیزہ بازی، شمشیر زنی، گھڑ سواری جیسے مفید اور مجاہدانہ کھیلوں میں حصہ لیتے تھے۔ غریبوں اور بے کسوں کی مدد کرنا، مشکل میں دوسروں کے کام آنا بچپن ہی سے آپؐ کا شیوہ تھا۔ آپؐ کی صداقت اور امانت و دیانت کے باعث مکہ کے لوگ آپؐ کو الصادق اور الامین کہہ کر پکارتے تھے۔ آپؐ نے چچا کے ساتھ ملک شام کا سفر بھی کیا۔ حرب فجار کے بعد حلفِ الفضول کے نام سے جو معاہدہ ہوا۔ آپؐ بھی اس میں شامل تھے۔ خانہ کعبہ دوبارہ تعمیر ہوا تو حجر اسود نصب کرنے کے موقع پر قبائل میں لڑائی کی نوبت آگئی لیکن آپؐ کے حسنِ تدبر سے یہ معاملہ بطریق احسن انجام پاگیا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

اِنہی دنوں مکے میں ایک مالدار بیوہ خاتون

خدیجہؓ بنت خویلد کا کاروبار عروج پر تھا۔ وہ اپنا مال مختلف تاجروں کے ذریعے مختلف علاقوں میں بھیجا کرتی تھیں اور طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ انہوں نے جب آپ کی دیانت وامانت کے بارے میں سُنا تو آپ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپؐ ان کا مال دوسرے ملکوں میں جاکر بیچ آیا کریں اور وہ آپؐ کو دوسروں کے مقابلے میں دوگنا نفع دیں گے آپ نے یہ پیش کش قبول فرمالی اور خدیجہؓ کا سامان لے کر ملک شام کی طرف گئے۔ خدیجہؓ نے آپکی سہولت کے لیے اپنا غلام میسرہ بھی ساتھ کر دیا۔ آپ نے تجارت میں خوب نفع حاصل کیا جس پر خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں اور اپنے غلام کی زبانی آپؐ کی مزید تعریف سن کر آپؐ کے کردار کی گرویدہ ہوگئیں چنانچہ انہوں نے آپؐ کو شادی کا پیغام دیا آپؐ نے یہ پیغام قبول فرمالیا اور آپؐ کے چچا نے نکاح پڑھایا نکاح کے وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ ۴۰ برس کی تھیں۔ انہوں نے اپنے سارے مال کا آپؐ کا مختار بنادیا کہ جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کی جو اولاد ہوئی ان میں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں شامل تھیں۔

اعلانِ نبوت

حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو جانے کے بعد آپؐ کو مالی اعتبار سے نسبتاً بے فکری اور فارغ البالی حاصل ہو گئی۔ غور و فکر اور سوچ بچار کی عادت آپؐ کو پہلے ہی تھی۔ اب آپؐ نے کئی کئی دن تنہائی میں گزارنے شروع کر دیئے۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے مکے سے کچھ فاصلے پر ایک پر سکون غارِ حرا کا انتخاب کیا۔ آپؐ اکثر ستو، کھجوریں، پانی وغیرہ ساتھ لے جاتے اور وہاں پہروں کسی گہری سوچ میں کھوئے رہتے اور اپنے خالق کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو حضرت جبرائیلؑ خدا کی پہلی وحی لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس طرح آپؐ کو منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا اس غیر معمولی واقعے سے گھبراہٹ کے عالم میں اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی کہ "خدا آپؐ کو کبھی غمگین نہ ہونے دے گا۔ کیونکہ آپؐ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور مہمانوں کی خاطر داری کرتے ہیں۔" اس کے بعد وہ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو تورات و انجیل کے بڑے عالم تھے انہوں نے حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

زبردست مخالفت و مظالم

منصب نبوت پر فائز ہوتے ہی آپ کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ اپنے خاندان اور قوم کو بت پرستی سے منع کریں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ نبوت سے پیشتر اہل مکہ آپ کی بے حد عزت و تکریم کرتے تھے اور آپؐ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن جب آپؐ نے قوم کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پیغام دیا تو وہی قوم آپؐ کی زبردست مخالف و دشمن بن گئی۔ کفار و مشرکین نے اپنے خود ساختہ خداؤں کا اقتدار خطرے میں دیکھا تو وہ اس صورتِ حال کی تاب نہ لا سکے اور ایک دم سب کے سب مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور پھر اُن کی یہ مخالفت بدترین قسم کی عداوت میں تبدیل ہو گئی۔ آپؐ کے کچھ رشتہ دار اور قریبی ساتھی آپؐ پر ایمان لائے لیکن اُس وقت تک مسلمانوں کی طاقت بہت کم تھی۔ چنانچہ جو شخص خدا کی توحید اور آپؐ کی نبوت پر ایمان لاتا، کفار و مشرکین اسی پر بہت سختی کرتے اور غریب اور کمزور مسلمانوں کو طرح طرح کے مصائب اور مشکلات میں مبتلا کرتے۔ لیکن حضورؐ ہر قسم کی صورتِ حال کو برداشت کرتے اور لوگوں کو ہدایت و رہنمائی کا فرض انجام دینے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے تھے۔ آپؐ ہر قیمت پر خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔

ہجرتِ حبشہ

جب کفارِ مکہ کے ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے تو حضورؐ نے مسلمانوں کو ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ۵ھ نبوی میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ حبشہ کی طرف چل دیا۔ حبشہ کا عیسائی حکمران نجاشی نیک دل انسان تھا۔ ان مسلمانوں کو وہاں کچھ سکون حاصل ہوا۔ چنانچہ بعد میں اور مسلمان بھی وہاں ہجرت کر گئے جن کی مجموعی تعداد سو ۱۰۰ کے قریب تھی۔ قریش نے ان لوگوں کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا چنانچہ انہوں نے نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن نجاشی نے ان کی بات نہ مانی۔ حضرت جعفرؓ نے اس کے دربار میں اسلام کے بارے میں تقریر کی جس سے نجاشی بہت متاثر ہوا۔ قریش کی سفارت ناکام ہوئی اور نجاشی نے مسلمانوں کو بخوشی حبشہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے قریش

کے مسلمان ہونے کی افواہ سنی اور اس بنا پر مکے والپس آگئے پھر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ کچھ لوگ پھر حبشہ واپس ہو گئے اور کچھ مکے میں داخل ہو کر کسی نہ کسی کی پناہ میں آگئے۔

شعب ابی طالب

جب قریش کی ہر قسم کی مخالفانہ تدبیروں کے باوجود مسلمان روز بروز بڑھتے ہی رہے تو انہوں نے ایک نہایت سخت اقدام کیا وہ یہ کہ خاندان بنو ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا۔ جس کے تحت حضور کے خاندان کو مکے سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی درے میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ یہ جگہ شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کا ہے۔ حضورؐ کو اپنے خاندان اور ساتھیوں کے ساتھ تین سال تک وہاں رہنا پڑا۔ یہ بہت آزمائش کا دور تھا۔ مسلمانوں کو اکثر فاقے کرنے پڑتے قریش کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ وہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچ سکے۔ آخر بنو ہاشم کے کچھ قریبی رشتہ داروں کی رگِ حمیت میں جوش آیا اور انہوں نے اس ظالمانہ بائیکاٹ کو ختم کر دیا اور معاہدہ پھاڑ دیا جسے پہلے ہی خدا کے حکم سے دیمک کھا گئی تھی۔

عام الحزن

عام الحزن کے معنی ہیں۔ غم کا سال۔ نبوت کے دسویں سال حضورؐ کو دو صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک تو آپؐ کے شفیق چچا ابو طالب انتقال کر گئے۔ انہوں نے ہر قسم کے حالات میں آپؐ کا ساتھ دیا تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر آپؐ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ پھر آپؐ کی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی وفات پا گئیں۔ وہ بھی ساری زندگی آپؐ کی سچی مشیر اور مددگار رہی تھیں۔ اس لیے ان کی وفات بھی آپؐ پر بہت شاق گزری۔

سفرِ طائف

ان واقعات کے بعد کفار و مشرکین کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اور وہ پہلے سے بڑھ کر مظالم کرنے لگے۔ آپؐ نے دل برداشتہ ہو کر کسی اور علاقے میں تبلیغ کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے ساتھ طائف روانہ ہوئے جو مکے سے تقریباً ستر میل کے فاصلے پر ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ آپ نے وہاں کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے نہ صرف آپ کی دعوت کو رد کر دیا بلکہ آپ کا تمسخر اڑایا اور کچھ اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا

دیا۔ انہوں نے آپؐ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپؐ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا اور خون سے جوتے بھر گئے۔ لیکن آپؐ نے اس موقع پر کفار کے لیے بددعا نہ کی بلکہ ان کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ طائف کے اس صبر آزما واقعہ کے بعد آپؐ پھر مکے واپس آگئے اور تبلیغ کے کام کو جاری رکھا۔

واقعہ معراج

نبوت کے گیارہویں سال آپؐ کے حزن و ملال کو دور کرنے اور آپؐ کے مرتبے کو اور بڑھانے کے لیئے خدا نے آپؐ کو آسمانوں کی سیر کرائی۔ اس تاریخی واقعے کو معراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلے آپؐ خانہ کعبہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ جہاں آپؐ نے تمام انبیائے کرام کی جماعت کو نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ نے یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں کی سیر فرمائی۔ اور مختلف نبیوں سے ملے پھر آپؐ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور آمنے سامنے ہو کر ملاقات اور گفتگو فرمائی۔ خدا نے آپؐ کی اُمت کے لیے نماز کا حکم دیا۔ چنانچہ نماز پنجگانہ اسی موقع پر فرض ہوئی۔ معراج کا واقعہ رات کے کچھ حصے میں پیش آیا اور یہ معراج جسمانی تھی۔ اس موقع پر آپؐ نے جنت اور دوزخ بھی دیکھی کسی اور نبی کو معراج کا اعزاز یا شرف حاصل نہیں ہوا۔

ہجرتِ مدینہ

کفارِ مکہ کے ظلم وستم میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اس دوران یثرب کے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور ان کی کوشش سے یثرب میں اسلام اور بھی پھیلا اور تھوڑے عرصے میں بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے کفار پہلے ہی بدترین مظالم ڈھا رہے تھے۔ اب ان مظالم میں اور شدت آگئی اور وہ معاذ اللہ آپؐ کے قتل کے درپے ہوئے۔ خدا کی طرف سے آپؐ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا اور آپؐ ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مکہ سے رات کے وقت روانہ ہوئے۔ تین دن غارِ ثور میں گزارے اور پھر مدینہ منورہ جا پہنچے۔ اور بھی کئی مہاجرین مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اہل مدینہ نے حضورؐ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور ہر ممکن تائید و حمایت کی۔ حضورؐ نے مواخات کے ذریعے مہاجرین و انصار کو بھائی بھائی بنا دیا۔ مسجد نبوی تعمیر ہوئی اور معاہدہ یہود عمل میں آیا۔ اس طرح اسلام کو ایک نیا مرکز میسر آگیا۔ جہاں حضورؐ نے اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اور اسلام

ایسی زبردست قوت بن گیا کہ چند ہی سالوں میں پورا ملکِ عرب اس کے زیر نگیں آگیا اسی لیے ہجرت مدینہ کو تاریخِ اسلام میں ایک نہایت مہتم بالشان واقعہ قرار دیا جاتا ہے۔

غزوات اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں حضورؐ لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عقائد کی تلقین فرماتے رہے۔ اس وقت تک جہاد فرض نہ تھا۔ لیکن اب مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت وجود میں آئی تو کفر و باطل کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ تاکہ دین کے راستے میں مزاحمت کا زور توڑا جائے اور دنیا میں اسلام کو غالب کر دیا جائے۔ لہٰذا مدنی زندگی میں حضورؐ کو کئی معرکوں میں شریک ہونا پڑا۔ آپؐ جس جنگ میں شامل ہوئے اُسے غزوہ اور جس میں شامل نہ ہوں اسے سریّہ کہتے ہیں۔

حق و باطل کا اوّلیں معرکہ ۲ھ میں بدر کے مقام پر پیش آیا جو غزوہ بدر کہلاتا ہے۔ ابوجہل کی سرکردگی میں کفار کا ایک ہزار کا لشکر ہر طرح کے اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس تھا۔ جبکہ مسلمان صرف ۳۱۳ تھے۔ اور ان کے پاس نہایت قلیل ساز و سامان تھا۔ بظاہر مادی لحاظ سے مسلمانوں کی کامیابی کے کوئی آثار نہ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی طفیل مسلمانوں پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا اور ان کی امداد کیلئے فرشتے نازل فرمائے اور اس طرح کفار کو عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا اور ان کی کمر ٹوٹ گئی۔

۳ھ میں غزوہ اُحد پیش آیا۔ اس میں ایک درے پر حضورؐ نے ۵۰ تیر انداز مقرر فرمائے اور تاکید فرمائی کہ کسی حال میں اسے خالی نہ چھوڑیں لیکن جنگ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی درے کو خالی چھوڑ دیا گیا۔ جس سے مسلمانوں کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تاہم صورتِ حال پر قابو پا لیا گیا اور دشمن اپنی فتح سے پورا فائدہ نہ اُٹھا سکا۔

۵ھ میں غزوہ خندق (یا جنگ احزاب) پیش آیا۔ اس میں عرب کے کئی قبائل نے کفارِ مکہ کا ساتھ دیا۔ اور دشمن کا بھاری لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ حضورؐ نے

نے مدینہ کے دفاع کے لیے خندق تیار کروائی۔ اور لشکرِ کفار کو شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔

سنہ۶ھ میں معاہدہ حدیبیہ عمل میں آیا جس کے تحت دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا۔ قرآن نے اسے فتح مبین قرار دیا۔ اور اس دوران اسلام خوب پھیلا اور چونکہ اسلام عالمگیر دین ہے اس لیے دنیا کے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو بھی دعوتِ اسلام دی گئی۔

سنہ۷ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا۔ خیبر فتح ہوا اور یہودیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔

سنہ۸ھ میں حضورؐ نے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی۔ اگر حضورؐ انتقام لینا چاہتے تو خون کی ندیاں بہہ جاتیں لیکن حضورؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا۔ اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح مکہ فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

سنہ۸ھ میں غزوہ حنین اور سنہ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفر کی مزاحمت ختم ہو گئی۔

جب قریش نے اسلام قبول کر لیا تو دیگر قبائل بھی اس کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ انہوں نے حضور نبویؐ میں اپنے اپنے قبیلے کے وفد بھیجے جنہوں نے حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے سنہ۹ھ کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔

حجۃ الوداع

اسلام میں حج سنہ۹ھ میں فرض ہوا۔ اسی سال آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر تین سو صحابہ کرامؓ کو حج کے لیے مکے بھیجا۔ آپؐ نے خود صرف ایک بار سنہ۱۰ھ میں حج کیا یہ حضورؐ کا آخری حج تھا اس لیے حجۃ الوداع کہتے ہیں ایک لاکھ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔ اسی موقع پر آپؐ نے وہ تاریخی خطبہ دیا جس نے ایک عالمگیر منشور کی حیثیت اختیار کر لی اور جسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جس طرح تم اس مہینے اور اس مقام کی عزت کرتے ہو، اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمانوں پر حرام ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو

کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں وغیرہ۔

وصالِ نبویؐ

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ماہ صفر ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بخار میں مبتلا ہو گئے۔ اس حالت میں دیگر ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے اس زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حکم فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے رہیں۔ اس دوران جب بھی موقع ملا، آپؐ پند و نصائح فرماتے رہے۔ کبھی مرض میں افاقہ ہو جاتا اور کبھی مرض بڑھ جاتا ہے۔ اسی دوران خیال آیا کہ عائشہؓ کے پاس چند اشرفیاں ہیں، منگوا کر مسکینوں میں تقسیم کر دیں۔ پیر کے روز سہ پہر کے وقت آپؐ کی حالت خراب ہو گئی اور جانکنی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اتنے میں لب ہلے تو یہ الفاظ سنے گئے "نماز اور غلام" اس کے علاوہ آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ بھی تھے: "میری امت۔ میری امت۔" اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا:

بَلِ الرَّفِیْقَ الْاَعْلیٰ "اللہ ہی سب سے اعلیٰ دوست ہے"

یہ کہتے کہتے طبیعت بگڑی اور روح پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔ اس طرح حضورؐ سرورِ کائنات کا انتقال پیر کے روز بوقت سہ پہر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۳ء کو ہوا۔ آپؐ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جہاں آپؐ فوت ہوئے تھے دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۝

اللّٰھمّ صلّی علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ صلوٰۃً کثیراً کثیرا۔

اُسوۂ حسنہ

اسلام کا شرف و امتیاز

اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے بہترین دور، اعلیٰ کتاب اور سیرت و کردار کے لحاظ سے بہترین پیغمبر میسر آیا۔ یعنی اس کو وہ دور ملا جب ذہنی اعتبار سے انسان اس لائق ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری اور مکمل دین کو سمجھ سکے اور اس کو اپنے لیے مشعلِ راہ قرار دے سکے۔ کتاب وہ دی گئی جس کی روشنی اور ہدایت کے چراغ رہتی دنیا تک روشن رہیں گے۔ اور سب سے بڑھ چڑھ کر یہ کہ اسے ایسا عظیم الشان پیغمبر ملا جس کی زندگی عمل کا بہترین اور مثالی نمونہ ہے۔ ؎

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

قرآن مجید کی گواہی

حضورؐ اخلاق و کردار کی جن بلندیوں کا مظہر تھے اس پر قرآن مجید کی یہ گواہی کافی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ " یعنی "اور بلاشبہ آپؐ اخلاق کے بلند درجے پر ہے"۔

قرآن مجید ہی میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝

:: "یقیناً تمہارے لیے پیغمبر خدا کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔ ایک لحاظ سے پورا قرآن گویا حضورؐ کی سیرت پر مشتمل ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی گواہی

اُم المومنین حضرت خدیجہؓ آپؐ کی پہلی بیوی تھیں۔ انہوں نے زندگی کے پچیس سال آپؐ کے ساتھ گزارے اور ظاہر ہے بیوی سے بڑھ کر انسان کا محرمِ راز اور کون ہو سکتا ہے؟ انہوں نے حضورؐ کے بارے میں فرمایا۔

"میں دیکھتی ہوں کہ آپؐ اپنے عزیز و اقربا پر شفقت فرماتے ہیں۔ مہمان نواز

ہیں، اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں"۔ اخلاق کی بلندی کا یہ عالم اس وقت سے تعلق رکھتا ہے۔ جب آپ نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گواہی

اعلانِ نبوت کے بعد آپ کے حسنِ اخلاق کا جو عالم تھا اس کا ذکر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس قول میں ہے کہ "قرآن آپ کا اخلاق ہے"۔ یعنی قرآن اور حضورؐ کی زندگی۔ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ جس قدر اپنی تعلیمات اور پیغام کے لحاظ سے قرآن پیارا اور درخشاں ہے اسی طرح آپؐ کا عمل بھی پیارا اور درخشاں ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر آپ قرآن کو عملی صورت میں جلوہ گر دیکھنا چاہیں تو حضورؐ کو دیکھ لیجئے۔

صداقت

صداقت وسچائی حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کا درخشاں پہلو ہے۔ حضورؐ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا لوگوں کو اس بات کا اعتراف آپؐ کی نبوت سے پہلے بھی تھا اور بعد میں تو یہ بات اور نکھر کر سامنے آگئی تھی۔ آپؐ کی زندگی میں کوہِ صفا کا واقعہ مشہور ہے۔ جب آپ نے اس پہاڑی پر چڑھ کر لوگوں کو اپنی طرف بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟" تو اس پر سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا۔ بلاشبہ آپؐ سچے ہیں کیونکہ آپؐ نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔ ایک موقع پر آپؐ کے سخت ترین دشمن اور مخالف ابوجہل نے کہا تھا" محمدؐ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا، لیکن کیا کروں، تمہاری باتوں پر میرا دل نہیں ٹھہرتا"۔ ہرقل قیصر روم نے جب ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلا کر آپؐ کے بارے میں پوچھا کہ کیا انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہے۔ لیکن ابوسفیان نے باوجود دشمنی کے برملا کہا کہ انہوں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔ لوگ حضورؐ کو جوانی ہی میں صادق کے نام سے پکارتے تھے۔

امانت

امانت و دیانت بھی آپؐ کی سیرت کا ایک خاص جوہر تھا۔ آپؐ ابتدائے عمر سے سارے ملکِ عرب میں اپنی امانت کی وجہ سے مشہور تھے۔ لوگ آپؐ کو "امین" کہہ کر پکارتے تھے۔ اور آپؐ پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ وہ اپنی ہزار دشمنی کے باوجود اپنی امانتیں حضورؐ کے پاس رکھتے تھے حضرت خدیجہؓ آپؐ کے صدق و دیانت۔ اور امانت سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے اپنا سارا مال و جائداد

اور اپنی پوری زندگی آپؐ کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہجرت کے موقع پر آپؐ کو لوگوں کی امانتیں واپس دینے کی اتنی فکر ہے کہ حضرت علیؓ کو خاص طور پر اس کام کیلئے پیچھے چھوڑ کر جاتے ہیں حالانکہ دشمن آپکے قتل کے درپے تھا۔

عدل و انصاف

حضورؐ عدل و انصاف کے سلسلے میں امیر و غریب اور اپنے اور بیگانے میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کی طبیعت میں عدل اس حد تک موجود تھا کہ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کے فیصلوں پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ مظلوموں کی فریاد سنتے اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرتے تھے۔ اگر آپؐ کا کوئی عزیز بھی کسی کا حق چھین لیتا تو آپؐ مظلوم کا حق ضرور دلاتے تھے۔ جب تک آپؐ مکے میں تشریف فرما رہے اہل مکہ اپنے معاملات فیصلے کے لیے آپؐ کے پاس لے کر آتے تھے اور جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہودی اور دوسرے مخالفین بھی اپنے مقدمات کا فیصلہ آپؐ سے کراتے اور اسے بخوشی تسلیم کر لیتے تھے۔

مساوات

آپ کے مزاج میں مساوات و برابری کا جذبہ بھی بہت زیادہ تھا۔ ایک مرتبہ قبیلۂ قریش کی ایک عورت سے چوری ہو گئی۔ قریش اپنی عزت کے خیال سے چاہتے تھے کہ یہ بات دب جائے اور اس عورت کو سزا نہ ہو۔ جب حضورؐ کے پاس سفارش آئی تو حضورؐ نے ناراض ہو کر فرمایا:

"بنو اسرائیل مٹ گئے، اس لیے کہ وہ امیروں کو چھوڑ دیتے تھے اور غریبوں کو سزا دیتے تھے خدا کی قسم! اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔"

ایک بار ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، وہ دونوں آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے دونوں کے دلائل سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے کچھ لوگ مدینے میں آئے۔ اُن کو دیکھ کر ایک انصاری نے کہا کہ اے خدا کے رسولؐ! ان لوگوں کے ایک فرد نے ہمارے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ آپؐ اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا! یہ نہیں ہو سکتا اور باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔"

شفقت و رحم

حضورؐ نہایت رحمدل اور شفیق تھے۔ قرآن نے آپ کو "رحمۃ للعٰلمین" کا خطاب دیا ہے۔ آپ نے اپنے ذاتی معاملے میں کبھی کسی سے بدلہ

نہیں لیا۔ طائف کے سفر میں آپؐ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس پر صبر کرنا بلکہ اپنے دشمنوں کے حق میں نیک دعائیں مانگنا کسی عام دل گردے کے آدمی کا کام نہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کے حق میں بد دعا فرما دیتے تو یقیناً ان کی نسل صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی۔ لیکن آپؐ نے فرمایا:

"اے خدا! ان کو ہدایت دے، یہ جانتے نہیں ہیں۔" آپ کا ارشاد ہے "جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔"

قریش نے آپؐ پر مصائب کے پہاڑ توڑے تھے۔ لیکن اس کے باوجود فتح مکہ کے دن آپؐ نے بڑے بڑے دشمنوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ حضورؐ جانوروں کے لیے بھی سراپا رحمت تھے۔

سخاوت

حضورؐ اس قدر سخی اور فیاض تھے کہ آپؐ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق "آپؐ سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور خصوصاً رمضان کے مہینے میں آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔" ایک بار ایک شخص کو اپنی بکریوں کا پورا گلہ بخش دیا۔ کئی آدمیوں کو سو سو اونٹ سے زیادہ دے دیئے اور نبوت کے بعد تو اپنے گھر میں ذرا مال رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے جو کچھ آتا تھا، شام تک ختم کر دیتے تھے ایک بار نوے ہزار درہم آئے، جو چٹائی پر ڈال دیئے گئے۔ جو سائل آتا اسے عطا فرما دیتے یہاں تک کہ سب ختم ہو گئے۔

حلم و بردباری

حضورؐ کی طبیعت میں حلم اور بردباری کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک بدو آیا۔ اس نے آپؐ کی چادر کو اتنے زور سے کھینچا کہ آپؐ کی گردن پر نشان پڑ گیا پھر بدو بولا: "محمدؐ! مجھے مال چاہیئے۔ تمہارے پاس جو مال ہے یہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا ہے بلکہ اللہ کا ہے۔" آپ نے فرمایا "بے شک اللہ کا ہے۔ پھر فرمایا: "اسے ایک اونٹ پر جَو اور ایک پر کھجوریں لاد دو۔"

قرآن میں ایک جگہ آپؐ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔: "اگر آپؐ سخت دل اور ترش مزاج ہوتے تو لوگ آپؐ کے پاس سے دور بھاگ جاتے۔"

عفوو درگزر آپؐ عفو و درگزر کے پیکر تھے۔ آپؐ کی زندگی میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں، کہ آپؐ نے اپنے سخت سے سخت دشمنوں سے بھی درگزر کا سلوک فرمایا۔ ایک بار آپؐ ایک درخت کے نیچے سو گئے اور اپنی تلوار اس کی ایک شاخ سے لٹکا دی۔ ایک کافر آیا اور تلوار نکال کر آپؐ سے کہنے لگا۔ "بتاؤ تم کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ"۔ یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی آپؐ نے تلوار اٹھا کر فرمایا: "اب کہو، تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟" وہ حیران اور خوفزدہ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ میں کسی سے بدلہ نہیں لیا کرتا۔

شرم وحیا آپؐ مجسم شرم حیا تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ کسی شخص سے کوئی ایسی بات نہیں فرماتے تھے جو اس کو پسند نہ ہو۔ اسی طرح جب کوئی بات آپ کے مزاج کے خلاف ہوتی تو آپؐ کے چہرے سے ظاہر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کسی شخص کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی تو اس کا نام لے کر کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو ہو گیا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں"۔ کبھی کسی کی طرف تیز نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے آنکھیں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے اور ایک روایت کے مطابق "حضورؐ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے"۔ آپؐ کا ارشاد ہے: "ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، اور حیا ان میں سے ایک ہے"۔

شجاعت آپؐ اپنے بچپن ہی سے نہایت دلیر اور بہادر تھے۔ آپ شجاعت کا پیکر تھے قیامِ مدینہ کے زمانے میں ایک رات لوگوں نے شور وغل کی آوازیں سنیں تو ڈر گئے اور گھبرا کر صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور تلوار لٹکائے گھوڑے پر سوار واپس آ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ایک قافلہ ہے جو شہر سے باہر ٹھہرا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم سخت گھمسان کی جنگ کے موقع پر حضورؐ کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔ غزوات کے موقعوں پر آپؐ نے بے نظیر بہادری کے ثبوت دیئے۔ بدر، احد، خندق وغیرہ میں آپؐ نے جس بہادری اور استقلال کا اظہار کیا وہ بے مثال تھا۔ جنگ حنین میں جب تقریباً سب لوگ

اچانک حملے سے منتشر ہو گئے، آپ اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح کھڑے رہے یہاں تک کہ آپؐ کے ساتھی پھر واپس آ گئے۔

رواداری و حُسنِ سلوک

حضورؐ نہایت روادار اور ملنسار تھے۔ آپؐ صرف اپنوں کا نہیں، بلکہ غیروں کا بھی بہت لحاظ کرتے تھے۔ اگر کوئی دشمن بھی پاس آتا تو اس کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔ مکہ کی ایک عورت ہمیشہ چلتے وقت آپؐ کے سر مبارک پر گرد و غبار اور کوڑا کرکٹ ڈال دیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئی تو حضورؐ اس کی خبر لینے گئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ وہ اسقدر متاثر ہوئی کہ مسلمان ہو گئی۔ اہلِ مکہ کے لیے نجد سے غلہ آیا کرتا تھا۔ ایک صحابی حضرت ثمامہؓ نے ان کو دشمنی اور مخالفت کی سزا دینے کے لیے غلہ بند کر دیا۔ آپؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ حالانکہ قریش آپؐ کے جانی دشمن تھے۔

سادگی

آپؐ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ آپ کھانے پینے میں سادہ خوراک کو پسند فرماتے تھے۔ لباس ہمیشہ سیدھا سادہ ہوتا۔ لیکن صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جہاں جگہ مل جاتی، بیٹھ جاتے۔ اور اس سلسلے میں زمین، چٹائی یا فرش کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اپنے گھر کے اکثر کام خود کر لیتے مویشیوں کو چارا بھی خود ڈال دیتے تھے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ لیتے۔ بکری کا دودھ دوھ لیتے خود بازار سے سودا خرید لاتے۔ چھوٹے بڑے کو خود سلام کرتے۔ بچوں سے نہایت مہربانی اور شفقت کا سلوک فرماتے۔ ہر امیر اور غریب کی دعوت قبول کر لیتے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے یہاں تک کہ اگر اپنا جوتا پھٹ جاتا تو اُسے بھی خود گانٹھ لیتے تھے۔ خانہ کعبہ، مسجد نبوی کی تعمیر اور جنگِ خندق کے موقعوں پر خود معماروں اور مزدوروں کے ساتھ ہر قسم کا کام کرتے رہے بالغرض حضورؐ کی زندگی اس قدر سادہ تھی کہ ناواقف لوگ آپؐ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ آپؐ کے فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ برابر ایک ایک مہینہ چولہا روشن نہ ہوتا اور صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا۔ آپؐ نے تین دن تک متواتر گندم کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔

ایفائے عہد

ایفائے عہد اور وعدے کی پابندی میں آپؐ اپنی مثال آپ تھے ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کو بازار میں ملا۔ اُس نے کہا کہ آپؐ ذرا یہاں ٹھہریں

میں ابھی آتا ہوں! وہ شخص چلا گیا اور بھول گیا۔ حضورؐ اس کے انتظار میں حسب وعدہ تین روز تک وہاں ٹھہرے رہے۔ تیسرے روز وہ شخص اتفاقاً وہاں سے گزرا تو حیران و شرمندہ ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا: میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک صحابی ابوجندلؓ پابہ زنجیر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ کفار کی قید میں تھے۔ انہوں نے حضورؐ سے رہائی کی درخواست کی۔ لیکن حضورؐ چونکہ کفار سے معاہدہ فرما چکے تھے اس لیے انہیں واپس کر دیا گیا۔

زہد و عبادت

حضورؐ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے اور ساری ساری رات اس کے حضور میں قیام فرماتے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ صحابہ کرامؓ عرض کرتے، حضورؐ! آپؐ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں، آپؐ تو معصوم ہیں۔ حضورؐ فرماتے: "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!" ایک روایت کے مطابق حضورؐ دن رات میں ایک سو مرتبہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔

ذہانت و تدبیر

آپؐ دنیا بھر میں سب سے زیادہ ذہین، مدبر اور باصلاحیت تھے آپؐ کی عقل مندی اور دانش مندی کے دوست دشمن سبھی معترف تھے۔ جب حضورؐ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ حجر اسود کو اس کی اصلی جگہ پر نصب کرنے کے بارے میں جو اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اس میں آپؐ نے جس دوراندیشی سے قبائل مکہ کو باہمی قتل و غارت سے بچایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مدینہ جاتے ہی یہودیوں کے ساتھ میثاقِ مدینہ پر دستخط کر کے آپؐ نے اعلیٰ درجے کی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جو مسلمانوں کے لیے کامرانی کا پیش خیمہ ثابت ہوا، اس کی ایک اور مثال ہے۔

فصاحت و بلاغت

آپؐ فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے۔ آپؐ کا اپنا ارشاد ہے: "میں فصیح ترین عرب ہوں" آپ تمام قبائل عرب کی زبانیں جانتے تھے اور ہر قبیلہ کے لوگوں سے انہی کی زبان میں خطاب فرماتے۔ جو فقرہ زبان سے نکلتا جامع اور پُر مغز ہوتا تھا۔ آپؐ کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے قدیم خطیبوں کے کارنامے فراموش ہو گئے۔ آپؐ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کے الفاظ کو گن سکتے تھے۔

خوش مزاجی و مزاح

حضورؐ خوش مزاجی اور مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے۔ ایک بڑھیا نے ایک مرتبہ حضورؐ سے جنت کی دعا کے لئے عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا: "جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی" وہ بڑھیا رونے لگی۔ حضورؐ نے اسے سمجھایا کہ جنت میں جانے سے پہلے سب کو جوان کر دیا جائے گا۔ وہ خوش ہوگئی۔ اسی طرح کسی سائل نے آپ سے ایک اونٹ کا سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا "ہم تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے۔" سائل نے عرض کی حضورؐ! میں اسے لے کر کیا کروں گا۔" حضور نے فرمایا: "ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔"

الغرض انسانی خوبیوں میں سے کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو حضورؐ کی ذات میں بدرجۂ کمال نہ پائی جاتی ہو۔

جواب
حضورؐ کی جامعیت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اخلاق وسیرت کے اعتبار سے وہ منور آفتاب تھی جس میں ہر خوبی کی جھلک اور ہر حسن کا رنگ تھا۔ اس رنگا رنگی کا نام جامعیت ہے۔ جامعیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ تمام کمالات اور خوبیاں جو کسی انسان میں ہو سکتی ہیں آپ کی ذات میں جمع تھیں آپ جامع اوصاف اور تمام اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ قدرت کا عظیم شاہکار تھے۔ نہ کوئی پہلے آپؐ جیسے ہوا ہے اور نہ بعد میں آپؐ جیسا ہوگا۔

حضورؐ تمام انبیاءؑ کے اوصاف کے جامع

وہ تمام خوبیاں جو پہلے نبیوں میں الگ الگ پائی جاتی تھیں وہ سب بلا وجہ بکمال حضورؐ کی ذات میں موجود تھیں۔

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپؐ حضرت عیسیٰؑ کی طرح نرم خو بھی تھے، حضرت موسیٰؑ کی طرح پُرجوش بھی تھے حضرت یحییٰؑ کا سا اندازِ تبلیغ بھی تھا۔ اور حضرت ایوبؑ سا صبر بھی۔ آپؐ نے بستیوں اور بیابانوں میں اللہ کا پیغام پہنچایا۔ مخالفین کی سختیاں سہیں، ہر حال میں اپنا فرض ادا کرتے رہے حضرت ابراہیمؑ کی طرح وطن چھوڑا اور ہجرت کی۔ دشمنی اور عداوت کی آگ میں ڈالے گئے پھر بھی دنیا کو ٹھنڈک اور سلامتی کا پیغام دیا۔ حضرت یونسؑ کی طرح غارِ ثور کے شکم میں تین دن رہے، حضرت سلیمانؑ کی طرح اس دنیا میں حکومت کی طرح ڈالی اور مدینے میں خدا کا گھر بنایا جو ہمیشہ اہلِ ایمان کا محبوب مرکز رہے گا۔

حضورؐ کی سیرت آفتاب کی طرح روشن

حضور سرورِ کائناتؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا کسی جگہ تاریکی کا نشان نہیں پاتا۔

ہر چیز واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح واضح ہے آپؐ کا شخصی کردار، رحمت، رافت، شفقت، خشیت، عبادت، شجاعت، عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، متانت ایثار، احساسِ ذمہ داری، عاجزی اور تواضع، صبر، توکل، ثبات، دانش مندی وغیرہ سب کی کیفیت اور ان کے عملی نمونے مل جاتے ہیں، اور بہت سے مل جاتے ہیں اسی طرح آپ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ اور اچھے نانا وغیرہ کے بہترین نمونے ہمیں ملتے ہیں، جماعتی زندگی میں اچھے دوست، اچھے ساتھی، شفیق سردار اور مساکین کے سرپرست و مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپؐ کی ذات میں ملتا ہے اسی طرح قومی و ملی زندگی میں عدل و انصاف، فوجوں کی کمانداری، انتظاماتِ حکومت، رعایا پروری، سیاسی سمجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری، دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک وغیرہ ایسا مکمل اور آئینہ نقشہ ہمیں سیرت طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ویسا اور کہیں بہترین دکھائی دیتا اور کمال یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے صرف ایک ہی مقدس و مکمل انسان میں مل جاتے ہیں۔

عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلّوا علیہ وآلہٖ

مفہوم

عید میلاد النبیؐ کے معنی ہیں رسولِ اکرمؐ کی ولادت یا پیدائش کی خوشی کا دن۔ یہ ایک اسلامی تہوار ہے جو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ۱۲ ربیع الاوّل کا دن وہ مبارک دن ہے جب سرورِ عالم، فخرِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔ یہی وہ روزِ سعید ہے جب نورِ حق چمکا اور کفر و باطل کی تاریکیاں چھٹ گئیں۔ یہ دن دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے بے پایاں مسرّتوں کا پیغام لاتا ہے۔ اور امتِ مسلمہ۔ شایانِ شان طریقے سے یہ دن مناتی ہے۔

قبلِ اسلام کی حالت

حضور نبی اکرمؐ اور اسلام سے پہلے دنیا کفر و شرک اور جہالت و گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انسان کا خدا سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ رحمان کی بجائے شیطان کی پیروی کر رہا تھا۔ توحید کا تصوّر ناپید تھا۔ انسان نے خود ساختہ معبود بنا لیے تھے۔ آدمیت کا احترام اٹھ چکا تھا۔ ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ کسی کا مال، جان اور عزّت محفوظ نہ تھی۔ انسانیت ظلم کی چکی میں پس رہی تھی۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ شراب، جوا اور بے حیائی عام تھی۔ الغرض قرآن کے الفاظ میں بحر و بر فساد سے بھر چکے تھے۔

اسلامی انقلاب

آخر رحمتِ خداوندی جوش میں آئی۔ اور انسان کی ہدایت کا سامان ہوا۔ رسولِ اکرمؐ خدا کے آخری اور محبوب رسولؐ کی حیثیت سے سرزمین مکّہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس سال تک ایک انتہائی پاکباز اور راست باز انسان کی حیثیت سے زندگی گذاری خود کفارِ مکّہ نے حضورؐ کو صادق اور امین کہہ کر پکارا۔ چالیس سال کی عمر میں خدا نے آپؐ کو نبوت پر فائز کیا، اور حضورؐ نے اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ چند ہی سالوں میں ملکِ عرب میں ایک ایسا اسلامی انقلاب رونما ہوا، جس کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ملکِ عرب میں کفر و باطل کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام غالب آ گیا۔ توحید کا چرچا ہوا انسان

کا خدا سے ٹوٹا ہوا رشتہ استوار ہو گیا۔ حق و صداقت عدل و انصاف، اخوت و مساوات اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہوا۔ اور انسانیت کو اس کا صحیح مقام حاصل ہوا۔ شیطان کی پیروی کی بجائے رحمان کی عبادت و پیروی ہونے لگی اور ہر طرف اسلام کے فیوض و برکات عام ہو گئیں

عالمگیر انقلاب

اسلام تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ پہلے اسلام کا غلبہ ملک عرب میں ہوا اور اس کے بعد رسولِ اکرمؐ کے وصال کے بعد حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔ روم و ایران جیسی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوئیں اور تمام دنیا میں اسلام غالب آگیا۔

حضور اکرمؐ نے دنیا کے سامنے خدا کا پسندیدہ دین اسلام پیش فرمایا جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور انسان کے تمام مسائل کو بہترین انداز میں حل کرتا ہے۔ اس طرح دنیا ایک عالمگیر اسلامی انقلاب سے ہمکنار ہوئی۔

فلاح و کامرانی کا ذریعہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات پر عمل انسان کے لیے فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ حضور اکرمؐ کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین اسلام قرآن مجید کی صورت میں حضور اکرمؐ پر نازل فرمایا اور حضور اکرمؐ نے اس کے مطابق ایک مکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ حضور اکرمؐ کی تعلیمات پر عمل کر کے ہم دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں۔

حضور کی محبت عین ایمان

رسولِ اکرمؐ کی محبت عین ایمان ہے۔ یہ محبت ایک مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ حضور اکرامؐ کی محبت کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ میری محبت۔ تمہاری جان، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر نہ ہو"۔ حفیظ جالندھری مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایمان نامکمل ہے
محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان مال اولاد سے پیارا

جشن میلاد النبیؐ

جب ۱۲ ربیع الاوّل کا دن آتا ہے تو عقیدت و محبت اور مسرت کے جذبات نقطۂ عروج پر پہنچ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں اس روز عید کا سماں ہوتا ہے۔ گلیاں اور بازار رنگ برنگی جھنڈیوں سے

آراستہ کئے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ آرائشی دروازے اور محرابیں بنائی جاتی ہیں۔ چوکوں میں مسجد نبوی اور گنبدِ خضریٰ کے ماڈل بنائے جاتے ہیں۔ ملک بھر میں تعطیل ہوتی ہے۔ سرکاری عمارات پر قومی پرچم لہرائے جاتے ہیں۔ اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی پر خصوصی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ صاحبِ حیثیت لوگ دیگیں پکوا کر غرباء میں کھانا تقسیم کرتے ہیں۔

جلوس میلادالنبیؐ

تمام بڑے بڑے شہروں میں عید دالنبیؐ کے جلوس نکلتے ہیں ان جلوسوں میں لاہور کے جلوس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جس میں شرکت کے لئے بیرونِ لاہور کے مسلمان بھی جوق در جوق آتے ہیں۔ اس مبارک موقع پر لاہور کی آرائش و زیبائش خاص طور پر قابلِ دید ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے شہر میں کسی عظیم فرمانروا کی آمد ہوا اور پورا شہر اس کے استقبال کے لئے امڈ آیا ہو۔ درود و سلام کے نغمات گاتا ہوا یہ جلوس جب بازاروں سے گزرتا ہے تو لوگ دو رویہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اس جلوس میں شتر سواروں اور گھڑ سواروں کا قافلہ ہوتا ہے۔ بیل گاڑیوں پر بیٹھی ہوئی نعت خوانوں کی ٹولیاں وجد کے عالم میں نعتیں پڑھتی جاتی ہیں۔ مختلف سکولوں کی بینڈ پارٹیاں اور سکاؤٹوں کے دستے بھی اپنی اپنی مخصوص یونیفارم میں جلوس میں شریک ہوتے ہیں جلوس جگہ جگہ رکتا ہے، جہاں علمائے کرام حضورؐ کی سیرت پاک بیان کرتے ہیں۔ نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالتؐ کے شور سے فضا گونج اٹھتی ہے۔

متفرق پروگرام

رات کو شہر بھر میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ تمام گلیاں اور بازار بقعۂ نور بن جاتے ہیں۔ میلاد کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں نعتیہ مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ علمائے کرام مختلف جلسوں میں حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سیرۃ النبیؐ کے یہ جلسے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان جلسوں کے ذریعے لوگوں تک حضور اکرمؐ کا پیغام پہنچتا ہے۔ حضور اکرمؐ کی تعلیمات عام ہوتی اور حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اور سیرت پاک کے مختلف گوشے پوری تفصیل کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ حضورؐ کی تعلیمات میں موجودہ دور کے اُلجھے ہوئے مسائل کا بہترین حل موجود ہے۔ ہمیں حضور اکرمؐ کی سیرت تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ کو سمجھنا چاہیے اور اسے مشعلِ راہ بنانا چاہئے۔ اسی میں ہماری سرخروئی اور نجات ہے۔

احتیاط کا تقاضا عید میلاد النبیؐ کا جشنِ مسرت مناتے ہوئے ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو خدا و رسولؐ کی ناراضگی کا موجب ہو۔ ہمیں ایسے تمام کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے جو شریعت محمدی کے خلاف ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ جشن مبارک مناتے ہوئے ہم کوئی سودا بی کر بیٹھیں ؎

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا　　اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

(احمد ندیم قاسمی)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی

مفہوم و اہمیّت یہ مصرعہ علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے ماخوذ ہے۔ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اس مصرعہ یا شعر کا موضوعِ بحث یہ ہے کہ زندگی عمل، جدوجہد اور کوشش سے عبارت ہے۔ اس کی کامیابی کا انحصار عمل پر ہے۔ جو افراد یا قومیں عمل، جدوجہد اور کوشش کرتی ہیں وہ دنیا میں کامیاب و سرخرو ہوتی ہیں۔ لیکن جو افراد یا قومیں عمل سے محروم ہوتی ہیں۔ وہ ترقی کا خواب نہیں دیکھ سکیتں۔ وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہتی ہیں۔ ایسے افراد یا قومیں زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہوتی ہیں لیکن جو افراد یا قومیں سخت کوشش، محنت اور جدوجہد سے کام لیتی ہیں، وہ اقوامِ عالم کی صف میں بلند مقام حاصل کر لیتی ہیں اور دنیا میں برتری اور غلبہ انہی کو حاصل ہوتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر　　ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا

قرآن کی نظر میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" یعنی انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں"۔ علامہ اقبال نے اسی نکتہ کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

تقدیر اور تدبیر

تقدیر برحق ہے۔ اس پر ایمان ضروری ہے۔ تقدیر کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ لیکن تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے۔ تقدیر پر تکیہ کر لینا تارک الدنیا راہبوں کا شیوہ ہے اور تقدیر کو نظر انداز کر کے محض تدبیر پر بھروسہ کر لینا خدا کے باغیوں کی روش ہے۔ صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان تقدیر پر بھی ایمان کے اور تدبیر بھی اختیار کرے۔ جیسا کہ حدیث رسولؐ ہے کہ الایمان بین القدر والجبر یعنی ایمان تقدیر اور تدبیر کے درمیان ہے۔

اُسوۂ رسولؐ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی زندگی سراپا عمل اور جدوجہد تھی۔ ایک طرف تو حضور اکرمؐ کو خدا پر مکمل بھروسہ اور توکّل تھا لیکن دوسری طرف حضورؐ نے اپنی پوری زندگی میں تدبیر جدوجہد اور سعی و کوشش کا راستہ اختیار کیا۔ جنگِ بدر میں جہاں حضورؐ خدا سے گڑگڑا کر فتح و نصرت کی دُعا مانگ رہے تھے وہاں حضورؐ کے تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ بھی آہنی کینے کے لئے موجود تھے۔ اسی طرح ہر مرحلے پر حضورؐ نے سخت جدوجہد کو اپنا شعار بنایا یہاں تک کہ اسلام غالب آگیا۔

بڑے لوگوں کا شیوہ

دنیا میں جس قدر بڑے لوگ ہو گذرے ہیں اُن کی بڑائی اور عظمت کا راز عمل، کوشش اور جدوجہد میں مضمر ہے بظاہر وہ بھی ہماری طرح کے انسان تھے، لیکن فرق یہ ہے کہ انہوں نے رات دن سخت محنت کی اور ایک لمحہ کے لئے بھی فراغت سے نہ بیٹھے۔ انہوں نے سخت محنت و مشقت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا، اس لیے انہیں دنیا میں شہرت، ناموری اور عزت حاصل ہوئی۔ اگر وہ بھی سہل پسندی اور تساہل سے کام لیتے تو ہرگز یہ بلند مقام حاصل نہ کر سکتے۔ مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

نہال اِس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں — ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں۔
گرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے — مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے

زندگی حرکت و کوشش میں ہے

زندگی کا دار و مدار حرکت اور کوشش پر ہے۔ اگر حرکت رُک جائے اور

جمود طاری ہو جائے تو اسی کا نام موت ہے۔ پورا نظام کائنات حرکت کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ سورج، چاند اور ستارے سبھی حرکت اور سفر میں ہیں۔ اور اُن کا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جب یہ سفر ختم ہو جائے گا تو اُن کی فنا واقع ہو جائے گی۔ بقول علامہ اقبال ؒ

چلنے والے نکل گئے ہیں جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

علامہ اقبال ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

کسان کی مثال

کسان کی زندگی محنت، کوشش اور جدوجہد کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ اپنے کھیت میں مسلسل محنت اور کوشش کرتا ہے جان کھپاتا ہے سردی گرمی کی شدت کی پرواکئے بغیر وہ سخت محنت و مشقت کرتا ہے اس کی اسی مسلسل اور انتھک محنت کے نتیجہ میں لہلہاتی ہوئی فصل اپنی بہار دکھاتی ہے اور دنیا سکھ چین کی زندگی بسر کرتی ہے۔

طالب علم کی مثال

جو طالب علم مسلسل محنت اور لگن سے اپنے آپ کو تعلیم میں مصروف رکھتا ہے وہ آخر کار اپنے مستقبل کو درخشاں بنا سکتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے خاندان کا نام روشن کرتا ہے بلکہ ملک و قوم کی عزت و شہرت کو بھی چار چاند لگاتا ہے۔ لیکن جو طالب علم محنت سے جی چراتا ہے وہ کبھی زندگی میں عزت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہے۔ تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے مثلاً ایک طالب علم کی تقدیر میں یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ وہ ڈاکٹر، انجینئر، یا کوئی بڑا افسر بنے گا۔ تو محض خواہش، یا گھر بیٹھے بیٹھے دعائیں کرتے سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دُعا کے ساتھ ساتھ تدبیر بھی کرے، حصولِ علم میں محنت اور لگن سے مصروف رہے اور پھر کئی عملی مراحل سے اپنے آپ کو گذارے تو اس کے نتیجہ میں وہ اپنا مدعا حاصل کر سکے گا۔

کیسی کوشش کیسا عمل؟

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ محض کوشش اور عمل تو ایک چور اور ڈاکو بھی کرتا ہے۔ لیکن ان کی کوشش غلط مقاصد کے لیے ہے۔ جس کے نتائج لامحالہ تباہ کن اور عبرت ناک ہیں۔ دراصل ہماری کوشش، عمل اور تدبیر بھی اچھے اور نیک مقاصد کے لئے ہونی چاہیئے۔ اگر انسان برے عمل کرے گا تو وہ اس کے برے نتائج بھگتے گا۔

خدا کی ناراضگی مول لے گا، اور یہی گویا جہنم ہے۔ لیکن جو انسان اچھے عمل کرے گا، وہ اس کے اچھے نتائج دیکھے گا، خدا اُس سے راضی ہو گا۔ اور یہی جنت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ عمل بھی کرے اور اس کا وہ عمل نیک مقصد کے لئے ہو۔ یعنی منزل درست ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کراچی جانا چاہتا ہے لیکن وہ اس گاڑی میں بیٹھ جائے جو پشاور جا رہی ہے تو اگرچہ گاڑی حرکت کر رہی ہے، لیکن وہ کبھی کراچی نہیں پہنچ سکتا۔

تعمیر پاکستان قیام پاکستان مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ ہے اسی سے اسلام اور مسلمانوں کا وجود اور مفاد وابستہ ہے۔ اسے ایک خوشحال، ترقی یافتہ اور مستحکم مملکت بنانے کے لیے ہم سب کو مل جل کر سخت محنت، کوشش اور جدوجہد کرنی چاہیئے۔ یہ اسلام کا قلعہ ہے۔ اور نہ صرف اس خطے کے مسلمانوں کا سہارا ہے بلکہ پورے عالم اسلام کی ترقی و استحکام کا ضامن ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے۔

۱۳۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ

بہت جی خوش ہوا حالیؔ سے مل کر ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

قومی شاعر مولانا الطاف حسین حالی کا شمار ہمارے قومی شاعروں میں ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کے بعد بلاشبہ انہی کا درجہ ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے ملک و ملت کی اصلاح و ترقی کے لیے بہترین کام کیا۔ اور اپنی نثر کے ذریعے بھی قوم کی بہترین خدمت سرانجام دی۔ اس لحاظ سے ہماری قومی علمی اور ادبی دنیا میں انہیں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ انہوں نے شعر و ادب کی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ جس نے آگے چل کر گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے۔ ادب کے بارے میں دو نظریے ہیں۔ "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی"۔ مولانا حالی صحیح معنوں میں نظریہ "ادب برائے زندگی" کے قائل تھے۔ ؎

مال ہے نایاب، پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں حالیؔ نے کھولی ہے دکاں سب سے الگ

ابتدائی حالات

آپ ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق انصاریوں کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ ننھیال سادات کے ایک معزز گھرانے میں تھی۔ باپ کی طرف سے اُن کا سلسلۂ نسب ایک بزرگ خواجہ ملک علی سے جا ملتا ہے جو اپنے وقت کے ایک مشہور و معروف عالم تھے۔ وہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے اور بادشاہ نے اُن کے گزارہ کے لیے کچھ گاؤں پانی پت کے قریب وقف کر دیئے تھے۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش عزت کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جب وہ فوت ہوئے تو آپ کی عمر نو برس کی تھی۔ ان کی تعلیم و تربیت کا بار ان کے بڑے بھائی اور بہن پر آن پڑا۔ دستور زمانہ کے مطابق قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد آپ نے عربی و فارسی کی رسمی تعلیم حاصل کی۔

حصولِ علم

آپ ابھی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے اور ہنوز سترہ برس کی عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ اُن کی شادی اُن کی مرضی کے خلاف کر دی گئی۔ آپ کے دل میں علم کا شوق موجزن تھا۔ چنانچہ چپکے سے گھر چھوڑ کر ۱۸۵۴ء میں دلّی چلے گئے۔ یہاں سال ڈیڑھ سال تک عربی پڑھتے رہے مگر ۱۸۵۵ء میں اپنے اعزہ کے اصرار پر پھر پانی پت واپس آ گئے اور اپنے طور پر کتب بینی کا شغل جاری رکھا۔ اس دوران حصار میں کچھ عرصہ ملازمت بھی کی لیکن جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی وجہ سے پھر اپنے گھر واپس آئے اور مزید مطالعہ و تحقیق سے اپنے علم میں اضافہ کیا۔ انہیں مصطفےٰ خان شیفتہؔ جیسے فاضل اور مشہور شاعر سے استفادہ کرنے کا بھی موقع ملا۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

حالیؔ سخن میں شیفتہؔ سے مستفید ہوں شاگرد میرزا کا مقلّد ہوں میرؔ کا

مرزا غالب کی شاگردی

آپ کی مرزا غالب سے ملاقات ہوئی اور اُن سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ مرزا غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ اور انہی کا رنگ اُن پر غالب تھا۔ قیامِ دہلی کے دوران آپ نے مرزا غالبؔ سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ مرزا غالبؔ بھی ان کی طباعی اور مستعدی کے قدر دان تھے۔

قیام لاہور

آپ ملازمت کے سلسلہ میں لاہور بھی آئے اور یہاں گورنمنٹ بکڈپو میں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی کتب کی اصلاح پر مقرر ہوئے۔ یُوں انہیں بالواسطہ انگریزی ادب سے واقفیت حاصل ہوئی اور اپنی زبان اور شاعری میں بھی اسی طرز کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔ اُس زمانے میں مولانا محمد حسین آزادؔ نے یہاں ایک نئی طرز کا مشاعرہ شروع کیا، جس میں وہ طرح مصرع" پر غزل کہنے کی بجائے کسی

موضوع پر طبع آزمائی کرنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ نیچرل یعنی فطری شاعری کی باقاعدہ ابتدا یہیں سے ہوئی۔ مولانا حالی اس مشاعرے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔
"وبرکھا رُت" "حُبِّ وطن" اور "نشاطِ اُمید" جیسی مشہور نظمیں اُسی دور کی یادگار ہیں۔
اس طرح مولانا حالی کو بجا طور پر جدید اُردو شاعری کا بانی کہا جاتا ہے۔

سرسیّد احمد خان سے ملاقات

مولانا حالی دوبارہ دہلی چلے گئے تو اُن کی ملاقات سرسید احمد خان سے ہوئی۔ وہ سرسید کی اصلاحی تحریک میں شریک ہوئے اور یوں دو دردمند دل یکجا ہو کر قوم کی اصلاح پر کمربستہ ہوئے۔
سرسید کی فرمائش پر آپ نے اپنی بہت مشہور ۶ مصرعوں والی "مسدس حالی" لکھی۔ اس نظم میں آپ نے نہایت پُردرد اور موثر انداز میں اسلام کے عروج و زوال کی داستان پیش کی ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کا احساس دلایا ہے۔ بلاشبہ مسدس حالی نے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ زمانۂ حال کی کوئی اُردو کی کتاب مقبولیت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پوری نظم میں روانی، سادگی درد اور اثر آفرینی پائی جاتی ہے۔ اس کا موضوع وہی ہے جو علامہ اقبال کی شہرہ آفاق نظم "شکوہ و جواب شکوہ" کا ہے۔ سرسید کا مسدس حالی کے بارے میں قول ہے:
"قیامت کے روز جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے ہمارے لئے کیا لائے تو کہہ دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں۔"
مولانا حالی "مسدس" کے آغاز میں لکھتے ہیں ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے ! اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

دوبارہ ملازمت

۱۸۸۷ء میں جب مولانا حالی عربی کالج میں معلم تھے، سر آسمان جاہ علی گڑھ آئے ہوئے تھے، جن سے سرسید نے ان کا تعارف کرایا اور انھوں نے ازرہ عنایت و قدردانی پچھتر روپے ماہوار نظام گورنمنٹ سے ادبی خدمات سرانجام دینے کی خاطر ان کا وظیفہ مقرر کرا دیا۔ بعد میں جب مولانا حالی علی گڑھ کالج سے حیدر آباد چلے گئے تو یہ تنخواہ سو روپے ماہوار کر دی گئی۔

ریٹائرمنٹ و وفات

ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد مولانا حالی نے پانی پت میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ۱۹۰۴ء میں آپ کو انگریزی سرکار سے شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔ آخر ستتر برس کی عمر میں ۱۹۱۴ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

سیرت و کردار

مولانا حالی قدیم دور کے یادگار زمانہ لوگوں میں تھے نہایت خوش اخلاق ملنسار، حلیم الطبع، سادہ و قناعت پسند اور سچے فدائی قوم تھے۔ دنیوی جاہ ثروت کا خیال ان کے دل میں مطلق نہ تھا۔ ان کی زندگی ایک سچے انشا پرداز کی زندگی تھی، جس نے اپنے تعلیمی و تصنیفی مشاغل کے آگے دنیوی مرتبہ و عزت کو ہمیشہ ہیچ سمجھا۔

قومی ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ایک فرشتہ سیرت انسان تھے۔ ان پر انہی کا شعر صادق آتا ہے ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

جسٹس محمود کا قول

سر سید احمد خان کے بیٹے جسٹس محمود مولانا حالی کا بیحد احترام کرتے تھے۔ اُن کا قول ہے۔

"اگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں حالی کو سجدہ کرتا"

نثری خدمات

مولانا حالی نے نثر کے میدان میں بھی بے بہا خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے شیخ سعدی، سر سید احمد خان اور مرزا غالب کے حالات زندگی اور علمی کارنامے لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے دیوان کا دیباچہ لکھا ہے، جو اس قدر مشہور ہوا کہ بعد میں علیحدہ کتابی صورت میں بار بار شائع ہوا اور "مقدمہ شعر و شاعری" نام پایا۔ اس میں آپ نے شعر و شاعری پر تنقید کر کے اس کے پرکھنے کے اصول بتائے ہیں۔ یہ آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس نے شاعری کی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ گویا مولانا حالی نے جس جدید اُردو شاعری کی بنیاد رکھی، اُس پر آگے چل کر علامہ اقبال نے ایک سر بفلک عمارت کھڑی کر دی۔ آپ نے مضامین اور خطوط بھی لکھے۔ اب یہ کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے خطوط میں بھی نجی باتیں کم اور قوم کا ذکر زیادہ ہے۔ الغرض مولانا حالی مسلمان قوم کے ایک عظیم مصلح اور محسن تھے۔ آپ کی ملی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آج بھی آپ کا پُر درد و پُر خلوص پیغام قوم کے لئے خضر راہ ہے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
کہ اُن کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی

نمونہ کلام

اب بہہ رہی گنگا کھیتوں کو دے لو پانی
کچھ کر لو نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں

سُنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

مشقّت کی ذلت جنھوں نے اٹھائی ... جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے ... نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں ... اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جاکر نظر کہاں
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ... مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ... اور اِک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

شہید ملّت لیاقت علی خان

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم

قائد ملت لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے۔ وہ قائداعظم کے دستِ راست تھے۔ اور انھوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصّہ لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستان کی بہترین خدمت انجام دی۔ پاکستان ابھی ایک نوزائیدہ مملکت تھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوا تھا۔ لیاقت علی خان نے اپنے تدبر، حسنِ انتظام اور اعلٰی کارکردگی کے باعث نہ صرف پاکستان کو سنبھالا دیا بلکہ اسے ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر استوار کر دیا۔ اس لحاظ سے آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

ابتدائی حالات

آپ یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء کو کرنال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور اس کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ اے کرنے کے بعد اعلٰی تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں برصغیر واپس آکر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے محسوس کیا کہ ہندوؤں اور انگریزوں نے گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کو اُن کے جائز حقوق سے محروم رکھا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا ایک ہی طریقہ تھا کہ سب مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔

مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری

آپ نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کو اپنی سیاسی زندگی کا نصب العین بنا لیا اور اپنی

تمام تر کوششیں اس مقصد کے لئے وقف کر دیں۔ اس وقت قائداعظم کل ہند مسلم لیگ کے صدر تھے۔ لیاقت علی خان مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور پاکستان بننے تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔

قائداعظمؒ کے معتمد ساتھی

لیاقت علی خان قائداعظمؒ کے پر اعتماد ساتھی تھے۔ قائداعظم آپ پر بہت اعتماد کرتے تھے اور آپ کے کام سے بہت خوش اور مطمئن تھے۔ دسمبر ۱۹۴۳ء کو ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

"لیاقت علی خان میرے دستِ راست ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو اور پاکستان کے قیام کے لئے دن رات کام کیا ہے۔ جو بوجھ انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے، اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔"

آپ کو ایک طویل عرصے تک قائداعظمؒ کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ وہ اُن کے رفیق اور مزاج شناس تھے۔ وہ ان کے ارادوں اور طریقوں سے واقف تھے۔ اس لیے انہوں نے پاکستان کو اسی راہ پر آگے بڑھانے کی کوششیں کی، جس پر قائداعظمؒ اسے ترقی دینا چاہتے تھے

لیاقت کا خون

آپ نے اپنی زندگی پاکستان، اسلام اور انسانیت کی خدمت کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ ایک بار آپ نے بڑے پر جوش انداز میں فرمایا تھا۔

"پاکستان کی حفاظت، عزت اور بقا کے لئے اگر خون بہانے کی ضرورت پیش آئی تو لیاقت کا خون اس میں شامل ہو گا۔"

تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے اپنا قول سچ کر دکھایا۔

قائدِ ملت

جب قائداعظمؒ فوت ہوئے تو پاکستان ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو پایا تھا۔ بعض غیر ملکی اخبارات نے یہ رائے ظاہر کی کہ پاکستان اس شدید نقصان کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ لیکن لیاقت علی خان نے پاکستانی عوام کو بددل اور مایوس نہ ہونے دیا، بلکہ ان تھک محنت، فرض شناسی اور بلند ہمتی سے انہیں ایک مرکز پر متحد کر دیا۔ قائداعظمؒ کے زریں اصول "ایمان، اتحاد اور تنظیم" ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہے۔ آپ نے خود بھی ان پر عمل کیا اور قوم کو بھی ان پر عمل کرنے کی نصیحت کی جب وہ وزیراعظم بنے تو حالات بہت ابتر تھے، لیکن آپ نے چار سال کے مختصر عرصے میں تمام انتظامات درست کر دیئے۔ پاکستان کی حفاظت کے لئے بہترین افواج تیار کیں۔ دوست ملکوں کے کامیاب دورے کر کے قوموں کی برادری میں پاکستان کا نام اونچا کر دیا۔ یوں قائداعظم نے پاکستان کی جو بنیادیں قائم کی تھیں، شہیدِ ملت نے ان پر ایک مضبوط اور مستحکم عمارت کھڑی کر دی۔

آپ کی ان خدمات کے پیشِ نظر قوم نے آپ کو "قائدِ ملت" کا خطاب دیا۔

لیاقت کا مُکا

جب بھارت کی طرف سے پاکستان پر حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو لیاقت علی خان نے اپنا مُکا ہوا میں لہرایا اُن کا یہ مُکا بہت مشہور ہوا۔ یہ دشمن کے خلاف قوم کے اتحاد، یک جہتی اور قوت کی علامت تھا۔ دشمن پر اس مُکے کا ایسا رعب پڑا کہ اسے پاکستان کے خلاف جارحیت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس وقت جنرل محمد ایوب خان پاک افواج کے کمانڈر ان چیف تھے۔ وہ اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" "اے طاہر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی" میں لکھتے ہیں:

"جب ہمارے وزیر اعظم نے دشمن کو مُکا دکھایا تو پنڈت نہرو ڈر گیا تھا، حالانکہ میرے پاس صرف تیرہ ٹینک تھے"۔

اس کا سبب واضح تھا۔ دشمن مسلمان قوم کے جذبہ جہاد سے خائف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب یہ قوم میدانِ جہاد میں اترتی ہے تو پھر پہاڑ اور سمندر بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ بقول علامہ اقبال ؒ

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

قرار دادِ مقاصد

لیاقت علی خان کے سامنے ایک اہم مسئلہ پاکستان کے نئے آئین کی تیاری کا تھا۔ مسلمانانِ پاکستان بجا طور پر یہ توقع رکھتے تھے کہ اب ان وعدوں کو پورا کیا جائے جو قیامِ پاکستان سے پہلے کئے گئے تھے۔ چنانچہ لیاقت علی خان نے ۷؍ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی کے سامنے ایک قرار داد پیش کی جو قرار دادِ مقاصد کے نام سے مشہور ہے۔ اسے پاکستان کے تمام مکاتیبِ فکر کے ۳۱ علماء نے ۲۲ نکات کی صورت میں متفقہ طور پر تیار کیا تھا۔ اس قرار داد میں وضاحت کی گئی تھی کہ:

"حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں اور ہم اپنے اختیارات ان حدود کے اندر استعمال کریں گے جن کی وضاحت قرآن و سنت میں کر دی گئی ہے۔ آئین کی بنیاد آزادی، جمہوریت، مساوات، انصاف اور رواداری کے اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کر سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے غیر مسلم باشندوں کو اپنے مذہب پر چلنے، اس کی حفاظت کرنے اور اپنی روایات کو ترقی دینے کی پوری آزادی ہوگی"۔

اس قرار داد کا پورے پاکستان میں پُرجوش خیر مقدم کیا گیا۔

قائدِ ملّت اور طلبہ

قائدِ ملّت کو طلبہ کے معاملات سے گہری دلچپی تھی۔ وہ طلبہ کو قوم کا بیش قیمت سرمایہ سمجھتے تھے۔ اور اُن سے بہت توقعات رکھتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"آپ اپنا سارا وقت علم حاصل کرنے کے لئے صرف کر دیں اور اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں علم حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیں۔ ہمیں ہر شعبہ زندگی میں ماہرین کی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے اپنا وقت علم حاصل کرنے میں صرف نہ کیا تو پاکستان کو چلانے کے لئے ایسے ماہرین نہ مل سکیں گے، جن کی ہمیں اشد ضرورت ہے" ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا،

"میں طلبہ سے کہوں گا کہ انہیں اعلیٰ کردار کا مالک بننا چاہیئے۔ کردار کی مضبوطی، دیانتداری اور خلوص وہ خوبیاں ہیں جو ہمارے محبوب قائدِاعظمؒ میں موجود تھیں۔ اور انہی خوبیوں نے انہیں دُنیا کا ایک بہت بڑا انسان بنا دیا"

دُور اندیشی و حکمتِ عملی

قائدِ ملّت لیاقت علی خان ہر معاملے میں دُور اندیشی اور حکمتِ عملی سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ایک جلسہء عام سے خطاب کر رہے تھے کہ جلسہ کے کچھ لوگوں نے احتجاج کیا اور جلسہ گاہ میں ہنگامے کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ جلسہ گاہ میں موجود پولیس صورتِ حال کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی موقع پر ذراسی بے احتیاطی صورت حال کو مزید بگاڑ سکتی تھی لیکن قائدِ ملّت نے دانش مندی سے کام لیتے ہوئے فرمایا۔

"میں پولیس کو حکم دیتا ہوں کہ وہ جلسہ گاہ سے باہر چلی جائے یہ میرا اور میرے بھائیوں کا معاملہ ہے اس میں پولیس مداخلت نہ کرے"

چنانچہ پولیس جلسہ گاہ سے باہر چلی گئی اور مکمل امن وامان ہو گیا۔

شہادت

۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کی سہ پہر کو آپ ایک جلسۂ عام سے خطاب کرنے کے لیے راولپنڈی تشریف لائے۔ ابھی آپ تقریر کے لیے کھڑے ہی ہوئے تھے اور صرف یہ الفاظ کہے تھے "برادرانِ اسلام" کہ سید اکبر نامی ایک بدبخت شخص نے آپ پر گولی چلا دی اور آپ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئے آخری وقت آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے:

"خدا پاکستان کی حفاظت کرے"

قائدِ ملّت کی زندگی ایک مجاہد کی زندگی اور ان کی موت ایک شہید کی موت تھی بقول علامہ اقبالؒ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

والدین کی اطاعت

"اور والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو" (قرآن مجید)

مقامِ والدین

حقوق دو طرح کے ہیں، حقوق اللہ و حقوق العباد۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے، وہ اگر اللہ چاہئے تو معاف کر سکتا ہے، لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتے جب تک کہ بندے یہ حقوق معاف نہ کریں۔ حقوق العباد میں سے والدین کا حق سب سے مقدم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ والدین، اولاد کی پیدائش پرورش اور دیکھ بھال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ والدین کے بغیر بچے کی صحیح پرورش اور تربیت نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ تمام جانداروں میں انسان کے بچے کی پرورش اور دیکھ بھال سب سے مشکل کام ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے اور وہ پروان چڑھنے کے لئے کئی برس تک والدین کی پرورش اور دیکھ بھال کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لئے والدین کا بڑا مقام ہے اور اُن کا درجہ خدا کے بعد دوسرا ہے۔

قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں والدین کی اطاعت خدمت اور حُسنِ سلوک پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"اور تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو اور مت جھڑکو اور اُن سے عزّت کے ساتھ بات چیت کرو"

پھر ارشاد ہوتا ہے: "اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے نیک سلوک کی ہدایت کی ہے" ایک اور موقع پر فرمایا "اور میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی"

حدیث کی روشنی میں

احادیثِ رسولؐ میں بھی والدین کی اطاعت و خدمت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"بڑے بڑے گناہ یہ ہیں خدا کا شریک بنانا۔ والدین سے بدسلوکی کرنا۔ ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا"

پھر فرمایا: "وہ شخص ذلیل ہو جائے، پھر ذلیل ہو جائے، پھر ذلیل ہو جائے۔ جس نے والدین کو۔ دونوں کو یا ایک کو۔ بڑھاپے میں پایا اور جنّت میں نہ گیا"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا:

"باپ کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے اور باپ کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے۔"

ماں کا حق

ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یا رسول اللہ! میرے حُسنِ سلوک کا سب سے بڑھ کر حق دار کون ہے؟ آپ نے تین دفعہ فرمایا: "تمہاری ماں" اور چوتھی دفعہ فرمایا: "تمہارا باپ"۔

حضرت جبرائیلؑ کی بددعائیں اور حضورؐ کی آمین

ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھتے ہوئے تین مرتبہ آمین کہا۔ صحابہ کرامؓ نے تعجب سے اس کا سبب پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ "ابھی جبرائیل میرے پاس آئے تھے۔ انھوں نے تین بددعائیں دیں اور میں نے اُن پر آمین کہا۔ پہلی بددعا یہ تھی۔ "وہ شخص تباہ و برباد ہو جس نے والدین کو بڑھاپے میں پایا اور اُن کی خدمت نہ کی" دوسری بددعا یہ تھی۔ "وہ شخص تباہ و برباد ہو جس نے رمضان شریف کے روزے پائے اور نہ رکھے"۔ تیسری بددعا یہ تھی کہ "وہ شخص تباہ و برباد ہو جس نے حضورؐ کا نام سُنا اور درود نہ پڑھا"۔

جہاد اور والدین کی خدمت

ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے جہاد کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے فرمایا۔

"کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟" وہ بولا کہ "ہاں" ارشاد فرمایا کہ جاؤ انہی کی خدمت میں جہاد (کوشش) کرو۔

ماں کے قدموں تلے جنّت

اگرچہ باپ کا بھی بڑا حق ہے۔ لیکن ماں کا حق فوقیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ماں کو بچّے کی خاطر باپ کے مقابلے میں زیادہ تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ نو ماہ تک بچے کو پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے۔ یہ عرصہ اس کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو کر بچے کو جنم دیتی ہے اور بعض عورتیں تو بچے کی پیدائش کے موقع پر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ پھر بچے کی پرورش کا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ اسی حق کے لحاظ سے ارشاد نبویؐ ہے: "جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"

بقول میر انیس ؎ "کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے"

بقول مرزا دبیر ؎ "زیرِ قدمِ والدہ فردوسِ بریں ہے"

ایک عبرت ناک واقعہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص

کی وفات کا وقت آیا تو اس کی زبان پر کلمہ جاری نہ ہوتا ہے۔ حضورؐ کو اس کی اطلاع کی گئی حضورؐ نے پوچھا "کیا اس کی ماں زندہ ہے؟ عرض کیا گیا، "وہاں"۔ چنانچہ حضورؐ نے اس کی والدہ کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئی تو حضورؐ کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بیٹے سے ناراض ہے"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لکڑیاں جمع کی جائیں اور ان میں آگ لگائی جائے اور پھر اُس کے بیٹے کو آگ میں ڈال دیا جائے"۔

اس پر ماں تڑپ اُٹھی اور عرض کرنے لگی کہ حضورؐ! اسے آگ میں نہ ڈالا جائے"۔ حضور نے فرمایا کہ "اگر تم اپنے بیٹے کو معاف نہیں کرو گی تو خدا اسے آگ ہی میں ڈالے گا"۔ اس پر اُس عورت نے اپنے بیٹے کو معاف کر دیا اور اس کے بعد اس کی زبان پر کلمہ جاری ہوا اور وہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔

خدمتِ والدین

والدین بچوں کی خدمت اور پرورش میں جو جو مصائب و تکالیف برداشت کرتے ہیں، بچوں کا فرض ہے کہ اپنی باری پر انہیں مدِنظر رکھیں۔ بالخصوص ماں کی تکلیفوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں۔ باپ اپنے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے کتنی محنت کرتا ہے۔ وہ اپنی بھوک پیاس اور آرام و آسائش پر بچے کی ضروریات کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لئے بچوں کا فرض ہے کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچیں اور والدین بوڑھے ہو جائیں تو انہیں نیک بدلا دینے کی پوری کوشش کریں۔ اس کی یہی صورت ہے کہ والدین کی خدمت کی جائے، ان سے نیک برتاؤ کیا جائے، اور نہ صرف ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے بلکہ ان کے جذبات و احساسات کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے اور ان کی پسند اور ذوق کو مدِنظر رکھا جائے۔

والدین کے رشتوں کا لحاظ

اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کے رشتہ داروں عزیزوں، دوستوں اور سہیلیوں کا لحاظ رکھے۔

رسول اکرمؐ سے کسی شخص نے پوچھا کہ والدین کی وفات کے بعد میں اُن کے ساتھ کیا نیکی کر سکتا ہوں،

آپ نے فرمایا، اُن کی بخشش کی دعا مانگو۔ اُن کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرو۔ اُن کے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور ان کے دوستوں اور سہیلیوں کی عزت کرو"۔

ارشاد نبویؐ ہے: "خالہ بھی ماں کی مانند ہے"۔

پھر ارشاد فرمایا، "آدمی کا چچا بھی باپ کی مانند ہے"۔

والدین کے لئے دعائے خیر

اولاد کا فرض ہے کہ وہ والدین کی زندگی میں اُن کے لئے دعائے خیر کرے اور وفات کے بعد اُن کے لیے مغفرت کی دُعا کرے۔ قرآن مجید میں ہمیں یہ دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا"

یہ دعا نماز کا مستقل حصہ ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ یعنی اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی"

ایک ضروری وضاحت

والدین اگرچہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی اُن سے حُسنِ سلوک کرنا چاہیئے۔ لیکن والدین کی اطاعت اس حد تک کرنی چاہیئے کہ اس سے خُدا اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی نہ ہو۔ اگر والدین کوئی حکم خلافِ شریعت دیں، تو پھر ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے، جس کا تجھے کچھ علم نہیں،

تو اُن کا کہا نہ ماننا۔ ہاں دنیا (کے کاموں) میں اُن کا اچھی طرح ساتھ دینا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کا واقعہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ مشہور صحابیٔ رسول ؐ تھے، آپ فاتح ایران تھے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اُن کی کافرہ ماں نے دھمکی دی کہ جب تک تو اسلام کو ترک نہ کرے گا، نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ یونہی بھوکی پیاسی رہ کر جان دے دوں گی انہوں نے ماں سے کہا: اگر آپ کی ایسی ایسی ہزار جانیں بھی ہوتیں اور وہ سب ایک ایک کر کے نکل جاتیں، تب بھی میں اپنے مذہب سے علیحدگی نہ کرتا۔" آخر ان کے اس استقلال پر وہ کھانے پینے لگ گئیں۔ اسی واقعہ پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔

علامہ اقبال کا خراج عقیدت

علامہ اقبال نے اپنی شہرہ آفاق کتاب بانگ درا، میں اپنی والدہ کی وفات پر ایک نظم لکھی ہے: "والدہ مرحومہ کی یاد میں" اس نظم میں آپ نے فلسفۂ موت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی والدہ سے گہری محبت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

کس کواب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟ کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار!
خاکِ مرقد پر تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا!
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

میری پسندیدہ کتاب

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو اِس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

اپنی اپنی پسند اور ذوق

مطالعہ کتب ایک ایسا شوق اور شغل ہے جو ہر صاحبِ علم کی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے۔ لیکن مختلف کتب تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے مطالعہ کے لئے عمر نوح بھی ناکافی ہے اس لئے لامحالہ ان کتب میں سے اپنی پسند اور ذوق کے مطابق انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ اب ہر شخص کی پسند اور ذوق الگ ہے۔ کتاب کا انتخاب کرتے وقت ایک تو ہمیں اپنی پسند اور ذوق کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اور دوسرا یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کتاب کہاں تک مفید اور کارآمد ہے۔ صحیح کتاب کا انتخاب زندگی کو سنوار سکتا ہے اور غلط انتخاب زندگی کو برباد بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے جس طرح دوستوں کے انتخاب میں احتیاط ضروری ہے، اسی طرح کتابوں کے انتخاب میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

عالمگیر اور دائمی کتاب

کسی مفکر کا قول ہے: "کچھ کتابیں محض چکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ کچھ نگلنے کے لئے ہوتی ہیں۔ اور صرف چند کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں خوب خوب چبا چبا کر ہضم کرنا ہوتا ہے" علامہ اقبال نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قرآن مجید

"ایسی کتاب صدیوں کے بعد وجود میں آتی ہے جس کا ایک ایک لفظ خوب غور سے پڑھنے کے قابل ہوتا ہے" قرآن مجید ایک ایسی ہی دائمی عالمگیر اور آفاقی کتاب ہے۔ یہ زمان و مکاں کی حدود سے ماوراء ہے۔ یہی میری پسندیدہ کتاب ہے۔ آئندہ سطور میں مجھے یہ واضح کرنا ہے کہ میری پسند کے اسباب

کیا ہیں اور یہ کتاب کن خصوصیات کی حامل ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!

سرچشمۂ رشد و ھدایت

قرآن مجید بنی نوعِ انسان کے لیے رشد و ھدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ علم و حکمت کی کتاب ہے افراد و اقوام کی اصلاح و فلاح اور نجات کے لئے اس میں رہنما اصول بیان ہوئے ہیں، جن پر عمل کر کے عرب قوم جو اس وقت تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھی، انسانیت کے اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوئی اور قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیت کو ختم کر کے بہترین اسلامی معاشرے اور عظیم ترین اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔ قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے جس پر عمل کر کے انسان دین و دُنیا میں سرخروئی حاصل کر سکتا ہے اور منصبِ خلافت پر صحیح معنوں میں فائز ہو سکتا ہے۔ بقول مولانا حالی ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا! اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
عرب جس پر قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

عالمگیر کتاب

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں کسی ایک خاص ملک یا خاص قوم کے لوگوں کے لئے تھیں، لیکن قرآن مجید پوری دنیائے انسانیت کے لیے پیغامِ ہدایت ہے۔ یہ کلام پاک یٰاَیُّھَا النَّاسُ (اے لوگو!) کا خطاب کر کے تمام انسانوں کو ھدایت کا پیغام دیتا ہے۔ یہ قیامت تک کے لئے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے مکمل راہِ ہدایت ہے۔ یہ ایک عالمگیر کتاب ہے۔ جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر ملک میں قابلِ عمل ہیں۔ اس کتاب کی تعلیمات فطری ہیں اس لیے کہ ہر دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے، جیسے یہ اسی کے دور کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ خالقِ کائنات کا کلام ہے اور وہ اپنی مخلوق کی ضروریات، تقاضوں اور نفسیات کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

حفاظتِ قرآن

قرآن مجید سے پہلے جس قدر آسمانی کتب نازل ہوئیں، ان میں اس قدر رد و بدل ہو چکا ہے کہ اب یہ معلوم کرنا محال ہے کہ ان میں کونسی بات خدا کی طرف سے ہے اور کونسی انسان کی خود ساختہ! لیکن اس کے مقابلے میں قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو آج بھی بعینہٖ اُسی صورت میں موجود ہے جس صورت میں یہ رسول اکرمؐ پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے ایک لفظ، بلکہ حرف یا شوشے

میں بھی ذرا فرق نہیں آیا- ہم پورے اطمینان سے یہ بات کہہ سکتے یہ خالص اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

یعنی بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اُتاری ہے- اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں-

اسی حفاظتِ قرآن کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ دُنیا میں لاکھوں حفظ قرآن ہیں یہاں تک کہ کم سن بچوں کے سینوں میں بھی یہ کتاب محفوظ ہے-

انقلاب آفریں کتاب

قرآن مجید ایک انقلاب آفریں کتاب ہے- پُورا قرآن مجید پڑھ جایئے- آپ کو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی، جس میں آداب غلامی سکھائے گئے ہوں- اس کے برعکس یہ اپنے ماننے والوں کو سراسر اصولِ جہانگیری و حکمرانی سکھاتی ہے- بقول علامہ اقبال ؎

ان بیچاروں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں بندوں کو غلامی کے طریق !

یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے- اس کے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لاکھڑا کیا اور اس کے خلاف اس سے آواز اُٹھوائی اور وقت کے علمبرداران کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لڑا دیا- گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ لائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا- گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اُٹھایا اور حامیانِ حق سے ان کی جنگ کرائی- ایک فرد واحد کی پکار سے اپنے کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پُورے ۲۳ سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی، اور حق و باطل کی اس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے-

ادبی شاہکار

قرآن مجید وضاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک ادبی شاہکار ہے- اس میں پہاڑوں کا جلال، سمندروں کا تلاطم، دریاؤں کی روانی، بجلی کی تڑپ سحر آفرینی اور جواہرات کی مرصع کاری ہے- عربوں کو خطابت اور شعر و شاعری پر بڑا فخر اور ناز تھا اور وہ اپنے مقابلے میں دوسرے ملکوں کو عجم یعنی گونگا کہہ کر پکارتے تھے- لیکن جب قرآن مجید نازل ہوا تو اس کی بے پناہ فصاحت و بلاغت کے سامنے ان سب کی

زبانیں گنگ ہوگئیں اور کوئی بڑے سے بڑا عالم، مقرر، خطیب یا شاعر اس جیسا کلام پیش نہ کر سکا۔ قرآن مجید نے چیلنج دیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔ لیکن آج تک کوئی شخص اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے؟ قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے ظاہر ہے مخلوق اپنے خالق کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے؟ جب سورۃ الکوثر نازل ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا۔ ایک بہت بڑے عرب شاعر لبید نے اسے دیکھا تو دیدہ بیٹے حیرت میں گم ہو کر رہ گیا اور وہیں دیوار پہ لکھ دیا۔ مَاھٰذَا کَلَامُ الْبَشَرُ (یعنی یہ کسی انسان کا کلام نہیں)۔

جامع کتاب

پہلی آسمانی کتابوں میں سے کچھ کتابیں صرف اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں بعض صرف مناجات اور دعاؤں کا مجموعہ تھیں۔ کچھ صرف فقہی مسائل کا مجموعہ تھیں۔ بعض میں صرف عقائد کا بیان تھا اور بعض صرف تاریخی واقعات کا مجموعہ تھیں لیکن قرآن مجید ایسی جامع کتاب ہے۔ جس میں ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں اخلاقی تعلیمات بھی ہیں اور عقائد و اعمال کا بیان بھی ہے۔

شرف انسانیت

قرآن مجید نے انسانیت کو اس کا صحیح مقام بخشا۔ بنی نوع انسان کو امن و سلامتی کا پیغام اور حریت و مساوات کا درس دیا۔ کالے اور گورے، عربی اور عجمی کا فرق ختم کر دیا۔ حسب و نسب کی بنا پر معاشرے میں قائم شدہ امتیازات کو ختم کر کے شرافت اور عظمت کی بنیاد صرف تقویٰ اور خوفِ خدا پر رکھی۔ قرآن مجید نے عدل اور بے لاگ انصاف کا درس دیا۔ صرف اپنوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ غیروں اور دشمنوں کے ساتھ بھی۔

عُمرؓ سے فاروق اعظمؓ

حضرت عمرِ فاروقؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ اِسی کتابِ ھدایت کا اثر تھا، جس نے حضرت عمرؓ کی زندگی کو یکسر بدل دیا۔ وہ عمرؓ جو اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ اور ان کے باپ انہیں جھڑکا کرتے تھے اور یہ قوت و عزم میں قریش کے متوسط لوگوں میں سے تھے۔ یہ وہی عمرؓ ہیں جو اسلام قبول کر لینے کے بعد تمام عالم کو اپنی عظمت و صلاحیت سے متحیر کر دیتے ہیں علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ایک دِلچسپ سفر

سفر کی اہمیّت ہر انسان کو اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی ضرور سفر سے واسطہ پڑتا ہے۔ سفر کو وسیلۂ ظفر یعنی کامیابی کا ذریعہ بھی کہا گیا ہے اور سقر یعنی جہنم یا عذاب بھی۔ قدیم دور میں سفر واقعی سقر تھا، لیکن آجکل تو جدید ذرائع آمدورفت کے باعث سفر بہت آسان اور آرام دہ ہو گیا ہے۔ پھر بھی گھر گھر ہے اور سفر سفر۔ سفر میں اگرچہ کچھ تکالیف بھی ہوتی ہیں، لیکن یہ اپنے اندر بہت سی دلچسپیاں بھی رکھتا ہے اور پھر مختلف چیزوں کے مشاہدے اور لوگوں کے میل جول سے انسان کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ایک سفر کا حال یوں تو مجھے کئی مرتبہ سفر کرنے کا موقع ملا ہے۔ لیکن ایک سفر ایسا ہے جسے ناقابلِ فراموش کہا جا سکتا ہے اور جس کی یاد کے نقوش ہمیشہ میرے دل پر ثبت رہیں گے۔ یہ تیسرے درجے میں ریل کا ایک دلچسپ سفر ہے جو مجھے اپنے ایک دوست کے ہمراہ لاہور سے رحیم یار خان تک کرنا پڑا آجکل لوگ زیادہ تر بسوں پر ہی سفر کرتے ہیں اور ریل کے سفر کا رواج کچھ کم ہو گیا ہے۔ عام طور پر ریل کے سفر کو شاہی سفر کہا جاتا ہے اور واقعی اس میں کچھ مبالغہ بھی نہیں ہے اور پھر ریل کے سفر میں حادثات کے مواقع کم ہوتے ہیں۔ بہر کیف یہ ایک عجیب اور دلچسپ سفر تھا۔ آپ بھی اس کا حال سنیئے اور حظ اٹھائیے۔

اسٹیشن پر پہنچنا ہم نے اس سفر کی تیاری کے مراحل طے کئے اور کچھ مختصر سا ضروری سامان ساتھ لیا۔ ہم نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور آدھ گھنٹے میں لاہور اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ لاہور کا ریلوے اسٹیشن ایک منفرد خصوصیت اور شان رکھتا ہے۔ یہ قدیم اور درخشاں روایات کا حامل ہے۔ اسٹیشن پر قلیوں کا بے تحاشا ہجوم تھا۔ انہوں نے ہماری طرف سامان اٹھانے کے لئے رجوع کیا لیکن ہم نے اپنی مدد آپ کے تحت یہ کام خود ہی سرانجام دیا۔ ہم نے ٹکٹ خریدے اور متعلقہ پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔

ریلوے اسٹیشن کا منظر معلوم ہوا کہ پسنجر ٹرین آدھ گھنٹہ لیٹ ہے پلیٹ فارم پر گویا انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

گرمی اتنی شدید تھی کہ ہم پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ پنکھوں کے نیچے خاص طور پر بڑا ہجوم تھا۔ ہم بھی ایک پنکھے کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ خوانچہ فروشوں نے جگہ جگہ ڈیرے جما رکھے تھے۔ ہر طرف ٹھنڈے مشروبات کا دور دورہ تھا۔ اور چائے نوش کرنے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ کچھ لوگ بک سٹال پر کھڑے مطالعہ کے ذریعے وقت گزار رہے تھے قلی مسافروں کا سامان لا لا کر پلیٹ فارم پر رکھ رہے تھے۔ اور عجیب افراتفری کا عالم تھا

گاڑی کی آمد

آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ پلیٹ فارم کی ہنگامہ پرور فضا میں ایک طوفانی گرج سنائی دی اور دیکھتے ہی دیکھتے پسنجر ٹرین چھک چھک کرتی ہوئی پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی۔ قلی گاڑی کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکے۔ گاڑی اسٹیشن پر آن کھڑی ہوئی، مسافروں کا بپھرا ہوا سیلاب گاڑی کی طرف اُمڈ پڑا اور ایک کہرام سا مچ گیا۔ اُترنے اور چڑھنے میں دھکم پیل ہونے لگی۔ آنے والے مسافر سامان نیچے لڑھکا رہے تھے۔ اور جانے والے مسافر سامان اندر ٹھونس رہے تھے عجیب نفسانفسی کا عالم تھا۔ ہم بھی بمشکل تمام گاڑی میں سوار ہوئے۔

سیٹ کی دِقّت

گاڑی میں سوار ہوئے تو ڈبّے میں بے پناہ بھیڑ تھی۔ سامان کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور مسافر سیٹوں کے لئے آپس میں اُلجھ رہے تھے۔ ہم کچھ عرصہ سامان کے پاس کھڑے رہے اور گاڑی چلنے کا انتظار کرنے لگے۔ آخر خدا خدا کر کے گاڑی نے سیٹی بجائی اور کافی لوگ جو اپنے عزیزوں اور دوستوں کو گاڑی پر بٹھانے کے لئے آئے تھے۔ نیچے اُتر گئے۔ اب گاڑی حرکت میں آچکی تھی اور ہمیں کچھ تگ و دو کے بعد سیٹ مل گئی اور اپنا سامان سیٹ کے نیچے رکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ اب گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔

مشاہدہ مناظر

ہماری سیٹ اتفاق سے کھڑکی کے پاس تھی، اس لئے مختلف بیرونی مناظر آسانی کے ساتھ دیکھے جا سکتے تھے۔ ہم اپنے سامنے ہرے بھرے کھیت دیکھ رہے تھے۔ مویشی چراگاہوں میں چر رہے تھے۔ فضا میں پرندے اڑ رہے تھے۔ ساری زمین گردش کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہماری گاڑی نہایت تیز رفتاری سے پلوں، باڑوں، جھاڑیوں، کھیتوں، ٹیلوں اور وسیع و عریض میدانوں پر سے گزر رہی تھی۔ کبھی ہم کچے گھروں پر مشتمل گاؤں کا مشاہدہ کرتے اور دیہاتیوں کو گاڑی کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھتے کبھی دیہات سے باہر کھیلتے ہوئے بچے نظر آتے۔ کبھی ہم کوئی چھکڑا آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے دیکھتے۔ الغرض اس قسم

کے مختلف مناظر پلک جھپکتے میں ہماری نظروں سے گزر رہے تھے۔

لطیفہ گوئی ریل کے ڈبے میں بیٹھے ہوئے ہمسفر ساتھی اب ہم سے گھل مل چکے تھے اور سب ایک دوسرے کو طرح طرح کے لطیفوں اور چٹکلوں سے محظوظ کر رہے تھے۔ یہ سفر کی بوریت کو کم کرنے کا اچھا طریقہ ہے۔ میں نے کہا کہ بزرگو اور بھائیو! ہمیں صرف ایسے لطیفے اور چٹکلے سنانے چاہئیں، جن کا تعلق گاڑی سے ہو۔ ایک صاحب بولے کہ ٹھیک ہے، میں آپ کو ایسا ہی ایک لطیفہ سناتا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ ایک آدمی گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی بھوت دیکھا ہے؟ اس شخص نے جواب دینے کے لئے سر اٹھایا تو دیکھا کہ سوال کرنے والا شخص غائب تھا۔ سب اس لطیفے سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ لطیفہ گوئی کے بعد حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ ہونے لگا۔ ہر شخص اپنی اپنی رائے کا پوری آزادی کے ساتھ اظہار کر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے عوام، سیاسی شعور نہیں رکھتے، وہ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اب دیکھئے گاڑی میں بھی سیاست چل رہی تھی۔ اور اس کی رفتار گاڑی کی رفتار سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ہم بھی اپنی بساط کے مطابق اس گرما گرم بحث میں حصہ لے رہے تھے۔

ایک مسافر کا واویلا ابھی یہ سیاسی بحث جاری تھی کہ ایک کونے سے شدید قسم کی چیخ پکار سنائی دی۔ ایک مسافر بری طرح واویلا کر رہا تھا کہ لوگو! میں لٹ گیا! کسی نے میری روپوں کی تھیلی چرا لی ہے، یہ میرے خون پسینے کی کمائی تھی ہائے میں کیا کروں، کہاں جاؤں، ڈبے میں بیٹھے ہوئے تمام مسافر اس کی چیخ پکار سن کر بہت پریشان ہوئے اور وہ اُسے تسلی اور دلاسا دینے لگے۔ لیکن اُسے کسی پہلو چین نہ آتا تھا۔ آخر سب مل کر اس کی تھیلی ڈھونڈنے لگے۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد آخر کار وہ تھیلی اُسی مسافر کے صندوق کے نیچے سے برآمد ہو گئی۔ اُسے پا کر اُسے قرار آیا اور باقی مسافروں نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔

بغیر ٹکٹ مسافر اچانک ایک ٹکٹ کلکٹر ہمارے ڈبے میں داخل ہوا۔ اور مسافروں کے ٹکٹ چیک کرنے لگا۔ ایک مسافر جو بغیر ٹکٹ سفر کر رہا تھا، چپکے سے کھسکا اور بیت الخلاء میں گھس ہو گیا اور اس وقت باہر نکلا، جب ٹکٹ کلکٹر جا چکا تھا۔ وہ اپنے اس کارنامے پر بہت فخر کر رہا تھا۔ ایک اور موقع پر بھی وہ اسی طرح بچ نکلا۔ لیکن آخر کار

پکڑا گیا اور اُسے ریلوے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

تمباکو نوشی

گاڑی میں تمباکو نوشی کی ممانعت ہے۔ ہر ڈبے میں لکھا ہوتا ہے "نو سموکنگ" یعنی سیگریٹ نوشی منع ہے، لیکن ہم نے دیکھا کہ لوگ دھڑلے سے سیگریٹ کے کش پر کش لگا رہے تھے۔ اور بعض دیہاتی مسافر تو حقہ نوشی کا شغل یوں کر رہے تھے، گویا وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آخر آزادی بھی تو کوئی شے ہے! یہ کیا کہ انسان ہر وقت قواعد وضوابط اور قانون کے شکنجہ میں جکڑا رہے! بہر حال یہاں اصول اور ضابطے بُری طرح پامال ہو رہے تھے۔

گاڑی روکنی پڑی

ہمارے سامنے ایک بچہ کھڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا پرس سے کھیل رہا تھا۔ وہ پرس کو اپنی انگلی پر گھما رہا تھا۔ کہ اس دوران پرس کھڑکی میں سے گر پڑا۔ بچے کے باپ کو اب ہوش آیا۔ وہ واویلا کرنے لگا کہ پرس میں میرے پانچ سو روپے تھے۔ لوگو! میری مدد کرو۔ اس کی چیخ و پکار سن کر میں جلدی سے اٹھا اور چھت کے قریب لگی ہوئی زنجیر کھینچ دی۔ گاڑی رُک گئی۔ ایک ریلوے ملازم اندر آیا اور پوچھا! وہ زنجیر کس نے اور کیوں کھینچی ہے؟ اُسے صورتِ حال سے مطلع کیا گیا اور وہ مطمئن ہو گیا۔ پرس والا مسافر نیچے اترا اور اپنا پرس واپس لے آیا۔

رات کا کھانا

اب گاڑی پھر رواں دواں تھی۔ ہم خانیوال اسٹیشن پر پہنچے تو رات کے کھانے کا پروگرام بنایا۔ میرا دوست نیچے اُترا اور کچھ نان کباب لے آیا اور اس طرح ہم نے پیٹ پوجا کی۔ یہ کھانا کیسا تھا؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال ضرورت اور وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اب ہم کچھ دیر ستانے کے لئے لیٹ گئے۔

سمہ سٹہ کی چائے

ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رُکی۔ معلوم ہوا کہ یہ سمہ سٹہ ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہ جنکشن اسٹیشن ہے اور یہاں گاڑی کافی دیر ٹھہرتی ہے۔ ہم نے یہاں چائے نوشی کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ایک چائے والے کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اُس نے چائے پیش کی اور ہم نے نوش کی نام کو تو چائے ہی تھی۔ لیکن آپ اسے اُبلا ہوا پانی، جو شاندہ یا کافی اور قہوے کی کوئی درمیانی چیز کہہ سکتے ہیں یہ دودھ اور چینی کے تکلف سے آزاد چائے تھی۔ لیکن آخر یہ سفر تھا۔ گھر تھوڑا ہی تھا! جی کڑا کر کے پی گئے اور صبر کر کے رہ گئے۔

منزلِ مقصود اب ہم دوبارہ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ ہم نے اپنے ہمسفروں کو بتا دیا تھا کہ ہمیں رحیم یار خان پہنچ کر آگاہ کر دینا۔ چنانچہ ہمیں بروقت بیدار کر دیا گیا۔ گاڑی رحیم یار خان اسٹیشن پر پہنچ چکی تھی۔ ہم گاڑی سے اُترے، یہ صبح صادق کا وقت تھا، اس لئے اسٹیشن پر زیادہ بھیڑ نہ تھی۔ ہم اسٹیشن سے باہر آئے، رکشا کرائے پر لیا اور اپنی منزلِ مقصود کی طرف چل دیئے۔ اس یادگار سفر کو ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے

دیہاتی اور شہری زندگی

تمہید شہر ہوں یا دیہات ان دونوں کے ملنے سے کسی ملک کا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ دیہاتی زندگی کی اپنی خصوصیات ہیں اور شہری زندگی کی اپنی خصوصیات۔ دونوں کے روشن پہلو بھی ہیں اور تاریک بھی! پاکستان کی ستر فی صد آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ جب کہ صرف تیس فی صد لوگ شہروں میں رہتے ہیں۔ دیہاتی اور شہری لوگوں کا ماحول اور ان کا رہن سہن ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور دونوں کے مسائل بھی الگ الگ ہیں۔ اس مضمون میں دیہاتی اور شہری زندگی کی نمایاں خصوصیات الگ الگ بیان کی جاتی ہیں۔

دیہات کے روشن پہلو

حُسنِ فطرت دیہات میں حُسنِ فطرت کی فراوانی ہوتی ہے۔ فطرت کو اپنے اصلی روپ میں دیکھنا ہو تو گاؤں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ "دیہات خدا نے بنائے اور شہر انسان نے" خاص طور پر دیہات کے صبح و شام کے مناظر قابلِ دید ہیں۔ صبح کا منظر دلفریب ہوتا ہے۔ مگر شام کا منظر بھی اپنے اندر کچھ کم کشش نہیں رکھتا۔ یہ مناظر اس قدر دلفریب ہوتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ انسان دیکھتا چلا جائے ؎

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

لہلہاتے ہوئے کھیت، ہرے بھرے سایہ دار درخت، کھلی فضا اور تازہ ہوا گاؤں والوں کے لئے قدرت کا ایک بہت بڑا عطیہ ہیں۔

بقول احسان دانشؔ ؎

واہ رے، دیہات کے سادہ تمدن کی بہار
سادگی میں بھی۔ ہے کیا کیا تیرا دامن زرنگار

پُرسکون ماحول دیہات کا ماحول بہت پُرسکون ہوتا ہے۔ یہ خداداد چیز ہے۔ شہر کے لوگ شہر کی ہنگامہ پرور زندگی سے اکتا کر سکونِ قلب کی تلاش میں بالعموم دیہات کا رُخ کرتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

شورش سے بھاگتا ہوں، دِل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

صحت مندانہ ماحول دیہات کا ماحول صاف ستھرا اور صحت مندانہ ہوتا ہے۔ دیہاتی لوگ کھلی فضا اور سادہ مکانات میں رہتے ہیں۔ محنت مشقت کرتے ہیں۔ تازہ ہوا اور خالص غذا کھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شہری لوگوں کی نسبت زیادہ توانا اور صحت مند ہوتے ہیں۔ کسی کو بلڈ پریشر کی بیماری نہیں، نہ کوئی شوگر کا مریض ہے۔

سادگی و خلوص دیہاتی لوگ بہت سادہ اور مخلص ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی میں تکلف، بناوٹ، ریاکاری، مکروفریب اور دکھاوا نہیں ہوتا۔ وہ خلوص اور صاف دلی کا پیکر ہوتے ہیں۔ وہ بالکل صاف نیت اور سیدھے سادھے ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں کوئی اینچ پیچ نہیں ہوتا۔

قناعت پسندی دیہاتی لوگ قناعت پسند ہوتے ہیں۔ وہ طمع، لالچ اور حرص وہوا سے دُور ہوتے ہیں۔ وہ اپنی قسمت پر صابر و شاکر رہتے ہیں اور اسی لیے اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اخوت و محبّت گاؤں کے لوگ اخوت و محبّت کے نمونے ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے دلی محبّت کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ پُورا گاؤں گویا ایک خاندان ہوتا ہے۔ گاؤں کی زندگی میں ایک شخص کے غم کو سب کا غم اور ایک شخص کی خوشی کو سب کی خوشی سمجھا جاتا ہے۔

مہمان نوازی گاؤں کے لوگ بہت ملنسار اور مہمان نواز ہوتے ہیں جب اُن کے

ہاں کوئی مہمان آتا ہے تو بیحد خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنی بساط سے بڑھ کر اس کی خاطر مدارات کرتے ہیں۔

محنت و مشقت دیہاتی لوگ سستی اور کاہلی سے کوسوں دُور ہوتے ہیں وہ سخت محنت اور مشقت کے عادی ہوتے ہیں چنانچہ کسان کی محنت ضرب المثل ہے۔ وہ محنت و مشقت سے اناج اُگاتے ہیں اور وہی اناج دُنیا کی خوراک بنتا ہے۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دُنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دُنیا

دیہات کے تاریک پہلو

جہالت دیہاتی زندگی کا سب سے تاریک پہلو جہالت ہے جو ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ دیہاتی لوگ علم کی روشنی اور اس کی برکتوں سے محروم ہوتے ہیں اور یہی اُن کی سب سے بڑی محرومی ہے۔ جب تک ہمارے دیہات میں تعلیم کو فروغ حاصل نہیں ہوتا۔ ہم دیہی ترقی و خوشحال کا خواب نہیں دیکھ سکتے۔

فضول رسمیں دیہات کے لوگ بالعموم لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ رسم و رواج کی ناجائز حد تک پابندی کرتے ہیں۔ اپنے خون پسینے کی کمائی بیاہ شادی کی فضول رسموں اور مقدمہ بازی میں برباد کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح روپے پیسے کے ساتھ اپنا قیمتی وقت بھی ضائع کرتے ہیں۔

تعصب و تنگ نظری دیہات کے لوگ بالعموم متعصب اور تنگ نظر ہوتے ہیں۔ اُن میں فراخدلی اور وسعتِ نظری کا فقدان ہوتا ہے۔ قدامت پسندی کی وجہ سے اُن کے خیالات، نظریات اور عقائد واضح نہیں ہوتے بلکہ ان میں ہٹ دھرمی اور الجھاؤ کا عمل دخل ہوتا ہے۔

ضروریاتِ زندگی کی دِقت دیہات میں اگر کوئی شخص بیمار پڑ جائے تو اُسے کسی قسم کی طبّی سہولت میسر نہیں آتی۔ دیہاتی لوگ اکثر اپنی بیماری کا علاج ٹونے ٹوٹکے سے کراتے ہیں۔ اور خاص طور پر کسی سنگین قسم کی بیماری میں تو مریض ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتا ہے اور وہ اِسے تقدیر کے سر تھوپ دیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو آمد و رفت کے لئے وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور کاروبارِ زندگی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

صنعتی ترقی شہروں میں کارخانے، فیکٹریاں اور دیگر صنعتی و فنی ادارے عام ہوتے ہیں۔ شہر کے لوگ ان کارخانوں اور اداروں میں کام کرتے ہیں اور اس طرح ملک صنعتی لحاظ سے ترقی کرتا ہے۔ اور ملک کی فی کس آمدنی میں سے اضافہ ہوتا ہے۔

تفریحی سہولتیں شہروں میں مختلف قسم کی تفریحی سہولتیں مثلاً سینما، تھیٹر، ریڈیو، ٹی۔وی، پارک اور باغات عام ہوتے ہیں اور لوگ جب کام سے اُکتا جاتے ہیں تو ان تفریحات سے اپنا دل بہلا سکتے ہیں۔ اور غم زندگی سے کافی حد تک نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

رفتارِ ترقی آج کی دُنیا نہایت تیزی سے ترقی کے مراحل طے کر رہی ہے۔ شہر کے لوگ رفتارِ زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے ترقی کی اس دوڑ میں شریک رہتے ہیں۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی ترقی کے نئے نئے راستے کھلتے ہیں۔

احساسِ تحفظ چونکہ شہروں میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کا بہتر انتظام ہوتا ہے۔ اس لئے لوگ جان، مال اور آبرو کے تحفظ کے بارے میں فکرمند نہیں ہوتے۔

شہر کے تاریک پہلو

شور و ہنگامہ شہر کا ماحول دیہات کی طرح پُرسکون نہیں ہوتا۔ یہاں کی ہوا ٹریفک کے شور سے بوجھل اور کارخانوں کے دھوئیں سے کثیف رہتی ہے۔ کارخانوں، فیکٹریوں اور ٹریفک وغیرہ کے شور و غل کی وجہ سے شہریوں کو سکون کے لمحات کم ہی میسر آتے ہیں اور وہ دل جمعی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ بقول خوشی محمد ناظرؔ:

ہے شہر میں غل اور شور بہت اور حرص و ہوا کا زور بہت

رہائش کا مسئلہ شہروں میں رہائش کا مسئلہ بہت سنگین ہوتا ہے آبادی کے لحاظ سے مناسب رہائشی سہولتوں کا فقدان ہوتا ہے۔ کرائے پر مکان نہیں ملتے اور اکثر لوگ تنگ و تاریک اور غلیظ مکانوں میں

ذرائع آمدورفت کی دِقّت

ذرائع آمدورفت کی سہولت میّسر نہ ہونے کے باعث دیہات بالعموم شہروں سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں اپنا غلّہ شہر کی منڈیوں میں پہنچانے میں سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور دیگر ضروریات کے سلسلے میں بھی سخت دِقّت اُٹھانی پڑتی ہے۔ نتیجتہً وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہتے ہیں۔

عدم تحفّظ

اکثر دیہات پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے دور ہوتے ہیں، اس لئے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے سلسلے میں دیہاتیوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ دیہات میں آئے دن مختلف قسم کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔

شہر کے روشن پہلو

تعلیمی سہولتیں

شہروں میں تعلیمی سہولتیں عام ہوتی ہیں۔ شہری لوگ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور انہیں اپنے بچّوں کو بہتر سے بہتر تعلیم دلانے کے مواقع میّسر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں شہروں میں علم کا عام چرچا ہوتا ہے اور ہر شخص علم و فن سے مستفید ہو سکتا ہے۔

ضروریاتِ زندگی کی فراہمی

شہروں میں عام ضروریاتِ زندگی باآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اور ہر شخص روزمرّہ کی ضروریات اور زندگی کی عام سہولتوں اور آسائشوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور اس طرح وہ اپنی زندگی زیادہ پرسکون اور آرام دِہ گزار سکتا ہے۔

طبّی سہولتیں

بیماری کی صورت میں شہروں میں طبّی سہولتیں عام ہوتی ہیں۔ یہاں اچھے سے اچھے ڈاکٹر اور حکیم میّسر آجاتے ہیں اور پھر ہسپتالوں اور شفاخانوں کی سہولت بھی میّسر ہوتی ہے۔ آجکل چونکہ بیماریاں عام ہو گئی ہیں اس لئے شہروں میں ان کے علاج معالجے کے لئے مواقع بھی عام ہیں۔

روزگار کی فراہمی

ملازمت اور کاروبار کے مواقع بھی زیادہ تر شہروں ہی میں ملتے ہیں۔ اس طرح یہاں روزگار کا مسئلہ بہتر طور پر حل ہو سکتا ہے۔ اس سے لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے۔

بہتر ذرائع آمدورفت

شہروں میں بہتر ذرائع آمدورفت میّسر ہوتے ہیں۔ اس

میں رہتے ہیں۔ جس سے ان کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث پینے کے پانی، تعلیمی وطبّی سہولتوں کی کمی وغیرہ سنگین مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔

پرتکلّف زندگی شہری لوگ اپنے رہن سہن میں بالعموم تکلف اور نمائش کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خود کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان کی ضروریات زندگی بے تحاشا بڑھ جاتی ہیں۔ اور یہی چیز ان کے سکونِ قلب کو غارت کر کے رکھ دیتی ہے۔ ؎

اے ذوقؔ! تکلف میں ہے تکلیف سراسر
اچھے ہیں وہ لوگ جو تکلف نہیں کرتے

مشینی زندگی شہروں کی زندگی مشینی قسم کی ہوتی ہے عجب نفسا نفسی کا عالم ہوتا ہے۔ یہاں باہمی ہمدردی اور ایک دوسرے کے دکھ کا احساس کم ہی ہوتا ہے۔ فراغت اور مل بیٹھنے کا موقع کم ہی ملتا ہے۔ ہر شخص مشین کے کل پرزے کی طرح رواں دواں نظر آتا ہے۔ بیکن کا کہنا بجا ہے کہ "جتنا بڑا شہر ہو اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے۔"

حاصلِ کلام الغرض دیہاتی اور شہری زندگی کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔ ہر ایک کے روشن پہلو بھی ہیں اور تاریک بھی! ضرورت اس بات کی ہے کہ دیہی ترقی کی طرف بھی توجہ دی جائے اور شہری زندگی کے مسائل بھی حل کئے جائیں، تاکہ ہمارے دیہات اور شہر دونوں مل کر ملک وقوم کی ترقی وخوشحالی کا باعث بن سکیں۔

کالج لائبریری

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو　　اِس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

ضرورت واہمیت کالج میں ایک معیاری لائبریری کا ہونا ایک لازمی امر ہے اس کے بغیر تعلیم کا مقصد اور تدریس کا نظام ادھورا اور نامکمل رہتا ہے۔ کتب خانہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے اہم اور ناگزیر ہے۔ جہاں اساتذہ علم کے نئے نئے گوشوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور طلبہ بھی اپنی نصابی اور غیر نصابی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر کالج میں معیاری کتب خانے کا ہونا ضروری ہے

اس کے بغیر کالج ایسا ہی ہے۔ جیسا نخلستان چشمے کے بغیر یا ایک گھر پانی کے بغیر۔ لائبریری گویا ایک علمی چشمہ ہے جس سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

اسلامی کتب خانے

تاریخِ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کو کتب بینی و مطالعہ میں ہمیشہ ایک امتیازی مقام حاصل رہا ہے۔ اسلام کے زمانہ عروج میں مسلمان اُمراء میں کتب خانوں کا باہم مقابلہ ہوتا تھا۔ جس شخص کے پاس جتنا بڑا کتب خانہ ہوتا تھا۔ اسی قدر وہ معزز و باوقار سمجھا جاتا تھا حالانکہ اُس زمانے میں پریس کی سہولت نہ تھی اور لوگ اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتے تھے۔ مسلمانوں کے علمی شوق اور ذوق مطالعہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے باقاعدہ "باب الحکمت" کا الگ شعبہ قائم کر رکھا تھا اور جو شخص کسی یونانی کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کرتا تھا۔ اُسے اس کتاب کے برابر سونا عنایت کیا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان اس علمی ذوق سے محروم ہوگئے اور غیروں نے یہ ذوق اپنا لیا۔ علامہ اقبال اسی کا نوحہ یوں کرتے ہیں ؎

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی....

جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا

انتخاب کتب

کتابوں کے انتخاب کے بارے میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ہر چھپی ہوئی بات مطالعہ کے لائق نہیں ہوتی اور پھر کتابیں اس قدر زیادہ ہوتی کہ اُن کے مطالعہ کے لئے عمرِ نوحؑ بھی ناکافی ہے۔

انتخاب کتب کے لیے اس طرح کی احتیاط اور غور و فکر کی ضرورت ہے جس طرح کہ دوستوں کے انتخاب کے لئے۔ جس طرح ایک اچھا دوست انسان کی زندگی پر اچھا اثر ڈالتا ہے، اور ایک بُرا دوست انسان کی زندگی برباد کر دیتا ہے، اسی طرح ایک اچھی کتاب دل و دماغ اور عادات و اطوار پر اچھا اثر ڈالتی ہے اور مخرب اخلاق اور بے ہودہ کتاب طبیعت کو بُرائی کی طرف مائل کرتی ہے۔ مشاہیر زمانہ کی سوانح عمریاں، سفرنامے تاریخی اور مذہبی کتب اور جدید معلومات پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ انسان خصوصاً طالب علم کے لئے مفید ہے۔ اخلاقی کتب کے مطالعے سے اخلاق بلند ہوتا ہے۔

اقوالِ مفکرین

ایک مفکر کا قول ہے۔ "کچھ کتابیں محض چکھنے کے لئے ہوتی ہیں، کچھ نگلنے کے لیے اور صرف چند کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں

خوب چبانا اور ہضم کرنا ہوتا ہے۔"

علامہ اقبال کا قول ہے "وہ ایسی کتاب جس کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھنے کے لائق ہو۔ صدیوں کے بعد وجود میں آتی ہے۔"

لائبریری سائنس موجودہ دور میں لائبریری کا شعبہ باقاعدہ ایک سائنس اور فن کی شکل اختیار کر چکا ہے، اور اس کے بہت عمدہ قواعد و ضوابط مرتب کئے گئے ہیں۔ ناظم لائبریری کو باقاعدہ اس فن کی تربیت دی جاتی ہے لائبریری میں مختلف موضوعات کی کتابوں کو شعبہ وار تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً مذہب و اخلاق، علم و ادب، تاریخ، سائنس، فلسفہ، ناول و افسانہ، شعر و شاعری، سوانح عمریاں سفر نامے اور نصابی کتب کے شعبے بنا لئے جاتے ہیں۔ اور کتابوں پر باقاعدہ نمبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح مطلوبہ کتابیں تلاش کرنے میں بڑی آسانی رہتی ہے۔

اجراء کتب کا طریق کار طلبہ لائبریری کے گھنٹے میں یا اپنے فارغ اوقات میں کالج لائبریری کی کتب سے استفادہ کرتے ہیں وہ لائبریری سے کتابیں مستعار لے کر مطالعہ کرتے ہیں

اس مقصد کے لئے لائبریری میں باقاعدہ ایک رجسٹر ہوتا ہے۔ جب طالب علم کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے تو ناظم لائبریری مطلوبہ کتاب، اس کا نمبر اور طالب علم کا نام مع جماعت وغیرہ لکھ کر اس کے دستخط مذکورہ رجسٹر میں لے کر کتاب اس کے نام جاری کر دیتا ہے۔ عام طور پر ایک کتاب دو ہفتے کے لئے جاری کی جاتی ہے۔ اگر طالب علم مقررہ وقت کے اندر کتاب واپس نہ کرے تو اسے جرمانہ کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کتاب کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ افراد کر سکیں اور وہ گم نہ ہو۔ کتاب گم ہونے کی صورت میں طالب علم کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

اخبارات و رسائل و کتب حوالہ لائبریری میں عام کتابوں کے علاوہ اخبارات اور رسائل و جرائد بھی رکھے جاتے ہیں تاکہ اساتذہ و طلبہ تازہ ترین معلومات حاصل کر سکیں اس میں لغت، دائرۃ المعارف اور دیگر حوالہ جات کی کتب بھی ہوتی ہیں۔ جن کے ذریعے اساتذہ و طلبہ مختلف معلومات حاصل اور اپنی مشکلات رفع کر سکتے ہیں۔

صحیح مطالعہ طلبہ کو چاہیئے کہ وہ جو کتابیں لائبریری سے مستعار لیں ان کا صحیح

طور پر مطالعہ کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ اکثر طلبہ لائبریری سے بڑے شوق کے ساتھ کتاب لیتے ہیں لیکن یہ شوق محض کتاب کے اجراء تک ہی محدود رہتا ہے وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کتاب لیتے تو بڑے شوق سے ہیں۔ لیکن اس کا مطالعہ پوری توجہ کے ساتھ نہیں کرتے۔ بس چند صفحات سرسری طور پر دیکھے یا اگر کتاب باتصویر ہے تو اس کی تصاویر ایک نظر سے دیکھیں اور کتاب واپس کردی ظاہر ہے کہ ایسے طلبہ اپنی علمی معلومات میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کر سکتے۔

آداب لائبریری

۱- کتاب کی حفاظت

آپ جو کتاب لائبریری سے لیں، اس کی پوری حفاظت کریں۔ ٹائیٹل اور جلد کا خیال رکھیں اس میں سے اوراق یا تصاویر نہ پھاڑیں۔ کتاب پر نشانات نہ لگائیں اور اُسے احتیاط سے رکھیں۔

۲- اساتذہ کا مشورہ

سکول لائبریری سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لیے طلبہ کو چاہیے کہ لائبریری سے کتاب حاصل کرنے سے پہلے اپنے اساتذہ کرام سے مشورہ کریں۔ اساتذہ ان کے مطالعہ کے لئے جو کتاب تجویز کریں اُسے شروع سے آخر تک پوری توجہ اور انہماک سے پڑھیں۔

۳- بامقصد مطالعہ

مطالعہ ہمیشہ بامقصد ہونا چاہئیے۔ کتاب سے فائدہ اٹھانے کی بہتر صورت یہ ہے کہ طلبہ زیر مطالعہ کتاب کے چند ضروری اور اہم نکتوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد کسی نہ کسی تعلیمی مضمون سے مربوط کریں۔

۴- باضابطہ مطالعہ

جب کسی کتاب کا مطالعہ شروع کریں تو پہلے ایک نظر فہرست مضامین پر ڈالیں۔ کتاب کے تمام ابواب کو سرسری نظر سے دیکھیں کتاب کا دیباچہ پڑھیں اور پھر کتاب کا تفصیلی مطالعہ شروع کریں۔

۵- غور و فکر

جس مقصد کے لئے آپ کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اُسے ذہن میں رکھیں۔ ہر پیراپڑھ لینے کے بعد ذرا ٹھہر کر اس کے کسی خاص نکتے پر غور کرلیں اور یہ اطمینان کرلیں کہ آپ نے جو کچھ پڑھا ہے۔ اُسے

اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔

۶۔ مطالعہ کا جائزہ کتاب کا مطالعہ ختم کرنے پر یہ دیکھیں کہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے، اس سے آپ کے علم میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ ساتھ ساتھ اپنے مطالعہ کا جائزہ لیتے رہیں اور اہم نکتوں کو ذہن نشین کرتے جائیں

۷۔ یکسوئی مطالعہ کے لئے سب سے اہم اور ضروری شرط یہ ہے کہ کتاب پوری یکسوئی کے ساتھ پڑھیئے۔ مطالعہ کے دوران میں ذہن کو کسی طور پر بھی ادھر ادھر نہ بھٹکنے دیں بلکہ اُسے حاضر رکھیں۔

۸۔ پرسکون ماحول لائبریری میں باتیں، شور یا ہنگامہ نہ کریں۔ مطالعہ اسی صورت میں مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے، جب کہ لائبریری کا ماحول مکمل طور پر پرسکون ہو اور مکمل خاموشی چھائی ہوئی ہو۔ ہر طالب علم کو خاموش مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ دوسروں کے مطالعہ میں خلل نہ پڑے۔

۹۔ قواعد و ضوابط کی پابندی ہر طالب علم کا فرض ہے کہ وہ کالج لائبریری کے قواعد و ضوابط کی مکمل طور پر پابندی کرے، تاکہ وہ خود بھی کتابوں سے مستفید ہو سکے اور دوسرے افراد بھی خاطر خواہ طور پر ان سے استفادہ کر سکیں۔

۱۰۔ ضروری نوٹ جب آپ کسی کتاب کا مطالعہ کریں تو اس میں سے ضروری نکات اپنی نوٹ بک میں درج کرتے جائیں، تاکہ آپ اس کتاب سے صحیح طور پر مستفید ہو سکیں۔

ایک تاریخی مقام کی سیر

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں — یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(انیس)

اہمیت

تاریخی مقامات کی سیر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں بڑے فائدے مضمر ہیں۔ ان تاریخی مقامات کی سیر سے ایک طرف تو مشاہدے کی قوت بڑھتی ہے اور دوسری طرف یہ تاریخی مقامات ہمیں اپنے شاندار ماضی اور عظیم الشان اسلاف کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ مقامات ہماری تہذیب وثقافت کا حصہ ہیں۔ انہیں دیکھ کر تاریخ کا ایک پورا دور ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ اور ہم ماضی کے دریچے سے عظمتِ رفتہ کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

سیر کا پروگرام

ہمارے کالج میں شعبۂ تاریخ کی ایک سوسائٹی "البیرونی سوسائٹی" قائم ہے۔ اس سوسائٹی کے صدر تاریخ کے پرانے استاد شیخ محمد رفیق صاحب ہیں۔ "البیرونی سوسائٹی" نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی روز لاہور کے مغلیہ آثار کی سیر کی جائے۔ چنانچہ طے پایا کہ آئندہ جمعۃ المبارک کو جہانگیر اور نورجہاں کے مقبرے کی سیر سے اپنے اس پروگرام کا آغاز کیا جائے۔ قریشی صاحب نے اس تاریخی سیر کے انتظامات کو آخری شکل دینے کے لئے سوسائٹی مذکورہ کا ایک خصوصی اجلاس بلایا۔ تقریباً پچیس طلبہ نے سیر کے اس پروگرام میں شرکت کے لئے اپنے نام لکھوائے۔ طے ہوا کہ جمعۃ المبارک کو صبح آٹھ بجے تمام طلبہ اسکول پہنچ جائیں۔

روانگی

ہم لوگ بڑی بے چینی سے جمعۃ المبارک کا انتظار کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے جمعۃ المبارک کی صبح نمودار ہوئی۔ میں صبح سویرے اٹھا۔ نہایا دھویا، ناشتہ کیا اور بس پر سوار ہو کر پونے آٹھ بجے کالج پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کالج کی گراؤنڈ میں ایک میلہ سا لگا ہوا ہے دل باغ باغ ہو گیا۔ شیخ صاحب موجود تھے اور طلبہ کو ضروری ہدایات دے رہے تھے۔ تمام طلبہ پہنچ چکے تھے۔ ایک اسپیشل بس کا انتظام کیا گیا تھا جو کالج کے صدر دروازے پر کھڑی تھی۔ ہم نے کچھ سامانِ خورد و نوش اور پھل وغیرہ کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ ہم سب خوشی خوشی بس میں سوار ہوئے اور بس اس ہنستے کھیلتے قافلے کو لے کر منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوئی۔

دریا کا منظر

کوئی پندرہ منٹ کے بعد ہم دریائے راوی کے پل پر سے گزر رہے تھے۔ یہ نیا تعمیر شدہ پل ایک منفرد شان رکھتا ہے۔ دریا کا منظر نہایت دلفریب اور دلکش تھا۔ بائیں طرف عین دریا میں مغلوں کی اور یادگار بارہ دری نظر آرہی تھی۔ جو اب کھنڈرات میں بدل چکی ہے، لیکن لوگ اب بھی کشتیوں کے ذریعے اس کی سیر کرتے ہیں! اسے شہزادہ کامران نے تعمیر کروایا تھا۔ چند نوجوان دریا میں کشتی رانی کر رہے تھے اور مچھلی کے شکار کے بعض شوقین دریا کے کنارے پانی میں ڈوریاں ڈالے قسمت آزمائی کر رہے تھے۔

مقبرہ جہانگیر

اب بس پل پر سے گزرتی ہوئی مقبرہ جہانگیر کی طرف روانہ ہوئی۔ جب ہم ریلوے پھاٹک پر پہنچے تو یہ بند تھا۔ چنانچہ بس پھاٹک پر رک گئی اور ہم ریل گاڑی کے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب ریل گاڑی گزر گئی تو بس آگے بڑھی اور ہم چند لمحوں کے بعد مقبرہ جہانگیر کے صدر دروازے پر کھڑے تھے۔ ہمارا قافلہ شیخ صاحب کی قیادت میں اس تاریخی عمارت کی چاردیواری میں داخل ہوا۔ ہم نے ٹکٹ خریدے اور آگے بڑھے مقبرے کی پرشکوہ عمارت اور حسین و دلکش باغات کا روح پرور منظر ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ ہم روشوں پر سے گزرتے ہوئے اور گردوپیش کے دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جہانگیر کے مزار تک پہنچ گئے۔ مزار کے طلساتی اور افسانوی ماحول نے ہم پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری کر دی اور ہم چند لمحوں کے لئے اپنے شاندار ماضی کی حسین یادوں میں کھو کر رہ گئے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

مغل فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ

شاہ جہان کے تعمیر کردہ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے کے شکوہ، حُسن و جمال اور عظمت و جلال کی تصویر الفاظ میں پیش کرنا امرِ محال ہے۔ سنگِ مرمر کا بنا ہوا یہ ہشت پہلو مزار سنگ سرخ کے بنے ہوئے پانچ فٹ اونچے ایک مربع چبوترے پر ہے، جس پر قسم قسم کے قیمتی پتھروں سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ قبر کے تعویز کی دائیں بائیں جانب اللہ تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام کندہ ہیں۔ مقبرے کا اندرونی فرش اتنا ملائم اور شفاف ہے کہ اس پر پاؤں پھسل پھسل جاتے ہیں۔ الغرض یہ مقبرہ مغلیہ فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

عظیم الشان مینار

اس عظیم مقبرے کے اُوپر جانے کے لئے چاروں طرف سنگ کے زینے بنے ہوئے ہیں۔ چاروں گوشوں پر چار برج ہیں اور ہر برج پر ایک ایک مینار ہے۔ دریائے راوی کے پُل پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اُن میناروں کا منظر بہت دلکش نظر آتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

سکوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی
نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہِ شہسوارِ چغتائی

ان میناروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کسی مینار سے دیکھیں تو بادشاہی مسجد کے صرف تین مینار نظر آتے ہیں اور اسی طرح بادشاہی مسجد کے کسی مینار پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو مقبرے کے بھی صرف تین مینار نظر آتے ہیں۔

مقبرہ آصف جاہ

مقبرہ جہانگیر سے نکل کر ہم اپنے محترم اُستاد کی قیادت میں آصف جاہ کے مقبرے کی طرف روانہ ہوئے جو جہانگیر کی خوابگاہ سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ آصف جاہ نور جہاں کا حقیقی بھائی، شاہ جہان کی چہیتی ملکہ ممتاز محل کا باپ اور لاہور کا گورنر تھا۔ یہ مقبرہ بھی شاہ جہان نے بنوایا تھا۔ مقبرے کی موجودہ خراب وخستہ اور ویران عمارت کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ یہ عمارت کسی زمانے میں اس کا گنبد لاہور کے عظیم الشان گنبدوں میں شمار ہوتا تھا۔ بقول مرزا غالب ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

مزارِ نور جہاں

جہانگیر اور آصف جاہ کے مقبرے کی سیر سے فارغ ہو کر ہم خراماں خراماں نور جہان کے مزار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ مزار ریلوے لائن کے اس پار مغرب کی جانب ہے۔ جب ہم مزار کے احاطے میں داخل ہوئے تو اس کے ویران اور اُداس ماحول کو

کو دیکھ کر ہم پر ایک افسردگی سی طاری ہوگئی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ اُس ملکۂ نور جہان کا مزار ہے جو شہنشاہ جہانگیر کے دل پر حکومت کرتی تھی اور جس کا سکّہ پورے برصغیر میں چلتا تھا۔ مقبرۂ جہانگیر کی پُرشکوہ عمارت کے مقابلے میں نورجہان کے مزار کی یہ خستہ حالی انقلابِ زمانہ کا ایک عبرتناک منظر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہی تھی۔ بقول محروم ؎

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے
کہتے ہیں یہ آرامِ گہِ نورجہاں ہے

شیخ صاحب نے بتایا کہ یہ عمارت بھی سنگِ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں کی بنی ہوئی تھی، اِسے خود نورجہان نے اپنی زندگی میں تین لاکھ روپے کی لاگت اور چار سال کی مدت میں تعمیر کرایا تھا۔ مگر گردشِ زمانہ نے اس کی یہ حالت کر دی۔

لذتِ کام و دہن

اب بارہ بجے چکے تھے۔ ہم تھک کر نڈھال ہو چکے تھے اور بھوک بھی بُری طرح ستا رہی تھی۔ چنانچہ ہم ایک سرسبز پلاٹ پلاٹ میں بیٹھ گئے اور خورد و نوش کا سامان نکالا۔ ہم اس تفریحی دعوت سے خوب لُطف اندوز ہوئے۔" پھلوں سے بھی لذتِ کام و دہن کا کام لیا اور تازہ دم ہو گئے۔ ہم نے کچھ دیر کے لئے آرام کیا۔

نمازِ جمعہ کی ادائیگی

اب نمازِ جمعہ ادا کی اور نماز کے بعد سیر و تفریح کا بقیہ پروگرام شروع کی۔

بیت بازی اور لطیفہ گوئی

ہم دوبارہ مقبرہ جہانگیر کے احاطے میں آئے اور ایک خوبصورت پلاٹ میں ڈیرے جما دیئے۔ وہاں صاحب نے بیت بازی کا اہتمام کیا، جس میں ہم سب نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اور خوب داد و تحسین ہوئی۔ بیت بازی کے بعد طرح طرح کے لطیفوں اور چٹکلوں کا شغل بھی ہوا۔ اور ٹیپ ریکارڈر پر عمدہ گیت بھی سُنے۔ یہ رنگا رنگ محفل بہت دلچسپ اور مسرت آفریں رہی۔

گھروں کو واپسی

اب شام ڈھل چکی تھی۔ چنانچہ ہم نے واپسی کا پروگرام بنایا۔ ہم اپنی اسپیشل بس میں سوار ہوئے اور واپس کالج پہنچ گئے۔ وہاں سے تمام طلبہ خیر و عافیت سے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اس دلچسپ تاریخی مقام کی سیر کا نقش ہمیشہ ہمارے دلوں پر ثبت رہے گا۔

ایک حادثہ

کتنی مشکل زندگی ہے! کس قدر آساں ہے موت!
گلشن ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت! (اقبالؔ)

قدیم دور:- قدیم دور میں انسان پیدل سفر کرتا تھا۔ پھر سواری کے لیے رتھیں، بیل گاڑیاں، بگھیاں اور تانگے وغیرہ استعمال ہونے لگے۔ اگرچہ یہ گاڑیاں سست رفتار تھیں اور سفر بڑی مشکل سے طے ہوتا تھا، لیکن ان کا ایک روشن پہلو یہ تھا کہ حادثات پیش نہیں آتے تھے اور نہ اتنی قیمتی جانیں تلف ہوتی تھیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تُو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

جدید دور۔ حادثات کی بھرمار:- جدید دور میں انسان ذرائع آمد و رفت میں بہت ترقی کر چکا ہے مشینی دور شروع ہوا تو موٹر کاریں، بسیں اور ریل گاڑیاں ہمارے لیے معمول کا ذریعۂ سفر بن گئیں۔ اس طرح ہماری زندگی کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ ان تیز گاڑیوں کی بدولت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا بہت آسان ہو گیا۔ لیکن اس تیز رفتاری کے باعث سڑکوں کے حادثات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ٹریفک کے حادثات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ جن میں بہت سی قیمتی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ اخبارات اٹھا کر دیکھیے، حادثات کی خبروں سے صفحے بھرے پڑے ہوتے ہیں۔

حادثات کے اسباب:- ان حادثات کے مختلف اسباب ہیں سب سے بڑا سبب تیز رفتاری اور لاپرواہی ہے۔ ڈرائیور ٹریفک کے قوانین کی پابندی نہیں کرتے۔ وہ اوور ٹیک یعنی گاڑی آگے نکالنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور پھر کئی ڈرائیور نشے کے بھی عادی ہوتے ہیں حادثات کا ایک سبب تنگ سڑکیں ہیں پھر اکثر ڈرائیور گنجائش سے بہت زیادہ سواریاں بٹھا لیتے ہیں۔ یہ بات بھی حادثات کا سبب بنتی ہے۔

حادثات کی روک تھام:- ان بڑھتے ہوئے حادثات کی روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ٹریفک کے قوانین کی پابندی اشد ضروری ہے جو ڈرائیوران قوانین کی پابندی نہ کریں۔ انہیں سخت سزا ملنی چاہیے اور جانی نقصان کی صورت میں ڈرائیور اور گاڑی کے مالک کو پوری طرح ذمہ دار قرار دینا چاہیے۔ سواریوں کو بھی چاہیے کہ وہ ڈرائیوروں کو تیز رفتاری پر مجبور نہ کریں گاڑی پر گنجائش سے زیادہ سواریاں نہیں بٹھانی چاہئیں۔ علاوہ ازیں حکومت کو چاہیے کہ وہ

سڑکوں کو زیادہ سے زیادہ کشادہ بنائے تاکہ دوطرفہ ٹریفک کا بہتر بندوبست ہو سکے۔

ایک چشم دید حادثہ :۔ مجھے ابھی تک کسی حادثے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ بس اخبارات یا ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے ان حادثات کا حال پڑھ یا سن لیتا تھا۔ گویا یہ حالت تھی کہ ؏ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

یعنی سُنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کے مانند کس طرح ہو سکتی ہے۔

لیکن کچھ عرصہ ہوا، ایک حادثہ مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں جب بھی اس حادثے کو یاد کرتا ہوں، میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ؎

یادِ ماضی عذاب ہے یارب! ؛ چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ایک دن میں شام کے وقت اپنے ایک دوست کے ہمراہ شاہدرہ اسٹیشن کے قریب جی۔ٹی روڈ پر چہل قدمی کر رہا تھا کہ سامنے سے ایک بس آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ اپنے راستے پر ٹھیک جا رہی تھی اس کی مخالف سمت سے ایک ٹرک تیز رفتاری کے ساتھ آ رہا تھا۔ ٹرک کے آگے پیچھے اور گاڑیاں بھی تھیں لیکن اس نے ان گاڑیوں کو اوورٹیک کرنے کی کوشش کی۔ بس بھر گیا تھا، ٹرک سامنے سے آتی ہوئی بس سے پوری قوت سے جا ٹکرایا

قیامت کا منظر :۔ ٹرک اور بس کے ٹکرانے سے زبردست دھماکہ ہوا۔ ٹرک کے اگلے حصہ کو بھاری نقصان پہنچا اور اس کا انجن بے کار ہو گیا۔ ٹرک ڈرائیور کو کچھ چوٹیں آئیں لیکن اس کی جان بچ گئی۔ اس نے موقع کی نزاکت دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔ بس کا اگلا حصہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ اس کا ڈرائیور بیچارہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ یہ ایک قیامت کا منظر تھا۔ سواریوں کی دلدوز چیخ و پکار اور آہ و بکا جگر پاش پاش کر رہی تھی۔ کچھ سواریاں تو بے ہوش ہو چکی تھیں اور اکثر سواریاں زخموں سے کراہ رہی تھیں۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا اور ایک بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔

اموات :۔ راہگیر اور آس پاس کے لوگوں نے سواریوں کو تباہ شدہ بس سے نکالا۔ ہم بھی اس کام میں برابر کے شریک تھے۔ معلوم ہوا کہ ڈرائیور کے علاوہ تین مسافر جاں بحق ہو چکے تھے ان میں سے دو مرد تھے اور ایک عورت۔ ان کی لاشوں کو سڑک کے ایک طرف چارپائیوں پر ڈال دیا گیا۔

آہ معصوم بچہ :۔ ہلاک ہونے والی ایک عورت ایک معصوم بچے کی ماں تھی۔ حادثے کے وقت بچہ اس کی گود میں تھا۔ خدا کی شان دیکھیے کہ بچہ تو معجزانہ طور پر بچ گیا لیکن ماں حادثے کا شکار

ہوگئی بچ گیا ہے۔ ع جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔

معصوم بچہ ماں کی ممتا سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکا تھا۔ اتفاق سے اسی بس میں اس عورت کا شوہر بھی سفر کر رہا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور اس کی دردناک حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ اب وہ اس بچے کا واحد سہارا تھا۔

زخمی افراد:۔ بس میں سوار بہت سے مسافر بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ کسی کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی تو کسی کا بازو بیکار ہو چکا تھا۔ کسی کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا اور کسی کی آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ الغرض زخمیوں کی حالت بہت اندوہناک تھی۔ ان کے کٹے پھٹے جسم دیکھ کر حالت غیر ہوتی تھی وہ درد کی شدت سے کراہ رہے تھے۔ اور ان کی چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

سنگدلی کی انتہا:۔ ایک طرف مسافروں پر یہ قیامت برپا تھی اور دوسری طرف کچھ ایسے ننگِ انسانیت بدقماش اشخاص بھی تھے جن کے دِل خدا کے خوف سے قطعاً عاری ہو چکے تھے۔ اور وہ مسافروں کی جیبوں پر ہاتھ صاف کر رہے تھے ان میں سے ایک ایسے ہی جیب کترے کو پکڑ کر پہلے پولیس کے حوالے کیا۔ لیکن باقی افراد بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

جذبہ ہمدردی:۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بہت سے راہگیر اور آس پاس کے لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے انسانیت کا حق ادا کرتے ہوئے مکمل جذبۂ ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔ ہم بھی اپنی بساط کے مطابق اس کارِخیر میں حصہ لے رہے تھے زخمیوں کو پانی اور دیگر کھانے پینے کی چیزیں فراہم کی گئیں اور انہیں ابتدائی طبی امداد مہیا کی گئی۔ پولیس بھی موقع پر پہنچ چکی تھی۔ لاشوں اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ لاشوں کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد انہیں ان کے وارثوں کے سپرد کر دیا گیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی ہے

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں ؎ کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں (حالی)

ناقابلِ فراموش اور عبرتناک حادثہ:۔ یہ ایک ناقابلِ فراموش اور عبرتناک حادثہ تھا جسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آج بھی جب اسے یاد کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور رُوح لرزنے لگتی ہے۔ بقول مرزا غالب ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو ؎ میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کے حادثات سے محفوظ رکھے اور ہمیں کسی امتحان اور آزمائش میں نہ ڈالے

ذراسی غفلت اور لاپرواہی کس قدر تباہ کُن اور جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے انسانی جان بے حد قیمتی ہے اِسے یوں تو ضائع نہ ہونے دیجئے ع

تجھے اے زندگی! لاؤں کہاں سے۔

موسمِ برسات

کیا کیا مچی ہیں یارو! برسات کی بہاریں (نظیر اکبر آبادی)

گرمی کی شدت :۔ جون جولائی کے مہینوں میں ہمارے ہاں گرمی اپنے جوبن پر ہوتی ہے آسمان سے آگ برستی ہے اور زمین تپ کر تانبا ہو جاتی ہے۔ شہر اور دیہات جہنم کا نمونہ بن جاتے ہیں، انسان تو ایک طرف رہے۔ جانوروں کا بھی گرمی کے مارے بُرا حال ہوتا ہے۔ سورج کی کرنیں سیدھی زمین پر پڑتی ہیں اور جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں میں گرمی کے مارے بُرا حال ہوتا ہے صحرا کی ریت راکھ کی طرح گرم ہو جاتی ہے۔ دریا کا پانی کھولنے لگتا ہے۔ بقول میر انیس ؎

پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی :. ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

ہوا بالکل بند ہو جاتی ہے اور گھٹن کی وجہ سے زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ بقول میر انیس ؎

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر :. بھُن جاتا تھا، جو گرتا تھا دانہ زمین پر

کالی گھٹائیں :۔ گرمی کی شدت میں لوگوں کی نظریں بارش کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی ہیں، خدا خدا کر کے موسم میں کچھ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ پُروا یعنی مشرق کی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں یہ ہوا بارش کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر بادلوں کے آوارہ ٹکڑے تیرنے لگتے ہیں۔ پھر شانِ خداوندی سے یہی ابر پارے کالی گھٹاؤں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور گھٹائیں جھومتی ہوئی سارے آسمان پر پھیل جاتی ہیں۔ یہ گھٹائیں آسمان پر ہاتھیوں کی طرح دوڑتی ہوئی پھرتی ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ہائے کیا فرطِ طرب سے جھومتا جاتا ہے ابر
فیلِ بے زنجیر کی صورت اُڑا جاتا ہے ابر

کالی گھٹاؤں میں بگلوں کی قطاریں اس طرح دکھائی دیتی ہیں جیسے پہاڑ کے دامن میں دُودھ کی نہر بہہ رہی ہو۔

مُوسلا دھار بارش:۔ بادلوں کی گھن گھرج سے دِل دہل جاتے ہیں۔ بجلی کی کڑک سے لوگ سہمے جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں رِم جھم پھوار پڑنے لگتی ہے۔ یہ پھوار آہستہ آہستہ ننھی ننھی بوندوں میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بوندا باندی ہونے لگتی ہے۔ اس بوندا باندی کی وجہ سے درختوں کے پتوں سے ایسی آواز آتی ہے، گویا کوئی ساز بج رہا ہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ بوندا باندی موسلا دھار بارش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ زمین سے آسمان تک کی فضا پُوری کی پُوری دھواں دھار ہو جاتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان میں شگاف پڑ گئے ہیں اور اس کے پرنالے کھل گئے ہیں۔

پانی ہی پانی:۔ ہر طرف پانی کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ آسمان سے چھاجوں پانی برسنے لگتا ہے۔ پرنالے دھائیں دھائیں چلنے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ بارش اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ مکانوں کے صحن تالاب بن جاتے ہیں۔ گلیاں اور بازار ندیوں اور نالوں کا منظر پیش کرتے ہیں راہ گزروں میں ہر طرف پانی پھیل جاتا ہے تالاب اور جوہڑ پانی سے اس طرح لبالب بھر جاتے ہیں کہ ان کے کناروں کا کوئی اندازہ نہیں رہتا نالے اور دریا جوش مارنے لگتے ہیں۔ ان کا پانی کناروں سے اچھلنے لگتا ہے دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل کا عالم ہو جاتا ہے لیکن بارش ہے کہ رُکنے کا نام نہیں لیتی۔ پہلے لوگ بارش کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اب اس کے رُکنے کے لیے التجائیں کرنے لگتے ہیں۔

بارش کے بعد کا سماں:۔ آخر خدا خدا کر کے بارش تھمتی ہے تو لوگوں کی جان میں جان آتی ہے۔ رفتہ رفتہ بادل چھٹنے لگتے ہیں۔ موسم بڑا پیارا اور سہانا ہو جاتا ہے۔ کائنات دُھل کر نکھر جاتی ہے۔ آسمان پر دھنک یعنی قوسِ قزح (رنگین کمان) نمودار ہو جاتی ہے۔ یہ ایک انتہائی دل کش اور دلفریب منظر ہوتا ہے ؎

یہ کوئی جادو ہے یا ہے سچ مچ اک رنگیں کماں
واہ وا! کیسا بھلا لگتا ہے یہ پیارا سماں

ہر چیز مسرور اور شادماں نظر آتی ہے۔ کسانوں کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھتا ہے۔ ان کے دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ انسان تو ایک طرف رہے۔ چوپائے اور چرند پرند بھی موسم کی اس

خوشگوار تبدیلی کا اثر محسوس کرتے ہیں۔ درخت اور پودے بارش کے پانی سے دُھل کر تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ باغوں کی رونق، تر و تازگی اور شگفتگی لوٹ آتی ہے۔ کوئل کی کوک کانوں میں رس گھولتی ہے پپیہے "پی کہاں، پی کہاں" کا شور مچاتے ہیں۔ جنگل میں مور خوشی سے ناچتے ہیں

خوشگوار اور دل کش سماں:۔ اس طرح بارش تھم جانے کے بعد موسم انتہائی خوشگوار ہوتا ہے اور یہ سماں اور منظر انتہائی دل کش اور دلفریب ہوتا ہے لوگ ایسے موسم اور منظر کے منتظر ہوتے ہیں۔ یہ سماں دیکھ کر ہر شخص کا مل سیر تفریح کے لیے مچل جاتا ہے۔ لوگ موسم کا لُطف اٹھانے کے لیے گھروں سے باہر نکل آتے ہیں۔ نوجوانوں کی پارٹیاں سیر و تفریح کے لیے دریاؤں، نہروں اور باغوں کا رُخ کرتی ہیں۔ جہاں پکے ہوئے رَس بھرے آموں کا دور چلتا ہے۔ ان تفریحی مقامات پر میلے کا سماں ہوتا ہے ہر شخص شادمان و مسرور نظر آتا ہے زندہ دِل لوگوں کے لیے یہ موقع ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتا۔

بچوّں کی دل چسپی:۔ بچوں کے لیے بھی برسات کا موسم کچھ کم دلچسپ نہیں ہوتا وہ موسلا دھار بارش میں نہانے سے بہت لطف اندوز ہوتے ہیں بارش کے بعد جب گلی کوچوں میں پانی زور شور سے بہنے لگتا ہے تو یہ بچے پانی میں بھاگتے پھرتے ہیں اور ایک دوسرے پر چھینٹے اڑا کر بڑے خوش ہوتے ہیں وہ پانی میں اودھم مچاتے ہوئے خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ بچپن کا یہی زمانہ ہے جسے بادشاہت کا زمانہ کہا گیا ہے۔ وہ کاغذ کی کشتیاں بنا کر پانی میں تیرانے کا مقابلہ کرتے ہیں اور باغ باغ ہوئے جاتے ہیں۔ بچپن کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لے لے شباب یا رب! دے دے ادھار بچپن

باغوں میں جھُولے:۔ بارش کے بعد اگر باغوں میں جائیں تو وہاں ہر طرف درختوں پر جھُولے پڑے ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں جن کے ابھی کھیلنے کودنے کے دن ہیں، باری باری جھولے جھولتی ہیں اور برسات کی بہاروں سے لطف اندوز ہوتی ہیں ان معصوم بچیوں کی معصوم شوخیاں اور شرارتیں عجیب رونق چہل پہل اور گہما گہمی پیدا کر دیتی ہیں۔

دیہات کا منظر:۔ ہمارے دیہات میں بارش کا منظر خاص طور پر بہت پُر کیف اور رُوح پرور ہوتا ہے۔ ہرے بھرے کھیتوں میں سبزے کا منظر بہت دلفریب ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سبزے پر پھر بہار آ گئی ہے۔ پانی سے لبالب بھرے ہوئے کھیتوں میں

دھان لگانے والی ٹولیاں جب مل کر خوشی کے گیت گاتی ہیں تو فضائیں گونج اٹھتی ہیں اور ایک وجد اور سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں خاص طور پر دھان کی فصل کا دارومدار برسات پر ہے جن علاقوں میں نہریں نہیں ہیں وہاں بھی فصلوں کی آبیاری کا بہت بڑا ذریعہ صرف بارش ہے گویا بارانی علاقوں میں بارش ایک عظیم نعمتِ خداوندی ہے۔

چاندنی رات

کتنا پیارا ہے عروسِ شب کا زیور چاندنی!
بن گئی ہے آج تو پھولوں کی چادر چاندنی!

__اہمیت__:- دنیا بے شمار دل کش اور دلفریب مناظر سے بھری پڑی ہے۔ یہ خوبصورت مناظر دنیا کی خوبصورتی اور زیب و زینت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ لیکن ان دلفریب مناظر میں چاندنی رات کا منظر سب سے زیادہ حسین اور دل کش ہوتا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا مردہ دل انسان ہوگا، جو چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی اور دلفریب روشنی سے لطف اندوز نہ ہوتا ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے، پوری کائنات نے سفید پھولوں کی چادر اوڑھ لی ہے۔ دودھیا چاندنی دل و دماغ کو عجیب و غریب فرحت اور نظر کو تازگی بخشتی ہے چاندنی کا یہ منظر اس قدر دلفریب ہوتا ہے کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا محال ہے۔

__شعراء کی نظر میں__:- دنیا بھر کے شاعروں نے چاند اور چاندنی رات کو اپنے اپنے انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ مثلاً علامہ اقبالؒ چاند سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ ؎

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن ؛ ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے موجزن

جوش ملیح آبادی نے چاندنی کے رات کے منظر کی یوں عکاسی کی ہے ؎

چاندنی شب بھر دکھاتی ہے ضیائے روئے حُور
ذرہ ذرہ صبح کو کہتا ہے مَیں ہوں برقِ طُور

بے نظیر شاہ نے چاندنی کے منظر کو یوں پیش کیا ہے ؎

گرا چمن کے پتوں سے نورِ قمر ؛ کہ ہیرے کے ٹکڑے پڑے ہیں ادھر
پڑ رہی ہے پانی پہ یہ چاندنی ؛ کہ دریا میں بجلی کی ہے روشنی!

ایک اور شاعر نے اس کی منظر کی تصویر کشی یوں کی ہے ؎

اوڑھ کر اپنے تنِ نازک پر چادر چاندنی!
اوجِ گردوں سے اتر آئی زمیں پر چاندنی۔

محاورے کی زبان میں :- چاند کا لفظ کتنا پیارا اور دل کش ہے، چاند کے متعلق بہت سے محاورات اور تشبیہات بنائی گئی ہیں۔ مثلاً چار چاند لگانا۔ چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے۔ چاند سا مکھڑا وغیرہ جب کوئی عزیز بڑی مدت کے بعد ملتا ہے تو ہم بیساختہ پکار اٹھتے ہیں! "آج کدھر سے چاند نکلا ہے؟" یا "بھئی! آپ تو عید کا چاند ہو گئے ہو!" ماں اپنے پیارے بچوں کو لاڈ پیار سے "میرا چاند کہہ کر پکارتی ہیں، شاعر بھی حسین چہرے کو چاند سے تشبیہہ دیتے ہیں

چودھویں کا چاند :- چودھویں رات کا چاند اپنے پورے جوبن پر ہوتا ہے۔ اس کی منفرد شان ہوتی ہے شاعر اسے خصوصی طور پر موضوع سخن بناتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پوری کائنات پر ایک نقرئی چادر (چاندنی کی چادر) سی تن گئی ہے تمام عالم دریائے نور میں غوطہ زن دکھاتی ہے ہر طرف نور کے فوارے پھوٹتے ہیں۔ جی چاہتا ہے رات بھر ٹکٹکی باندھے چاند کے حسن و جمال کا نظارہ کرتے رہے ؏

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ۔

دریا، جھیل کی سیر :- چاندنی رات میں دریا، جھیل کی سیر اس قدر حسین و دلفریب ہوتی ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اس دلفریب منظر کا صحیح اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں، جنہیں اس قسم کی سیر کا موقع ملا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بے شمار چاند پانی میں اتر آئے ہیں اور زمین سے آسمان تک کی فضا بقعۂ نور بن کر رہ گئی ہے۔ یہی جی چاہتا ہے کہ صبح تک پانی میں چاند کو ہلکورے کھاتے دیکھتے رہیں، چاند بھی جب اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا ہے تو پانی میں اپنا عکس دیکھ کر کچھ شرما سا جاتا ہے اور منہ چھپا لیتا ہے۔

سحر انگیز منظر :- چاندنی رات میں پرندے بھی اپنے اپنے آشیانوں سے نکل آتے ہیں اور چاند رات کی دلفریب خنک فضا میں چہچہانے لگتے ہیں۔ ہوا کے ہلکے ہلکے پُر کیف جھونکے بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں، ایسے سحر انگیز موقعے میں کس کا جی چاہتا ہے کہ وہ

گھر کی چاردیواری میں بند پڑا رہے۔ کیوں نہ وہ دریا کی گنگناتی اور مچلتی لہروں میں پہروں پاؤں لٹکائے بیٹھا رہے۔ چاند کے عکس سے ساتھ کھیلے اور پرندوں کے ساتھ مل کر تانے اڑائے اور سطحِ آب پر تیرتی ہوئی چاند کی نقرئی کرنوں کو اپنی نگاہ میں جذب کرتا ہے۔

دیہات میں چاندنی کا منظر:۔ ایک انگریزی مقولہ ہے کہ "دیہات خدا نے بنائے اور شہر انسان نے"۔ چنانچہ دیہات میں چاندنی کا منظر شہروں کی نسبت کچھ زیادہ ہی دل کش اور دلفریب ہوتا ہے۔ ہرے بھرے کھیت، کھلے میدان اور چراگاہیں چاند کے نور سے جگمگا اٹھتی ہیں۔ دیہاتی لوگ چاندنی رات سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں وہ اپنے کھیتوں میں رات گئے تک کام کرتے ہیں، ہل چلاتے ہیں اور مویشیوں کے لیے چارہ کاٹ کر لاتے ہیں اور نوجوان کھلے میدانوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔ کہیں لڑکوں کی ایک ٹولی کبڈی کھیل رہی ہے تو دوسری طرف کچھ نوجوان گیتوں سے اپنا جی بہلا رہے ہیں۔ دُور پار سے کبھی کبھی بنسری کی سریلی آواز بھی کانوں میں رس گھولتی ہے اسطرح گاؤں سے باہر کھیتوں اور چوپالوں میں رات گئے تک ایک چہل پہل سی رہتی ہے۔

شہر میں چاندنی کا منظر:۔ شہری لوگ چاندنی رات کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے عام طور پر کسی باغ، پارک یا دریا کے کنارے کا رخ کرتے ہیں، جہاں وہ رنگ برنگ کے پھولوں اور پانی کی لہروں پر چاند کی شفاف اور نورانی کرنوں کی بارش کے منظر سے دل بہلاتے ہیں اس طرح شہری لوگ بھی کسی حد تک چاندنی رات کے قدرتی نظارے سے لطف اٹھا سکتے ہیں

باغ اور دامنِ کوہ:۔ چاندنی رات میں باغ اور دامنِ کوہ کا منظر بڑا دلفریب ہوتا ہے۔ رنگا رنگ پھولوں پر جب چاند کی نقرئی کرنیں پڑتی ہیں تو اس دلفریب منظر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ سبزے کی شگفتگی اور تروتازگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں جگمگا اٹھتی ہیں۔ سیاہ چٹانیں چاندنی کا سفید لباس اوڑھ لیتی ہیں۔ ریگستانوں کی ریت کے ذرے ستاروں کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔ درختوں کے پتوں سے جب چاندنی چھن چھن کر آتی ہے۔ تو عجیب دلفریب منظر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ پورا ماحول ایک طلسماتی دنیا معلوم ہوتا ہے۔ جس میں انسان بے خود ہو کر کھو جاتا ہے۔

جوار بھاٹا یا مدوجزر:۔ چاند کی کشش سمندر کے پانی پر عجیب طرح سے اثر انداز ہوتی ہے اس کشش کے ذریعے سمندر کی لہروں میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے جسے جوار بھاٹا یا مدوجزر

کہتے ہیں، یہ منظر انتہائی دل کش اور دلفریب ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام :۔ غرض چاندنی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا، جسے چاند اور چاندنی سے محبت اور لگاؤ نہ ہو یہ اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ جسے قدرت کے اس شاہکار سے محبت نہیں وہ انتہائی بدذوق شخص ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیئے جس نے چاند کو ہمارے لیے نورانی پیکر بنایا اور اس کی بکھری ہوئی چاندنی سے ہماری تاریک راتوں کو جگمگا دیا ذرا تصور کیجیے چاند اور اس کی چاندنی کے بغیر ہماری راتیں کس قدر تیرہ و تار ہوتیں۔

ہوئی چاندنی یہ تجلی فشاں ٭ کہ ہے عالمِ وجد میں آسماں (بےنظیر شاہ)

اُستاد کا احترام

شیخِ مکتب ہے اک عمارت گر ٭ جس کی صنعت ہے رُوحِ انسانی (اقبالؒ)

استاد کا مقام :۔ ایک حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو استاد کی حیثیت، اہمیت اور مقام مسلّم ہے۔ کیونکہ استاد ہی نونہالانِ قوم کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ استاد ہی قوم کے نوجوانوں کو علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ کرتا اور اس قابل بناتا ہے کہ وہ ملک و قوم کی گرانبار ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ استاد جہاں نوجوانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کرتا ہے، وہاں وہ ان کی مختلف علمی، سائنسی، فنی اور پیشہ وارانہ مہارتوں کا سامان کرتا ہے۔ والدین بچے کی جسمانی پرورش کرتے ہیں، جبکہ استاد کے ذمے بچے کی روحانی تربیت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے استاد کی حیثیت اور اہمیت والدین سے کسی طرح کم نہیں بلکہ ایک لحاظ سے ان سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ روح کو جسم پر فوقیت حاصل ہے۔

قرآن کی روشنی میں :۔ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استاد اور صحابہ کرام آپؐ کے شاگرد ہیں، صحابہ نے جو کچھ حضور اکرمؐ سے حاصل کیا "اسے تمام تر دوسروں تک پہنچا دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

"پیغمبر تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ سب کچھ سکھاتا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔"

حدیث کی روشنی میں:۔ احادیثِ رسولؐ میں استاد کو ایک اعلیٰ و ارفع مقام دیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا! "یعنی بے شک میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" پھر ارشاد ہوتا ہے "انسان کے تین باپ ہیں: والد، سُسر اور استاد۔" ایک اور موقع پر فرمایا: "خوشامد طالب علم کے لیے استاد کے سامنے جائز ہے اور کہیں جائز نہیں۔"

حضرت علیؓ کے اقوال:۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے کہ جو شخص مجھے ایک لفظ سکھاتا ہے وہ میرا استاد ہے اور میں اس کا احترام کرتا ہوں۔" پھر فرمایا "ہم خدا کی اس تقسیم سے راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو دولت دی کیونکہ دولت عنقریب فنا ہو جائے گی اور علم لازوال ہے۔"

امام غزالیؒ کا قول:۔ امام غزالی آسمانِ علم و فضل کے درخشندہ ستارے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے ڈالو، علم تمہیں اپنا کوئی حصّہ بھی نہیں دے گا۔" بقول علّامہ اقبالؒ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی ؛ فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی۔

استاد کا دِلی ادب و احترام:۔ علم عاجزی اور انکسار کو پسند کرتا ہے اس کا مقام وہ دِل ہرگز نہیں ہو سکتا جس میں تکبّر اور غرور ہو۔ پس طالب علم کا فرض ہے کہ علم کی قدر پہچانے اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے۔ اپنے استاد سے تکبّر و غرور سے پیش نہ آئے۔ بلکہ ادب و احترام ملحوظ رکھے۔ اگر کوئی سوال بھی کرنا ہو اس سے بحث و مباحثہ بھی درکار ہو تو بھی عزت و احترام کا ہاتھ دامن سے نہ چھوڑ دے ورنہ وہ علم کی نعمت سے محروم رہے گا۔ مشہور مقولہ ہے: "با ادب بانصیب، بے ادب بے نصیب"۔

محنت اور لگن:۔ دنیا کا ہر کام محنت طلب ہے، ایک شخص کھانا کھانا چاہتا ہے۔ اِس کے لیے بھی محنت کی ضرورت ہے اور پھر علم تو خاص طور پر محنت و مشقت کا طالب ہے۔ جب تک اس کے لیے جان نہ کھپائی جائے۔ اور کسی مشفق رہنما کے زیرِ ہدایت پوری لگن اور جدوجہد سے کام نہ کیا جائے۔ علم کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے جتنا مقصد بلند ہو، اتنی ہی اسے

حاصل کرنے کے لیے محنت و مشقت زیادہ کرنا پڑتی ہے۔ وہ طالب علم جن کے سامنے کوئی بلند مقصد نہیں ہوتا، محنت سے جی چراتے ہیں یا اسکی ضرورت نہیں سمجھتے۔ لیکن جو لوگ منزلِ مقصود متعین کر چکے ہیں اور اس کے راستے پر گامزن ہیں وہ علم کو پا لینے کے لیے شمع کی طرح پگھلتے اور پروانے کی مانند جلتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب ؛ علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

سکندرِ اعظم اور استاد:۔ سکندرِ اعظم کا باپ یونان کی ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ کا حکمران تھا۔ لیکن سکندرِ اعظم نے بڑا نام پا کر شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل کر لی۔ اس نے تقریباً آدھی دنیا کو فتح کیا حقیقت میں سکندرِ اعظم کی عظمت اس کے استاد اور وزیر ارسطو کی مرہونِ منت ہے۔ سکندرِ اعظم خود کہا کرتا تھا کہ "میرا باپ مجھے آسمان سے دنیا پر لایا۔ لیکن میرے استاد نے مجھے دنیا سے آسمان پر پہنچا دیا۔"

ہارون الرشید کے بیٹے اور استاد:۔ ایک دن مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے دیکھا کہ اس کے بیٹے مامون اور امین اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ "استاد کے جوتے کون اٹھائے؟" آخر استاد کے کہنے پر وہ ایک ایک جوتا اٹھا لائے اگلے روز خلیفہ نے دربار میں یہ سوال کیا کہ "آج سب سے زیادہ عزت کس کی ہے؟" سب نے کہا کہ "خلیفہ کی عزت سب سے زیادہ ہے۔" لیکن ہارون الرشید نے بتایا کہ سب سے زیادہ عزت اس استاد کی ہے۔ جس کے جوتے اٹھانے میں شہزادے فخر محسوس کرتے ہیں۔"

علامہ اقبالؒ اور استاد:۔ شمس العلماء مولوی میر حسن علامہ اقبال کے استاد تھے۔ علامہ اقبال اپنے استاد کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ ہی کی سفارش پر حکومت نے مولوی صاحب کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ جب حکومت نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ مولوی صاحب نے کون سی کتاب لکھی ہے؟ تو علامہ اقبالؒ نے جواب دیا کہ "ان کی زندہ کتاب میں ہوں۔"

ایک دفعہ علامہ اقبالؒ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ سیالکوٹ کے ایک بازار میں اس حالت میں بیٹھے تھے کہ ایک پاؤں میں جوتا تھا اور دوسرا پاؤں ننگا تھا۔ اچانک علامہ اقبال نے دور سے مولوی صاحب کو آتے دیکھا وہ اسی حالت میں دوڑ کر ان کے پاس پہنچے۔ ادب سے انہیں سلام کیا اور نہایت مؤدبانہ انداز میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ وہ مولوی صاحب کو ان کے گھر پہنچا کر اپنے دوستوں میں واپس آگئے۔

استاد کی رہنمائی میں چلنا:۔ جب تک طالب علم کی اپنی استعداد پختہ اور مطالعہ وسیع نہ ہو جائے اسے مادی وروحانی علوم میں صرف استاد کی رہنمائی پر اعتماد کرنا لازم ہے، تاکہ اس کا ذہن کسی قسم کے انتشار وابہام کا شکار نہ ہو۔ ایک وقت آئے گا جب ہر مسئلے میں اس کی اپنی تحقیق ہو گی۔ لیکن اس وقت تک طالب علم کے لیے استاد کی رائے پر چلنا اور اسے فوقیت دینا ضروری ہے ورنہ وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔

معلم کی عظمت:۔ استاد اگر صحیح معنوں میں استاد ہو تو وہ اپنے شاگردوں کی زندگیاں بدل سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کی انفرادی واجتماعی زندگی استاد کے ہاتھ میں ہے وہ زندگی کو جس رُخ پر چاہے موڑ سکتا ہے۔ معلم اگر اپنے علم کی منہ بولتی تصویر ہو۔ اخلاق وآداب کا نمونہ ہو تو اس کی ذات معاشرے میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ قوموں کی تقدیریں بدل سکتا ہے صالح انقلاب برپا کر سکتا ہے استاد اپنے زیرِ تعلیم شاگردوں کی خودی کو چمکا کر ان میں انفرادی اور اجتماعی انقلاب برپا کر سکتا ہے تاریخ میں اچھے اساتذہ نے ہر دور میں یہ کام کیا ہے ان کے نقوش تاریخ کے صفحات ہی میں نہیں، بلکہ عملی زندگی میں بھی نظر آتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مشاہیرِ عالم کی تمام تر شہرت وعظمت ان کے عظیم اساتذہ کی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔ لہذا استاد کو اس کے شایانِ شان مقام ملنا چاہیے۔

۳۳۔ عیدالفطرؒ

آج عید، کل عید، صبح عید، ہر شام عید ⁂ خدا کرے تمہارے لیے ہر لمحے کا ہو نام عید

مفہوم واہمیت:۔ عید کے معنی خوشی، مسرت یا جشن کے ہیں یا خوشی کا وہ دن مراد ہے جو بار بار لوٹ کر آئے۔ فطر کے معنی روزہ کھولنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے عیدالفطر اس عید کو کہتے ہیں جو فرزندانِ توحید رمضان المبارک کے روزے ختم ہونے کی خوشی میں شوال کی پہلی تاریخ کو مناتے ہیں۔ گویا عیدالفطر روزوں کی بخیر وخوبی تکمیل کی تقریب مسرت ہے سیاب اکبر آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہنستی ہوئی صبح روزِ عید آئی ہے ⁂ لے کے نئے جذباتِ سعید آئی ہے
یہ خوشخبری ہے روزہ داروں کے لیے ⁂ روزے جو گئے ان کی رسید آئی ہے

اسلامی تہواروں کی انفرادیت :۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دو اہم اور مشہور اسلامی تہوار ہیں جو ہر سال نہایت احترام اور عقیدت اور شان و شوکت کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ اسلامی تہوار ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں یہ تہوار اسلامی اقدار و روایات کی عکاسی کرتے ہیں اور اِن جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے خوشی و مسرت، سیر و تفریح اور شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان تہواروں میں ناجائز اور لغو باتوں سے مکمل طور پر اجتناب کیا جاتا ہے دوسری قومیں اپنے تہوار مناتے ہوئے اخلاقی قدروں کا لحاظ نہیں رکھتیں۔ لیکن ملتِ اسلامیہ اپنی مخصوص روایات و اقدار کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے تہوار ایک انفرادی شان کے ساتھ مناتی ہے۔

عیدالفطر کا تہوار :۔ عیدالفطر کا تہوار پورے عالمِ اسلام میں نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ اس روز تمام فرزندانِ توحید خواہ انہوں نے رمضان المبارک کے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں بے پناہ خوشی و مسرت کا سامان کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہی لوگ عید کی خوشیاں منانے کے زیادہ مستحق ہیں، جنہوں نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اور اس مبارک مہینے میں قرآن مجید زیادہ سے زیادہ پڑھا، سنا اور اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں :: اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

قرآن پاک میں مسلمانوں پر روزے فرض کرنے کی دو حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو اور دوسری یہ کہ مسلمان اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کریں جو ربّ العزت نے رمضان المبارک میں قرآن پاک نازل کر کے ان کو عطا فرمائی۔

عید کی تیاریاں :۔ جب رمضان المبارک کا پہلا پندرھواڑہ گزرتا ہے، عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ لوگ نئے کپڑے اور جوتے خریدنے شروع کر دیتے ہیں بازاروں میں خریداری شروع ہو جاتی ہے رشتہ داروں اور دوستوں کو عید کارڈ بھیجنے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ جوں ہی رمضان کی انتیس تاریخ آتی ہے، سب چھوٹے بڑے روزہ کھولتے ہی اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں اور ہلالِ عید کی تلاش میں بار بار آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ ان میں سے اگر کسی کو چاند نظر آ جائے تو وہ مارے خوشی کے اچھل پڑتے ہیں" وہ چاند ہے، وہ دیکھو اس درخت کی چوٹی سے ذرا اُوپر: دیکھیئے اس مکان کی منڈیر کے اس طرف" اس طرح نشاندہی پر آہستہ آہستہ گرد و پیش کے سب لوگ چاند دیکھ لیتے ہیں اور ہر طرف خوشی

کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ سب ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔

پیغام مسرت:۔ جونہی چاند ہو جانے کی خبر ملتی ہے، ہر شخص خوشی و مسرت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ ہر طرف دھوم مچ جاتی ہے۔ نوبتیں بجنے لگتی ہیں۔ سائرن بجنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گولے چھوٹتے ہیں۔ ہر طرف سے عید کی مبارک اور سلام کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ چھوٹے بڑوں کو سلام کرتے ہیں، بڑے دعائیں دیتے ہیں۔ لوگ دعائیں مانگتے ہیں کہ ان کی عبادتیں قبول ہوں اور آنے والا مہینہ رحمتوں کا پیغام لائے۔ بچوں کی خوشیوں کا تو خاص طور پر کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا۔ عید کے انتظار میں رات بڑی بے چینی سے گزرتی ہے۔

چہل پہل:۔ شام کے بعد عید کا اعلان ہوتے ہی بازاروں میں بڑی چہل پہل اور گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے۔ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ دھوبیوں اور درزیوں کی دکانوں پر خاص طور پر غیر معمولی گہما گہمی ہوتی ہے۔ عورتیں دھڑا دھڑ چوڑیاں خریدتی ہیں۔ سویّاں بیچنے والوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں دودھ دہی والوں کی دوکانوں پر بے پناہ ہجوم ہوتا ہے گھروں میں علی الصبح اٹھ کر پکانے کے لیے چاول اور سویّاں صاف کی جا رہی ہیں عید پر پہننے کے خاص جوڑے تیار کیے جا رہے ہیں۔ بچیاں ہاتھوں میں مہندی رچانے میں مصروف ہیں خوشی و مسرت کے اس ہنگامے میں بارہ بج جاتے ہیں اور کچھ وقت کے لیے سب افرادِ خانہ نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

روزِ عید:۔ اگلے روز فجر کی اذان کے ساتھ ہی لوگ جاگ اٹھتے ہیں۔ نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ نہاتے دھوتے ہیں اور نئے کپڑے زیب تن کرتے ہیں۔ گھروں میں عید کے پکوان شروع ہو جاتے ہیں۔ بالعموم لوگ سویّاں، حلوہ یا کوئی میٹھی چیز پکاتے ہیں، اسی لیے عید الفطر کو سویّوں کی عید یا میٹھی عید بھی کہتے ہیں۔ عید کے روز کوئی میٹھی چیز کھانا سنتِ رسول ہے۔ بچے بزرگوں کو سلام کر کے عید کی نماز سے پہلے عیدی وصول کرتے ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی مصروفیتوں میں نمازِ عید کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور چھوٹے بڑے مختلف ٹولیوں کی صورت میں زیرِ لب یعنی خاموشی کے ساتھ تکبیر پڑھتے ہوئے عید گاہ کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں

صدقۂ فطر:۔ شریعتِ اسلامی کی رُو سے نمازِ عید سے پہلے ہر صاحبِ حیثیت اور صاحبِ نصاب مسلمان پر صدقۂ فطر یا فطرانہ ادا کرنا لازم ہے۔ یہ صدقۂ فطر اڑھائی کلو گندم فی کس کے حساب سے ادا کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ غریب اور مفلس افراد بھی عید کی خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہو سکیں اسلامی احکام میں یہی حکمت رکھی گئی ہے کہ امراء اور صاحبِ حیثیت لوگ اپنے غریب

گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

عید اور شعراء عید کے موضوع پر شاعر حضرات نے خوب طبع آزمائی کرتے ہوئے دلی جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ہے۔ ذیل میں کچھ چیدہ چیدہ اشعار دیئے جاتے ہیں۔

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں — عید محکوماں ہجومِ مومنین (اقبال)

پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے — ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے (اقبال)

عید آئی نشاط کی پیامی بن کر — ہنگامِ سرور و شادمانی بن کر

اے کاش یہ چند لمحہ عیش و خوشی — رہ جائیں مسرتِ دوامی بن کر (سیماب اکبرآبادی)

داغِ فرقت کے سوا، درد محبت کے سوا — عیش کا ساتھ کسی نے نہ دیا عید کے دن

اے ہلالِ عید! تو قدرت کا اک پیمانہ ہے — پُر کسی کے واسطے خالی کسی کے واسطے

پیشِ نظر ہمارے ہے شامِ شبِ فراق — اس کی سحر جو ہو تو ہماری بھی عید ہے

چمک دمک جو افق پر ہے عارضی سی ہے — ابھی وہ عید کہاں جس کے انتظار میں تھے

محفلِ زیست میں پھر عید کی آہٹ پا کر — آج کچھ زخم مرے دل کے چھلک اٹھے ہیں

گلشنِ دل میں تمناؤں کے آزردہ طیور — مژدۂ عید سے شہ پا کے چہک اٹھے ہیں (ظفر عالمگیر)

کس زباں سے یہ کہوں نامِ خدا عید کے دن — سب ملے! ایک مگر تو نہ ملا عید کے دن (عیش)

عید الاضحیٰ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم — نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ (اقبال)

مفہوم و اہمیت "عید الاضحیٰ" کے لغوی معنی "قربانی کی عید" کے ہیں۔ کیونکہ اس روز حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی عظیم قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس عید کا نام عید الاضحیٰ پڑ گیا۔ اسے بقر عید یا عید قربان بھی کہتے ہیں۔ عربی میں "بقرہ" کے معنی گائے کے ہیں۔ چونکہ اس

اور کم حیثیت بھائیوں کا احساس رکھیں اور ان سے پوری پوری ہمدردی کریں۔

نمازِ عید

لوگوں کے عید گاہ کی طرف جانے کا منظر بھی بڑا حسین ہوتا ہے۔ رنگ برنگ اور زرق برق لباس عجیب بہار دیتے ہیں۔ نمازِ عید کا یہ عظیم اجتماع اسلامی تہذیب کا مظہر ہے۔ اس سے شوکتِ اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ جسے دیکھو عید گاہ کی طرف رواں دواں ہے۔ لاؤڈ سپیکر سے بار بار نمازِ عید کے وقت کا اعلان ہو رہا ہے۔ عام طور پر نمازِ عید کسی کھلے میدان یا عید گاہ میں ادا کی جاتی ہے۔ لیکن لوگوں کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے عام مساجد میں بھی نماز ادا کی جاتی ہے۔ بعض نمازی نمازِ عید کی تکبیروں کی تعداد اور ترتیب سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ یونہی ہاتھ چلاتے رہتے ہیں نماز کے بعد امام صاحب عید کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ اس خطبے کا سننا لازمی ہے۔ خطبے کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگی جاتی ہے۔

عید ملاپ

نمازی نمازِ عید سے فارغ ہونے کے بعد ایک دوسرے کو عید کی مبارک باد دیتے ہیں۔ اور آپس میں معانقہ کرتے ہیں۔ یعنی گلے ملتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں باہمی الفت و محبت اور یگانگت بڑھتی ہے۔ اس طرح عید ہمیں عالمگیر اخوت اور بھائی چارے کا درس دیتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی عید ملن پارٹیوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور یوں دل کی کدورتیں اور نفرتیں الفت و محبت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

تقریباتِ عید

نمازِ عید کے بعد عید کی تقریبات شروع ہوتی ہیں۔ ہر آبادی اور محلے میں میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔ بازاروں میں خوب رونق، چہل پہل اور گہما گہمی ہوتی ہے۔ مٹھائی اور پھلوں کی دکانوں پر غیر معمولی چہل پہل ہوتی ہے کھلونے اور غبارے بیچنے والے خوب کما رہے ہیں۔ بڑوں کے ہاتھوں میں مٹھائی کے ڈبے ہوتے ہیں۔ اور بچے کھلونوں اور غباروں سے لدے پھندے گھروں کو جا رہے ہیں۔ گھروں میں نفیس نفیس اور عمدہ عمدہ پکوان پکے ہوئے ہیں۔ پکوان رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں بھیجے جا رہے ہیں۔ عزیز دوست ملاقات کے لیے آ رہے ہیں۔ دعوتیں اڑائی جا رہی ہیں۔ ہر گھر خوشی و مسرت کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ خوشی اور میل ملاقات کا یہ سلسلہ شام تک جاری رہتا ہے۔ آخر غروب آفتاب کے بعد جب رات کے تاریک سائے رفتہ رفتہ پھیلنے لگتے ہیں۔ تو عید کی رونقیں بھی ان تاریکیوں میں

عید پر گائے کی قربانی بھی دی جاتی ہے۔ اس لیے اسے عید البقر کہتے ہیں۔ مسلمان یہ عید ہر سال دس ذوالحجہ کو مناتے ہیں۔ عید سے ایک روز پہلے مسلمانانِ عالم مرکزِ اسلام مکہ مکرمہ میں حج کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ حج کے موقعہ پر خاص طور پر اور پورے عالم اسلام میں عام طور پر فرزندانِ توحید جانوروں کی قربانی دیتے ہیں۔

اسلامی تہواروں کی انفرادیت

عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو اہم اور مشہور اسلامی تہوار ہیں۔ جو ہر سال نہایت اہتمام اور شان وشوکت کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ اسلامی تہوار ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں یہ تہوار اسلامی اقدار و روایات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور ان میں جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے۔ خوشی و مسرت، سیر و تفریح اور شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان تہواروں میں ناجائز اور لغو باتوں سے مکمل طور پر اجتناب کیا جاتا ہے۔ دوسری قومیں اپنے تہوار مناتے ہوئے اخلاقی قدروں کا لحاظ نہیں رکھتیں۔ لیکن ملت اسلامیہ اپنی مخصوص روایات و اقدار کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ اپنے تہوار ایک انفرادی شان کے ساتھ مناتی ہے۔

تاریخی پس منظر

حضرت ابراہیمؑ کا خواب

عید الاضحیٰ کا تہوار ایک مبارک تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے ایک رات خواب دیکھا کہ وہ اپنے چہیتے فرزند حضرت اسمعیلؑ کو خدا کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ چونکہ حضرات انبیائے کرامؑ کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ میری اس عزیز ترین متاع کی قربانی چاہتا ہے بقول حفیظ جالندھری ؎

بشارت خواب میں پائی کہ اٹھ ہمت کا ساماں کر
پئے خوشنودئ مولیٰ اسی بیٹے کو قرباں کر

حضرت ابراہیمؑ نے اپنا یہ خواب اپنے پیارے بیٹے حضرت اسمعیلؑ سے بیان کیا اور پوچھا "بیٹا! تیرا کیا خیال ہے؟"

حضرت اسمٰعیلؑ نے عرض کیا" ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ اسے بجا لائیے آپ انشاءاللہ مجھے صابروں میں پائیں گے"۔ بقول علامہ اقبال ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی؟

عظیم قربانی

حضرت ابراہیمؑ بیٹے کی یہ اطاعت اور فرمانبرداری دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بیٹے کو ساتھ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں شیطان نے حضرت اسمٰعیلؑ کو بہکانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس کی باتوں میں نہ آئے جنگل میں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیارے لختِ جگر کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دیا۔

حضرت اسمٰعیلؑ نے عرض کیا، ابا جان! آپ میرے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ لیں۔ مبادا میں تڑپ کر چھوٹ جاؤں۔ ساتھ ہی آپ اپنی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ لیجیے۔ مبادا آپ کو مجھ پر رحم آجائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا اور پھر اللہ کا نام لے کر چھری حضرت اسمٰعیلؑ کے حلقوم پر پھیرنے لگے۔ لیکن چھری نے خدا کے حکم کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ کا ایک بال بھی بیکا نہ کیا۔ بقول حفیظ جالندھری ؎

مشیت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا کہ اسمٰعیلؑ کا اک رونگٹا کٹنے نہیں پایا

جانور کی قربانی

جب حضرت ابراہیمؑ کے چھری چلانے کے باوجود حضرت اسمٰعیلؑ ذبح نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی: "اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں کے لیے ابراہیمؑ کی یہ سنت چھوڑ دی"۔ چنانچہ حضرت جبرائیلؑ ایک مینڈھا لے کر حاضر ہوئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اسے خدا کی راہ میں ذبح کیا۔ یہی وہ قربانی ہے۔ جو اللہ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار ہمیشہ کے لیے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیائے اسلام اس ذبح عظیم کی یاد تازہ کرتی ہے۔ بقول حفیظ جالندھری ؎

غرض دنبہ ہوا قربان اسمٰعیلؑ کے صدقے ہوئی یہ سنت اس ایمان کی تکمیل کے صدقے

قربانی کا ثواب اور فلسفہ

قربانی کی فضیلت اور اجر و ثواب بے بہا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: "خدا کے نزدیک قربانی کے دن قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی"۔ قربانی کی اصل روح تقویٰ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے "اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم

شریعت اسلامی کی رو سے قربانی کے گوشت کے تین برابر حصے کئے جاتے ہیں۔ ایک حصہ اپنے لیے، دوسرا حصہ رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے اور تیسرا حصہ مساکین کے لیے۔ قربانی کی یہ تقریب ۱۲ ذوالحجہ تک جاری رہتی ہے۔ اسی قربانی کی یہ حکمت و برکت ہے۔ کہ غریب سے غریب شخص بھی ان دنوں گوشت سے محروم نہیں رہتا۔

جانوروں کی خریداری

عیدالاضحیٰ کی تیاریوں میں سے اہم ترین تیاری قربانی کے جانوروں کی فراہمی اور خریداری ہے۔ بعض لوگ قربانی کے جانور پہلے سے خرید کر ذوق و شوق سے پالتے ہیں۔ اور اکثر لوگ عید کے موقع پر جانور خریدتے ہیں۔ اس موقع پر جا بجا جانوروں کی منڈیاں لگتی ہیں۔ قربانی کے ان جانوروں میں اونٹ، گائے، دنبے اور بکرے شامل ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کے جانور خریدتا ہے۔ لوگ انہیں شوق سے مہندی اور رنگ لگاتے ہیں۔

نمازِ عید

عیدالفطر کی طرح عیدالاضحیٰ کا تہوار بھی بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ بچے اور بوڑھے مرد عورتیں صبح سویرے اٹھتے ہیں نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ اور نہا دھو کر نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ مرد عید گاہ کی راہ لیتے ہیں۔ جب کہ عورتیں عید کے رنگا رنگ پکوان پکانے میں لگ جاتی ہیں۔ عیدالفطر کے برعکس اس عید پر قربانی سے پہلے کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔ لوگ بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے عید گاہوں کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ سب مسلمان بڑے ادب سے خطبہ سنتے اور علمائے کرام کے مواعظِ حسنہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیتے ہیں۔ اور معانقہ کرتے ہیں۔

گلے ملتے ہیں۔ پھر وہ تکبیر پڑھتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس آتے ہیں۔

تقریباتِ عید اگرچہ اس عید کے موقع پر بھی خوب رونق چہل پہل اور گہما گہمی ہوتی ہے اور ہر طرف میلے کا سماں ہوتا ہے۔ لیکن اس عید کی اہم ترین تقریب قربانی ہے۔ بچے زرق برق لباس پہنے عیدی کی رقم جیب میں ڈالے عید میلے کی راہ لیتے ہیں۔ اور بڑے اپنے اپنے گھروں میں آ کر قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے انتظامات میں لگ جاتے ہیں۔ قربانی کا گوشت رشتہ داروں، دوستوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور خوب دعوتیں اڑائی جاتی ہیں۔ لوگ فریجوں میں کئی کئی دن کے لیے گوشت محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس موقع پر مختلف ادارے قربانی کی کھالیں اکٹھی کرتے ہیں۔ کھالوں سے حاصل شدہ رقم دینی مدارس اور رفاعی کاموں پر صرف کی جاتی ہے۔ عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ بھی اپنے پیچھے یادگار نقوش چھوڑ جاتی ہے۔

موسمِ بہار

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر

موسموں کا تغیر و تبدل خالقِ کائنات نے کارخانۂ ہستی میں تنوع اور تغیر و تبدل کا کام جاری و ساری کر رکھا ہے۔ جہانِ رنگ و بو میں کسی شے کو سکون و ثبات حاصل نہیں ہے۔ حرکت اور تبدیلی کا عمل ہر لحظہ جاری رہتا ہے۔ اسی اصول کے تحت قدرت اپنے اپنے وقت پر موسموں کو بدلتی رہتی ہے۔ موسموں کا یہ تغیر و تبدل دنیا کی رونق اور آبادی کے لیے ضروری ہے۔ اگر ہمیشہ ایک ہی موسم رہتا تو اس کرۂ ارضی پر انسان اور حیوان زندہ نہ رہ سکتے۔ یہ تغیر و تبدل اور تنوع دنیا کی آبادی، رونق، چہل پہل اور دلچسپی و رنگینی کے لیے ضروری ہے۔ بقول ذوق۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ہمارے ملک میں چار موسم پائے جاتے ہیں۔ موسم سرما، موسم گرما، موسم برسات

موسمِ بہار، موسمِ بہار ان سب موسموں کا سرتاج ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں یہ موسم مہینہ بھر (یعنی مارچ میں) ختم ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسرے موسم تقریباً تین تین ماہ تک چلتے رہتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں بہار کا موسم نسبتاً زیادہ عرصہ تک رہتا ہے۔

مناظرِ بہار موسم بہار کے مناظر دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں الفاظ میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

موسمِ بہار کیا ہے۔ یہ اپنے جلو میں خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اس کی آمد سے ہر طرف زندگی کی نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔ فضا اور ماحول خوشبوؤں اور رنگینیوں سے بس جاتا ہے۔ باغ و صحرا رنگارنگ پھولوں سے بھر جاتے ہیں۔ کوہ و دشت، وادیوں اور میدانوں میں سبزے کا فرش زمردیں بچھ جاتا ہے۔ ٹنڈ منڈ شاخیں ہری بھری ہو کر لہلہانے لگتی ہیں۔ پودوں پر نیا رنگ اور نکھار آجاتا ہے۔ درخت اپنا پرانا لباس تبدیل کر کے سبز پیراہن زیبِ تن کر لیتے ہیں۔ ٹہنیاں برگ و بار اور پھولوں سے لد جاتی ہیں نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ کلیاں مسکراتی ہیں۔ پھول کھلتے ہیں۔ غنچے چٹکتے ہیں۔ بادِ بہار کے مست جھونکے ہر طرف اٹکھیلیاں کرتے پھرتے ہیں۔ بلبلیں چہکتی ہیں۔ فاختائیں کو کو کرتی ہیں۔ طائران خوشنوا چہچہاتے اور گیت گاتے ہیں۔ تتلیاں رقص کرتی اور بھنورے ناچتے ہیں۔ سبزہ لہلہاتا ہے۔ جس سے آنکھوں کو طراوت اور دل و جگر کو تازگی اور ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ اس پر فضا ماحول سے طبیعت پر فرحت بخش اور خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ دلوں میں امنگ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

بہار کی رنگینیاں موسمِ بہار کی رنگینیوں اور رعنائیوں کا کیا کہنا! کون ہے جو اس موسم کے حسن و جمال اور دلکشی و رعنائی کا والا و شیدا اور فریفتہ نہیں ہے؟ کون ہے جس کی افسردہ اور بجھی ہوئی طبیعت نسیم بہار کے خوشگوار اور فرحت انگیز جھونکوں سے تروتازہ اور شاداب نہیں ہو جاتی۔ کوئی بوڑھا ہو یا جوان اس موسم کی دلکشیوں، رعنائیوں اور دلفریبیوں کو دیکھ کر پکار اٹھتا ہے۔ "کاش! موسم بہار ہمیشہ رہتا"۔ وہ شخص کس قدر بد ذوق اور مردہ دِل ہے۔ جو بہار کی رنگینیوں

اور رعنائیوں سے منہ موڑ لیتا ہے۔ شاعر اور ادیب تو اس موسم کی دلفریبیوں پر جان دیتے ہیں۔ دنیا میں کوئی شاعر شاید ہی ایسا ہوگا۔ جس نے بہار کی تعریف میں نغمہ سرائی نہ کی ہو۔ اور اس کے رنگا رنگ مناظر کا نقشہ اپنے قلم سے نہ کھینچا ہو۔ دنیا کے کسی ادب کا بھی مطالعہ کیجیے۔ بہار کے دلکش مرقعے جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔

جنت نگاہ

اس دلکش اور سہلانے موسم میں دامنِ کہسار کا حسن کچھ اور بھی نکھر جاتا ہے۔ اس پر کیف اور روح پرور ماحول میں دل کے ویرانے میں بھی مسرت کے پھول کھلنے لگتے ہیں۔ چمن زاروں کی خوبصورتی، دلکشی اور رعنائی دیکھیے تو جی چاہتا ہے کہ اس جنت نگاہ میں گم ہو جائیے۔ اور دنیا و مافیہا کے غموں کو بھلا دیجیے۔ بہار کے یہ دلکش و دلفریب مناظر۔ علاجِ رنج و غم کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اور افسردہ و غمزدہ دلوں کو خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام دیتے ہیں۔

عطیہ خداوندی

بہار کا یہ دلفریب موسم فی الحقیقت انسان کے لیے قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ اس موسم میں نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے نہ زیادہ سردی، بلکہ ہوا میں ایک خوشگوار اعتدال پایا جاتا ہے۔ اس اعتدال کا انسان کی طبیعت پر انتہائی خوشگوار اثر ہوتا ہے۔ صبح کی سیر کا صحیح لطف اس موسم میں آتا ہے، کام کاج میں خوب جی لگتا ہے۔ جسم میں نیا اور تازہ خون گردش کرنے لگتا ہے۔ طبیعت چوبیس گھنٹے ہشاش بشاش اور شگفتہ رہتی ہے۔ کڑکڑاتے جاڑوں کے ستائے ہوئے انسان اس موسم میں نئی زندگی محسوس کرتے ہیں۔ الغرض یہ موسم اپنی کیفیت کے لحاظ سے دنیا کا بہترین موسم سمجھا جاتا ہے۔

بہار شعراء کی نظر میں

موسمِ بہار شعراء کا محبوب اور دل پسند موضوعِ سخن ہے ہر شاعر نے اپنے مخصوص انداز میں بہار کے مناظر کی عکاسی اور تصویر کشی کی ہے۔ ذیل میں کچھ چیدہ چیدہ اشعار دیے جاتے ہیں۔

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن (اقبال)

پھر اس انداز سے بہار آئی ∴ کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی (غالب)

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن ۔ (اقبالؔ)

چلتے ہو تو چمن کو چلیئے ، کہتے ہیں کہ بہاراں ہے ۔
پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم باد و باراں ہے (میر تقی میرؔ) ۔

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں! (امیر مینائیؔ)

نکھر آئی نکھار آئی سنور آئی سنوار آئی ؛؛ گلوں کی زندگی لیکر گلستاں میں بہار آئی (نوح ناروی)

ہر چیز پر شباب ہے ہر شے میں حسن ہے ؛؛ دنیا جوان ہو گئی فصلِ بہار میں

ادیب کی نظر میں

ادباء نے بھی منظرِ بہار پر رنگینیٔ بیان کے خوب جوہر دکھائے ہیں ۔ سر شیخ عبدالقادر ایک بلند پایہ ادیب تھے ۔ وہ بہار کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ۔

" ذرا آنکھ کھول کر دیکھو۔ کیا بہار ہے ! نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے ، بادِ صبا کی اٹھکیلیاں، چلتے ہوئے پانی، بہتی ہوئی ندیاں ، شفاف جھیلیں ، زخار سمندر، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ اور ان کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں ، پھولوں کے تختے اور پھلوں سے لدی ڈالیاں ، درخت اور ان کے ہرے ہرے پتے اور سبزے کے فرشِ زمردیں ، پکے ہوئے کھیت اور ان میں قوتِ زندگی سے بھرے ہوئے سنہرے خوشے ، نگاہ کیلئے جنت نہیں تو کیا ہے ؟ بلبل اور اس کی خوش نوائی ، فاختہ اور اسکی کوکو ، کوئل اور اس کی کوک پپیہا اور اس کی " پی کہاں ؟ " یہ نغمہ نہیں تو کیا ہے ؟ اسی کو فردوسِ گوش کہتے ہیں ، قدرت کا یہ ساز ہر وقت تمہارے خوش کرنے کو تیار ہے ۔ اس کا ساز ندہ نہ کبھی تھکتا ہے اور نہ کبھی اس کی آواز میں ضعف آتا ہے ۔ یہ وہ ساز ہے ۔ جس کے لیے بگڑنا نہیں بنا ۔ قدرت کا حسن کچھ مناظر کوہ و دشت اور باغ و راغ پر ہی ختم نہیں ہوا ۔ نہ اس کی آواز پرندوں کی خوش الحانی تک محدود ہے آنکھ بینا ہو تو ہر جگہ حسن کا جلوہ موجود ہے " ۔ بقول مرزا غالبؔ ؎

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے ،
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے ،

ایک ناقابلِ فراموش واقعہ

تمہید انسانی زندگی گوناگوں واقعات وحادثات کا مرقع ہے انسان کو شب وروز بیشمار واقعات پیش آتے ہیں ان میں سے بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے معمولی اور غیر اہم ہوتے ہیں اور انسان بہت جلد انہیں فراموش کر دیتا ہے لیکن بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے دل ودماغ پر گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور وہ ناقابلِ فراموش بنکر رہ جاتے ہیں اس مضمون میں مجھے ایک ایسا ہی واقعہ بیان کرنا ہے جسے میں آج تک فراموش نہیں کر سکا اور اس واقعہ کی یاد ہمیشہ میرے دل ودماغ پر ثبت رہے گی۔

کوہ مری کی سیر کا پروگرام میرے دل میں ایک عرصہ دراز سے کوہ مری کی سیر کی آرزو مچل رہی تھی میں نے اپنے والد صاحب سے کئی مرتبہ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور انہوں نے کسی مناسب موقع پر اس خواہش کی تکمیل کا وعدہ فرمایا۔ پچھلے سال کی بات ہے کہ ہمیں اسکول سے موسمِ گرما کی تعطیلات تھیں۔ میں نے اور میرے بہن بھائیوں نے اباجان سے اس خواہش کا اعادہ کیا۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اباجان نے ہماری خواہش کی تکمیل کی ہامی بھرلی۔ ہمارے دل باغ باغ ہو گئے۔ ہم نے نہایت ذوق وشوق سے تیاریاں شروع کر دیں اور ہم لوگ بڑی بے تابی سے اس پُرمسرت دن کا انتظار کرنے لگے۔ ہم خیال ہی خیال میں اپنے ذہنوں میں کوہ مری کی سیر کا پروگرام ترتیب دینے لگے۔

روانگی خدا خدا کر کے وہ پُرمسرت دن آن پہنچا۔ ہم تینوں بہن بھائی سویرے منہ اندھیرے اُٹھ بیٹھے فرطِ مسرت سے ہمارے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے تھے۔ کوہ مری کے خیالی مناظر ہماری آنکھوں میں گھوم رہے تھے امی جان نے ناشتہ تیار کیا۔ ہم نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے۔ ناشتہ کیا۔ اپنے اپنے بیگ اور توشہ دان ہاتھوں میں لیے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے باہر گلی میں آ گئے۔ ہم نے ایک اعلیٰ درجے کا کیمرہ بھی اپنے بیگ میں ہمراہ لے لیا۔ تاکہ مری کے خوبصورت مناظر کی تصاویر اتار سکیں باہر کار ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ نوکر نے ہمارا سامان ڈگی میں رکھا اور بستر کو کار کی چھت پر لاد دیا۔ اتنے میں اباجان بھی پہنچ گئے۔ ہم سب لوگ خوشی خوشی کار میں بیٹھے اور اباجان کا اشارہ پاکر ڈرائیور نے کار سٹارٹ کر دی۔ اس وقت ہمارے دلوں کی عجیب کیفیت تھی۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ بس یوں سمجھیں کہ ہماری دیرینہ آرزو تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی۔

دورانِ سفر اب ہم لاہور کی پرہجوم سڑکوں سے گزر کر جی ٹی روڈ آ چکے تھے۔ ہماری کار فراٹے بھرتی ہوئی راولپنڈی کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ راستے میں ہمیں گوجرانوالہ، وزیرآباد، گجرات اور جہلم جیسے مشہور شہروں کو دور سے دیکھنے اور دریائے راوی، چناب اور جہلم جیسے عظیم دریاؤں کو عبور کرنے کا اتفاق ہوا۔ سفر مشاہدات کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ ہم ان شہروں اور دریاؤں پر طائرانہ نظر ڈالتے، راستے کے میدانوں اور پہاڑی مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کوئی دس بجے کے قریب راولپنڈی پہنچ گئے ہم مری روڈ پر سفر کر رہے تھے۔ ایک جگہ ابا جان نے ڈرائیور کو کار روکنے کو کہا۔ پاس ہی ایک ہوٹل تھا۔ ہم کار سے اترے اور ہوٹل میں جا کر چائے پی۔ کچھ دیر ستانے سے ہم تازہ دم ہو گئے۔

بستر کی گمشدگی چائے سے فارغ ہو کر ہم کار کی طرف بڑھے۔ اچانک میری نظر کار کی چھت پر پڑی۔ جو خالی تھی اور بستر غائب تھا۔ میں بے اختیار چلّایا، "ابّا جان! بستر کہاں گیا؟" ابا جان نے گھبرا کر کار کی چھت پر دیکھا۔ واقعی بستر غائب تھا۔ ہم لوگ اس ناگہانی حادثے پر سخت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اس بستر میں قیمتی کمبلوں کے علاوہ ہمارے گرم اور سردیوں کے دو دو جوڑے، کچھ سوئٹر، تولیے اور دیگر سامان بھی تھا۔ ابّا جان کا خیال تھا کہ کسی جگہ پر سڑک کا موڑ تیزی سے کاٹتے ہوئے بستر کار پر سے گر گیا ہے۔ بہتر ہے فوراً چند کلومیٹر پیچھے چلیں، شاید مل جائے۔ ظاہر ہے اس بستر کے بغیر ہمیں سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔

بستر کی تلاش اب ہم بستر کی تلاش میں نکلے۔ ڈرائیور نے کار کا رخ پیچھے کی طرف موڑا اور اب ہم الٹے پاؤں راولپنڈی سے گوجر خاں کی طرف جا رہے تھے۔ ابھی ہم نے راولپنڈی سے کوئی پانچ کلومیٹر کی مسافت ہی طے کی ہو گی کہ ایک جگہ ہم نے لوگوں کا ایک مختصر ہجوم دیکھا۔ ابّا جان نے کار کو روکنے کا اشارہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ لیکن جب ہم کار سے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی بھیڑ میں ایک نوجوان ہمارا بستر سامنے رکھے بیٹھا ہے۔ اور لوگوں کو بتا رہا ہے کہ یہ بستر مجھے ابھی ابھی سڑک پر پڑا ہوا ملا ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے کاش مجھے اس کا مالک مل جائے اور میں اس امانت کو اس کے حوالے کر کے خدا کے ہاں سرخرو ہو جاؤں۔"

بستر کی دستیابی اپنے بستر کو اچانک سامنے دیکھ کر ہماری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ابّا جان نے آگے بڑھ کر اس نوجوان سے کہا " برخوردار! یہ بستر ہمارا ہے۔ ہم لاہور سے آئے ہیں۔ راولپنڈی جا رہے ہیں۔ راولپنڈی پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ ہمارا بستر کہیں راستے میں گر گیا ہے۔ اور اب بستر کی تلاش ہی میں ہم الٹے پاؤں واپس آئے ہیں " یہ بات سن کر اس نوجوان کا چہرہ خوشی سے تمتا اٹھا، کہنے لگا " ٹھیک ہے آپ کی امانت ہے لے لیں۔ میں تو گھنٹے بھر سے اسی لیے بیٹھا ہوں اور اس کے مالک کی تلاش میں ہوں۔ مگر قبلہ! مجھے کیسے یقین آئے کہ یہ بستر آپ کا ہے " اس پر ابا جان نے ان تمام چیزوں کی تفصیل بتائی جو بستر میں بند تھیں۔ چنانچہ جب بستر کھول کر دیکھا گیا۔ تو ابا جان کے بیان کی تصدیق ہو گئی نوجوان نے بستر ہمارے حوالے کر دیا اور خدا کا شکر بجا لایا۔

ایمانداری کی اعلیٰ مثال ابا جان نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا۔ ہم اس نوجوان کی اس ایمانداری سے بہت متاثر ہوئے۔ تمام لوگ اس کی دیانت داری کی داد دے رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ابھی دنیا نیکی سے خالی نہیں ہوئی اب بھی اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اپنے دلوں میں خدا کا خوف مرجزن رکھتے ہیں بقول مولانا حالیؒ ؎

بہت خوشی ہوا حالیؔ سے مل کر ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ابا جان نے اس نوجوان کو مبلغ ایک سو روپے بطور انعام پیش کیے۔ لیکن اس نے قبول نہ کیے۔ اور کہا " میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ انعام کس بات کا لوں؟ " ہم اس کے اس خلوص سے اور بھی متاثر ہوئے۔

سیر کی تکمیل ڈرائیور نے بستر اٹھا کر گاڑی پر رکھا اور اسے مضبوطی کے ساتھ رسّی سے باندھ دیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس سے پہلے اس نے بستر کو اچھی طرح نہیں باندھا تھا ہم اس پریشانی سے نجات پانے پر دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے تھے اور اس دیانتدار نوجوان کو دعائیں دیتے ہوئے کار پر سوار ہوئے اور اپنی سیر کے پروگرام کی تکمیل کے لیے راولپنڈی کی طرف روانہ ہو گئے۔

نتیجہ:۔ یہ ایک یادگار واقعہ تھا۔ میں آج تک اسے فراموش نہیں کر سکا۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے ذہن میں نقش رہے گا ایسے ہی دیانتدار اور مخلص افراد کسی قوم کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔

میرا مقصدِ زندگی

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے (میر تقی میر)

حقیقی مقصدِ زندگی

اللہ تعالےٰ نے اس کائنات کو کسی مقصد کے تحت بنایا ہے کائنات کی ہر مخلوق اور ہر شے ایک خاص مقصد کے تحت کام کر رہی ہے۔ انسان کی تخلیق کا بھی ایک خاص مقصد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو کرۂ ارض پر اپنا خلیفہ یعنی نائب بنا کر بھیجا ہے انسان اشرف المخلوقات ہونے کے لحاظ سے منصبِ خلافت پر فائز ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ یعنی "بے شک میں انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔" انسان کی دنیا و آخرت کی کامیابی اس بارے میں مضمر ہے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کے راستے پر چلے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ؕ یعنی "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟" پھر ارشاد ہوتا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ؕ یعنی "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔" واضح رہے کہ عبادت میں رکوع و سجود اور ذکر و نماز کے ساتھ اطاعت بھی شامل ہے۔ میں اسی مقصد کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

خدمتِ خلق

اللہ تعالےٰ کی عبادت و اطاعت کے بعد انسانی زندگی کا بڑا مقصد خدمتِ خلق ہے۔ میں خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے والدین رشتہ داروں، اساتذہ، پڑوسیوں، اہل وطن اور جملہ انسانوں کی بلا تفریق مذہب و ملت خدمت اپنا شعار بنا لوں گا۔ انسان کو ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے اور آپس میں ہمدردی و ایثار کا برتاؤ کرنا چاہیے، یہی عبادت کی روح ہے۔ بقول میر دردؔ ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کم نہ تھے کرّو بیاں

مولانا الطاف حسین حالی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں کہ کام آئے دُنیا میں انساں کے انساں

عِلم کی لگن

عِلم بڑی دولت ہے بلکہ یہی اصل دولت ہے، علم ہی کے ذریعے انسان خدا کو اور اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے، علم ہی کی بدولت انسان اشرف المخلوقات

کہلاتا ہے، علم ہی کی وجہ سے انسان کو فرشتوں پر برتری حاصل ہے

جو پایہ علم سے پایا بشر نے ــــ فرشتوں نے بھی وہ پایہ نہ پایا

دُنیا میں وہی افراد اور قومیں سربلند و سرفراز ہوتی ہیں جو خود کو زیورِ علم سے آراستہ کرتی ہیں یہ علم اور تعلیم کا دور ہے۔ میری زندگی کا نصب العین حصولِ علم ہے۔ مجھے علم سے گہرا لگاؤ ہے۔ یہ میری زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ میں حصولِ علم کے لئے شب و روز محنت کروں گا۔ میں ایسا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہو، زندگی کا شعور بخشے اور جدید تقاضوں کی تکمیل کرے۔

ذاتی مستقبل

میں ایک طرف تو علم حاصل کرنا چاہتا ہوں اور دوسری طرف کوئی ہُنر اور پیشہ ورانہ مہارت حاصل کر کے اپنا مستقبل سنوارنا چاہتا ہوں اس طرح میں کوئی باعزت ذریعہ معاش اختیار کرنا چاہتا ہوں، تاکہ میں ایک باوقار اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکوں۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا اور نہ کسی کا دستِ نگر بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ میں جائز اور حلال طریقے سے روزی کما کر ایک صاف ستھری زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

خاندان کا مستقبل

میں اپنا مستقبل سنوارنے کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان کا مستقبل بھی بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنے والدین کی خدمت بجالانا چاہتا ہوں۔ والدین اپنا پیٹ کاٹ کر مجھے تعلیم دلا رہے ہیں اُن کی مجھ سے بہت سی آرزوئیں اور توقعات وابستہ ہیں۔ میں اُن کی توقعات پر پورا اُترنا چاہتا ہوں اس کے علاوہ میں اپنے بہن بھائیوں اور دیگر عزیز و اقارب کے حقوق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس طرح میں اپنے خاندان کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

ملک وقوم کا مستقبل

مجھ پر میری قوم اور میرے ملک کے بھی اہم فرائض عائد ہوتے ہیں میں ان فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے افراد کی قابلیت، محنت اور جدوجہد ہی قوم کی ترقی و خوشحالی کی ضمانت فراہم کرتی ہے، پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اس کی ترقی خوشحالی اور استحکام کے لئے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو بلند سیرت و کردار کے مالک ہوں اور اعلیٰ تعلیمی و پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں میں ایک ایسا مثالی فرد بن کر ملک و قوم کا مستقبل روشن و تابناک بنانا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹری کا پیشہ

میں ڈاکٹری کو ایک پیشے کے طور پر اپنانا چاہتا ہوں۔ یہ ایک معزز اور باوقار پیشہ ہے مجھے یہ پیشہ بے حد پسند ہے، یہ ایک طرف تو انسانیت کی خدمت کا ذریعہ ہے، اور دوسری طرف انسان اس کی بدولت ایک باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی معاشرے میں بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے اور پھر ہمارے ملک میں اچھے ڈاکٹروں کی بہت کمی ہے، میں اس کمی کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگری حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

حصولِ منزل

ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے میں سائنسی مضامین کے ساتھ میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کروں گا۔ پھر میں ایف۔ایس۔سی کرنے کے لئے کسی اچھے سے کالج میں داخلہ لوں گا۔ میں ایف۔ایس۔سی میں خوب محنت کروں گا، تاکہ میں اعلیٰ نمبر حاصل کر کے کسی اچھے سے میڈیکل کالج میں داخلہ حاصل کر سکوں۔ میرا میڈیکل کورس پانچ سال میں مکمل ہوگا۔ پھر میں ہاؤس جاب کر کے ڈاکٹری کا عملی تجربہ حاصل کروں گا

اعلیٰ تعلیم

ایم۔بی۔بی۔ایس کرنے کے بعد میں کچھ عرصہ سروس کروں گا اور پھر ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا۔ اس طرح میں اس پیشے میں خصوصی مہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اعلیٰ تعلیم میں اپنے ملک میں رہتے ہوئے بھی حاصل کر سکتا ہوں اور اس مقصد کے لئے بیرونِ ملک بھی جا سکتا ہوں۔ بہرحال اس کا انحصار حالات پر ہے۔

دکھی انسانیت کی خدمت

میں ڈاکٹری کا پیشہ اس لئے اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ دکھی انسانیت کی خدمت کر سکوں۔ میں جب مختلف امراض کے ہاتھوں ستائے ہوئے افراد کو دیکھتا ہوں تو میرا دل کڑھتا ہے۔ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ بے شمار مریض مناسب علاج کی بدولت صحت یاب ہو کر اس قابل ہوئے کہ وہ انسانیت کی بہترین خدمات سرانجام دے سکیں۔ میں اسی کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔ میں ان دکھی انسانوں کا سہارا بننا چاہتا ہوں

اصل مقصود

میرا اصل مقصود بیماروں کی صحت یابی ہوگا۔ میں غریب اور نادار افراد کا علاج مفت کروں گا۔ میرا مقصد مریضوں سے پیسے بٹورنا اور اُن سے بھاری فیس حاصل کرنا نہیں ہوگا۔ میں اپنی فیس کی شرح معقول اور مناسب رکھوں گا۔ میں ایک ہمدرد، شفیق اور دردمند ڈاکٹر بن کر لوگوں کی خدمت بجا لاؤں گا

اللہ رب العزت مجھے ان نیک مقاصد میں کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین

تعمیرِ قوم میں طلبہ کا حصہ

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ۔۔۔ ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد (اقبالؔ)

نوجوان اصل سرمایہ

یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ نوجوان کسی قوم کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ قوم کی امیدیں اور توقعات انہی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ یہی نوجوان جو اِس وقت مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم و تربیت کی منزل سے گزر رہے ہیں، قومی مستقبل کی تعمیر و تشکیل کا انحصار انہی کے عزم و عمل پر ہے، مستقبل کی گرانبار ذمہ داریوں کا بوجھ انہی نوجوانوں نے اپنے کندھوں پر اُٹھانا ہے، انہی نوجوانوں کو ملکی زندگی کے مختلف شعبوں کی ترقی کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے کوئی قوم اپنے نوجوانوں سے صرفِ نظر کر کے تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ نوجوان ہی قوم کے مستقبل کے اصل معمار ہیں۔

تعلیم کی اہمیت

تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ دُنیا میں وہی قوم ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے جو تعلیم کے میدان میں پیش پیش ہو اور جس کے نوجوان اور نونہال بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوں۔ آج کی وسیع اور پیہم بدلتی ہوئی دنیا پر ایک نظر ڈالئے۔ اس وقت جو قومیں ترقی کی معراج پر پہنچی ہوئی ہیں انہوں نے تعلیم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے۔ اور جہالت اور ناخواندگی کو اپنے ملک سے یکسر ختم کرنے کی منظم مہم چلائی ہے اور بالآخر اس میں کامیابی حاصل کر کے دنیا میں ایک بلند مقام پر فائز ہوئی ہیں۔ مسلمان قوم تو ہر طرح کے علوم و فنون کی بانی اور رہنما رہی ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعے ہم پھر سے وہ مقام حاصل کر سکتے ہیں جو عہد ماضی میں ہمیں حاصل تھا

مقاصدِ تعلیم

سب سے پہلے ہمیں تعلیم کے اغراض و مقاصد کا تعین کرنا ہوگا ظاہر ہے کہ ہر قوم کا نظام تعلیم اس کے مخصوص عقائد، نظریات اور اقدار و روایات کا آئینہ دار ہوتا ہے انگریز نے ہمیں جو نظام تعلیم دیا وہ اس کے مخصوص نظریات اور اقدار کا ترجمان تھا۔ یہ نظام تعلیم ہمارے مذہب و ملت کے خلاف ایک گہری سازش تھی۔ بقول علامہ اقبال۔

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ۔۔۔ ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اکبر الہ آبادی نے بھی مغربی نظامِ تعلیم کی یوں مذمت کی ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہمارا نظامِ تعلیم ایسا ہونا چاہیئے جو ہماری ملی روایات و اقدار اور عقائد و نظریات کی ترجمانی کرے۔ ایک طرف وہ اعلیٰ سیرت و کردار کی تشکیل کرے اور دوسری طرف وہ دورِ جدید کے تقاضوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو گویا ہمارا نظامِ تعلیم ایسا ہونا چاہیئے جو ہمارے نوجوانوں کو مثالی مسلمان، بہتر انسان اور محبِ وطن پاکستانی بنا سکے نظامِ تعلیم کو قوموں کی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے کسی قوم کو بدلنا ہو تو اس کا نظامِ تعلیم بدل دیجیے، وہ قوم بدل جائیگی۔

اعلیٰ سیرت و کردار ہمارے نوجوانوں کو اعلیٰ سیرت و کردار کا مالک ہونا چاہیئے اور اپنے اندر اوصافِ حمیدہ پیدا کرنے چاہئیں۔ بلند اخلاق اور اعلیٰ سیرت و کردار کے بغیر محض علوم و فنون کی ترقی، ملک و قوم کی ترقی میں ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتی۔ ایک مشہور انگریزی مقولہ ہے کہ "اگر تم نے دولت کھو دی تو تم نے کچھ نہ کھویا اگر تم نے صحت کھو دی تو کسی حد تک کھویا۔ لیکن اگر تم نے کردار کھو دیا تو سب کچھ کھو دیا" ہمارے نوجوانوں کو اپنے اندر تقویٰ، امانت و دیانت، صداقت، راست بازی، ایثار و قربانی اور عدالت و شجاعت جیسے اعلیٰ اوصاف پیدا کرنے چاہئیں تاکہ وہ اعلیٰ و ارفع مقاصد کی تکمیل کر سکیں بقول علامہ اقبالؒ

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

جدید تقاضے ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو دورِ جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تیار کریں۔ یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے دنیا تیزی کے ساتھ ارتقائی مراحل طے کر رہی ہے۔ جو افراد اور قومیں ان جدید تقاضوں کی تکمیل نہ کر سکیں وہ رفتارِ زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتیں اور زمانہ انہیں پامال کرتے ہوئے آگے گزر جائے گا طلبہ کو چاہیئے کہ وہ عہدِ حاضر کے سائنسی ماحول میں اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ وہ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا ہر لحاظ سے مقابلہ کر سکیں اور اپنے اندر اتنی علمی و عملی صلاحیتیں پیدا کریں کہ ہماری قوم ترقی یافتہ انسانی برادری میں عزت کا مقام حاصل کر سکے۔ بقول علامہ اقبالؒ

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

اشاعتِ تعلیم:- طلبہ کا جہاں ایک طرف یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو زیورِ علم سے آراستہ کریں وہاں دوسری طرف ان پر فریضہ بھی عائد ہوتا

ہے کہ وہ جہالت کو دور کرنے اور علم کی روشنی پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کریں۔ ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح بہت کم ہے۔ قومی تعمیر و ترقی کے لیے تعلیم کا عام ہونا ضروری ہے۔ طلبہ اپنے اَن پڑھ دوستوں، رشتہ داروں اور دوسرے متعلقین حتیٰ کہ ناخواندہ والدین کو بھی تعلیم دے کر حقِ خدمت ادا کر سکتے ہیں۔ اور اسطرح قومی ترقی و استحکام میں قابلِ قدر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں مئے علم کا زندگی بخش جام ہے۔ اور ان کے بعض بھائی تشنہ لب ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ ان تک پہنچیں اور ان کی تشنگی دور کریں۔

شہری فرائض

علاوہ ازیں طلبہ پر کچھ دیگر شہری فرائض بھی عائد ہوتے ہیں وہ صحت و صفائی کے معیار کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں انہیں چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے متعدی امراض کے اسباب و علل سے عوام کو روشناس کرائیں اور اسطرح قوم کی بگڑی بنانے میں محکمہ صحت کا ہاتھ بٹائیں۔ مزید برآں وہ اپنے دیہاتی بھائیوں کو دنیا کے اہم سیاسی حالات سے بھی باخبر رکھ سکتے ہیں۔ عوام کو کفایت شعاری، اتحادِ باہمی، اپنی امداد آپ کرنے اور فضول رسموں سے اجتناب کرنے کی تلقین کر سکتے ہیں۔ وہ شہری دفاع میں بھی حصہ لے سکتے ہیں اور سیلاب، زلزلہ، قحط جیسی آفات اور ہنگامی حالات میں متاثرہ افراد کے دکھوں کا مداوا کر سکتے ہیں۔

طلبہ اور تحریکِ پاکستان

بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح طلبہ کو قوم کا بیش قیمت سرمایہ سمجھتے تھے۔ طلبہ نے اپنے قائد کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے تحریکِ پاکستان میں ہراول دستے کا کام کیا اور حصولِ آزادی کیلئے ملک کے طول و عرض میں شبانہ روز انتھک تگ و دو کی۔ اس سلسلے میں علیگڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو طلبہ کا کردار خاص طور پر قابلِ ذکر ہے انہوں نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو نہ صرف تاریخِ پاکستان میں بلکہ تاریخِ عالم میں طلبائے سیاست کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتا رہے گا۔

تعمیرِ پاکستان

اگرچہ حصولِ آزادی بھی ہے۔ لیکن آزادی کا تحفظ اس سے بھی اہم تر ہے۔ ابھی ہمیں پاکستان کے مقاصد کی تکمیل کرنی ہے۔ قیامِ پاکستان کا مقصد مسلمانوں کے دینِ اسلام، ان کے قومی وجود اور اسلامی تہذیب کا تحفظ اور ان کے معاشی مسئلہ کا بہترین حل تھا۔ ہمیں یہاں اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام قائم کرنا ہے۔ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ ہمیں اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر بنانا ہے۔ پاکستان نہ صرف

اس خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کا ضامن ہے بلکہ یہ پورے عالمِ اسلام کے لیے ایک مضبوط سہارا ہے۔ نوجوانوں سے ہماری بہت کچھ توقعات وابستہ ہیں۔ ہمیں ملک و قوم کے درخشاں مستقبل کے لیے اعلیٰ افسران، ڈاکٹروں، انجنیئروں، قانون دانوں، حکمرانوں، سائنسدانوں، اساتذہ غرض ہر شعبۂ زندگی میں خصوصی ماہرین کی ضرورت ہے۔

ارشاداتِ قائدِ اعظم

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قائدِ اعظمؒ طلبہ کو قوم کا بیش قیمت سرمایہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے مختلف مواقع پر طلبہ کی صحیح راہنمائی کرتے ہوئے انہیں نہایت قیمتی مشورے دیئے۔ مثلاً آپ نے فرمایا:۔

"پاکستان کو اپنے جوانوں اور بالخصوص طلبہ پر فخر ہے جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ صفِ اوّل میں رہے ہیں۔ آپ مستقبل کے معمارِ قوم ہیں، اس لیئے جو مشکل کام آپ کے سر پر کھڑا ہے، اس سے نمٹنے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم و ضبط پیدا کیجیے، مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے آپ کو پورا پورا احساس ہونا چاہیئے کہ آپ کی ذمہ داریاں کتنی زیادہ اور کتنی شدید ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیئے۔"

"اس امر کی فوری اور اشد ضرورت ہے کہ ہمارے جوانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں تعلیم دی جائے۔ کیونکہ اسی سے ہمارے مستقبل کی معاشی زندگی کا معیار بلند ہونے کی امید ہے حصولِ تعلیم کے بعد لوگوں کو تجارت، کاروبار اور صنعت و حرفت میں داخل ہونا چاہیئے۔ یاد رکھیئے ہمیں دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔ جو انتہائی تیزی سے خود کو بدلتی ہوئی چل رہی ہے۔"

طلبہ اور سیاست

دیکھیئے مضمون:۔ "طالب علم کے فرائض"

نظریۂ پاکستان

خودی کا سرِ نہاں لا الہ اِلا اللہ   خودی ہے تیغ، فساں لا الہ اِلا اللہ (اقبال)

مفہوم و اہمیت

نظریۂ پاکستان سے مراد وہ نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ ظاہر ہے یہ نظریہ اسلام ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا۔ قیامِ پاکستان کا مقصد مسلمانوں کے دین اسلام، ان کے قومی وجود اور اسلامی تہذیب کا تحفظ تھا۔

تحریکِ پاکستان کے دوران بچے بچے کی زبان پر یہی نعرہ تھا

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ الا اللہ

قیامِ پاکستان کا پس منظر

نظریۂ پاکستان کا مفہوم پوری طرح سمجھنے کے لئے قیامِ پاکستان کے پس منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریزی سامراج نے تقریباً دو سو سال تک یہاں کے باشندوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا، غلامی کا یہ دور بدترین اور سیاہ ترین دور تھا۔ بقول علامہ اقبال

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے مثلِ جوئے کم آب   اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی۔

انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا۔ انگریزوں سے پہلے مسلمان پورے برصغیر پر آٹھ سو سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کر چکے تھے۔ انہوں کی نادانیوں اور غیروں کی سازشوں کے نتیجے میں ہمیں غلامی کا روزِ بد دیکھنا پڑا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اصلاحی تحریک

مغل بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے حد سے زیادہ عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ اکبر نے اپنا نیا مذہب "دین الٰہی" جاری کر کے اسلام اور ملتِ اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس گمراہی کے سدباب کے اور اسلام کی سربلندی کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین

کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔

بقول علامہ اقبالؒ

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

اورنگ زیب عالمگیرؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اصلاحی تحریک ہی کا نتیجہ تھا کہ جہانگیر نے شرعی قوانین نافذ کئے۔ شاہجہاں نے کافی حد تک اسلام اور ملتِ اسلامیہ کو تحفظ دیا۔ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ تو اسلام کا سچا خادم تھا اس کا دورِ حکومت بلاشبہ ایک مثالی دور تھا اور ہم اُسے دنیا کے بہترین مسلم بادشاہوں میں شمار کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے افراد صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

سلطان حیدر علی اور ٹیپو شہید

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں کے باہمی اتفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ تو میں کس طرح بنتی اور بگڑتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ اس کی یوں ترجمانی کرتے ہیں۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروہوں نے سر اٹھایا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا۔ لیکن گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لئے ریاست میسور کے سلطان حیدر علی اور اُس کے مایۂ ناز فرزند سلطان ٹیپوؒ شہید نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا اور آزادی کی جنگ لڑی، لیکن افسوس کہ ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہ دیا اور آزادی کی تحریک کامیاب نہ ہو سکی۔ سلطان ٹیپو شہیدؒ نے جامِ شہادت نوش کر کے آزادی کی شمع روشن کر دی۔ بقول علامہ اقبال

کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیاتِ جاوداں سے

حضرت شاہ ولی اللہ کی اصلاحی تحریک

اسی زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کے لئے احیائے دین کی اصلاحی تحریک شروع کی۔ شاہ صاحب نے اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کیا اور اسلامی حکومت کا ایک واضح تصور دیا۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اسلام پر کئی اجتہادی

کتابیں لکھیں۔ بقول علامہ اقبال ؒ

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے۔

تحریکِ مجاہدین

سیّد احمد شہید بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اسلامی اصولوں کو دوبارہ رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے تحریکِ جہاد نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کر دیا۔ بقول علامہ اقبالؒ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی انگریزی تسلط سے نجات حاصل کرنے کی ایک بھرپور کوشش تھی۔ جو مختلف اسباب کی بنا پر کامیاب نہ ہو سکی اور انگریزی اقتدار مزید ایک سو سال کے لئے مستحکم ہو گیا۔ اگرچہ آزادی کی تحریک وقتی طور پر دب گئی۔ لیکن اس کی چنگاریاں اندر ہی اندر سلگتی رہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

اگر اسلامیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

سر سیّد احمد خان

سیاسی طور پر یہ بہت نازک دور تھا اور مسلمان مایوسی کا شکار ہو چکے تھے۔ ایسے دور میں سر سیّد احمد خان قوم کے مسیحا بن کر ابھرے۔ انہوں نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح نہ صرف کوشش کی بلکہ انہیں مایوسی کی دلدل سے نکالا۔ اُن کا اصل کارنامہ علی گڑھ کالج کا قیام ہے جو بعد میں یونیورسٹی بن گیا۔ اس طرح مسلمان زیورِ علم سے آراستہ ہو کر کاروبارِ حکومت میں شامل ہو کر رفتارِ زمانہ کا ساتھ دینے کے قابل ہوئے۔ بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق قصرِ پاکستان کی پہلی اینٹ سر سیّد احمد خان نے رکھی۔ بقول علامہ اقبالؒ

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

مسلم لیگ کا قیام

۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر کے کانگریس کی بنیاد رکھی۔ یہ سراسر ہندوؤں کی نمائندہ جماعت تھی جسے مسلمانوں کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے مقام پر مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ اس کے بانیوں میں زیادہ مشہور نواب محسن الملک نواب وقار الملک اور ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ خاں تھے۔

تحریکِ خلافت

اسی زمانے میں پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا، ہندوستان کے مسلمان چونکہ سلطان ترکی کو حجاز کی خدمت کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے ترک خلافت کے تحفظ کے لئے مولانا محمد علی جوہرؒ اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علیؒ کی رہنمائی میں تحریکِ خلافت شروع کی۔ انگریز ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ختم کر دینا چاہتے تھے، لیکن مصطفےٰ کمال اتاترک نے ان کے ارادے ناکام بنا دیئے۔ ترکی کو آزاد کر کے اسے ایک مضبوط ملک بنا دیا اور خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ تحریکِ خلافت کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

علامہ اقبال

اُدھر ترک خلافت کا خاتمہ ہوا اور اِدھر برصغیر کے مسلمان نازک حالات سے دوچار تھے، ہندوؤں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ وہ ہر میدان میں غلبہ حاصل کر رہے تھے۔ اور اسلامی تہذیب کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ اس نازک دور میں کچھ عظیم مسلمان راہنماؤں نے مسلمانوں کو حیاتِ نو کا پیغام دیا ۔ ان میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حالیؔ، مولانا شبلیؔ اور مولانا ظفر علی خان کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے ملّت اسلامیہ کو ایک ولولہ تازہ کا پیغام دیا۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) کی تجویز پیش کی۔ اس لئے انہیں مصورِ پاکستان کہا جاتا ہے ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

قائداعظم محمد علی جناحؒ

علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور پیش کیا اور قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت سے یہ تصور حقیقت بن گیا۔ قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کو از سرِ نو منظم کر کے اسے مسلمانوں کی سب سے طاقتور جماعت بنا دیا۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں۔ ایک کانگرس اور دوسری انگریز۔ لیکن قائداعظم نے اس چیلنج کا یہ جواب دیا کہ یہاں ایک تیسری طاقت بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں۔ انہوں نے کانگریس کے قومی نظریئے کے مقابلے میں دو قومی نظریہ پیش کیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ مسلمان مذہبی، سیاسی، تہذیبی، تاریخی غرض ہر لحاظ سے ہندوؤں سے الگ قوم ہیں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں "قراردادِ پاکستان"

منظور ہوئی جو مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن گئی۔ قائداعظم کی مدبرانہ اور ولولہ انگیز قیادت میں اس قرارداد نے حقیقت کا روپ دھار لیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کی عظیم ترین اسلامی مملکت کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آیا۔

نظریۂ پاکستان کا مقصد

اہلِ مغرب نے قومیت کی بنیاد رنگ ونسل اور جغرافیائی حدود پر رکھی ہے جبکہ مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو کلمہ طیبہ پر قائم ہے اسی جداگانہ اسلامی قومیت کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا نظریۂ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، دیانت، خدا ترسی، انسانی ہمدردی اور عظمتِ کردار نظریۂ پاکستان کے لازمی اجزاء ہیں۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہم اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر خلوص و محنت سے کام لے کر پاکستان کو ایک خوشحال، توانا، شاندار اور مستحکم مملکت بنا سکتے ہیں۔ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے، ہمیں اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر بنانا ہے۔ پاکستان کا نہ صرف اس خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کا ضامن ہے بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک مضبوط سہارا ہے ہمیں حصولِ مقصد کے لئے سخت محنت کرنی ہے۔

ارشاداتِ قائداعظم

قائداعظم نے جو رہنما اصول دیئے ہیں، ان کی روشنی میں ہم قیامِ پاکستان کے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا:-

"ہم نے پاکستان اس لئے حاصل کیا تھا کہ اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنا سکیں"

"ہمارا آئین چودہ سو سال سے بنا ہوا موجود ہے یعنی قرآن مجید۔"

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اُس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبرِ اسلام نے ہمارے لئے بنایا ہے، ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات و اصولوں پر رکھیں۔"

"میرا پیغام ہے: اتحاد، ایمان، تنظیم"

ٹیلی ویژن - فوائد و نقصانات

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں ۔۔۔ کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے (اقبال)

مفہوم و اہمیت

ٹیلی ویژن دورِ حاضر کی جدید ترین ایجادات ہے یہ ریڈیو ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔ ریڈیو کے ذریعے ہم تک صرف آواز پہنچتی ہے جبکہ ٹیلی ویژن کا اعجاز ہے کہ ہم آواز سے ساتھ بولنے والے کی شکل وصورت اور حرکات وسکنات کو بھی بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح ٹیلی ویژن کو ریڈیو پر برتری حاصل ہے اس کے موجد کا نام جان ایل برڈ ہے ٹیلی ویژن کا لفظ "ٹیلی" اور "وژن" کا مرکب ہے ٹیلی کے معنی ہیں فاصلہ اور وژن کے معنی دیکھنے کے ہیں، اس طرح ٹیلی ویژن کے معنی ہوئے فاصلہ یا دور سے دیکھنا۔ ٹیلی ویژن کو کئی لحاظ سے دوسرے تمام ذرائع ابلاغ مثلاً اخبارات، ریڈیو اور فلم پر فوقیت حاصل ہے۔ تازہ ترین واقعات وحالات، تشہیر و عکاسی اور برجستہ تصویر کشی میں دوسرے ذرائع اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

قبولِ عام

ٹیلی ایک ایسی مفید و کارآمد ایجاد ہے جسے روز بروز بے پناہ قبولِ عام حاصل ہو رہا ہے۔ اُمراء تو ایک طرف رہے متوسط اور کم حیثیت لوگ بھی اسے ایک اہم ضرورت سمجھتے ہیں۔ مغربی ممالک میں تو کافی عرصہ سے ٹیلی ویژن کو استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ ایشیائی ممالک میں بھی اس کا استعمال عام ہو چکا ہے۔ پاکستان کے پانچ بڑے شہروں اسلام آباد، لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ میں باقاعدہ ٹی وی اسٹیشن قائم ہیں اور دیگر کئی بڑے بڑے شہروں میں ٹی وی بوسٹر کام کر رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

فوائد

ٹیلی ویژن کے بے شمار روشن پہلو اور فوائد ہیں۔ ذیل کچھ فوائد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۔ دینی پروگرام

ٹی وی دینی و اخلاقی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے اس پر تلاوت قرآنِ پاک، درسِ قرآن اور اسلامی تعلیمات پر مشتمل جو مختلف پروگرام پیش کئے جاتے ہیں، وہ تبلیغ دین کا عمدہ ذریعہ ہیں۔ نماز کے اوقات میں اذان نشر ہوتی

ہے۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح اور محافل شبینہ کے ذریعے قرآن مجید سنایا جاتا ہے۔ حج کے موقع پر مناسک حج دکھائے جاتے ہیں اور اسی طرح دیگر دینی تقریبات کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔

۲۔ خبرنامہ ٹی وی پر خبرنامہ کے ذریعے وقتنے وقتنے سے ملکی اور غیر ملکی اور بین الاقوامی خبریں پیش کی جاتی ہیں جس سے عوام تک دنیا بھر کے تازہ ترین واقعات وحالات اور کوائف پہنچتے رہتے ہیں گویا کرہ ارضی کا گلوب ہمیشہ ہمارے سامنے گردش کرتا رہتا ہے اور دنیا سمٹ کر رہ جاتی ہے۔

بقول مرزا غالب ؔ

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

۳۔ علمی ادبی وسائنسی پروگرام ٹی وی پر وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے علمی و ادبی، تاریخی اور سائنسی پروگرام پیش ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح ناظرین کی معلومات میں مفید اضافہ ہوتا ہے اور وہ بہت کچھ سیکھ جاتے ہیں علمی وادبی مذاکرے، مشاعرے، انٹرویو اور دیگر مختلف سائنسی پروگرام دلچسپ اور موثر انداز میں پیش کئے جاتے ہیں اور اس طرح تعلیم وتحقیق کے نئے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔

۴۔ تفریح کا ذریعہ ٹی وی تفریح کا ایک موثر اور سستا ذریعہ ہے اس مشینی اور مادی دور میں انسان بے شمار مسائل اور پریشانیوں میں اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ وہ ان پریشانیوں سے فرار اور ذہنی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ شام کو تھکا ماندہ اور پریشان حال گھر لوٹتا ہے تو ٹی وی کے تفریحی اور ہلکے پھلکے پروگرام اُسے ذہنی آسودگی بخشتے ہیں۔

۵۔ اصلاحی ڈرامے پاکستان ٹی وی کے اصلاحی ڈرامے بہت مقبول عام ہیں لوگ ان ڈراموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ ڈرامے ہمارے معاشرے کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ مختلف مسائل کا تجزیہ کرتے ہیں اور ان مسائل کے حل کی راہیں بتاتے ہیں ان ڈراموں کو فلم کا بہترین متبادل قرار دیا جاسکتا ہے۔

۶۔ کوئز پروگرام ٹی وی پر مختلف کوئز یعنی ذہنی آزمائش کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں جو مختلف قسم کے دینی، اخلاقی، سائنسی اور علمی و ادبی

وغیرہ قسم کے معلومات فراہم کرتے ہیں مثلاً نیلام گھر بہت مقبول عام اور دلچسپ پروگرام ہے جو سالہا سال سے چل رہا ہے۔ اسی طرح جہاں نما، ذوقِ آگہی اور کسوٹی وغیرہ سے پروگرام نہ صرف طلباء و طالبات کے لئے بلکہ ایک عام آدمی کے لئے بھی بے حد مفید ہیں۔

۷۔ اشاعتِ تعلیم

ٹی وی دورِ جدید میں اشاعتِ تعلیم کا نہایت موثر ذریعہ ہے اس کے ذریعے تعلیمی اداروں میں بہترین تعلیم و تدریس ہو سکتی ہے اور طلبہ گھر بیٹھے بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح بہت کم ہے ٹی وی کے ذریعے عام تعلیم اور تعلیمِ بالغاں کا اہتمام و فروغ عمدہ طریقے سے ہو سکتا ہے۔

۸۔ دیہی تربیت

ہمارے ملک کی بیشتر آبادی دیہات میں بستی ہے ٹی وی اس دیہاتی آبادی کی تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ ہے اس کے ذریعے دیہاتی بھائی شہری مجلسی سرگرمیوں، آداب اور مختلف حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ یہ انہیں تفریح کے مواقع فراہم کرتا ہے اور کاشت کاری کو ترقی یافتہ بنانے اور پیداوار میں اضافے کے لئے مفید زرعی مشورے دیتا ہے۔

۹۔ کھیلوں کی دنیا

ٹی وی مختلف کھیلوں کے بارے میں رنگا رنگ پروگرام پیش کرتا رہتا ہے، اس طرح کھیل کے شائقین اپنے ذوق کی تسکین کر سکتے ہیں۔ لوگ کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، ٹیبل ٹینس، بیڈمنٹن، سکواش، کشتی اور باکسنگ وغیرہ کے ملکی و بین الاقوامی میچوں کا نہایت دلچسپی کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں۔

۱۰۔ طبی مشورے

ٹی وی حفظانِ صحت کے اصول عام کرنے کے لئے لوگوں کو مفید طبی مشورے دیتا ہے تاکہ وہ مختلف متعدی و وبائی امراض سے خود کو محفوظ رکھ سکیں اور صحت کا معیار بہتر بنا سکیں۔ اس سلسلے میں ٹی وی کلینک وغیرہ جیسے طبی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۱۔ اصولِ شہریت و صنعتی و تجارتی مشورے

ٹی، وی لوگوں کو شہریت کے اصول سکھا کر انہیں اچھا شہری بنانے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے، نیز لوگوں کو مفید طبی و تجارتی مشورے دے کر ملک کی صنعت و حرفت اور تجارت و کاروبار کو فروغ دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف قسم کے اشتہارات بھی صنعت و حرفت کے فروغ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

۱۲- قومی و انسانی یکجہتی کا ذریعہ

ٹی وی سے قومی یکجہتی کو فروغ دینے، مختلف علاقوں کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور انہیں ایک مشترکہ ملی نصب العین سے وابستہ کرنے میں بے پناہ مدد مل سکتی ہے علاوہ ازیں ٹی وی کے ذریعے مختلف ممالک کے لوگوں میں روز بروز ذہنی قربت ہم آہنگی اور یکجہتی کا احساس بڑھ رہا ہے اس سے بین الاقوامی مسائل کے حل کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

۱۳- حکومت و عوام کا رابطہ

ٹی وی حکومت و عوام کے مابین رابطے کا موثر ذریعہ ہے اس کے ذریعے نہ صرف اعلیٰ حکام بلکہ ملک کے دیگر دانشور اور سیاسی راہنما بھی اپنا نقطۂ نظر عوام کے سامنے بہتر طور پر پیش کر سکتے ہیں اس سے اہم مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے اور ان کے حل میں مدد ملتی ہے۔

نقصانات

ٹی وی کے کچھ تاریک پہلو اور نقصانات بھی ہیں، جو اس کے غلط استعمال کی وجہ سے ہیں۔ ذیل میں ان نقصانات کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱- بے حیائی و فحاشی

ٹی وی کے فروغ سے ہمارے معاشرے میں گوناگوں اخلاقی برائیاں بھی راہ پا گئی ہیں۔ کچھ پروگرام اور فلمیں ایسی ہوتی ہیں جن سے بے حیائی اور فحاشی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ خاص طور پر نوجوانوں کے اخلاق پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ ٹی وی پر دکھائی جانے والی فحش اور اخلاق سوز فلمیں اور کمرشل سروس پروگراموں میں نیم برہنہ فلمی ایکٹرسوں اور فنکاروں کے ذریعے سامان تعیش، دیگر مصنوعات کی اشتہار بازی اور مخرب اخلاق گانے ہمارے قومی کردار کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔

۲- تربیتِ جرائم

ٹی وی کے مختلف ڈراموں، فلموں اور پروگراموں میں کچھ ایسے مناظر پیش کئے جاتے ہیں جن سے نوجوانوں میں مار دھاڑ، تخریبی کارروائیوں اور جرائم کا رجحان پروان چڑھتا ہے۔ اسی قسم کے منفی اور اخلاقی قدروں کے منافی پروگرام گھناؤنے اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔

۳- تضیع اوقات

ٹی وی کے پروگرام اکثر گھنٹوں چلتے رہتے ہیں۔ ان پروگراموں کی وجہ سے شہریوں کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے، اس طرح قوم کا بیشتر وقت تعمیری اور مفید کاموں میں صرف ہونے کی بجائے رائیگاں جاتا ہے۔

۴۔ تعلیمی ہرج: ٹی۔ وی کا ایک بہت بڑا منفی پہلو اور نقصان یہ ہے کہ طلبہ وطالبات کا نہایت قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے اور اسطرح ان کا بڑا تعلیمی ہرج ہوتا ہے ٹی وی کے اکثر اور لگا تار پروگرام ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے طلبہ اپنی تعلیم کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے ان کا جو قیمتی وقت پڑھائی میں صرف ہونا چاہیئے، اسے وہ مسلسل ٹی وی کے سامنے بیٹھے بیٹھے گزار دیتے ہیں۔

۵۔ نظر پر برا اثر: ٹی وی کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ اسے مسلسل اور لگا تار دیکھنے سے نظر اور بینائی پر بہت برا اثر پڑتا ہے تیز یا مدھم روشنی کی وجہ سے ٹی وی کا ناظر ضعفِ بصارت کا شکار ہو جاتا ہے نظر اور بینائی جیسی بیش قیمت نعمت کی مناسب حفاظت ضروری ہے۔

۶۔ بے عملی کی ترغیب: کثرت سے ٹی وی دیکھنے اور اسے عادت بنا لینے سے انسان جمود اور بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے وہ زندگی کے ٹھوس حقائق اور اس کے عملی تقاضوں سے منہ موڑ لیتا ہے اور خیالات و تصورات کی دنیا میں کھو کر رہ جاتا ہے یہ بے عملی ملک و قوم کیلئے نقصان دہ ہے۔

۷۔ انڈیا ٹی وی: پاکستان ٹی وی کے پروگرام تو کافی حد تک اصلاحی اور تعمیری ہوتے ہیں اور ان میں بگاڑ کا پہلو اس قدر نمایاں نہیں لیکن انڈیا ٹی وی رہی سہی کسر نکال دیتا ہے انڈیا ٹی وی کے اکثر پروگرام، فلمیں اور ناچ گانے کے پروگرام ہمارے عوام اور خاص طور پر نوجوان نسل پر تباہ کن اثرات ڈال رہے ہیں۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ہندو ایک بالکل گمراہ مشرک اور بُت پرست قوم ہے اسکے مخصوص نظریات و عقائد اور روایات و اقدار ہمارے دینی و ملی نظریات و عقائد اور روایات و اقدار سے متصادم ہیں ناچ گانا ان کے مذہب کا حصّہ ہے اور انہوں نے ابھی تک پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا وہ مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف زہریلا سیاسی پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں ان حالات انڈیا ٹی وی کے مضر اثرات کا سدِباب ضروری ہے۔

۸۔ وی سی آر کی لعنت: حال ہی میں وی سی آر کی ایک نئی ایجاد وجود میں آئی ہے جسکے ذریعے ٹی وی پر مختلف پروگرام اور فلمیں دیکھی جا سکتی ہیں اگرچہ یہ ایجاد بذاتِ خود بُری نہیں ہے لیکن اسکا بُرا استعمال اسے بُرا بنا دیتا ہے اور انڈین اور دیگر غیر ملکی مخربِ اخلاق اور حیا سوز پروگراموں اور فلموں کی وجہ سے وی سی آر ایک وبائی صورت اختیار کر چکا ہے حکومت اور عوام کو وی سی آر کے منفی اور مضر اثرات کی روک تھام کے لیے مناسب اقدامات کرنے چاہئیں۔

۹۔ نتیجہ: حاصلِ کلام یہ ہے کہ ٹی وی ایک مفید اور کار آمد ایجاد ہے یہ بذاتِ خود بُرا نہیں ہے اسکا استعمال اسے اچھا یا بُرا بناتا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے اور اسے اصلاحی و تعمیری مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے۔ گویا اسے مسلمان بنانے کی ضرورت ہے۔

علم کے فائدے

سعادت، سیادت، عبادت ہے علم — بصیرت ہے، دولت ہے، طاقت ہے علم

علم کے معانی اور مفہوم

علم کے معانی ہیں "جاننا" کسی چیز کی ماہیت یا طاقت دریافت کرنا اس کے فوائد اور نقائص سے واقف ہونا مقام استعمال جاننا اور مناسب موقعوں پر اس سے مستفید ہونے کا نام "علم" ہے۔

علم کی فضیلت اور اہمیت

اسلام میں علم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں علم کی اہمیت اور فضیلت کا ذکر بے شمار مقامات پر آیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی کا آغاز ہی "اقراء" سے ہوا۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اللہ تم میں سے ایمان والوں و علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔" ویسے تو سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں مگر جو لوگ زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں۔ وہ خدا کے نزدیک محبوب ہوتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

کہہ دیجئے (اے نبیؐ) کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" حضورؐ نے ایک دوسرے موقعے پر فرمایا "علم مومن کی گمشدہ میراث ہے، جہاں سے بھی ملے حاصل کرے۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے "مہد سے لے کر لحد تک علم حاصل کرو۔" حضورِ اکرمؐ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اپنے علم میں اضافہ کے لئے دعا کرتے رہتے "اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔"

معرفت الٰہی

علم ایک ایسا نور ہے جو انسان کی روح کو ایمان کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ اس کی بدولت انسان اپنے خدا کو پہچانتا ہے۔ بے علم خداشناس کیسے ہو سکتا ہے؟

شیخ سعدی نے علم کو معرفت الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

یہ علم ہی ہے جو انسان پر کشف و کرامات کے دروازے وا کر دیتا ہے۔

قدر و منزلت

علم ایک ایسی عظمت ہے جس کے سامنے بڑے بڑے والیانِ سلطنت کے سر جھک جاتے ہیں۔ علم کے طفیل ایک معمولی حیثیت کا انسان بھی بعض اوقات اپنی عظمت حاصل کر لیتا ہے کہ بڑے بڑے عظیم المرتبت بادشاہ بھی اس

کا احترام کرتے ہیں۔ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے ماموں اور امین کے استاد سے پوچھا کہ آج میری قلمرو میں کس شخص کی عزت سب سے زیادہ ہے؟ استاد نے جواب دیا۔ "اس دور میں امیرالمومنین سے زیادہ معزز اور کون ہو سکتا ہے؟"

استاد کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا میری رائے میں آج سب سے زیادہ معزز شخصیت وہ ہے جس کی جوتیاں سیدھی کرنے کے لئے میرے دونوں بیٹے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کم ازکم میں اس عزت سے محروم ہوں۔ ہارون کا اشارہ استاد کی طرف تھا جسے یہ عزت علم کی وجہ سے نصیب ہوئی۔

شرف انسانیت

خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات کہا ہے۔ یہ بزرگی محض علم کی وجہ سے ہے۔ علم کے بغیر انسان "حیوان ناطق" ہے کیونکہ انسان اور حیوان میں ماسوائے ناطقہ کے اور کوئی فرق نہیں۔ پڑھا لکھا آدمی بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جاہل آدمی کا ذہن ناپختہ اور عقل خام ہوتی ہے۔ اس لئے کسی بات کے اچھے اور برے پہلوؤں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ علم ہی سے انسان، انسان ہے۔

عالم اور جاہل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثل مشہور ہے کہ عالم "فرشتہ" اور جاہل "حیوان" ہے عالم "بینا" اور جاہل "اندھا" ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایران کے بادشاہ طہماسپ نے دربار اکبری میں ایک خط بھیجا۔ قاصد نے دربار میں حاضر ہو کر خط شہنشاہ اکبر کے ہاتھ میں دے دیا۔ اکبر جاہل تھا، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ سلامت نے رقعہ کو الٹا کر کے پڑھنا شروع کیا یہ دیکھ کر ایرانی مسکرایا۔ ابوالفضل فوراً تاڑ گیا کہ یہ ہمارے قبلۂ عالم کا مذاق اڑا رہا ہے۔ نہ رہا گیا۔ فوراً قاصد کو مخاطب کیا اور کہا خاموش باش؟

"پیغمبر ما نیز اُمّی بود" یہ ہے عالم اور جاہل میں فرق۔ جاہل کی جہالت دیکھئے امراء عالم کی حاضر جوابی ملاحظہ کیجئے۔ یہ وہی زمانہ تھا کہ اکبر، اکبر اعظم تھا۔ اگر آج ہوتا تو مانگے سے بھیک بھی نہ ملتی۔

نور و ہدایت

علم ایک ایسی روشنی ہے جس سے جہالت کے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں۔ علم کے طفیل انسان حق و باطل میں فرق کرنا سیکھتا ہے۔ علم کی بدولت دل و دماغ کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور علم ہی کی وجہ سے انسان کے رہن سہن میں شائستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں تعصب اور تنگدلی کی بجائے فراخدلی اور رواداری خود غرضی کی بجائے ایثار، غرور اور نخوت کی بجائے عجز و انکسار، حرص اور لالچ کی بجائے قناعت اور نفرت کی بجائے محبت جیسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

لازوال دولت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی قسمت پر خوش ہیں کہ اللہ تعالے

نے ہماری قسمت میں علم لکھ دیا ہے اور جاہلوں کو مال و زر عطا فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عالم چاہے مالی اعتبار سے تنگ دست ہی کیوں نہ ہو، اس دولت مند سے ہزار درجے بہتر ہے۔ جو علم کی دولت سے محروم ہے۔ کیونکہ دنیاوی دولت یا روپیہ پیسہ ڈھلتی چھاؤں ہے۔ لیکن علم کی دولت لازوال اور غیر فانی ہے علم ایک ایسا خزانہ ہے جس کی حفاظت کے لئے کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں۔ اسے چور یا ڈاکو چرا کر نہیں لے جا سکتے۔ یہ خزانہ چونکہ انسان کے ذہن میں یا دماغ میں محفوظ ہوتا ہے، اس لئے کوئی آفت اسے گزند نہیں پہنچا سکتی۔ یہ ایک ایسی دولت ہے جو خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں بلکہ جوں جوں اسے خرچ کیا جائے بڑھتی ہے۔

سرچشمہ حیات

چشمہ آب حیوان زبان زد خاص و عام ہے۔ کہتے ہیں کہ جس نے وہاں سے ایک دو گھونٹ پانی پی لیا وہ موت سے آزاد ہو گیا روایت ہے کہ حضرت خضرؑ نے اس چشمے سے پانی پیا اور ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لی اور اس کے مقابلے میں سکندر بیچارہ بے نیل و مرام واپس گیا۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ درحقیقت جس چشمہ کا نام آب حیوان ہے وہ یہی سرچشمہ علم ہے جس نے اس کے ایک دو گھونٹ بھی پی لئے۔ وہ قیامت تک مہر و ماہ کی طرح درخشاں رہے گا۔ بو علی سینا، امام رازیؒ، امام غزالیؒ، امام ابو حنیفہؒ، سعدیؒ، فردوسیؒ، غالب علامہ اقبالؒ اور دوسرے مشاہیر کے نام آج تک محض علم و فضل کی وجہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اسحاق بن سلیمان ایک بہت بڑے طبیب گزرے ہیں۔ انہوں نے تمام عمر شادی نہ کی۔ آخری عمر میں ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ کے دل میں اولاد کی تمنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اپنی کتاب "حمیات" کے ہوتے ہوئے کبھی اولاد نہ ہونے کا خیال تک میرے دل میں نہیں آیا۔

موجب تسخیر کائنات

علم کی وجہ سے انسان نے عناصر پر قابو پا لیا ہے علم کی بدولت کائنات کی بڑی بڑی قوتوں کو مسخر کر لیا ہے۔ یہ علم ہی کا کرشمہ ہے کہ آج پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیوں لق و دق صحراؤں اور بپھرے ہوئے سمندروں پر انسان کی حکمرانی ہے۔ علم نے وقت اور فاصلے کی دوری کا تصور ختم کر کے رکھ دیا ہے علم کے سامنے کائنات کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ علم ہی کرامت سے زمین نے اپنے معدنی ذخائر اگل کر رکھ دیئے ہیں۔ آج ہم علم ہی کی برکت سے ہواؤں میں اڑ سکتے ہیں سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر سکتے ہیں۔ یہ علم ہی کا فیض ہے کہ آج انسان چاند پر اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ چکا ہے اور اب دوسرے سیاروں کی تسخیر کے لئے کوشاں ہے۔

سائنسی ترقی کا راز

انسان نے علم سے کام لے کر اپنے آرام و آسائش کے سینکڑوں سامان تیار کر لئے ہیں۔ اس نے ایسی شاندار

عمارات تعمیر کی ہیں۔ جو رفعت میں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اس نے سفر کی تکالیف کو ختم کرنے کے لئے علم کی بدولت ریل گاڑیاں بنائیں۔ پھر اس نے موٹر کاریں اور ہوائی جہاز بنائے اور جیٹ طیاروں اور راکٹوں تک میں سفر کیا۔ ٹیلی ویژن، ٹیلی پرنٹر پریس کی جدید مشینیں۔ موسم کی پیش گوئی کرنیوالے آلات سیاروں کی گردش اوران کی رفتار کا حساب لگانے والی دوربینیں اور ہر قسم کے جدید آلات جنگ علم ہی کے کرشمے ہیں۔

علم کی بدولت بہت سی لاعلاج بیماریوں کے علاج دریافت ہو گئے ہیں روبائی امراض کے انسداد کے لئے نہایت موثر دوائیں دریافت ہو چکی ہیں۔ ایکس رے ریڈیائی لہریں اس سلسلے کی نہایت مفید ایجادات ہیں۔ آپریشن کے فن میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ اب تو دل کی تبدیلی کے کامیاب تجربات ہو رہے ہیں۔ یہ سب علم ہی کے معجزات ہیں۔

حرف آخر

الغرض

- علم ایک ایسی دولت ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔
- علم ایک نور ہے جو انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔
- علم ایک دوست ہے جو ہر مصیبت میں انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔
- علم ایک نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔
- علم ایک بحر بے کراں ہے جس کے غواص کبھی خالی دامن نہیں لوٹتے۔
- علم اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ عظمیٰ ہے۔
- علم وہ چشمہ ہے جس کے سامنے چشمہ آب حیواں بھی ہیچ ہے۔

پس ہمیں چاہیے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے خود بھی علم حاصل کریں اور دوسروں تک بھی علم کی روشنی پھیلائیں اور ایسا علم عام کریں جو بنی نوع انسان کے لئے مفید اور نفع بخش ہو۔

قائد اعظم رح

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قومی ہیرو

جو لوگ اپنی قوم اور ملک کی بھلائی اور بہتری کے لئے عظیم مقصد کو اپنا کر اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس مقصد کی خاطر وقف کر دیتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے بڑے بڑے خطرے کی پروا نہیں کرتے بلکہ جان و مال کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے وہ قومی ہیرو کہلاتے ہیں وہ اپنی زندگی میں اپنے مقصد کو پا سکیں یا نہ پا سکیں لیکن جو شمع وہ روشن کر دیتے ہیں وہ قوم کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے ان کا مقصد عظیم اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ ان کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے قومی ہیرو کو مردہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے زندۂ جاوید ہستی تصور کیا جاتا ہے۔

ہر قوم کی تاریخ میں ایسے ہیرو ملتے ہیں جن کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق روشن ہوتے ہیں، برصغیر ہند و پاک میں ایسے کئی نام گنوائے جا سکتے ہیں۔ لیکن پاکستانی قوم اگر صحیح معنوں میں کسی ہستی کو اپنا ہیرو سمجھتی ہے تو وہ ہمارے محبوب قائداعظم محمد علی جناح ہیں کیونکہ پاکستان کا قیام ہی قائداعظم کا مرہونِ منت ہے۔ یہ اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

دوسری قومیں ہیرو پیدا کرتی ہیں۔ لیکن یہاں ہیرو نے قوم کو پیدا کیا، یہ تو درست ہے کہ کسی قومی ہیرو نے اپنی محکوم، تباہ حال اور خراب و خستہ قوم کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کر دیا ہے۔ لیکن آج تک کسی ہیرو نے قوم کو جنم نہیں دیا۔ قائداعظم نے یہی کارنامہ سرانجام دیا۔

ابتدائی حالات

قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پونجا جناح گجرات کاٹھیاوار کے رہنے والے تھے۔ اور کراچی میں چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ محمد علی جناح کی پرورش بڑی ناز و نعم سے ہوئی۔

تعلیم و تربیت

قائداعظم کی ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر پر کیا گیا۔ جب آپ کی عمر چھ سال ہوئی تو آپ کو کراچی کے ایک سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ ازاں بعد سندھ مدرسہ ہائی سکول میں داخلہ لیا۔ ۱۴ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ ہونہار اور ذہین طالب علم تھے۔ حصولِ علم کا شوق آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کے والد آپ کو تجارت میں شریک کرنا چاہتے تھے، مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کراچی میں آپ کے والد کے ایک اچھے دوست تھے۔ انہوں نے جناح پونجا کو مشورہ دیا کہ بچے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے والد نے دوست کے مشورے پر آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن بھیج دیا جہاں آپ نے بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے بیس سال کی عمر میں بار ایٹ لاء کی قانونی ڈگری حاصل کر

جن دنوں آپ انگلستان میں رہائش پذیر تھے۔ گھریلو حالات نے آپ کو پریشان کر رکھا تھا والدہ کا انتقال ہو گیا جس کا آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ والد کا کاروبار تباہ ہو گیا، مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور وطن واپس آ کر کچھ عرصہ کراچی میں وکالت کی۔

وکالت

جب آپ نے محسوس کیا کہ کراچی میں وکالت کی کامیابی کا امکان کم ہے تو بمبئی چلے گئے۔ یہاں انہوں نے وکالت میں اس قدر شہرت حاصل کر لی کہ تھوڑے ہی عرصے میں چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہونے لگا۔ کچھ مدت کے لئے انہوں نے بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل میکرسن کے ساتھ کام کیا۔ پھر عارضی طور پر پریذیڈنسی مجسٹریٹ ہو گئے۔ عارضی ملازمت ختم ہونے پر انہیں پندرہ سو روپے ماہانہ کا ایک اعلیٰ ترین عہدہ پیش کیا گیا جسے انہوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ جلد ہی ایک دن میں پندرہ سو روپے کمانے کے قابل ہو جائیں گے۔

سیاسی سرگرمیاں

قائداعظم نے زمانہ طالب علمی ہی میں سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ قائداعظم کانگریسی لیڈر دادا بھائی نوروجی سے بہت متاثر تھے۔ بمبئی میں وکالت کے زمانے میں سیاست سے ان کی دلچسپی بڑھتی گئی ۱۹۰۶ء میں جب دادا بھائی نوروجی کانگریس کے صدر منتخب ہوئے تو قائداعظم ان کے ذاتی سیکرٹری تھے۔ قائداعظم نے بھی کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی جب مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو قائداعظم اس کے بھی رکن بن گئے۔ انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان خلیج کو پاٹنا چاہا مگر ناکام رہے آخر دل برداشتہ ہو کر ناگپور کے اجلاس سے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے کام کرنے لگے۔

جدوجہد آزادی میں حصہ

۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا اس میں لیگ کی حیثیت سے قائداعظم کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں مسلم لیگ کی پارٹیاں بنا لیں۔ یہیں سے مسلم کو قوت اور مسلمانوں میں اس کی مقبولیت بڑھنے لگی۔

۲۳، مارچ ۱۹۴۰ء کو جب لاہور میں قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا تو مشہور زمانہ قرارداد پاکستان متفقہ طور پر منظور کر لی گئی جس میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ اور آزاد مملکت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ بالآخر قائداعظم کی مسلسل جانفشانیوں کے بعد ۳ جون ۱۹۴۷ء کو حکومت برطانیہ اور کانگریس نے مسلمانوں کا یہ مطالبہ منظور کر لیا اور اسی روز قائداعظم نے آل انڈیا ریڈیو دہلی سے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ پاکستان زندہ باد کے الفاظ کا بھی اعلان کر دیا۔

سربراہ مملکت

۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی نئی مملکت کو کتنی ہی مشکلات کا

سامنا کرنا پڑا۔ بھارت نے پاکستان کے حصے کی نقد رقم جو تقسیم کے وقت اسے ملنا تھا روک لی، جس سے ملک کی مالی حالت بہت کمزور ہو گئی۔ باؤنڈری کمیشن نے بے ایمانی سے کچھ پاکستانی علاقے بھارت میں شامل کر کے پاکستان کے لئے مستقل سرحدی جھگڑا کھڑا کر دیا۔ تقسیم ہند سے چند ماہ پہلے ہولناک ہندو مسلم فسادات ہوئے اور قتل و غارت گری کا جو بازار گرم ہوا اس کے نتیجے میں پاکستان آنے والے مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ بہت اہم اور سنگین تھا۔ غرضیکہ پاکستان حاصل کرنے اور اس کی ابتدائی مشکلات پر قابو پا کر اس کے نظم و نسق چلانے میں قائداعظم کو دن رات جس قدر محنت کرنا پڑی۔ اس نے آپ کی صحت پر برا اثر ڈالا۔

وفات

جون ۱۹۴۸ء میں طبی مشورے کے مطابق آپ آرام کی غرض سے کراچی سے کوئٹہ چلے گئے۔ اسی بیماری کی حالت میں یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرنے کے لئے کراچی تشریف لائے۔ ان کی بگڑتی ہوئی صحت کو دیکھ کر انہیں کوئٹہ سے زیارت منتقل کر دیا گیا۔ اور لاہور کے مشہور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو ان کا معالج مقرر کیا گیا۔ چونکہ رات دن کی محنت شاقہ سے صحت کافی خراب ہو گئی تھی۔ آخری وقت آ چکا تھا۔ قائداعظم کو کراچی پہنچایا گیا۔ جہاں اسی رات کو وہ دس بجے برصغیر کا سب سے بڑا رہنما پاکستان قوم کو یتیم بنا کر اپنے پیچھے سوگوار چھوڑ گیا۔ آپ کو کراچی میں دفن کیا گیا۔ جہاں پر قوم نے اپنے محسن کی شایانِ شان ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کروا دیا جو جدید فن تعمیر کا ایک عظیم شاہکار ہے۔

؎ آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

سیرت

قائداعظم ہمیشہ سے ایماندار، باہمت، نڈر اور مستقل مزاج انسان تھے۔ ان کا دامن لالچ اور ہوس سے پاک تھا ان کی سیاست صاف ستھری اور پاکیزہ تھی۔ وہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے توڑ پھوڑ اور خلاف قانون اقدامات کے سخت مخالف تھے۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے۔ اس کے بارے میں کسی سے سمجھوتہ نہ کرتے تھے اور نہ مصلحت کوشی سے کام لیتے تھے۔ عالمی رہنماؤں نے ان کی خوش پوشی کی تعریف کی ہے۔ ان کی زندگی کے آخری چند سالوں میں ان کی شہرت بام عروج پر پہنچ گئی، ان کا عظیم کارنامہ قیام پاکستان ہے۔ چنانچہ جب تک پاکستان باقی ہے۔ ان کا نام بھی تاریخ عالم میں جگمگاتا رہے گا۔

خراج عقیدت

قائداعظم کی عظمت کی گواہی تمام لوگوں نے بھی دی جن کے خلاف لڑ کر انہیں اپنا مقصد حاصل کرنا پڑا۔ لارڈ ویول جس نے نہرو کی حکومت قائم کر کے سخت جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔ یہ اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ... مسٹر جناح اپنے ارادوں اور اپنی رائے میں بے حد سخت ہیں۔ ان کے رویے میں کوئی لچک نہیں پائی

جاتی سیرت و کردار وہ موثر حربہ تھی جس کے ذریعے انہوں نے اپنی زندگی بھر کے معرکے سر کئے ...... امریکی صدر ٹرومین نے یوں خراج عقیدت پیش کیا کہ ...... جناح میں لگن اور دھن ایسی پائی جاتی تھی کہ کم ہی انسانوں کو اپنے مقصد کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے بابائے قوم کے بارے میں لکھا کہ ...... وہ اتنی بلند شخصیت کے مالک تھے جتنی امام ابن تیمیہ۔ اس لئے کہ ابن تیمیہ نے مسلمانوں کو تاتاریوں سے بچایا تھا۔ جبکہ قائداعظم نے مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ کیا۔ اسی طرح مشہور صحافی بیورے نکولس نے ۱۹۴۵ء ہی میں انہیں "ایشیا کا عظیم ترین انسان" قرار دیا تھا۔ اور وجے لکشمی پنڈت نے آپ کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ...... اگر مسلم لیگ کے پاس ایک سو گاندھی اور دو سو ابوالکلام ہوتے اور کانگرس کے پاس صرف ایک محمد علی جناح ہوتا تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔

تندرستی ہزار نعمت ہے

لطف جاں حاصل نہ ہوگا تو اگر بیمار ہے
تندرستی کے مقابل سیم و زر بیکار ہے

نعمت خداوندی

تندرستی کے معنی ہیں جسم کا صحیح حالت میں ہونا۔ تندرستی ایک بیش قیمت نعمت ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی شے نہیں کر سکتی۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے (Health is Wealth) یعنی تندرستی دولت ہے۔ یہ سچ ہے کہ تندرستی حقیقی دولت ہے۔

تنگدستی اگر نہ ہو غالب
تندرستی ہزار نعمت ہے

قدرِ صحت

صحت کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ بیمار اور تندرست میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے تندرست آدمی اپنے کام کاج میں مصروف رہتا ہے۔ اس کا چہرہ ہشاش بشاش اور دل شگفتہ رہتا ہے مگر جہاں ذرا سی تکلیف ہوئی تمام جسم میں کھلبلی مچ گئی۔ کام سے جی اکتانے لگا اب لذیذ سے لذیذ کھانے بے مزہ اور نفیس سے نفیس مٹھائیاں بدذائقہ معلوم ہونے لگیں راگ رنگ اور خوشی و طرب کے سامان وبال جان نظر آنے لگے۔ غرضیکہ بیمار شخص دنیا بھر کی نعمتوں کو بیکار اور فضول سمجھتا ہے اور ہر وقت شفا کا طالب رہتا ہے۔

تندرست جسم، تندرست دماغ

جسمانی صحت بہت ضروری ہے اور ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ صحت کے اصولوں کی طرف توجہ دے۔ اگر صحت ٹھیک نہ ہو تو دماغ کام بھی صحیح طریقہ سے سرانجام نہیں دیئے جا سکتے۔ صحت مند دماغ

اور ذہن کے لئے صحت مند جسم ضروری ہے۔

تندرستی اور محنت کا رشتہ

تندرستی کا انحصار صرف زور، ہضم، عمدہ اور مقوی غذا پر ہی نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ جو چیز کھائی جائے وہ ہضم ہو کر جزو بدن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کسان لوگ دکانداروں اور ملازم پیشہ لوگوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور مضبوط ہوتے ہیں۔ وہ بیمار بھی کم ہوتے ہیں۔ روکھا پھیکا جو کچھ بھی کھاتے ہیں وہ دن بھر کی محنت سے خوب ہضم ہو کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ صحت اور مشقت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

حفظانِ صحت

صحت کس طرح قائم و برقرار رہ سکتی ہے۔ اس کے لئے داناؤں نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں۔ صفائی، اعتدال اور احتیاط کو مدنظر رکھنے سے انسان کی صحت محفوظ رہ سکتی ہے۔

ا۔ جسم کی صفائی

انسان کے جسم میں مسامات ہوتے ہیں۔ جن کی راہ پسینہ نکلتا رہتا ہے اس کی گرد و غبار جم جاتا ہے اور ان مساموں کو بند کر دیتا ہے اس لئے ہر روز صبح کے وقت ضروری حاجات سے فارغ ہو کر مسواک کرنا چاہیئے اور مسواک کرنے کے بعد غسل کرنا چاہیئے تاکہ جسم کا میل کچیل رفع ہو جائے۔ نہاتے وقت جسم کو خوب ملنا چاہیئے اور عمدہ صابن سے میل دور کرنا چاہیئے۔ نہانے کے بعد جسم کو اچھے تولیئے سے خوب رگڑ کر خشک کر لینا ضروری ہے۔

(ب) لباس کی صفائی

جسم کی طرح اندر کے فضلات لباس میں بھی اثر کر جاتے ہیں۔ اس لئے ہفتہ میں دو یا کم از کم ایک بار جسم کے کپڑے دھونے چاہئیں۔ لباس سادہ اور صاف ہو۔ غلیظ لباس بیماری کا موجب بنتا ہے۔

ج صاف ہوا

زندگی سانس کی آمد و رفت کا نام ہے۔ سانس کی راہ تازہ ہوا ہمارے اندر جاتی ہے اور اندر کی گندی ہوا باہر نکلتی ہے۔ سانس کھلی اور صاف ہوا میں لینا چاہیئے ایسی ہوا جس میں گرد و غبار، دھواں اور بو نہ ہو۔ سانس ناک کی راہ لینا چاہیئے اور اس طرح ہوا صاف ہو کر اندر جاتی ہے اور ناک سے گزرتے وقت قدرے گرم ہو جاتی ہے۔ جو ہوا ہمارے اندر رہ جائے اس میں دو وصف ہونا چاہیئے۔ ایک وہ صاف ہو، دوسرے قدرے گرم ہو۔ ناک کی وقت مناسب گرم بھی ہو جاتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا پھیپھڑوں کے لئے مضر اثر رکھتی ہے۔

صاف پانی

ہوا کی طرح پینے کا پانی بھی صاف ہونا چاہیئے جس میں کسی قسم کی بو نہ ہو۔ اس کا رنگ تبدیل نہ ہوا ہو۔ اس کا ذائقہ اچھا ہو۔ صاف پانی صاف خون پیدا کرتا ہے۔ صاف اور اچھے خون پر صحت کا دار و مدار ہے۔ ہیضہ اسہال پیچش وغیرہ

بیماریاں بالعموم گندہ پانی پینے سے ہوتی ہیں۔ ان بیماریوں کے ایام میں پانی کو ابال کر ٹھنڈا کر لینا چاہیئے تاکہ اس کے اندر جو متعدی امراض کے جراثیم ہوں وہ تلف ہو جائیں۔

صاف اور صحت بخش غذا

صاف پانی کی طرح غذا بھی صاف اور صحت بخش ہونی ضروری ہے۔ غذا صاف برتنوں میں صاف ہاتھوں سے صاف جگہ پکائی جائے۔ ثقیل، زیادہ مرغن، کچی، باسی اور تیز مصالحہ دار غذا سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ غذا سادہ اور مقوی ہو۔ غذا کا اصول ایک ہی ہے کہ جب بھوک لگے کھائی جائے۔ اور تھوڑی بھوک باقی ہو تو ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ غذا خوب چبا کر کھائی جائے۔ اپنی طبیعت کے حسب منشاء کھائی جائے۔ یونہی معدے میں غذا کو ٹھونس نہ لیا جائے۔ کھانے میں اعتدال مدنظر رکھا جائے۔

مناسب نیند

سونے میں بھی اعتدال کو مدنظر رکھا جائے۔ طبیعت کے مطابق سویا جائے۔ رات کو جلدی سو جانا اور جلدی بیدار ہونا صحت کے لئے مفید ہے۔ زیادہ نیند عمر کو کم کرتی ہے۔ اور انسان کو غافل بناتی ہے اس سے پرہیز لازم ہے

رات کو سونا سویرے صبح کو اٹھنا شتاب　　صحت و دولت بڑھائے عقل کو دے آب و تاب

مناسب ورزش

حفظ صحت کے لئے ورزش بھی ضروری ہے۔ اس سے جسم مضبوط ہوتا ہے۔ غفلت دور ہوتی ہے۔ جسم میں صحت و توانائی اور چستی و چالاکی آتی ہے۔ دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے۔ جسم کی غلاظتیں پسینہ کی راہ نکل جاتی ہیں۔ ورزش میں بھی اعتدال کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اتنی ورزش مفید نہیں جس سے تکان پیدا ہو۔ ورزش میں باقاعدگی بھی ضروری ہے۔ یہ درست نہیں کہ کبھی ورزش کر لی اور کبھی نہ کی۔ ہر روز وقت مقررہ پر مناسب ورزش ضرور کرنا چاہیئے۔ کم از کم میل دو میل کی سیر صبح کے وقت ایک مفید اور بہتر چیز ہے۔

اچھی عادت

یہ بھی صحت کے لئے مفید ہے۔ بری عادت سے برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ برے جذبات سے برے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ اور برے اعمال صحت کو برباد کر دیتے ہیں۔ بری صحبت اور برے کاموں سے بچنا چاہیئے۔ بد عادت سے جسم اور خوبصورتی کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ خون کی سرخی کم ہو جاتی ہے۔ چہرہ بدنما ہو جاتا ہے اور انسان پر ایک قسم کی لعنت محیط ہو جاتی ہے۔ اس لئے بری صحبت سے احتیاط لازم ہے۔ ہر وقت خوش رہنا سیکھو خوشی اور مسرت آدھی صحت ہے اور غم و غصہ، بغض، کینہ، حسد صحت کے لئے بہت نقصان دہ ہیں۔ جہاں تک ہو سکے ان سے بچنا چاہیئے اور اپنے خیالات کو شگفتہ اور نیک رکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

متعدی امراض سے بچاؤ

یوں تو صفائی اور باقاعدگی سے متعدی امراض پاس نہیں پھٹکتے۔ پھر بھی ان امراض کے بارے میں احتیاط

ضروری ہے۔ ملیریا کے ایام میں مچھروں سے حفاظت اور کونین وغیرہ کا استعمال ہیضہ، پلیگ اور چیچک کے ایام میں ٹیکہ وغیرہ لگوا لینا چاہیئے۔

نشہ آور اشیاء سے پرہیز

اچھی صحت کے لئے نشہ آور اشیاء سے بچنا ضروری ہے۔ حقہ، سگریٹ، بھنگ، افیون، چرس، شراب اور ہیروئن وغیرہ کے نزدیک بھی نہیں جانا چاہیئے اور نہ ان کا عادی بننا چاہیئے۔

یہ صحت کے اصول ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے انسان تندرست رہ سکتا ہے۔ اور اپنی صحت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

فصلِ بہار

پھر بہار آئی ہوئے مشک بار آنے لگی
پھر پپیہے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی

موسموں کا تغیر و تبدیل

اس کارخانہ ہستی کا نظام درست رکھنے کیلئے قدرت اپنے اپنے وقت پر موسموں کو بدلتی رہتی ہے

موسموں کا یہ تغیر و تبدیل دنیا کی رونق اور آبادی کے لئے ضروری ہے۔ اگر ہمیشہ ایک ہی موسم رہتا تو سطح ارضی پر انسان اور حیوان زندہ نہ رہ سکتے۔

موسم بہار

ہمارے ملک میں چار موسم پائے جاتے ہیں۔ جاڑا، گرمی، بہار اور برسات موسم بہار ان سب موسموں کا سرتاج ہے۔ مگر افسوس ہمارے ملک میں یہ موسم مہینہ بھر کے دوسرے ملکوں میں بہار کا موسم نسبتاً زیادہ دیر تک رہتا ہے۔

بہار کی رعنائیاں

موسم بہار کیا ہے، خوشبوؤں کا قاصد اور رنگینیوں کا پیغامبر ہے اس کی آمد سے ہر طرف زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ باغ و راغ رنگا رنگ پھولوں سے بھر جاتے ہیں۔ کوہ و دشت میں سبزے کا فرش بچھ جاتا ہے ٹنڈ منڈ شاخیں ہری بھری ہو جاتی ہیں۔ پودوں پر نیا رنگ و روپ آجاتا ہے۔ درخت اپنا پرانا لباس اُتار کر سبز پیرہن زیب تن کر لیتے ہیں۔ ٹہنیاں برگ و بار سے بھر جاتی ہیں۔ نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ کلیاں مسکراتی ہیں۔ پھول کھلتے ہیں۔ غنچے چٹکتے ہیں۔ بلبلیں چہکتی ہیں۔ فاختائیں کو کو کرتی ہیں۔ مرغانِ خوشنوا چہچہاتے ہیں تتلیاں رقص کرتی ہیں اور بھنورے ناچتے ہیں۔ بادِ بہار کے مست جھونکے ہر طرف اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں۔ سبزہ لہلہاتا ہے جس سے آنکھوں کو طراوت اور دل و جگر کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔

قابلِ دید مناظر

دریاؤں اور آبی گزرگاہوں کا نظارہ قابلِ دید ہے۔ پانی

پہاڑوں کی بلندیوں سے میدانوں کی طرف رواں دواں ہے۔ پہاڑوں کی زرخیزی اپنے ساتھ بہا کر میدانوں میں بچھا دیتا ہے۔ اور پھر وہاں کاشت کی جانے والی فصلیں خوب جھاڑ دیتی ہیں۔ یہ پانی جس طرح بھی جاتا ہے، مردہ زمین میں زندگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ بہار کے موسم میں صبح کو دریا کی سیر دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ شاعر نے اس دلفریب منظر کا خوب نقشہ کھینچا ہے ؎

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی ۔۔۔ کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی ۔۔۔ سنگِ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

دامنِ کہسار کا حسن

اس موسم میں دامنِ کہسار کا حسن اور بھی نکھر جاتا ہے۔ جب ماحول دلہن کی طرح سجا ہوا ہو تو دل کے ویرانے میں مسرت کے پھول کھلنے لگتے ہیں۔ چمن زاروں کی خوبصورتی دیکھئے تو جی چاہتا ہے کہ اس جنت نگاہ میں گم ہو جائے اور دنیا و مافیہا کے غموں کو بھلا دیجئے ؎

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار ۔۔۔ ارم بن گیا دامنِ کہسار

گل و نرگس و سوسن و نسترن ۔۔۔ شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن

شاعروں اور ادیبوں کی نغمہ سرائی

موسم بہار کی رنگینیوں اور رعنائیوں کی کیا کہنا۔ کون ہے جو اس موسم کے حسن و جمال پر فریفتہ ہیں۔ کون ہے جس کی افسردہ طبیعت نسیم بہار کے خوشگوار جھونکوں سے تروتازہ اور شاداب نہیں ہو جاتی۔ کوئی بوڑھا ہو یا جوان اس موسم کی رعنائیوں کو دیکھ کر کہہ اٹھتا ہے کہ "کاش موسم بہار ہمیشہ رہتا"

شاعر اور ادیب تو اس موسم کی دلفریبیوں پر جان دیتے ہیں۔ دنیا کا کوئی شاعر شاید ہی ایسا ہو گا جس نے بہار کی تعریف میں نغمہ سرائی نہ کی ہو۔ اور اس کے رنگین مناظر کا نقشہ نہ کھینچا ہو۔ دنیا کے کسی ادیب کا بھی مطالعہ کیجیے، بہار کے دلکش مرقعے جا بجا نظر آتے ہیں۔

قدرت کا عطیہ

بہار کا موسم فی الحقیقت انسان کے لئے قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ اس موسم میں نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے نہ زیادہ سردی بلکہ ہوا میں ایک خوشگوار اعتدال پایا جاتا ہے۔ صبح کی سیر کا صحیح لطف اس موسم میں آتا ہے۔ کام کاج میں خوب جی لگتا ہے۔ جسم میں نیا اور تازہ خون گردش کرنے لگتا ہے۔ طبیعت چوبیس گھنٹے ہشاش بشاش رہتی ہے۔ کڑکڑاتے جاڑوں کے ستائے ہوئے لوگ اس موسم میں نئی زندگی محسوس کرتے ہیں۔ الغرض یہ موسم اپنی کیفیت کے لحاظ سے دنیا کا بہترین موسم سمجھا جاتا ہے۔

ہر چیز پہ شباب ہے، ہر شے میں حسن ہے ۔۔۔ دنیا جوان ہو گئی فصلِ بہار میں

ورزش کی اہمیت

جو ورزش ہمیشہ کرے بے درنگ — ہو پیری میں اس کی جوانی کا رنگ

ورزش کی ضرورت اور اہمیت

انسانی جسم ایک مشین کی مانند ہے جس طرح مشین کے کل پرزوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صفائی ہوتی رہے اور انہیں گریس وتیل وغیرہ ملتا رہے۔ اسی طرح انسانی جسم کے لئے بھی یہ انتہائی ضروری ہے کہ اس کی صفائی ہوتی رہے اور یہ کام صرف اور صرف ورزش ہی کر سکتی ہے۔ کھلے میدان میں جب ہم گہرے گہرے سانس لے کر ورزش کرتے ہیں یا دوڑ لگاتے ہیں تو ہمارے بدن سے پسینہ خارج ہوتا ہے جس سے جسم کے اندرونی فاصلہ مادے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔ خون صاف ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ مشین اندر کے "میل کچیل" سے پاک ہوتی رہتی ہے۔

صحت کا دارومدار

پنڈت برج نرائن چکبست کا یہ شعر تو تقریباً سب کو یاد ہوگا ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب — موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشان ہونا

لیکن کتنے لوگ غور کرتے ہیں کہ عناصر یعنی آگ، پانی، خاک اور ہوا میں ترتیب قائم کیسے رہ سکتی ہے۔ یہ ترتیب ورزش سے قائم رہتی ہے اور اس طرح اگر سمجھا جائے تو ورزش نہ صرف صحت کو قائم رکھتی ہے بلکہ پرکیف زندگی کی ضامن ہوتی ہے۔ جب تک کسی کے پاس کوئی نعمت ہوتی ہے اسے نعمت کی قدر نہیں ہوتی۔ صحت مند آدمی بیماری کی تباہ کاری کے متعلق کبھی بھول کر بھی نہیں سوچتا یہ احساس صرف بیمار اور کمزور آدمی ہی کو ہوتا ہے کہ صحت کتنی بڑی دولت ہے۔

تنگ دستی اگر نہ ہو غالب — تندرستی ہزار نعمت ہے

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انسان کے لئے خوراک اور تازہ ہوا کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہے اسی طرح ورزش کے بغیر انسانی جسم مناسب نشوونما نہیں پا سکتا۔ ورزش کی بدولت جسم کے تمام حصے مضبوط اور توانا رہتے ہیں۔ انسان چست رہتا ہے اور اس کا دل زندگی کے کام کاج میں خوب لگتا ہے۔ غرضیکہ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ورزش سے بڑھ کر کم خرچ بالانشین اور کوئی نسخہ نہیں ہوتا۔

تندرست جسم، تندرست دماغ

ایک انگریزی مقولے کے مطابق دماغ بھی اس کا صحت مند ہوتا ہے جس کا جسم مضبوط اور توانا ہو۔ اگر جسم اور دماغ صحت مند نہ ہو تو زندگی بے کار ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ انجام کو سوچنے والا

انسان دنیا میں کامیاب اور آخرت میں سرخرو ہوتا ہے، وہ انسان جو اپنی صحت کا خیال رکھتے ہیں دنیا کی نعمتوں کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ صحت کو کس طرح قائم رکھا جائے تو اس کا جواب ہوگا "مناسب ورزش"

افلاطون اور روسو کا نظریہ

افلاطون کا کہنا ہے کہ خوراک، کام اور آرام اگر زندگی کی ضروریات ہیں تو کھیل (ورزش) ایک ایسا ستون ہے جو زندگی کی مضبوطی اور پائیداری کا ذمہ دار ہے۔ کھیل اور ورزش انسانی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ بچے کھیل پیدائشی طور پر ورثہ میں لاتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کھیل کے میدان اور جماعت کے کمرے کو برابر اہمیت حاصل ہے۔

روسو نے ورزش کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار یوں کیا ہے، اگر آپ ذہانت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو طاقت پیدا کیجئے، جسم کو کھیل کے ذریعے لگاتار ورزش دیجئے۔ شاگردوں کو طاقتور بنائیے وہ جلد دانشور بن جائیں گے۔

تاریخی شہادت

تاریخ شاہد ہے کہ وہ قومیں جو تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل (ورزش) سے بھی استفادہ کرتی رہیں۔ ان دوسری قوموں پر ہمیشہ غالب رہیں جنہوں نے ورزش سے اجتناب کیا۔ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ نپولین جیسے ماہر اور زبردست جرنیل کو واٹرلو کے مقام پر شکست دینے والا وہ جرنیل ڈیوک آف ولنگٹن تھا جس نے "ایٹن" کے کھیل کے میدان میں جرأت اور استقلال کی تربیت حاصل کی تھی۔

ورزش کی اقسام

جس طرح خاص خاص بیماریوں کے لئے خاص خاص دوائیں استعمال کی جاتی ہیں اور ان دواؤں کے استعمال میں مریض کی عمر، مزاج موسم اور غذا کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس طرح ورزش کے بھی سینکڑوں طریقے ہیں، دماغی کام کرنے والوں کے لئے تو صبح کو کھلی جگہ جہاں تازہ ہوا اور روشنی اچھی طرح آسکے ورزش کرنا نہایت ضروری ہے۔ صبح کی سیر بڑی عمر والوں کے لئے نہایت موزوں ہے، طلبہ اور جوانوں کے لئے ڈنٹر پیلنا۔ مگدر ہلانا سپرنگ ڈمبلوں کا کھینچنا، کشتی لڑنا، تیرنا، کشتی چلانا اور مختلف کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال، ہاکی کبڈی وغیرہ جسم کی نشوونما اور قویٰ کی مضبوطی کے لئے ورزش کی مناسب صورتیں ہیں۔

ورزش کیلئے ہدایات

ہر آدمی کو اپنی جسمانی طاقت کے لحاظ سے ورزش کرنا چاہیئے۔ زیادہ ورزش کرنے میں سخت نقصان ہے اس لئے جسم کو زیادہ نہیں تھکانا چاہیئے، ورزش میں باقاعدگی کی سخت ضرورت ہے۔ ورزش کے لئے اچھا وقت صبح وشام ہے، ورزش کے فوراً بعد نہانا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ ورزش کے کم از کم

آدھ گھنٹہ بعد تک آرام کرنا چاہیئے۔

ورزش نہ کرنے کے نقصانات

عزبا تو دن رات محنت اور مشقت کرتے رہتے ہیں۔ انہیں کسی خاص قسم کی ورزش کی ضرورت نہیں۔ ان کے لئے تو سب سے اچھی ورزش سیر و تفریح اور آرام ہے۔ لیکن امراء کے لئے دن رات پیٹ میں غذا اس طرح ٹھونستے ہیں جسے ایک فائر مین انجن کو چلانے کے لئے اس میں کوئلہ بھرتا ہے۔ ورزش نہایت ضروری ہے لیکن یہ لوگ ورزش کو بھی ایک کام سمجھتے ہیں اور چونکہ ان کے تمام کام ملازم سرانجام دیتے ہیں۔ اس لئے وہ ورزش کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے قویٰ بھی ان کی طرح آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ معدہ صحیح طور پر خوراک ہضم نہیں کرتا جس سے وہ کئی قسم کے عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کا اثر اعضائے رئیسہ پر پڑتا ہے۔ ذرا موسم بدلا اور ان پر کسی نہ کسی بیماری نے حملہ کیا اور بیمار نہ بھی ہوں تو پھر بھی ان کی طبیعت پژمردہ رہتی ہے دو قدم چلتے ہیں تو سانس پھول جاتا ہے۔ دل دھک دھک کرتا ہے۔ ٹانگیں جواب دے جاتی ہیں۔ بلند ہمتی، زندہ دلی اور بشاشت ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ وہ ہر وقت کڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے مزاج میں چڑچڑاپن آجاتا ہے۔

خاص کر نوجوان لڑکے اور طالب علم جو ورزش نہیں کرتے۔ صحت کی خرابی کے باعث تعلیم بھی مکمل نہیں کر سکتے۔ بعض طالب علم خیال کرتے ہیں کہ ورزش میں وقت ضائع ہوتا ہے اور یہی وقت اگر مطالعہ میں خرچ کیا جائے تو زیادہ فائدہ ہوگا حالانکہ وہ آخر میں بجائے فائدہ کے نقصان اٹھاتے ہیں کیونکہ صحت ہی اچھی نہ ہو تو کام کیونکر انجام پا سکتا ہے اور تعلیم کیسے پوری ہو سکتی ہے۔

ورزش کے فائدے :-

۱۔ عمدہ صحت

انسان کی صحت کا انحصار ورزش پر ہے۔ ورزش اس کے جسم کو متناسب سڈول اور موزوں بناتی ہے۔ تمام اعضاء کو استوار اور مضبوط بناتی ہے۔ موٹاپے جیسی خطرناک بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔ بلڈ پریشر، خفقان قلب، ذیابیطس ضیق النفس جیسی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ جسمانی نشوونما

ورزش جسم کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ورزش جسم میں پھرتی اور چستی پیدا کرتی ہے جسم کے ہر حصے کی نشوونما صحیح انداز میں ہوتی ہے۔ اعصاب کا تناسب درست رہتا ہے اور اعضاء میں لچک پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ جرأت اور حوصلہ مندی

ورزش سے انسان میں جرأت اور حوصلہ مندی پیدا ہوتی ہے، وہ کام مستقل مزاجی سے کرتا ہے۔ ورزش انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ خطرات کا مقابلہ کر سکے۔

۴۔ خود اعتمادی

ورزش سے انسان کے اندر خود اعتمادی کی قوت پیدا ہوتی ہے اس میں کمزوریوں پر قابو پانے کی صلاحیت جنم لیتی ہے۔

۵۔ فرصت کا بہترین مصرف

سن بلوغت ہیجان انگیز دور ہوتا ہے۔ ورزش فرصت کے وقت کا بہترین مصرف ہے۔

۶۔ زائد قوتوں کا اخراج

انسان میں بہت سی قوتوں کا اخراج ضروری ہوتا ہے ورزش کے ذریعے ان طاقتوں کا اخراج ممکن ہے۔ اگر ان کا اخراج نہ ہو تو یہ طاقت تخریبی کارروائیوں میں صرف ہو سکتی ہے۔

۷۔ بیماریوں کے مقابلہ میں قوت مدافعت

ورزش انسان کو بیماریوں سے دور رکھتی ہے۔ ورزش نظام انہظام کو معمول پر لے آتی ہے۔ اس لئے اس میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔

سینما بینی کے فوائد اور نقصانات

سینما دور حاضر کی ایجادات میں سے ایک اہم اور مقبول عام ایجاد ہے۔ اگرچہ یہ بذاتِ خود بری چیز نہیں ہے لیکن اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ اگر اس سے صحیح طور پر کام لیا جائے تو اس کے نہایت مفید اور سازگار نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے اچھے پہلو بھی ہیں اور برے بھی۔ فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ سطور ذیل میں ہم اس کے ہر دو پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔

فوائد:

تفریح کا مقبول ترین ذریعہ

تفریح انسان کی طبیعت کا خاصا ہے۔ مختلف زمانوں میں تفریحات کے سامان مختلف رہے ہیں۔ آج کے زمانے میں سینما ہمارے ملک میں تفریح کا سب سے مقبول ذریعہ ہے۔ اس لئے ہر بڑے شہر میں سینما والوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور فلمی صنعت بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہے ایک شخص جو سارا دن ذہنی اور جسمانی کاوش کرتا ہے اور زندگی کے تھکا دینے والے

مسائل سے دوچار رہتا ہے۔ فلمیں اُسے ذہنی آسودگی اور تفریح طبع کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ وہ پردہ فلم پر انسانی زندگی کے روشن اور رنگین پہلوؤں کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے فرحت و انبساط کے ماحول میں ڈوب جاتا ہے اور آلام حیات کو بھول کر تازہ دم ہو جاتا ہے۔

زندگی کی عکاسی

اچھی فلمیں بالعموم انسانی جذبات اور احساسات کی ترجمان ہوتی ہیں اور جیتی جاگتی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں زندگی کے وہ اسرار ورموز جو کتابوں کے مطالعہ یا باہمی گفت وشنید سے سمجھ نہیں آسکتے انہیں پردہ سیمیں پر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے فلموں سے سیکھا ہوا سبق دیرپا ہوتا ہے اور سالہا سال گزر جانے کے باوجود بھی ذہن میں نقش رہتا ہے۔

انسانی کردار وسیرت کی تعمیر

انسانی کردار اور اس کی ذہنی تعمیر میں سینما ایک اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ اصلاحی فلمیں ہماری زندگی کے تاریک پہلوؤں اور سماجی برائیوں کی عکاسی کرتی ہیں اور معاشرے کی اصلاح وتعمیر کے کام مدد دیتی ہے۔ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں تاریخی فلمیں نہایت اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔ ایسی فلمیں کے ذریعے تماشائیوں کے سامنے کسی قوم کا جیتا جاگتا ماضی پیش کیا جا سکتا ہے۔

جب ہم تاریخ کی رزمیہ داستانوں، اسلام کے سرفروش مجاہدوں، غازیوں اور شہیدوں کے ولولہ انگیز اور ایمان افروز کارناموں کو پردۂ فلم پر متحرک دیکھتے ہیں تو دلوں میں تحفظ وطن کے لئے ایک نیا جذبہ اور تعمیر ملت کی خاطر ایک نیا عزم کروٹیں لینے لگتا ہے۔

دنیا کے حالات وواقعات سے واقفیت

دستاویزی فلمیں ہمیں دنیا کے تازہ ترین حالات وواقعات سے متعارف کراتی ہیں۔ فلموں کے ذریعے دوسرے ملکوں کی تہذیب معاشرتی اخلاق، رسم ورواج اور تاریخی پس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ پردۂ سیمیں پر دور دراز ممالک کے دلکش مناظر خوبصورت عمارات اور اہم تاریخی مقامات کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ فوائد حاصل کرتے کے لئے نہ تو سفر کے بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور نہ سفر کی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں

تعلیمی اہمیّت

سینما تعلیم وتدریس کے میدان میں بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ تعلیمی فلمیں طلباء کو اپنے سبق ذہن نشین کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔ ان کی مدد سے خشک اور بے کیف مضامین کو پرلطف اور دلچسپ طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ جن مضامین کا مطالعہ کند ذہن طلبہ کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ فلمی تصاویر کی مدد سے ان میں دلچسپی اور وضاحت کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔ بالخصوص تاریخ، جغرافیہ اور عمرانی علوم اگر

متحرک اور رنگین تصاویر کی مدد سے کہانی کے روپ میں پڑھائے جائیں تو ان کے گہرے نقوش ذہن سے کبھی نہیں ہٹتے سینما سے ناخواندہ بالخصوص بالغوں کی تعلیم میں مدد لی جاسکتی ہے۔

جدید آلات کا عملی استعمال

ترقی پذیر ملکوں میں کاشتکاری کے جدید آلات کا عملی استعمال بتلائے اور کاشت کے طریقوں سے آگاہ کرنے کے لئے فلم سے نہایت مفید کام لیا جاسکتا ہے۔ زراعت کے مشینی آلات کے فوائد پر لمبے چوڑے لیکچر دینے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ کسان ان مشینوں کو پردہ فلم پر کام کرتے ہوئے خود دیکھیں۔ ان مشینوں کے طریق کار اور کارکردگی کا صحیح جائزہ لینے اور ان کے فوائد کو پوری طرح سمجھنے کے لئے فلم ایک بہترین اور قابلِ اعتماد ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر ہمارے ملک میں کاشتکاری کے نئے نئے طریقوں کو فروغ دینے کے لئے اب فلموں سے مدد لینے کا رجحان عام ہو رہا ہے۔

نقصانات

اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود فلم بینی کے کئی ایک نقصانات بھی ہیں

فرائض سے پہلوتہی اور وقت کا ضیاع

اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئی اچھی فلم دیکھ لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن فلم بینی کا حد سے بڑھا ہوا شوق عام طور پر دوسری مصروفیات سے پہلوتہی کرنے اور وقت کے ضیاع کا باعث بنتا ہے۔ بعض فلم بین حضرات مارکیٹ میں چلنے والی ہر اچھی یا بری فلم کو دیکھنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ جب یہ عادت حد اعتدال سے تجاوز جنون کی حد تک پہنچ جائے تو روپے اور وقت کا ضیاع ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے اور راپنا سب کچھ مار کے اپنے نصب العین سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔

اخلاق اور کردار پر برا اثر

بعض اخلاق سوز فلمیں نوجوان پود کے ناپختہ ذہنوں کو بے حد متاثر کرتی ہیں۔ جب نوجوان طبقہ جرائم پیشہ لوگوں کی زندگیوں پر مبنی فلموں میں مار دھاڑ اور لوٹ مار کی وارداتوں کو دیکھتا ہے تو ان کے منفی پہلوؤں سے اثر قبول کرتا ہے۔ چنانچہ نتیجتاً نوجوان پیشہ ور ڈاکو ڈں اور گرہ کٹ بن جاتے ہیں اور فلموں میں دیکھی ہوئی چالوں کے عملی تجربات کرنے لگتے ہیں۔ ایسی فلمیں نوجوان پود کے حساس اور جذباتی ذہن پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں۔

عریانی اور فحاشی

فلموں کے رومان انگیز مناظر نوجوانوں کے خیالات میں انتشار

اور ہیجان پیدا کرتے ہیں اور وہ ذہنی عیاشی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ فلمی معاشقوں کے عریاں مناظر دیکھ دیکھ کر ان میں رذیل جذبات کی وبا عام ہو رہی ہے۔ فلمی رقصوں پر تھرکنا، مشہور ایکٹرسوں کی اداکاری کا سوانگ بھرنا، ایکٹرسوں سے غائبانہ عشق کرنا، راہ چلتی لڑکیوں پر آوازیں کسنا اور تعاقب میں سرگرداں رہنا ان کے روزمرہ مشاغل بن گئے ہیں۔

فیشن پرستی

فلم بینی کی وجہ سے لوگوں میں فیشن پرستی کا رنگ بھی عام ہو گیا ہے لباس اور آرائش کی دوسری چیزیں جو وہ فلم میں دیکھتے ہیں ان کی نقل اتارتے ہیں خاص طور پر عورتیں اس بارے میں اپنی کمزوری کا زیادہ اظہار کرتی ہیں۔ کسی ایکٹریس کی نئی قسم کی ساڑھی دیکھ کر ویسی ہی ساڑھی پہننے کی کوشش کریں گی۔ ان کی پیچ دار زلفوں کی بناوٹ کی ریس کریں گی۔ اور اس کی چال کے تکلفات کو اپنانے کی کوشش کریں گی۔ موجودہ زمانے میں نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں میں نزاکت پسندی اور فیشن پرستی رواج پا چکی ہے اس کے پیدا کرنے میں فلم کو بڑا دخل ہے۔

نتیجہ سخن

ان سب نقصانات کے باوجود جب سینما کا پوری طرح جائزہ لیا جاتا ہے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سینما میں نقصانات کی نسبت فائدے زیادہ ہیں۔ تفریحی اور تعلیمی اعتبار سے فوائد بے بہا ہیں۔ کوئی شخص سینما کا کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو اسے ماننا پڑتا ہے کہ سینما میں اعلیٰ درجے کی تفریح بہم پہنچانے کا وصف پایا جاتا ہے اور وہ اس زمانے کی ایک نعمت سے کم نہیں۔

طالب علم کے فرائض

طالب علمی کا زمانہ خوشیوں اور اُمنگوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ طالب علم اپنے والدین کے سایۂ شفقت میں فکر معاش اور ہر قسم کی خاندانی الجھنوں سے آزاد رہ کر اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھتا ہے طالب علمی کے دور میں طلبہ کو بعض ایسی خوشیاں بھی حاصل ہوتی ہیں جو حصول علم کا زمانہ ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً فرصت کے اوقات میں اپنے ہم جماعتوں کی محبتیں۔ اس دور کے بے لوث یارانے، کھیل کے میدان اور مدرسہ کی دیگر تقریبات میں شمولیت کے موقعوں پر آپس کی خوش گپیاں اور چھیڑ چھاڑ وغیرہ۔ زمانہ طالبعلمی کے ان خوشگوار پہلوؤں کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم لیکن ان خوشگوار مشاغل میں ڈوب کر طلبہ کو اپنے حقیقی فرائض سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

وقت کی قدر

طالب علم کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ سچا اور وفادار رہے یعنی خدا نے اپنی رحمت سے اُسے جو وقت کی

دولت عطا کی ہے اسے صحیح طور پر استعمال کرے۔ اسے کھیل کود میں ضائع کرے جو کہ اس کی آئندہ زندگی میں کام آنے والی ہے۔ اگر کسی نے وقت کی قدر نہ کی اور اسے ضائع کرنا ہی اپنا مشغلہ بنایا تو اسے ساری عمر پچھتانا پڑے گا کیونکہ ؂

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

نظم وضبط

طالب علم کی زندگی میں ایک اور اہم چیز نظم وضبط ہے۔ اس وصف کو پیدا کرنے کے لئے قربانی اور تحمل سے کام لینا پڑتا ہے۔ جس طالب علم کی زندگی میں نظم وضبط نہیں وہ اس کشتی کی مانند ہے جس کی پتوار ٹوٹ گئی ہو اور جو ہمیشہ ڈانواں ڈول رہتی ہو اور کنارے تک محفوظ نہیں پہنچتی۔

اساتذہ کا احترام

طالب علم کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ نہایت سلامت روی کے ساتھ اساتذہ کا احترام ملحوظ رکھیئے تاکہ اساتذہ کرام بھی شفقت اور ہمدردی کے ساتھ اپنا تعلیمی فرض ادا کریں۔ اساتذہ کے احترام وادب کے بارے میں حضرت علیؓ کا قول بڑی سند کی حیثیت رکھتا ہے: "جس نے مجھے ایک لفظ سکھایا اس نے مجھے ساری عمر کے لئے غلام بنا لیا"۔ استاد چونکہ بچے کی اخلاقی اور روحانی تربیت کر کے اسے انسان بناتا ہے۔ اس لئے اس کا احترام لازمی ہے۔ سکندر اعظم نے کسی سے پوچھا کہ آپ کی رائے میں استاد زیادہ قابل احترام ہے یا باپ۔ اس نے جواب دیا: "استاد باپ کی نسبت زیادہ قابلِ احترام ہے کیونکہ باپ مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور استاد نے مجھے زمین سے آسمان پر پہنچایا"۔

درس گاہ کے قواعد کی پابندی

درس گاہ کے قواعد کی پابندی اور ضبط کے تقاضوں کا دلی احترام کرنا بھی ہر طالب علم کا فرض ہے۔ طالب علم کو اپنے سکول کا سچا وفادار ہونا چاہیئے۔ کبھی بھول کر بھی کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے سکول کی بدنامی ہو۔ سکول نے جو قاعدے، قانون مقرر کئے ہوں ان کی پابندی کرے۔ جو انسان قاعدے اور قانون کی پابندی نہیں کرتا وہ پڑھا لکھا نہیں کہلا سکتا۔

ہم جماعتوں کی خیر خواہی

طالب علم کو اپنے ہم جماعتوں سے خواہ کسی طبقے سے کیوں نہ ہوں۔ ہمدردی اور خیر خواہی کا برتاؤ کرے۔ سب کو برابر سمجھے اور اپنا بھائی خیال کرے۔ اگر ان کو کسی امر میں مدد کی ضرورت ہو تو خوشی خوشی ان کی مدد کرے۔

مہذب اور شائستہ گفتگو

بد اطوار اور آوارہ لڑکوں کی صحبت سے بچنے اور اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ کو جگہ نہ دے، جو

تہذیب سے گرے ہوئے ہوں ۔ مہذب اور شائستہ گفتگو کرنے والوں کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے بعض طلباء سکول کی دیواروں اور بیت الخلاء کی دیواروں پر چاک سے کچھ غلط قسم کی باتیں لکھ دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ سکول کے تمام لڑکوں کے متعلق بری رائے کی باتیں لکھ دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ ایسی باتوں سے ہر ایک طالب علم کو اجتناب کرنا چاہیئے ۔

فضول خرچی سے پرہیز

طالب علمی کے زمانے میں فضول خرچی اور نمائش کا ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے ۔ حالانکہ عام طلبہ کے والدین یا سرپرستوں کے مالی وسائل محدود ہوتے ہیں ۔ لیکن انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی وہ نت نئی فرمائشوں سے اپنے گھر والوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں ۔ طلبہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے اخراجات کو قابو میں رکھیں اور چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں ۔

ہم نصابی مشاغل

طالب علم کا فرض ہے کہ وہ اپنی نصابی کتابوں کے علاوہ وسعت مطالعہ کی غرض سے دوسری کتابوں سے بوقت فرصت مستفیض ہوتا رہے ۔ شہر میں ہونے والی علمی اور ادبی تقریبات میں گاہے بگاہے حصہ لیتا رہے ۔ اسے کھیلوں میں بھی حصہ لینا چاہیئے تاکہ اس کی شخصیت کی مکمل نشوونما ہو سکے ۔

حفظانِ صحت

طالب علم کو چاہیئے کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھے کیونکہ ایک صحت مند دماغ ایک صحت مند جسم میں ہی ہو سکتا ہے اسے متوازن غذا کھانی چاہیئے ۔ کسرت کرے اور نیند پوری کرے اور حفظانِ صحت کے اصولوں کو ہمیشہ مدنظر رکھے

بزرگوں کے نصائح پر عمل

اس میں شک نہیں کہ جمہوریت کا دور ہے ہر شخص کو اختیار ہے جس طرح چاہے سوچے جس طرح چاہے کرے جس قسم کی وضع اسے پسند ہو اختیار کرے ، نہ کوئی روکنے والا ہے نہ ٹوکنے والا پرانی قدریں پامال ہو رہی ہیں ۔ نوجوان بزرگوں کی تقلید کو عار سمجھتے ہیں لیکن تجربہ ہمیشہ غالب رہا ہے ۔ اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ دنیا کے اس نشیب و فراز میں ٹھوکر کھانے کی بجائے بزرگوں کی قائم کردہ راہوں پر گامزن ہوں اور ان کے اقوال اور نصائح پر عمل کریں ۔

وطن عزیز کی خدمت

اپنی ذات اور خاندان کے فرائض کے ابعد ایک طالب علم پر اپنے وطن عزیز کی خدمت کا فرض بھی عائد ہوتا ہے ۔ آج ہر نوجوان کا جاننا ضروری ہے کہ پاکستان کو ایسے مخلص اور باہمت خادموں کی ضرورت ہے جن کا نامہ اعمال خویش پروری ۔ اقربا نوازی ۔ حب جاہ اور سرمایہ اندوزی سے پاک ہو جن میں ایک عظیم ولولہ ہو اور قوم کو ترقی کی اس اعلیٰ منزل تک پہنچائیں ۔ جہاں عدل اور حق پروری

ہو۔ رشوت اور سفارش نہ ہو۔ ان غریبوں اور بے کسوں کے ساتھ بھی انصاف اور دادرسی ہو جن کا دنیا میں خدا کے سوا کوئی نہیں۔ صرف اہل دل اور دردمند حضرات کے لئے ہی تمام مراعات وقف نہ ہوں علاوہ بریں آج پاکستان کو آہنی بازوؤں فولادی ارادوں اور ناقابلِ تسخیر محبِ وطن لوگوں کی ضرورت ہے کیونکہ ملکی سرحدوں پر کسی وقت بھی حالات مخدوش ہو سکتے ہیں۔ نیز پاکستان ایسے باذوق اور علم دوست طلباء کا مشتاق ہے جو انکشافات کی لگن رکھتے ہوں جو فطرت کا سینہ چیر کر اس کے ارادوں پر قبضہ کریں۔ پہاڑوں کی فلک بوس بلندیوں اور سمندروں کی تاریک گہرائیاں ان کی دست برد سے محفوظ نہ ہوں۔

سیاست گری ایجی ٹیشن سے پرہیز

جہاں تک سیاسی امور کو سمجھنے کا تعلق ہے فی زمانہ یہ تعلیم کا ایک حصہ ہے لیکن طلباء کو ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ کسی لیڈر کے آلہ کار بن کر ایجی ٹیشن میں شامل ہو کر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ یہ خود غرض نوجوانوں کے احساسات کو بھڑکا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ انہیں طلباء کے توضیع اوقات پر ذرا رحم نہیں آتا۔ جب طلباء اپنا وقت ان کی نذر کر کے اور امتحانوں میں ناکامی کا منہ دیکھ کر دربدر مارے پھرتے ہیں۔ تو پھر ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

حقیقی فرض

طالب علمی کے زمانے کا ایک ہی پہلو سب سے نمایاں اور اہم ہے اور وہ یہ کہ زمانہ خدا کی سب سے بڑی نعمت اور بخشش ہے اس لئے اسے صحیح مصرف میں لانا اور اس سے ہمیشہ کے لئے فائدہ اٹھانا انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ اگر اس زندگی میں حصول علم و ہنر کے بہترین مواقع کو ہاتھ سے دے دیا تو پھر عمر بھر کفِ افسوس ملنے پڑتے ہیں۔ اس غلطی کی تلافی کبھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے طالب علم کو نصابی کتابوں اور امتحان کی تیاری میں بھرپور حصہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ ایک طالبعلم کے درخشاں مستقبل کا دار و مدار اسی پر ہے۔

سائنس کے کرشمے

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

سائنس کی حیرت انگیز ترقی

دنیا کی پیدائش قدرت کا کرشمہ ہے اور اہلِ دنیا کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے علم سائنس

کے ذریعے جو مختلف ایجادات منظرِ عام پر آئی ہیں وہ سائنس کے کرشمے ہیں۔ اس لحاظ سے موجودہ دور میں سائنس کے عروج کا دور ہے۔ سائنس نے دنیا میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی ہے اگر اٹھارویں یا انیسویں صدی کا آدمی دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں واپس آجائے تو وہ کبھی نہ پہچان سکے گا کہ یہ دنیا وہی ہے جس میں ایک عمر بسر کی تھی۔

ماحول اور طرزِ فکر میں تبدیلی

سائنس نے نہ صرف ہمارے ماحول کو بدلا ہے بلکہ ہمارے طرزِ فکر میں بھی زبردست تبدیلی کی ہے۔ زمانہ قدیم میں انسان جن چیزوں کی پرستش کرتا تھا۔ آج سائنس کی بدولت قدرت کے رازہائے سربستہ کو بے نقاب کرنے کے لئے انہیں محکوم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ انسان کا چاند پر اترنا عصرِ حاضر کا سب سے بڑا سائنسی معجزہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ سائنس وہ چیز ہے جس نے فضا میں اپنا پرچم اڑا کر دنیا کے خشک و تر چپہ چپہ چھان ڈالا ہے۔ سائنس وہ طاقت ہے جس نے سمندروں اور پہاڑوں پر اپنا تسلط قائم کیا ہے اور اس قوت سے انسان خشکی اور تری کو روندتا ہوا ماؤنٹ ایورسٹ کو بھی پھاند گیا ہے

طبی فتوحات

طبی دنیا میں سائنس کی فتوحات اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ آج سائنس کے فیض سے اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان اور لاعلاج بیماریوں کو شفا مل رہی ہے۔ علاج کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہے۔ آپریشن ایک معجزہ بن گیا ہے۔ انسان نے سائنس کے ذریعے اپنی اوسط عمر میں اضافہ کر لیا ہے اور اب وہ روح کا سربستہ راز معلوم کرنے کی فکر میں ہے۔

بجلی کی دریافت

سائنس کی سب سے بڑی دریافت بجلی ہے۔ بجلی کی ایجاد نے ہماری زندگی میں انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے۔ بجلی ایک ایسی طاقت ہے جس نے انسان کی بہت زیادہ خدمت کی ہے کارخانے اس کی مدد سے چلتے ہیں۔ شہروں میں روشنی اور رونق اسی کے دم قدم سے ہے کمرے اس سے گرم بھی کئے جا سکتے ہیں اور ٹھنڈے بھی۔ آٹا پیسنے کی چکیاں، لکڑی چیرنے کے آرے اور بڑی بڑی مشینیں بجلی سے چلائی جاتی ہیں۔

ذرائع نقل و حمل

سائنسی ایجادات کی بدولت نقل و حمل کے ذرائع میں اضافہ ہوا ہے۔ مہینوں کے سفر کو چند گھنٹوں میں طے کر لیا جاتا ہے۔ فاصلہ کم ہو گیا ہے۔ دنیا کے ممالک ایک شہر کے مختلف محلے معلوم ہوتے ہیں۔ کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں بحری جہاز، ہوائی جہاز سب سائنس کی ایجادات ہیں۔ ان کی وجہ سے وقت اور پیسے کی بچت ہوتی ہے۔ تجارت میں ترقی ہوتی ہے۔ ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ جلد جا سکتے ہیں۔ اپنا سامان بھیج سکتے ہیں اور منگوا سکتے ہیں۔

پیغام رسانی

سائنسی ایجادات کی بدولت تار برقی، ٹیلی فون، وائرلیس وغیرہ ایجاد ہوئی ہیں اور پیغام رسانی میں مدد ملی ہے اب ہم ہزاروں میل پر بیٹھے اپنے دوست احباب سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ تاجر حضرات اس کی مدد سے کاروبار کرتے ہیں، دنیا کے ایک حصے میں کچھ ہوتا ہے تو اس کی اطلاع تمام دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔

تفریح اور آسائش

انسان کے لئے سیر و تفریح بھی ضروری ہے۔ وہ ہر وقت کام نہیں کر سکتا۔ فالتو وقت میں دل بہلانے کا سامان چاہتا ہے اس کے لئے سائنس نے ریڈیو۔ ٹیلی ویژن۔ ٹیپ ریکارڈ۔ گراموفون، سینما، کلب وغیرہ مہیا کئے ہیں۔ گرمی سے بچنے کے لئے بجلی کے پنکھے۔ ایئر کولر۔ ایئر کنڈیشنز اور سردیوں کے لئے ہیٹر وغیرہ ہیں سائنس نے کپڑے دھونے والی مشین۔ کپڑے سینے کی مشینری۔ برقی استری۔ پریشر کوکر، کریم پاؤڈر اور ہزاروں چیزیں انسان کے لئے ایجاد کی ہیں جن کی وجہ سے گھریلو زندگی پرسکون ہو گئی ہے۔

عمدہ اور نفیس مال

انسان کی فطرت ہے کہ وہ عمدہ اور اچھے مال کو پسند کرتا ہے سائنس کی ایجادات کی بدولت عمدہ عمدہ اور نفیس اشیاء بنانے میں مدد مل سکے۔ مشینیں عمدہ کپڑا بناتی ہیں، عمدہ جوتے تیار ہوتے ہیں۔ دیگر ضروریات زندگی بھی عمدہ قسم کی میسر آتی ہیں۔ سائنس نے ہماری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔

خوشحال زندگی

سائنسی ایجادات کی بدولت زندگی خوشحال بن گئی ہے۔ ترقی کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ زراعت اور صنعت کے میدان میں ترقی ہوتی ہے۔ افراد کو روزگار ملا ہے، معیار زندگی بلند ہوا ہے۔ پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے افراد کی سوچ میں تبدیلی آ گئی ہے۔ معدنیات کی تلاش۔ ڈیم اور بیراجوں کی تعمیر بھی سائنس کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔

بین الاقوامی بھائی چارہ

سائنسی ایجادات نے حیرت انگیز سیاسی طرز فکر دیا ہے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اب زبردست کا بول بالا کا اصول نہیں ہے۔ اب کمزور اور طاقتور ایک جیسے ہیں۔ طاقت کی بجائے اب عقلی دلائل کی ضرورت ہے۔ عرب اسرائیل جھگڑے میں عربوں نے امریکہ کی تیل کی ضروریات پوری کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امریکہ ایک طاقتور ملک ہے اس نے ان پر ایٹم بم نہیں برسائے۔ آخر اس سیاسی جرأت کی وجہ کیا ہے؟ حقیقت میں یہ سب سائنسی فارمولا کی پیداوار ہے۔

تعلیمی ترقی

سائنس نے انسان کو تعلیم یافتہ بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے عمدہ قسم کا کاغذ بنانا۔ چھاپے خانے ٹائپ مشین وغیرہ کی وجہ سے کتابیں

سستی اور عمدہ ملتی ہیں۔ اور امیر غریب سب اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حصولِ تعلیم کے لئے بیرون ملک کا سفر آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

توہم پرستی سے نجات

سائنس نے بہت پرانے عقائد کو بالکل وہم ثابت کر دیا ہے جن کو جہالت کی وجہ سے انسان عرصہ قدیم سے تسلیم کئے ہوئے تھا اور سائنس کی بدولت انسان کو توہم پرستی سے نجات مل گئی ہے۔

دفاعی خدمات

سائنس نے انسان کو غیر معمولی طور پر طاقتور بنا دیا ہے وہ میدان جنگ میں نئے ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر جاتا ہے۔ انسان کی فطری بہادری اب کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ بندوق اور توپ کے ہتھیار پرانے ہو چکے ہیں۔ ان کی جگہ اب راکٹوں اور بموں نے لے لی ہے۔ سائنس نے دفاعی حصار ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔

افسوسناک پہلو

سائنسی ایجادات نے ایک طرف تو معاشرتی زندگی کو استحکام بخشا ہے دوسری طرف یہ معاشرہ کی سلامتی کے لئے مستقل خطرہ بن چکی ہے۔ اس کی بدولت ایٹم بم ہائیڈروجن بم اور دیگر مہلک ہتھیار ایجاد ہو چکے ہیں۔ جو چند لمحوں میں دنیا کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔

بجلی اگرچہ ایک مفید ترین ایجاد ہے۔ لیکن ذرا سی غفلت سے جان لیوا بھی ثابت ہوتی ہے

اسی طرح ریڈیو، سینما، ٹیلی ویژن اور وی سی آر وغیرہ

جہاں انسان کی تفریح اور پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں وہاں یہ معاشرہ میں ایک ایسا زہر گھول رہے ہیں جو ایک فرد کو دوسرے سے جدا کر رہے ہیں اور ایک دوسرے میں دشمنی کا مادہ پیدا کر رہے ہیں۔ سائنسی ترقی کا یہ پہلو انتہائی افسوسناک ہے۔

وقت کی پابندی

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں　　　سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

وقت کیا ہے؟

وقت ایک زنجیر ہے۔ لمحے، سیکنڈ، گھنٹے، دن، رات، ہفتے، مہینے، سال اور صدیاں اس زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جو ہر آن میں گزر رہی ہیں۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو زندگی اور وقت ایک ہی چیز ہے۔ جس چیز کو ہم زندگی یا حیات کہتے ہیں وہ ایک وقتِ معین کے اندر جیتے رہنے کا نام ہے۔ وقت کو ضائع کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

وقت کی پیش بندی

وقت کس تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ حضورِ سرورِ کائنات نے اسے "الوقت سیف قاطع" کہا ہے۔ یعنی یہ وہ تلوار ہے جو رکتی نہیں کاٹتی چلی جاتی ہے۔ یونان کے دانشوروں نے وقت کی ایک تصویر یہ بنائی تھی کہ وہ ایک بوڑھا ہے جو اڑتا چلا جا رہا ہے۔ سر پر بال تقریباً ندارد ہیں، صرف پیشانی پر بالوں کی لٹ لٹک رہی ہے اس کے ہاتھ میں شیشہ ساعت ہے جس سے لوگوں کی عمریں ناپتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں ایک تیز درانتی ہے جس سے اہلِ دنیا کی کشتِ اُمید کو کاٹتا ہے۔ پیشانی پر بالوں کی لٹ بڑی معنی خیز بات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے پیچھے بھاگنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اسے روکنا درکار ہو تو اس کی پیش بندی کرو۔

پابندی وقت کا مطلب

اگر کوئی شخص اپنی زندگی کو مرتب اور منظم بنانا چاہیئے تو اسے چاہیئے کہ ہر کام کو مقررہ وقت پر سرانجام دے اور اس کی عادت ڈالے۔ اس کو وقت کی پیش بندی یا وقت کی پابندی کہا جاتا ہے۔ ورنہ سیل زمانہ تو رواں دواں ہے۔ نہ وہ کسی کے لئے ٹھہرتا ہے اور نہ ہی کسی کا انتظار کرتا ہے۔

انضباط اوقات کی اہمیت

اگر وقت ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل جائے تو اسے کسی قیمت پر واپس نہیں لایا جا سکتا۔ ہم محنت شاقہ سے روپیہ کما سکتے ہیں، عمدہ خوراک، دوا اور پرہیز سے کھوئی ہوئی صحت بحال کر سکتے ہیں۔ تعلیم، نیک چلنی اور رفاہ عامہ کے کاموں سے نیک نامی حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم اپنی تمام تر فہم و فراست، اثر و رسوخ اور دولت و ثروت کے باوجود گزرے ہوئے وقت کا ایک لمحہ بھی واپس نہیں لا سکتے۔

- مشہور ہے کہ سکندر اعظم نے مرتے وقت کہا تھا "کوئی میری تمام سلطنت مجھ سے لے لے اور مجھے جینے کے لئے چند لمحے دے دے۔ لیکن ایسا کون کر سکتا تھا۔"
- نیلسن کا قول ہے کہ میری زندگی کی تمام کامیابیاں صرف ایک بات میں ہیں کہ میں ہر کام کے لئے وقت مقررہ سے پندرہ منٹ پہلے تیار رہتا تھا۔
- نیوٹن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وقت کا اتنا پابند تھا کہ جب وہ سیر کو نکلتا تھا تو لوگ اپنی گھڑیاں ٹھیک کر لیا کرتے تھے۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ گھڑیاں غلط ہو سکتی ہیں مگر یہ عظیم الشان انسان وقت کا اتنا پابند ہے کہ اس سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔
- سید احمد خاں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں لندن سے واپس آ رہا تھا اور جہاز ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ ہر شخص پریشان اور جان کے خطرے میں مبتلا تھا مگر میں نے اپنے بازو کے کمرے میں اپنے ایک ہمسفر انگریز کو دیکھا کہ وہ ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر مطالعہ میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس وقت جب کہ ہر شخص سراسیمہ اور جان بچانے کی فکر میں ہے۔ آپ مطمئن ہیں! اس انگریز

نے جواب دیا کہ اگر ہمارا ڈوب جانا یقینی ہے تو میں زندگی کے ان قیمتی لمحات کو بیکار کیوں ضائع کروں اور علمی مطالعہ میں کیوں نہ صرف کروں

- واٹرلو کی جنگ دنیا کی مشہور ترین تاریخی جنگوں میں سے ہے۔ اس میدان میں یورپ کے سب سے بڑے جرنیل بادشاہ نپولین نے شکست کھائی تھی۔ اگر تاریخ کے واقعات کو غور سے دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نپولین کو یہ شکست محض چند لمحوں کے ہیر پھیر سے ہوئی۔ اس کا ایک نہایت ہی آزمودہ کار اور معتمد جرنیل وقت مقررہ سے سات منٹ دیر سے پہنچا۔ ادھر جنگ کا نقشہ پلٹ چکا تھا نپولین کی فتح شکست میں بدل چکی تھی۔

نظامِ کائنات میں وقت کی پابندی

اگر ہم غور کریں تو کائنات کا پورا نظام ہمیں وقت کی پابندی کا درس دیتا ہے۔ دن اور رات اپنے وقت مقررہ پر آتے اور جاتے ہیں۔ موسم اپنے مقررہ وقت پر بدلتے ہیں۔ چاند اپنے مقررہ وقت پر گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ سورج اپنے معین وقت پر طلوع اور غروب ہو جاتا ہے۔ فطرت کے ان عناصر کے پروگرام میں کبھی کوئی بے قاعدگی نہیں دیکھی گئی۔

ارکانِ اسلام میں پابندیٔ وقت کا درس

ارکان اسلام کو ملاحظہ کیجیے۔ نماز ہے تو وقت پر، روزہ ہے تو وقت پر، حج کی تاریخ مقرر، عیدین کی تاریخیں مقرر، کیا مجال ہے کہ کوئی ٹس سے مس ہو۔ ۹ ذوالحجہ کی مقررہ تاریخ ہے وہی کعبہ، وہی سرزمین، وہی انسان، صفا و مروہ لیکن ۹ ذوالحجہ کو ارکان کی ادائیگی حج کہلائے گی۔ باقی سال کے تمام دنوں کے طواف پر لفظ حج کا اطلاق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم وقت مقررہ اور مقررہ تاریخ پر نہیں پہنچے۔ ارکان اسلام سے ہمیں وقت کی پابندی کا درس ملتا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وقت کی پابندی خدا کو محبوب ہے۔

شعبہ ہائے زندگی اور وقت کی پابندی

وقت کی پابندی زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے۔ دنیا کا کوئی شخص خواہ وہ کسی بھی پیشے سے تعلق رکھتا ہو، جب تک وقت کا پابند نہیں ہوگا، کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا۔ کسان کو دیکھیے اگر وہ صحیح وقت پر فصل کے لیے زمین تیار نہیں کرتا، وقت پر بیج نہیں ڈالتا، پانی نہیں دیتا، وہ اپنی زرخیز زمین سے ایک دانہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ مزدور اگر اپنے مقررہ وقت پر کام پر نہ جائے تو ان کے معاش کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ ملازم اگر وقت پر حاضر نہ ہوں تو کھڑے کھڑے نکال دیئے جائیں۔ تاجر اور دکاندار اگر وقت کی پابندی نہ کرے تو ان کی تجارت ناکام ہو کر رہ جائے گی۔

طلبہ کے لئے وقت کی پابندی

وقت کی پابندی جتنی طلبہ کے لئے ضروری ہے شائد کسی کے لئے اتنی ضروری نہیں کیونکہ اس کے بغیر وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ایک طالب علم صبح سویرے وقت مقررہ پر اٹھے۔ پڑھائی کا کام محنت اور باقاعدگی سے کرے، وقت پر کھیلے، وقت پر سوئے تو اس کی صحت بھی اچھی رہے گی اور تعلیم میں بھی بڑی ترقی کرے گا۔ اس کے برعکس جو طالب علم وقت کا پابند نہیں وہ کبھی بھی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

قومی ترقی اور وقت کی پابندی

افراد کے علاوہ قوموں کی ترقی کے لئے بھی وقت کی پابندی نہایت ضروری ہے مغربی اقوام جو تجارت، صنعت و حرفت، سائنس اور دوسرے علوم میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ یہ مقام ان کو وقت کی پابندی سے ملا ہے۔ اس کے برعکس جن قوموں نے وقت کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا وہ زندگی کی دوڑ میں ترقی یافتہ اقوام سے بہت پیچھے رہ گئی ہیں۔ مقام افسوس ہے۔ ہمارے ملک میں وقت کی صحیح قدر و منزلت کا احساس بہت کم ہے۔ ہم اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کا اس بے رحمی سے قتل عام کئے جا رہے ہیں۔ جیسے ابدی زندگی کا پٹہ لکھا کر آئے ہیں۔ ہمارے سب کام بے وقت، غیر منظم اور غیر مرتب ہوتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر ہمیں دنیا میں رہنا ہے۔ اور ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش چلنا ہے کو ہمیں وقت کو مقید کرنا ہو گا۔

الغرض

وقت ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جو کسی قیمت پر خریدی نہیں جا سکتی۔

وقت "ہما" ہے جس نے اس کی قدر کی وہ شہنشاہ ہوا۔

وقت کا پابند ہر قید سے آزاد ہے۔

وقت کی قدر نہ کرنے والا، اگر آج نہیں تو کل ضرور برباد ہے۔

وقت ایک دولت ہے جو ہر گھڑی لٹ رہی ہے۔

پس وقت کی پابندی زندگی کا بہترین اصول ہے۔ جو لوگ اس سنہری اصول پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ وہ دنیا میں نیک نامی و عزت پاتے ہیں۔

کسی میچ کا آنکھوں دیکھا حال

جمعہ کا دن تھا۔ سکول سے تعطیل تھی۔ میں آرام سے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اچانک میری

نظر اس خبر پر پڑی کہ آج اسلامیہ ہائی سکول اور گورنمنٹ ہائی سکول کی ٹیموں کے درمیان فٹ بال سکاف ٹائنل میچ ہوگا۔ چنانچہ میں بھی اپنے شوق کی تسکین کے لیے اپنے دوست اسلم کے ساتھ مقررہ وقت سے پہلے ہی میچ دیکھنے کے لیے ریلوے سٹیڈیم پہنچ گیا۔ میچ دیکھنے اور نعرے لگانے کے لئے دونوں سکولوں کے طالب علم گراؤنڈ میں جمع ہوئے ہیں۔ دوسرے تماشائی بھی جوق در جوق چلے آرہے تھے۔

کھیل کا آغاز

ٹھیک چار بجے ریفری نے سیٹی بجائی، سیٹی کی آواز سنتے ہی دونوں ٹیموں کے کھلاڑی اچھلتے کودتے میدان میں نکل آئے۔ اس موقع پر تماشائیوں نے تالیاں بجا بجا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ دونوں ٹیموں کے کپتانوں نے ہاتھ ملایا۔ پھر ٹاس کیا گیا۔ اسلامیہ سکول نے ٹاس جیت لیا۔

دونوں ٹیموں کے کھلاڑی اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوگئے۔ اسلامیہ سکول کے کپتانوں نے فٹ بال کو کک لگائی اور اس طرح میچ شروع ہوگیا۔

پہلا گول

دونوں ٹیمیں بڑی مضبوط اور برابر کے مقابلے کی تھیں۔ اسلامیہ سکول کا رائٹ آوٹ بہت چست اور پھرتیلا تھا۔ وہ کئی مرتبہ گیند کو مخالف ٹیم کے گول کے قریب لے گیا مگر بدقسمتی سے گول نہ کر سکا۔ ادھر گورنمنٹ ٹیم کا سینٹر ہاف بھی بڑا تیز کھلاڑی تھا۔ اس نے گول پر کئی حملے کئے مگر گول کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ابھی وقفے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ اسلامیہ سکول کو ایک ہینڈ بال پر شارٹ مل گئی۔ ان کے فل بیک نے ہٹ لگائی اور بال کو رائٹ آوٹ کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے پھرتی سے بال سنٹر فارورڈ کو پاس کر دیا۔ اس نے ڈی میں جا کر اتنی شاندار کک لگائی کہ گول کیپر منہ تکتا رہ گیا۔ اس طرح اسلامیہ سکول نے گورنمنٹ سکول پر ایک گول کر دیا۔

بے جان کھیل

گورنمنٹ سکول کے کھلاڑی اب بڑے جوش سے کھیل رہے تھے اور گول اتارنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے مگر اسلامیہ سکول کا فل بیک ان کی ایک نہ چلنے دیتا تھا۔ اسلامیہ سکول کے کھلاڑی اب گیند کو مخالف گول کی طرف لے جانے کی بجائے وقت ضائع کر رہے تھے۔ اس سے کھیل بالکل بے جان ہو کر رہ گیا تھا اور تماشائی کھلاڑیوں پر آوازیں کسنے لگے۔

وقفہ

اتنے میں ریفری نے وقفے کی سیٹی بجا دی۔ اسلامیہ سکول کی ٹیم کے کھلاڑیوں نے خوشی کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور اپنی ٹیم کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کھلاڑیوں کی مالٹوں اور سنگتروں سے ریفرشمنٹ کی گئی۔ وقفہ تقریباً دس منٹ تک رہا۔

وقفے کے بعد کا کھیل

وقفہ ختم ہوتے ہی دونوں ٹیمیں پھر میدان میں آگئیں اور کھیل دوبارہ شروع ہوگیا۔ کھیل کے آغاز ہی میں گورنمنٹ سکول کے کھلاڑیوں نے گول اتارنے کی کوشش شروع کر دی اور اسلامیہ سکول کے گول پر بڑے پرزور

حملے کیے مگر ان کا گول کیپر بڑا چوکنا تھا ۔ گیند کو گول سے گزرنے ہی نہیں دیتا تھا ۔

جوابی گول اسی اثناء میں اسلامیہ سکول کے رائٹ ہاف نے ڈی کے اندر فٹ بال کو ہاتھ لگا دیا ۔ ریفری نے مخالف ٹیم کو پینلٹی کک لگانے کی اجازت دے دی گورنمنٹ سکول کے کھلاڑی گول کے نزدیک جمع ہو گئے ۔ جونہی گورنمنٹ سکول کے سنٹر ہاف نے ایک بھرپور کک لگا کر گول کیا ، تماشائیوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا ۔

فیصلہ کن گول اب کھیل ختم ہونے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے کھیل میں بڑی جان پیدا ہو گئی تھی ۔ اسلامیہ سکول کے ایک کھلاڑی نے ڈی میں جا کر اونچی کک لگائی ۔ گورنمنٹ سکول کے ایک کھلاڑی نے اُسے "ہریں" کرنے کی کوشش کی مگر گیند اچھلا اور اس کے ہاتھوں سے جا ٹکرایا ۔ ریفری نے اسلامیہ سکول کو ایک آزادانہ کک لگانے کی اجازت دے دی ۔ ٹیم کے کپتان نے کک لگائی اور گیند گول کیپر کے ہاتھوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی ۔ اسلامیہ سکول کے لڑکوں نے گول گول کا شور مچا دیا ۔ اب کھیل ختم ہونے میں صرف ایک منٹ باقی تھا ۔ یہ ایک منٹ بھی چشم زدن میں گزر گیا اور ریفری نے کھیل ختم کرنے کا اعلان کر دیا ۔ اسلامیہ سکول ایک گول سے میچ جیت گیا ۔

جیت کی خوشی اسلامیہ سکول کے طلبہ اچھلتے کودتے خوشی سے نعرے لگاتے اور اپنے کھلاڑیوں کو دادِ تحسین دے رہے تھے ۔ ہم بھی کچھ دیر اس منظر سے لطف اندوز ہوئے اور گھروں کو لوٹ آئے ۔

علامہ اقبالؒ

اوروں کا ہے پیام اور ، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

ہمہ گیر شخصیت علامہ اقبال ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے ۔ ان کی عظیم شخصیت قومی حیثیت سے ایک ممتاز مرتبہ اور مقام رکھتی ہے علامہ اقبال ایک قومی شاعر ہیں ۔ وہ عالم اسلام کے بلند پایہ فلسفی تھے ۔ ان کا نام مصورِ پاکستان کی حیثیت سے تاریخ میں ہمیشہ احترام و عقیدت سے لیا جاتا رہے گا ۔ دنیا بھر میں ان کے فلسفہ ، ادب اور شخصیت پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں ۱۹۷۷ء میں ان کا سو سالہ جشن ولادت بڑے جوش و خروش سے منایا گیا ۔ اس موقع پر دنیا کے ممتاز علماء ، اُدباء نے علامہ اقبال کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ۔

ابتدائی حالات علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ آپ

کے والد ماجد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ آبائی وطن کشمیر تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد کشمیری پنڈتوں "سپرو" گوت سے تعلق رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کے والد ماجد نیک سیرت، پاکباز اور صوفی منش انسان تھے اس خاندان کو اسلامی تعلیمات اور تصوف سے گہرا لگاؤ تھا۔

تعلیم و تربیت

سن شعور کو پہنچنے کے بعد علامہ اقبال کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر کچھ عرصہ مکتب میں پڑھتے رہے اس کے بعد مشن سکول سیالکوٹ میں داخل کر دیئے گئے۔ یہاں شمس العلماء علامہ میر حسن جیسے بزرگ اور فاضل زمانہ شفیق استاد کے فیض تربیت نے ان کے جوہر کو چمکانا شروع کیا، علامہ نے تعلیم کے ابتدائی مرحلے نمایاں اور اعزازی کامیابیوں سے طے کئے۔

چنانچہ پانچویں، آٹھویں اور دسویں جماعتوں کے امتحانات اول نمبر میں پاس کئے اور سرکاری وظائف کے مستحق قرار پائے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد علامہ کو مشن کالج سیالکوٹ میں داخل کرا دیا گیا۔ اس کالج سے آپ نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اور بی اے ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔

بی اے کے امتحان میں انگریزی اور عربی کے مضامین میں اول نمبر پر کامیاب ہوئے۔ پھر آپ نے فلسفہ کے طالب علم کی حیثیت سے ایم۔ اے میں داخلہ لیا۔ خوش قسمتی سے آپ کو پروفیسر ٹامس اور آرنلڈ جیسا فاضل استاد مل گیا جس نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ کر ان کی طرف پوری توجہ دی۔

یورپ روانگی

علامہ اقبال ایم۔ اے کر چکے تھے، معاش کی طرف سے بھی سکون ہو گیا تھا۔ کیونکہ آپ کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہو کر آپ کو گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز کر دیا گیا مگر جن لوگوں کے داعون میں بلندی، خیالوں میں رفعت اور نظر میں وسعت ہوتی ہے۔ وہ پہلی یا دو چار منزلوں میں پہنچ کر بیٹھے نہیں رہتے بلکہ ان کا عزم بلند انہیں سرگرم کار رہنے پر مجبور رکھتا ہے۔ بالکل یہی حال علامہ اقبال کا تھا۔ فلسفہ میں اول نمبر پر ایم۔ اے پاس کر لینے کے بعد بھی ان کی تشنگی باقی رہی۔ چنانچہ آپ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۹۰۵ء میں انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق میں ڈگری حاصل کر لی۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعلیٰ ڈگری لے کر تعلیم کو اوج کمال تک پہنچا دیا۔

یورپ میں آپ نے قانون کا مطالعہ کیا اور بیرسٹری کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس کے علاوہ لندن سکول آف پولیٹیکل سائنس سے بھی اس مضمون کی سند لی۔ اس طرح ۱۹۰۸ء میں کامیاب و کامران ہو کر ہندوستان واپس آئے۔

مشاغل حیات

یورپ سے واپس آکر علامہ اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں دوبارہ پروفیسر ہوگئے اور اپنی اعلیٰ قابلیتوں سے طلبہ کو فیض یاب کرنے لگے۔ مگر ان کی آزاد طبیعت غلامی اور وہ بھی انگریزوں کی غلامی کا بار برداشت نہ کرسکی اور آپ ڈیڑھ سال کی ملازمت کے بعد مستعفی ہوکر قانون کی پریکٹس کرنے لگے۔

سیاسی مشاغل

یوں تو علامہ کی ساری زندگی ملک وملت کی خدمت میں بسر ہوئی اور ان کا پیغام غافل مسلمانوں کے لئے بانگ درا کا کام کرتا رہا۔ مگر انہوں نے عملی سیاست کے میدان میں ۱۹۲۶ء میں قدم رکھا۔ وہ پنجاب کی مجلس قانون ساز کی ممبری کے لئے کھڑے ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسے کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

سنہ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں پہلی اور دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ اس سلسلے میں فلسطین، روم، قاہرہ اور اسپین جاکر اسلام کی عظمت رفتہ کے نشانات بھی دیکھے۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ والیٔ افغانستان کے بلاوے پر افغانستان تشریف لے گئے۔ ہندوستان کی تاریخِ سیاست میں ان کا یہ کارنامہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقد الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے قوم کے سامنے پاکستان کا تصور پیش کیا جسے تھوڑے اضافے کے ساتھ قائد اعظمؒ نے عملی جامہ پہنایا۔

وفات

سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد علامہ کی صحت خراب ہوگئی۔ ابتداء میں آواز بیٹھ گئی گردے کی تکلیف ہوئی۔ پھر نقرس کی شکایت ہوگئی۔ کھانسی اور ضعفِ قلب کی تکالیف لاحق ہوگئیں اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو صبح پانچ بجے ان کے دل میں ایسا درد اٹھا کہ محبت اسلام میں تڑپنے والا یہ پرخلوص دل ہمیشہ کے لئے ساکت ہوگیا۔

شخصیت

علامہ اقبال اپنے دور کے بہت بڑے فاضل انسان تھے۔ انہیں اردو، عربی، فارسی اور انگریزی پر یکساں عبور حاصل تھا۔ وہ غیر محدود مطالعہ کے مالک تھے۔ انہیں قرآن وحدیث سے بے پناہ عشق تھا۔ اسلام کی محبت ان کی فطرت کا جزو لاینفک تھا۔ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مہمانوں سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ ہر شخص سے اس کے منصب اور مرتبے کے مطابق گفتگو کرتے تھے۔ وہ زندہ دل اور بذلہ سنج انسان تھے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والے کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ بہت خود دار اور درویش صفت انسان تھے۔

تصانیف

علامہ اقبال کی اصل حیثیت جس سے انہوں نے حقیقی شہرت حاصل کی ان کی شاعرانہ حیثیت ہے انہوں نے اپنے پیغام کے مندرجہ ذیل مجموعے قوم کی رہنمائی کے لئے چھوڑے ہیں۔

ا۔ اُردو نظم : بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم۔

ب: فارسی نظم : اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مسافر ارمغانِ حجاز (اس میں کچھ اردو کلام بھی شامل ہے)

ج۔ اُردو نثر، علم الاقتصاد

د۔ انگریزی نثر: ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر، ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعات کا ارتقا، اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ جدید۔

ہ۔ جرمن نثر: تاریخِ عالم (غیر مطبوعہ)

شاعری

اقبال کی شاعری قومی شاعری ہے۔ آپ نے شاعری کو قوم کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ آپ کے پیغام نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ آپ کے حیات افروز افکار سے مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو آزادی عمل، خودداری، جدوجہد اور عالمگیر اخوت کا پیغام دیا۔ محنت، جفاکشی اور بلند ہمتی کی تعلیم دی۔ ایمان کامل مستقل مزاجی اور عمل کا درس دیا۔

اقبال کے اشعار میں آمد تھی۔ آورد نہ تھی۔ انہوں نے غالب کی طرح فلسفہ کو شعر اور شعر کو فلسفہ بنا دیا۔ اس میں ان کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔ اقبال کا کلام اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ پہلے تو آپ اردو میں شعر کہتے رہے مگر جب وہ فلسفیانہ خیالات کی متحمل نہ ہو سکی تو آپ نے فارسی کو ذریعہ اظہار بنا دیا۔

نمونہ کلام

- فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
- نشان یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا — کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
- جس قوم میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
  روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب
- میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
  شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر
- افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر — ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

یومِ پاکستان

یومِ آزادی

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت خداداد پاکستان وجود میں آئی۔ یہ ہمارا یوم آزادی ہے اور اپنا یوم آزادی ہر غیور اور باشعور قوم کو بڑا عزیز ہوتا ہے۔ ۱۴ اگست کو جو کچھ مسلمانانِ برصغیر کو حاصل ہوا۔ اس کے لئے بہت سی قربانیاں دی گئی تھیں لاکھوں افراد نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے۔ اربوں روپوں کی جائیدادیں چھن گئی تھیں۔ لوگ بےگھر ہو گئے تھے۔ ہزاروں مسلم عورتوں کی بے حرمتی ہوئی تھی اور لاتعداد بچے یتیم ہو گئے تھے۔ آزادی بڑی قیمتی شے ہے اور ہماری قوم نے دوسروں سے بڑھ کر اس کی قیمت چکائی تھی۔ لیکن آزادی کے لئے جو کچھ بھی قربان کر دیا جائے، کم ہے۔ مسلمانوں نے اپنے عقائد و نظریات کے مطابق آزادی سے رہنے کے لئے ایک خطہ زمین حاصل کیا اور اس کے لئے بے پناہ جدوجہد کی تھی اس لئے ۱۴ اگست کا دن مسلمانوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور آج کی مسلمان نسل کو اپنے اسلاف کی قربانیوں کی یاد دلاتا ہے۔

یومِ آزادی کا پس منظر

۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے منظور ہونے کے بعد زیادہ تگ و دو کی ضرورت تھی۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں نے منزل کے حصول کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ ۱۹۴۲ء میں کرپس مشن سے ملاقاتیں کیں ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس میں شرکت کی اور ۱۹۴۶ء میں کابینہ مشن سے مذاکرات کئے۔ لیکن اپنے بنیادی مطالبہ یعنی تقسیم ہندوستان سے دستبردار ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے نتائج نے مسلم لیگ کے مؤقف کی تائید کی۔ مرکزی دستور اسمبلی کی سو فیصد نشستوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہو گئے تو اس مطالبہ کی مخالفت کا کوئی جواز باقی نہ رہ گیا۔ ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے ایماء پر جلوس نکالے اور آزادی کی منزل قریب آ گئی۔

انگریز حکومت نے محسوس کیا کہ ہندوستان کو آزاد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کو مکمل اختیارات کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا۔ اسے تاکید کی کہ تقسیم سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ لیکن مسلم لیگ کی زبردست تحریک کا رخ دیکھتے ہوئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا اور بالآخر ہندوستان کی تقسیم کا منصوبہ بنایا گیا۔

۳۔ جون ۱۹۴۷ء کے منصوبہ آزادی کو منظور کیا گیا۔ کانگریس کے لیڈر جو برصغیر کی تقسیم کے بارے میں بات کرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ آخر کار پاکستان کی تخلیق پر رضامند ہو گئے۔

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائم ہوا۔

۱۴ اگست کی اہمیت

۱۴ اگست کا دن اس لحاظ سے نہایت اہم اور تاریخی دن ہے کہ اس دن ہندوستان کے مسلمانوں کی تحریک احیائے اسلام اور تحریک آزادی نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوستان کے اندر ایک مضبوط اور مرکزی حکومت کا جو خواب حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا تھا، وہ خواب اسی دن حقیقت میں تبدیل ہوا۔ اگرچہ پاکستان کے مطالبہ کی قیادت مسلم لیگ کے قیام سے بہت پہلے ہی سے اس میدان میں کام کرتے رہے تھے۔ بلکہ اس سے بھی پہلے مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد العزیز، شاہ اسماعیل شہید، سید احمد بریلوی، نواب سراج الدولہ، نواب حیدر علی، ٹیپو سلطان وغیرہ ہم سب اسی راہ کے مسافر تھے قیام پاکستان کے موقع پر ان سب کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

۱۴ اگست پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جس دن سینکڑوں سال کی محنت اور قربانیوں کا پھل اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ اس دن مسلمانوں نے انگریزوں سے اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات حاصل کی۔ اس آزادی کی خاطر لاکھوں مسلمان شہید ہوئے۔ لاکھوں بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتیں لٹیں۔ لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ یہ سب قربانیاں ایک اہم مشن اور نظریئے کے لئے دی گئیں وہ مشن یہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ زمین ملے جہاں وہ آزادی کے ساتھ اسلامی معاشرت کو زندہ کر سکیں اور انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگیوں کو قرآن و حدیث کے مطابق ڈھال سکیں۔

یوم آزادی ہمیں ہر سال یہ یاد دلاتا ہے کہ یہ ملک عیش و آرام کے لئے نہیں بنایا گیا بلکہ یہاں خدا کا قانون نافذ کرنا ہے کیونکہ قیام پاکستان سے پہلے ہمارا سب کا یہی نعرہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ"۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ پاکستان محض اسلام کی خاطر بنایا جا رہا ہے کہ یہاں پر قرآن کا قانون نافذ ہوگا۔ ہر مسلمان قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارے گا، کوئی کام خلاف شریعت نہ ہوگا مگر ہم نے اس نظریئے کو بھلا دیا۔ ہمارے رہنما قیام پاکستان کے بعد سیاسی جوڑ توڑ میں لگ گئے۔ آج تک پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سے ہمارا ایک بازو کٹ گیا اور بنگلہ دیش کے نام سے الگ ملک بن گیا۔ اگر ہم نے اس مملکت خداداد میں اسلامی قانون نافذ نہ کیا تو بڑے خطرناک حالات سے دوچار ہونا پڑے۔

یہ یوم آزادی ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے کہ اس پاکستان کے لئے لاکھوں لوگوں نے اپنی جانیں دی ہیں اس لئے ان شہیدوں کی روح کو اگر خوش کرنا چاہتے ہیں تو پاکستان کو صحیح اسلامی ریاست بنانا ہوگا۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اشتراکیت کو باہر ہی روک دیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کا نفاذ ہی سب سے مضبوط بند ہے۔ ورنہ اور کوئی طاقت اس سیلاب کو روک نہیں سکتی۔

جشن مسرّت

حکومت اور عوام ہر سال ۱۴ اگست کو نہایت دھوم دھام سے یوم

پاکستان مناتے ہیں۔ کافی دیر پہلے حکومت اور عوامی ادارے اس کی تیاریاں شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے پروگرام شائع کرتے ہیں۔ تمام سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا ہے۔ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جلوس نکالے جاتے ہیں۔ شہیدوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے غرباء میں کھانا اور کپڑے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مدرسوں میں خاص پروگرام کے تحت یہ دن منایا جاتا ہے۔ کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں ادبی مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ مباحثے ہوتے ہیں۔ مشاعرے ہوتے ہیں۔ قرآت کے مقابلے ہوتے ہیں جن میں طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دیئے جاتے ہیں۔

تمام بڑے بڑے شہروں میں فوجی پریڈ ہوتی ہے۔ فوج کے بڑے افسر، گورنر اور وزراء اسلامی لیتے ہیں۔ کئی شہروں میں فوجی جلوس بھی نکلتے ہیں۔ لاہور میں بھی لاہور چھاؤنی سے یہ جلوس شروع ہوتا ہے اور شاہراہ قائداعظم اور دوسری بڑی سڑکوں پر سے ہوتا ہوا واپس چھاؤنی جا کر ختم ہو جاتا ہے لوگ نہایت جوش وخروش سے ان غازیانِ وطن کو ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں۔ جلوس کے راستے میں سڑکوں، مکانوں یہاں تک کہ درختوں پر بھی انسان ہی انسان نظر آتے ہیں۔ بچے تو خاص طور پر انتہائی ذوق وشوق سے ان پاسبانِ وطن کو دیکھتے ہیں۔ جلوس میں ٹینک، توپیں، طیارہ شکن توپیں اور دیگر ہر قسم کا اسلحہ کی نمائش کی جاتی ہے۔ اس میں پیادہ فوج بھی ہوتی ہے اور سوار بھی۔ حملہ آور فوج بھی ہوتی ہے اور مدافعتی دستے بھی انجینئر جنگ کا پورا محکمہ بھی ہوتا ہے۔ جو آناً فاناً سڑکیں بناتا ہے۔ پل بناتا ہے۔ راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرتا ہے اور پورا ہسپتال بھی ہوتا ہے جہاں زخمیوں اور بیماروں کے لئے مکمل علاج ہوتا ہے۔ غرضیکہ یہ دن ایک قومی میلے کی حیثیت سے انتہائی احتشام اور جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔ دیگر ممالک میں پاکستانی سفارت خانے بھی پورے قومی وقار اور نہایت تزک واحتشام سے یہ دن مناتے ہیں۔

ہماری قومی ذمہ داری

ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ یومِ پاکستان محض ایک رسم بن کر نہ رہ جائے کیونکہ جب کوئی چیز رسم بن جاتی ہے تو اس کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ یومِ پاکستان مناتے ہوئے جلوس بھی نکالیں۔ نعرے بھی لگائیں اور جلسے بھی منعقد کریں کیونکہ قوموں کی زندگی کے لئے یہ جلوس اور جلسے بھی ضروری ہیں۔ مگر اصل چیزوں کی لگن اور روح کی تڑپ ہے جسے زندہ و پائندہ رکھنے کی ضرورت ہے اور اس لئے ایسے موقعوں پر ماضی کی تاریخ کو دہرایا جاتا ہے۔

ہمیں عہد کرنا چاہیئے کہ ہمارے کسی فعل، کسی حرکت اور کسی بات سے وطن پر آنچ نہ آئے ہم متحد ہو جائیں۔ ذاتی اغراض چھوڑ دیں۔ وطن سے محبت کریں اور ۱۹۴۷ء میں شہید ہو جانے والے مسلمانوں کے خون سے غداری نہ کریں۔ اور ان کی آرزوؤں کو پورا کریں اور ان خاکوں میں رنگ بھریں جن کے

لئے مسلمانوں نے اپنا خون دیا، عزتیں دیں، مال دیا اور اولاد قربان کی۔ خدا کرے ہمارے دلوں میں ایمان پیدا ہو جائے۔ ہماری نگاہوں میں رفعت آجائے اور ہمارے سینوں میں یقین کا نور پیدا ہو جائے اور ہم ایسے کام کر جائیں جن پر تاریخ اور ہمارا وطن فخر کر سکے۔

جہانِ نو کی تعمیر ہر پاکستانی محب وطن ہے۔ وطن کی آبرو پر آنچ نہیں آنے دے گا۔ ہمیں قائد اعظم اور علامہ اقبال کے نظریات پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کو ایک عظیم اسلامی مملکت بنانا ہوگا جس میں ہر پاکستانی خوشحال ہو۔ کوئی کسی کا استحصال نہ کرے۔ پاکستان ہماری آخری پناہ گاہ ہے۔ عالم اسلام کی نگاہیں قیادت کے لئے ارض مقدس پر بار بار اٹھتی ہیں۔ ہمیں اس کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ جس کی بنیاد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر رکھی گئی ہے۔ اس نظریاتی مملکت میں کسی دوسرے نظریہ کے پرچار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

تعلیمِ نسواں

تکمیلِ انسانیت تعلیم نسواں سے مراد عورتوں کی تعلیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔ آپ کے اس ارشاد سے علم کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ علم ایک ایسی قوت ہے جس کے بغیر کوئی انسان کامل انسان نہیں کہلوا سکتا۔ علم ایک ایسی روشنی ہے جس کے بغیر ہم زندگی کے مقصد کو سمجھ نہیں سکتے۔ علم ایک ایسی بصیرت ہے جس کے بغیر ہم آدمیت کا اور رب کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ اس لئے اسلام نے اس کا حاصل کرنا صرف مرد ہی نہیں عورت کے لئے بھی لازمی قرار دیا۔

آج کل ترقی کے دور میں وہی اقوام پیش پیش ہیں جن کے مرد اور عورتیں زیور تعلیم سے آراستہ ہیں۔ یورپی اقوام دنیا میں اسی لئے زیادہ ترقی یافتہ ہیں کہ وہاں کا ہر مرد اور عورت تعلیم یافتہ ہے۔

مرد اور عورت میں ذہنی ہم آہنگی عورت اور مرد زندگی کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں اگر ان میں سے ایک پہیہ کمزور ہو تو زندگی کی گاڑی کا منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ زندگی میں مرد اور عورت میں ذہنی ہم آہنگی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زندگی عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اگر کسی تعلیم یافتہ لڑکے کی شادی کسی ان پڑھ لڑکی سے کر دی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی بیوی اس کے مسائل حیات نہ سمجھ سکے گی اور دونوں کی زندگی اجیرن ہو

کر رہ جائے گی۔

گھر ایک ریاست

گھر کی مثال ایک چھوٹی سی ریاست کی سی ہے جس میں خاوند بادشاہ اور بیوی اس کی وزیر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ خواہ کتنا ہی منظم اور لائق کیوں نہ ہو، اگر اس کا وزیر دانا مدبر نہیں تو وہ امور سلطنت میں بادشاہ کو صحیح مشورہ نہیں دے سکے گا۔ ایسی سلطنت کا زوال پذیر ہونا یقینی ہے۔ لہٰذا گھریلو سلطنت کا انتظام بطریق احسن چلانے کے لئے سلیقہ مند، سمجھدار اور تعلیم یافتہ عورت کا ہونا ضروری ہے۔

خانگی امور کا بہتر انتظام

گھریلو انتظام کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے عورت کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ پڑھی لکھی خاتون گھر کا ماہانہ حساب کتاب باقاعدہ رکھتی ہے۔ اور کفایت شعاری کے اصولوں پر عمل کر کے مردوں کی کمائی کو ٹھیک طریقے سے خرچ کرتی ہے۔ اس کے برعکس جاہل عورتیں زندگی میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہیں۔ اور گھر کی آمدنی کا بیشتر حصہ ان کی جہالت کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔

آغوش مادر اولین درسگاہ

داناؤں کا قول ہے کہ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔ بچہ جو کچھ اس درسگاہ میں سیکھتا ہے وہ اس کی آئندہ زندگی پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ بچے کی بہتر تربیت کے لئے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے فرانس کے مشہور بادشاہ نپولین نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "آپ مجھے اچھی مائیں دیں میں آپ کو بہترین قوم دے دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مہذب اور تعلیم یافتہ ماں ہی اپنی اولاد کی صحیح معنوں میں تربیت کر سکتی ہے۔

تعلیم یافتہ خواتین کا تاریخی کردار

تعلیم یافتہ خواتین نے تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ملکہ نور جہاں۔ رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی نے ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ علی برادران کی والدہ بی اماں نے اپنے بیٹوں میں حریت کی شمع روشن کی۔ تحریک پاکستان میں محترمہ فاطمہ جناح کا نام ہمیشہ تابندہ رہے گا۔ خواتین نے قریہ قریہ بستی بستی اور گھر گھر قائد اعظم کا پیغام پہنچایا۔ اور آزادی کے قافلے میں عورتوں کو شامل کیا۔ ویلنٹینا ٹرشکووا پہلی خلاء باز روسی خاتون ہے جس نے خلاء بازی میں نئی تاریخ رقم کی ہے۔ ہیلن کیلر کا نام بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔

ان پڑھ عورتوں کے مسائل

غیر تعلیم یافتہ جاہل اور ان پڑھ عورتیں بے شمار معاشرتی مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ گھر کے اندر عدم اطمینان، ذہنی کشمکش، الجھاؤ اور گھٹن پیدا ہو جاتی ہے۔ نفسیاتی عوارض بڑھ جاتے ہیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ ماں، باپ، بہن بھائی اور قریبی عزیزوں کو کئی مسائل میں الجھنا پڑتا ہے

اس طرح معاشرہ میں تلخی بڑھ جاتی ہے ۔ غیر تعلیم یافتہ عورتوں کی کثیر آبادی ذہنی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے ۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ تعلیم یافتہ عورتوں میں ان پڑھ عورتوں کی نسبت نفسیاتی مسائل کی شرح بہت کم ہے ۔

پاکستان میں غیر تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد پڑھی لکھی خواتین کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے ان پڑھ عورتیں توہم پرست اور رسم و رواج کی دلدادہ ہیں ، آسیب اور جن بھوت کی قائل ہیں ۔ جھوٹے پیروں اور بازاری حکیموں کے پیچھے لگی رہتی ہیں اور اپنے شوہروں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی دھو کے بازوں کے ہتھے چڑھ کر لٹا دیتی ہیں ۔

عورتوں کے لئے ضروری علوم

عورتوں کے لئے کون سے علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے ۔ اسے امور خانہ داری کی تعلیم دی جائے ۔ اسے دستکاری سکھائی جائے ۔ ضروری نہیں کہ وہ ملازمت ہی کرے بلکہ مشکل پڑنے پر یہ علم اس کے کام آ سکے اور معاشی تنگ دستی کا شکار ہو کر نہ رہ جائے ۔ اسے اخلاقیات اور مذہبی تعلیم بھی دی جانی چاہیئے تاکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش صحیح خطوط پر کر سکیں ۔ عورتوں کو حفظانِ صحت روزمرہ سائنس واقفیت عامہ اور بچوں کی نفسیات کی بھی تعلیم دی جانی چاہیئے ۔ لڑکیوں کے نصاب میں ان کی عملی زندگی کی ضروریات ، دستکاری ، سوزن کاری ، رنگ وغیرہ کی تربیت مشتمل ہونی چاہیئے ۔

عورتوں کے مخصوص پیشے

اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں ڈاکٹری یا نرسنگ کا پیشہ عورتوں کے لئے بہت مفید ہے ۔ جنگ کے زمانے میں عورتیں اپنے سپاہیوں کی بخوبی مرہم پٹی کر کے ملک و قوم کی احسن خدمت انجام دے سکتی ہیں ۔ عورت کی فطرتی شفقت اور محبت کا جذبہ دوا کے ساتھ ساتھ مریض کے علاج میں بہت زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے ۔

تدریس کا پیشہ بھی عورت کی فطرت کے عین مطابق ہے ۔ وہ لڑکیوں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو عملی زندگی کے خاص امور بھی سکھا سکتی ہے ۔ اس طرح مستقبل کے لئے ان کی تربیت احسن طریقے سے بہتر کر سکتی ہے ۔

مخلوط تعلیم سے اجتناب

اسلام نے جہاں مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے وہاں عورت اور مرد کے لئے الگ الگ راہیں متعین کر دی ہیں ۔ ہمیں اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے اسلامی تعلیم کے مطابق عورتوں کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہیئے ۔ مغربی مخلوط تعلیم کا طریقہ اسلام کے اصولوں سے متصادم ہے ۔ یہ سخت ناپسندیدہ سلسلہ تعلیم ہے ۔ تعلیم نسواں کا مقصد عورتوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ہے تاکہ انہیں شمع محفل بنانا ہے ۔

تعلیم عورتوں کے لئے ضروری تو ہے خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

حُبِّ وَطن

حُبِ وطن کا مفہوم

حُب کے لغوی معنی چاہت اور محبت کے ہیں جبکہ وطن اس خطۂ زمین کو کہتے ہیں جہاں انسان اپنی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے۔ وہاں اس کے ساتھ اس کے والدین رشتہ دار اور دوست احباب پرامن ماحول میں گزر اوقات کرتے ہیں۔ انسان جس سرزمین کی فضاؤں میں پرورش پاتا ہے۔ اس کے گلی کوچوں بازاروں، دلفریب گلزاروں اور کوہ بیابانوں سے اسے ایک عجیب قسم کا جذباتی لگاؤ ہو جاتا ہے۔ اس جذباتی لگاؤ اور وابستگی کو حب وطن یا وطن کی محبت کہتے ہیں۔

فطری جذبہ

وطن کی مٹی سے محبت ہونا بالکل فطری امر ہے۔ وطن سے محبت کا جذبہ عالمگیر ہے اور اس جذبے کا اسیر صرف انسان ہی نہیں اس کی محبت کا دم جانور بھی بھرتے ہیں۔ بلی جیسے حقیر جانور کو آپ کسی بوری میں بند کر کے اس کے گھر سے کئی میل دور لے جا کر آزاد کر دیں۔ آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ وہ آپ سے بھی پہلے اپنے گھر واپس پہنچ جائے گی

جزوِ ایمان

ہمارا مذہب اسلام بھی ہمیں اپنے ملک وطن سے محبت کرنے کی تلقین کرتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے "حب الوطن من الایمان" یعنی وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔ بقول شاعر ؎

وطن پر فدا ہے جو انسان ہے　　　　کہ حُبِ وطن جزوِ ایمان ہے

اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ حُبِ وطن کو اسلام میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

سرکارِ مدینہؐ اور حُبِ وطن

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اپنے وطن مکہ معظمہ سے بڑی محبت تھی جب کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حضور اکرمؐ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو آپؐ کو بہت دکھ ہوا۔ آپ نے مکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے لیکن کیا کروں، تیرے باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے"۔

وطن کی قدر و قیمت

وطن کی محبت کا احساس انسان کو صحیح معنوں میں اس وقت ہوتا ہے جب زمانے کے اتفاقات و حالات اسے وطن سے کہیں دور لے جاتے ہیں۔ پردیس میں انسان خواہ کتنا ہی مطمئن اور خوشحال کیوں نہ ہو پھر بھی اسے وہ لمحات جو اس نے اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں گزارے ہوں یاد آتے ہیں۔ اسے ان لمحوں کی یاد رہ رہ کر ستاتی ہے جو اس نے اپنے دوستوں، عزیز و اقارب اور ہم وطنوں کے درمیان گزارے ہوتے ہیں۔ وطن

کی آزاد فضاؤں میں پیش آنے والے واقعات فلم کی طرح اس کے ذہن میں گھومنے لگتے ہیں۔ اسے وطن کی پُر رونق گلیوں کی یاد ستانے لگتی ہے، چنانچہ وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ انسانی تڑپ کی یہی کیفیت حبِ وطن کی روح ہے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ وطن کا کانٹا بھی سنبل و ریحان سے زیادہ عزیز ہے حضرت یوسف علیہ السلام جو مصر پر حکومت کرتے تھے، کنعان کے بھکاری کو بھی اس حکومت سے بہتر خیال کرتے تھے۔ کیونکہ کنعان ان کا وطن تھا اور حاکم ہونے کے باوجود وطن کی خوشبو اور محبت مصر میں نہ تھی۔

حبِ وطن از ملک سلیمان خوشتر — خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بہ مصر بادشاہی می کرد — می گفت، گدا بودن کنعان خوشتر

قوموں کا عروج اور جذبہ حب الوطنی

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ملکوں اور قوموں کی ترقی اور عروج میں حب وطن کا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ اپنے ملک کی بہتری اور بہبودی کے لئے انسان بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے اور جب کبھی قوم کی عزت و ناموس خطرے میں ہو تو اپنا مال پانی کی طرح بہا دینے اور اپنی جان قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اس بات کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہم نے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کو ناک چنے چبا کر رکھ دیا۔ دشمن اپنا بہت سا فوجی ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ سب کچھ ہماری اپنے وطن سے والہانہ محبت کا نتیجہ تھا کہ ہم نے وطن کی خاطر اپنی جانوں کی پرواہ نہ کی اور قوم کے جیالے اپنے سینوں پر بم باندھ کر دشمن کے ٹینکوں تلے لیٹ گئے۔

عظیم محب وطن

ایک سچا محب وطن ملک کی بے لوث خدمت کرتا ہے، خود غرضی اور لالچ سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اپنے وطن کے مفاد کی خاطر وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلتا ہے، مال و دولت صرف کرتا ہے مگر وطن کی بہتری اور بھلائی کے خیال سے دستبردار نہیں ہوتا۔ قائداعظم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہیں طرح طرح کا لالچ دیا گیا لیکن مال و دولت، عیش و آرام اور جاہ و حشمت کا لالچ ملک و قوم کی بہتری کی خاطر مسلسل کوشش کرتے رہنے میں حائل نہ ہو سکا۔ ٹیپو سلطان نواب سراج الدولہ، علی برادران، نواب بہادر یار جنگ علامہ اقبال اور قائداعظمؒ عظیم محب وطن تھے۔

حبِّ وطن کا غلط تصوّر

یہ جذبہ جب مناسب حدود سے گزر جاتا ہے تو تعصب کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جنگ کو ہوا دیتا ہے یورپین اقوام نے دوسرے ممالک میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں اور وہاں پر اپنے خیالات و عقائد کو طاقت کے ذریعے رواج دینے کی کوشش کی۔ اسی طرح اٹلی کے ڈکٹیٹر مولینی نے دوسرے ممالک کو مہذب بنانے کے بہانے طاقت کا استعمال کیا۔ حالانکہ وہ ممالک فوجی طاقت کے سوا دوسرے تمام شعبوں میں اٹلی سے آگے تھے۔

حب وطن کے جذبے کا غلط استعمال انسان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس طرح کی تنگ نظری نوع انسانی کی ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اگر ہمارے خیالات ذات، رنگ اور نسل کی تمیز سے بلند ہو جائیں تو ہم تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی خاندان سمجھیں گے۔ خود بھی امن کی زندگی بسر کریں گے اور دوسروں کو بھی امن کی زندگی بسر کرنے کا موقع دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام دنیا کے انسان آزادانہ ترقی کر سکیں گے۔

حب وطن اور انسان دوستی

حب وطن کا جذبہ اس حد تک مفید ہے جب انسان دوسرے ممالک کے تعاون سے اپنے ملک کی بہتری کے لئے کوشاں ہو۔ اپنی قوم کو ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے کی تدابیر پر عمل پیرا ہو دوسری قوموں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں تامل نہ کرے۔ جس طرح وہ چاہتا ہے کہ دوسرے ممالک کے تعاون سے میرا ملک ترقی کرے، اسی طرح وہ دوسرے ممالک کی ترقی میں مدد دینے سے خود بھی نہ ہچکچائے۔ اگر یہ جذبہ ان حدود کے اندر رہے اور دنیا میں جھگڑے اور فساد پیدا کرنے کا سبب نہ بنے تو یقیناً یہ جذبہ محمود ہے ورنہ مذموم۔

حب وطن کے تقاضے

وطن کی محبت کا اظہار صرف زبان سے کافی نہیں بلکہ اس کا اظہار عمل سے ہونا چاہیئے۔ وطن کی محبت ہم سے کئی باتوں کا تقاضا کرتی ہے۔

۱۔ وطن کی محبت کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے ہم وطنوں کے دکھ درد کو محسوس کریں ان کی تکلیفوں خوشیوں کو اپنی تکلیفیں اور خوشیاں سمجھیں۔ انہیں مصیبت اور پریشانی سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۲۔ اپنی خوشیوں میں امیر و غریب کا لحاظ کئے بغیر سب کو برابر شریک کریں۔

۳۔ وطن کی حقیقی محبت یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالےٰ نے علم کی دولت سے مالا مال کیا ہے وہ ملک کے کونے کونے میں علم کی روشنی پھیلائیں۔ اس طرح ملک سے ناخواندگی اور جہالت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۴۔ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے دنیا میں دولت سے نواز رکھا ہے وہ مفلس و نادار لوگوں کی دل کھول کر مالی امداد کریں۔

۵۔ ملک میں قائم شدہ صنعتی اداروں میں کام کرنے والے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کریں ہڑتالوں اور تالا بندیوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو تاکہ ملکی پیداوار میں دن دگنا، رات چوگنا اضافہ ہو سکے۔

۶۔ وطن کی محبت ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے وطن کی مصنوعات استعمال کریں۔ اس سے ملکی صنعت کی حوصلہ افزائی ہو گی اور ملک کا سرمایہ بھی ملک میں ہی رہے گا۔

۷۔ ہم اپنے وسائل پر زیادہ سے زیادہ انحصار کریں اور اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں۔

۸۔ وطن سے محبت یہ ہے کہ ہم دوسری قوموں کے رسم ورواج کی اندھادھند تقلید نہ کریں۔

۹۔ اپنی قومی شناخت کو قائم رکھنے کے لئے اپنا لباس پہنیں اور اپنی زبان بولیں۔

۱۰۔ ملک میں زیادہ سے زیادہ صنعتی ادارے قائم کئے جائیں تاکہ بے روزگاروں کو بہتر روزگار مل سکے۔

۱۱۔ ملک سے ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ اور ناجائز منافع خوری کی لعنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

۱۲۔ وطن کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ دیانت داری کے اصول ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ اساتذہ ڈاکٹر، انجینیئر، فوجی افسر اور دیگر افراد اگر اپنے اپنے فرائض پہنچانیں اور ان کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں تو وطن کا مستقبل درخشاں ہوگا۔ اس کے برعکس جو قوم اپنے فرائض دیانتداری سے پورے نہیں کرتی۔ بددیانتی اور کام چوری جس کا روزمرہ کا معمول بن جائے اسے یہ اچھی طرح سے جان لینا چاہیئے کہ وہ خود ہی وطن کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

وطن کی محبت کا جذبہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جو لوگ اس جذبہ سے کام لے کر دن رات وطن کی بہتری کے لئے کام کرتے ہیں ان کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جاتا ہے۔ وطن کی محبت ایک ایسا سرمایہ ہے جس کے بغیر کوئی قوم تعلیمی، سیاسی، سماجی، معاشی یا اخلاقی طور پر زندہ نہیں رہ سکتی۔

ہم اپنے پیارے وطن پاکستان کو اسی صورت میں ترقی دے سکتے ہیں کہ پہلے ہم اپنے دلوں میں اس کی سچی محبت پیدا کریں۔ اس کی حفاظت کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے سے گریز نہ کریں۔ اپنے وطن کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے میں کسی قسم کی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ کیونکہ وطن کی وجہ سے ہی ہماری جان پہچان ہے۔

اپنی مدد آپ

قانون قدرت

اپنا کام خود کرنا یا اپنی مشکل کو آپ ہی آسان بنا لینا، اپنی مدد آپ کہلاتا ہے۔ جو قومیں ہاتھ پیر دھر کر بیٹھی رہتی ہیں اور اپنے حالات کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ وہ قومیں کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ اپنی مدد آپ کے اصول کے ذریعے ہر قوم لامحدود ترقی کر سکتی ہے۔ یہ بات اتنی اہم ہے کہ اس بات کا ذکر قرآن مجید میں اس انداز میں ہوا ہے کہ جو قوم اپنی حالت کو خود بدلنے کی کوشش نہیں کرتیں اللہ تعالیٰ بھی اس کی

حالت نہیں بدلتا ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اپنی ذات پر بھروسہ

دنیا میں خداوند کریم کے بعد کوئی ایسی ہستی نہیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہو اور ہر وقت ہماری خیر خواہ ہو تاہم ہماری ذات ایک ایسی ذات ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک ہمارے ساتھ رہتی ہے اور ہماری بھلائی چاہتی ہے۔ صرف یہی ذات ہے جو ہر وقت ہماری بہتری کی سب سے زیادہ خیر خواہ ہو سکتی ہے۔ پس خداوند کریم کے بعد ہمیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور کسی کی مدد پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے۔

دوسروں پر انحصار کے نقصانات

اگر کسی شخص کے لئے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اس شخص میں سے اپنی مدد آپ کرنے کا جوش اور جذبہ کم ہو جاتا ہے اور اپنی مدد آپ کرنے کی ضرورت اس کے دل سے مٹتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غیرت اور عزت اور خودداری رہتی ہے۔ جب پوری ایک قوم کا یہ حال ہو تو وہ قوم دوسری قوموں کی نظروں میں ذلیل، بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ آدمی جس قدر دوسروں پر بھروسہ کرتا جاتا ہے۔ اسی قدر بے عزت ہوتا جاتا ہے۔ ایشیا اور افریقہ کی وہ قومیں جنہوں نے اپنی مدد آپ کرنے کی بجائے غیروں پر بھروسہ کیا بری طرح ذلیل و خوار ہوتی ہیں آج اسرائیل عربوں کے سینے میں خنجر گاڑے ہوئے ہے۔ اگر عرب اس بات کو محسوس کر لیتے کہ مشرق یا مغرب کی بجائے اپنی مدد آپ کے تحت اپنے وسائل سے جینا ہے تو وہ کب کا اسرائیل سے نجات پا جاتے۔

ایک وقت تھا کہ مسلمان تمام دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ لیکن آج وہ بہت پیچھے رہ گئے دوسروں پر انحصار کرنے سے آدمی کے اندر بے عملی، سستی اور لاپرواہی جنم لیتی ہے وہ اپنے فرائض سے بیگانا ہوتا جاتا ہے۔ اگر دوسروں پر انحصار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ہر چیز ہمارے لئے کریں اور ہم خود کچھ نہ کریں۔ اگر اس نظریہ کو مان لیا جائے تو تمام قوم کی آزادی برباد ہو جائے گی اور آدمی انسان پرست ہو جائیں گے۔ اس کے نتائج انسان کو حقیر اور ذلیل بنا دیتے ہیں۔

اپنی مدد آپ کی پہلی صورت ۔ ذاتی اور انفرادی کوشش

اپنی مدد آپ دو طرح سے کی جاتی ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ کوئی آدمی ذاتی اور انفرادی طور پر اپنا مسئلہ کوشش کر کے خود حل کرے مثلاً کوئی شخص دریا کے کنارے چلتے چلتے بے خیالی میں دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اب اگر وہ اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ کوئی راہ گیر آکر اسے نکالے تب ہی نکلے گا تو ممکن ہے کہ وہ دلدل سے نکل ہی نہ سکے۔ چونکہ یہ ضروری نہیں

کہ فوری طور پر کوئی آدمی ادھر آہی جائے۔ فرض کرو کہ کوئی شخص ادھر سے گزر بھی رہا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ خود کو خطرے میں ڈال کر اسے دلدل میں سے نکال دے گا۔ اس کے برخلاف اگر دلدل میں پھنسا ہوا مسافر اپنی مدد آپ کرنے کا تہیہ کر لیتا ہے اور عقل سے کام لے کر دلدل پہ کمر کے بل لیٹ کر ہاتھ پیر ہلاتا ہوا نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ ضرور خطرے سے باہر نکل آئے گا۔

اس طرح جو لڑکے محنت کر کے امتحان میں بیٹھتے ہیں اور اچھے پرچے کر کے آتے ہیں وہ اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ ان کا پاس ہونا یقینی ہوتا ہے لیکن وہ بچے جو خود تو محنت کرتے ہیں اور امتحان کے قریب اپنے والدین کو پریشان کرتے ہیں کہ وہ سفارش کرتے پھریں یا نگران امتحان کو رشوت دے کر نقل لگوانے کا انتظام کریں۔ ایسے بچے کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور زندگی میں ناکام رہتے ہیں۔

اپنی مدد آپ کی دوسری صورت۔ اجتماعی مدد

اپنی مدد آپ کرنے کی دوسری صورت اجتماعی مدد کی ہوتی ہے۔ یہ طریقہ گروہوں قبیلوں یا قوموں پر لاگو ہوتا ہے۔ دنیا کی سمجھدار قومیں ہمیشہ اپنے معاملات مل جل کر خود ہی طے کر لیتی ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی مالی پریشانی سے دوچار ہو جاتی ہے یا اقتصادی طور پر کسی مشکل سے دوچار ہو جاتی ہے تو وہ اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کر کے بچ سکتی ہے۔ اگر مال و دولت کی کمی ہے تو اس قوم کے کھاتے پیتے لوگ سامنے آجاتے ہیں۔ اور آپس میں چندہ کر کے یا فنڈ جمع کر کے کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔ غلے یا دیگر کھانے پینے کی چیزوں کی قلت کی صورت میں خوددار قوم کے افراد ایک وقت کھانا کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں مگر کسی دوسری قوم کے آگے بھیک نہیں مانگتے۔ اس کے برخلاف جو قومیں اپنی مدد آپ کے جذبے سے خالی ہوتی ہیں وہ خود غرضی لالچ اور غداری جیسی خوفناک برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور آخر کار تباہ ہو جاتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی مثالیں

ہم مسلمانوں کے لئے ہدایت کا مینار ہمارے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ نے اپنی مدد آپ کرنے کا اصول ہمیں نہ صرف سکھایا ہے بلکہ عملی طور پر کر کے بھی دکھایا ہے۔ چنانچہ آپ اپنی چادر میں پیوند خود لگایا کرتے تھے۔ اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے تھے۔ پیاس لگتی تو کنویں سے پانی بھی خود نکال کر پیتے تھے۔ آپ کی نگرانی میں مسلمان قوم نے جو کام کئے اور جو لڑائیاں کافروں سے لڑیں ان میں بھی جگہ جگہ وہ اپنی مدد آپ کرتے نظر آتے تھے۔ ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر میدان جنگ کے چاروں طرف جو خندق کھودی گئی تھی اس میں پیغمبر سمیت ساری قوم کے لوگ شریک تھے اور اپنی مدد آپ کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے اپنے محبوب پیغمبر کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دنیا بھر میں اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کیا ہے۔

دنیا کے عظیم لوگ

دنیا میں جس قدر عظیم لوگ ہوئے ہیں۔ سب نے اپنی ذات اور صلاحیتوں پر اعتماد کر کے ہر معاملہ میں اپنی مدد آپ کے اصول کو پیش نظر رکھا اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ ہمارے قومی ہیرو قائداعظم نے بھی اپنی ذات پر بھروسہ کر کے پوری قوم کو غفلت کی نیند سے جگایا اور پاکستان ان کی ہمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قوموں کی ترقی کا انحصار

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اگر مختلف قوموں کی ترقی کے گراف کو دیکھا جائے تو وہی قومیں آپ کو سرفہرست نظر آئیں گی جو اپنی مدد آپ کے اصول پر ایمان رکھتی ہیں اور اپنی قومی ترقی کے میدان میں کسی دوسری قوم کی مدد پر آس نہیں لگائے بیٹھے۔ لیکن اس کے برعکس جو قوم دوسروں کی مدد کے سہانے خواب دیکھتی رہتی ہے وہ ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتی ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایشیائی اقوام میں جاپان کے لوگ ایسے باہمت ہیں کہ انہوں نے دوسری جنگ عظیم میں ایٹمی حملے کی تباہ کاریوں کا سامنا کرنے کے باوجود آج ہر میدان میں اتنی ترقی کر رہی ہے کہ امریکہ اور روس جیسی ترقی یافتہ قومیں بھی ان کی معاشی ترقی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہ صرف اس لئے ممکن ہوا کہ انہوں نے اپنی مدد آپ کے اصول کو اپنایا اور دن رات محنت سے لوگوں کو دکھایا کہ زندہ قومیں کس طرح اپنی مدد آپ کر سکتی ہیں

اپنی مدد آپ ایک عظیم جذبہ

اپنی مدد آپ کا جذبہ افراد اور اقوام میں ہمت اور جرأت پیدا کرتا ہے۔ ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے اور انسان میں عزت نفس اور غیرت کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ اس لئے یہ بات نہایت لازمی ہے کہ ہم اپنی مدد آپ کرنے کے اصول کو اپنائیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ بھی ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ ہمارے کسان اسی اصول پر عمل کر کے زیادہ غلہ اگا سکتے ہیں۔ مزدور کارخانوں میں پیداوار بڑھا سکتے ہیں۔ غرضیکہ ہر قوم جو ترقی کرنا چاہے اس کے لئے اپنی مدد کے اصول پر عمل کرنا ضروری ہے۔

تمہی اپنی مشکل کو آسان کرو گے   تمہی درد کا اپنے درماں کرو گے
تمہی اپنی منزل کا ساماں کرو گے   کرو گے تمہی کچھ اگر یاں کرو گے

چھپا دست ہمت میں روز قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

ایک میلے کی سیر

میلے کا مفہوم

"میلہ" کا مفہوم میل ملاپ کے معنی دیتا ہے۔ اس موقع پر چونکہ مختلف علاقوں کے لوگوں اور دور نزدیک کے دوستوں کو یکجا ہونے اور ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کا موقع ملتا ہے اس لئے اس تقریب کو میلہ کا نام دیا جاتا ہے۔ میلے ایک ایسا آئینہ ہیں جن میں ہم اپنی تہذیب اور معاشرے کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔

میلوں کی روایت

ہمارے ملک میں میلوں کی روایت زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ یہ میلے عموماً بزرگوں کے مزارات پر لگتے ہیں۔ بعض میلوں کا تعلق موسم کی تبدیلی سے ہوتا ہے۔ یہ موسمی میلے کہلاتے ہیں۔ کچھ میلے مویشیوں کی خرید و فروخت کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں۔ ایسے میلوں کو میلہ مویشیاں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بزرگوں کے مزارات پر لگنے والے میلوں میں مذہبی عقیدت کا رنگ غالب رہتا ہے۔ جبکہ دوسرے اکثر میلے لوگوں کی تفریح طبع کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ ان میلوں میں بوڑھے اور جوان شہری اور دیہاتی جوق در جوق شامل ہوتے ہیں۔

میلہ چراغاں

مختلف مقامات پر لگنے والے میلوں میں لاہور کا میلہ چراغاں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ میلہ تین دن تک رہتا ہے۔ اور ہر سال مارچ کے آخر میں باغبانپورہ کے قریب مادھولال حسین کے مزار پر لگتا ہے۔

میلہ دیکھنے کا اتفاق

اس سال مجھے بھی اپنے کچھ دوستوں کی رفاقت میں یہ میلہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سکول سے چھٹی تھی۔ میلے کا دوسرا دن تھا۔ ہم لوگ ایک گروپ کی صورت میں ہنستے کھیلتے شالامار باغ کی طرف چل دیئے۔ ہماری طرح اور بھی بہت سے لوگ بسوں، تانگوں اور ریڑھوں پر کشاں کشاں چلے جا رہے تھے۔

مزار مادھولال حسین پر حاضری

اپنی منزل پر پہنچ کر سب سے پہلے ہم نے حضرت مادھولال حسینؒ کے مزار پر حاضری دی فاتحہ پڑھی۔ قوالی ہو رہی تھی۔ لوگ محویت کے عالم میں قوالی سن رہے تھے۔ اور سر دھن رہے تھے۔ ہم بھی تھوڑی دیر کے لئے قوالی کی محفل میں بیٹھ گئے اور لطف اندوز ہوئے۔

لوک رقص

قوالی سننے کے بعد ہم بھی خراماں خراماں لوگوں کے ہجوم میں جا پہنچے لوگوں

کی بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ میلے میں اہلِ لاہور کی نسبت دیہات اور بیرونِ لاہور سے آنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ لوگ ڈھیلے ڈھالے لباس پہنے ہوئے تھے اور ٹولیوں کی صورت میں میلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہر گاؤں اور بستی کی ٹولی علیحدہ علیحدہ تھی۔ بعض ٹولیاں ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا ڈال رہی تھیں۔ کہیں چمٹا بج رہا تھا اور اس کی دھن پر لوک گیت گائے جا رہے تھے ڈھول اور چمٹے کی آواز کچھ ایسی سحر کن تھی کہ بے ساختہ جی چاہتا تھا کہ ہم بھی اپنے دیہاتی بھائیوں کے اس مستانہ رقص میں شامل ہو جائیں۔

رنگا رنگ دکانیں

دیہاتی زندگی کے اس دلچسپ پہلو سے لطف اندوز ہونے کے بعد ہم آگے بڑھ گئے۔ سامنے ایک بازار نظر آیا جو دور تک چلا گیا تھا۔ دو رویہ عارضی دکانیں قائم تھیں جن میں انواع و اقسام کی مٹھائیاں پھل اور دوسری اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ گھریلو استعمال کی اشیاء کے بیسیوں سٹال تھے۔ دستی رومال سے لے کر زرعی آلات تک موجود تھے۔ ایک طرف چوڑیوں کی دکانیں تھیں تو دوسری طرف بچوں کے کھلونوں کی دکانیں رنگ برنگے کھلونوں سے سجی ہوئی تھیں لڑکیاں چوڑیوں میں دلچسپی لے رہی تھیں جبکہ خواتین گھریلو استعمال کی اشیاء خصوصاً مٹی اور چینی کے برتن خرید رہی تھیں۔ مرد حضرات اپنی پسند کی اشیاء دھڑا دھڑ خرید رہے تھے۔

ریستوران اور موسیقی

میلے میں بہت سے ریستوران چل رہے تھے جہاں پر تماشائیوں کے لئے طرح طرح کے کھانوں اور چائے کا انتظام کیا گیا تھا یہ ریستوران ان لوگوں کے لئے بڑی کشش کا باعث تھے جو دور دراز علاقوں سے آئے تھے اور جن کا شہر میں کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ ان ریستورانوں پر مختلف گانوں کی ریکارڈنگ ہو رہی تھی اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی

بندر کا تماشا

چند قدم کے فاصلے پر مقبول عام بندر والا اپنی ڈگڈگی بجا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ بندر ایک ناراض خاوند کی نقل اتار رہا تھا۔ اس کے تیور بڑے غضبناک تھے، چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے اور اکڑ کر چل رہا تھا۔ بچے اسے دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔

بازیگر اور مداری کے کرتب

ذرا آگے گئے تو بازیگر اور مداری اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ بچوں کے لئے اس میں دلچسپی کا بہت سامان تھا۔ مداری نے ایک بچے کا رومال لیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ جب اسے واپس کیا تو رومال بالکل ٹھیک تھا۔ بازیگر سات گیند بیک وقت ہوا میں اچھال رہا تھا۔ ایک طرف ایک آدمی کسے ہوئے رسے پر چل رہا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر تالیاں بجا رہے تھے۔

گھڑدوڑ

ایک کھلے میدان میں گھوڑوں کی دوڑ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ایک خصوصی اعلان کیا گیا کہ چند لمحوں بعد گھڑدوڑ شروع ہو گی۔ لوگ دوڑ کر اگلی صفوں میں جگہ حاصل کرنے لگے۔ خوبصورت گھوڑوں کے مالک بڑی شان سے چل رہے تھے گھوڑے ڈھول کی تاپ پر رقص کر رہے تھے۔ سیٹی بجی تو گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے۔ میدان میں گرد اڑنے لگا۔ بچے بوڑھے اور جوان بڑی بے قراری کے ساتھ گھوڑوں کو بھاگتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ آخر کار ایک دیہاتی کا گھوڑا جیت گیا۔ اسے نقد انعام اور ایک شیلڈ دی گئی۔

نیزہ بازی

نیزہ بازی بھی ایک مقبول عام کھیل ہے۔ لکڑی کا ایک ٹکڑا زمین میں گاڑ دیا گیا۔ گھڑ سوار تیزی سے آتا اور نیزے سے اکھاڑ لیتا۔ کامیاب سوار میدان کے ارد گرد چکر لگاتا اور تماشائی تالیاں بجا کر داد دیتے۔

کتوں کی دوڑ

پھر کتوں کی دوڑ کا آغاز ہوا۔ دو خوبصورت خرگوش چھوڑے گئے جو بہت تیز بھاگ رہے تھے۔ شکاری کتے پوری طاقت کے ساتھ ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ چشم زدن میں خرگوش پردے کے پیچھے چھپ گئے اور کتے دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے۔

موت کا کنواں

مزار کے کچھ فاصلے پر موت کا کنواں تھا۔ لوگ بڑے شوق سے ٹکٹ خرید کر اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک نوجوان موٹر سائیکل پر سوار ہو کر پوری رفتار کے ساتھ کنوئیں کی چوبی دیواروں پر چڑھنے لگا۔ دیواریں بری طرح لرز رہی تھیں۔ لیکن نوجوان میں بے پناہ اعتماد تھا۔ لوگوں نے کھل کر داد دی۔

سرکس

قریب ہی ایرانی سرکس تھا۔ اس کے باہر بہت ہجوم تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے ٹکٹ لیے اور اندر داخل ہو گئے۔ ہاتھی، شیر اور ریچھ کے کرتب قابل دید تھے۔ ایک نوجوان کا شیر کے ساتھ مقابلہ تھا۔ ایک نوجوان نے اپنے اوپر سے جیپ کو گزارا۔ جمناسٹک کے کرتب بہت شاندار تھے۔ مسخروں اور بھانڈوں نے لوگوں کو بہت محظوظ کیا۔

آسمانی جھولے

ہم ذرا آگے بڑھے تو بڑے بڑے آسمانی جھولے دیکھے۔ بچے ان میں بیٹھ کر ہوا میں لہرا رہے تھے۔ ہم نے بھی ان جھولوں میں بیٹھ کر کھلی فضاء کا لطف اٹھایا۔ جب جھولے نیچے اوپر جاتے تو دل کی کیفیت عجیب ہو جاتی تھی۔

چراغاں کا منظر

رات کو مزار پر چراغاں کیا گیا، پورا ماحول روشنی میں نہا گیا۔ یوں لگتا تھا کہ فرش زمین سفید چاندی کا بن گیا ہے، ہر کا چوندر روشنی

نے پورے ماحول کو سحر زدہ کر دیا گیا

گھر کو واپسی

اب کافی رات گزر چکی تھی۔ ہم سب تھک کر چور ہو چکے تھے۔ ابھی بہت سی چیزیں دیکھنا باقی تھیں۔ لیکن ہم بادل نخواستہ میلے کی دلچسپیوں اور رنگینیوں کو خیرباد کہہ کر گھروں کو واپس روانہ ہو گئے۔ یہ میلہ ہمیں مدتوں یاد رہے گا۔

تمباکو نوشی اور اس کے نقصانات

تمباکو کی دریافت

جب کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تو اسے اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر یہ حیرت ہوئی کہ وہاں کے مقامی لوگ بانس کی لمبی لمبی نالیوں میں تمباکو بھر کر اس کے کش لگاتے تھے اس کے بعد سولھویں صدی عیسوی میں یورپ میں بھی تمباکو نوشی نے رواج پانا شروع کر دیا۔ پھر بعض یورپی سیاح عہد شاہجہانی میں تمباکو کے بیج اور نمونے بطور سوغات ہندوستان لائے۔

تمباکو نوشی کے مختلف طریقے

تمباکو نوشی ایک علت ہے۔ پرانے وقتوں میں لوگ حقہ استعمال کرتے تھے۔ خاص طور پر امیر گھرانوں میں بڑے بڑے چاندی کے پیچواں فرشی حقے جو زر و جواہرات سے مرصع ہوتے، استعمال میں لائے جاتے تھے۔ انگریز سگار استعمال کرتے تھے۔ لیکن موجودہ دور میں تمباکو نوشی / سگریٹ کے نئے طریقے سے متاثر ہوئی ہے اور اس وقت دنیا میں کروڑوں بلکہ اربوں روپوں کا سگریٹ صرف ہو رہا ہے۔

تمباکو نوشی کے اسباب

اول اول تمباکو نوشی کا رواج فیشن کے طور پر ہوتا ہے اور دوسروں کی نقالی کی جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ انسان اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اب یہ جدید زمانے کی معاشی اور سماجی الجھنوں سے فرار حاصل کا وقتی سکون ہے۔ سگریٹ کا عادی عارضی طور پر سکون محسوس کرتا ہے۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب میں ایک لمحے کے لئے ٹھہراؤ آ جاتا ہے جسے وہ سکون اور اطمینان سمجھ لیتا ہے۔ بعض سگریٹ نوش حضرات اسے استعداد کار میں اضافہ کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور دوران کار وقفے وقفے سے سگریٹ سلگاتے رہتے ہیں۔

نکوٹین مہلک ترین زہر

تمباکو میں نکوٹین کثیر مقدار میں پائی جاتی ہے جو ایک مہلک اور خطرناک زہر ہے۔ یہ زہر اتنا قاتل ہے کہ کوئی ڈاکٹر یا حکیم اسے دوسرے زہروں کی طرح ادویات میں استعمال میں نہیں لاتا۔ ایک سگریٹ کے

تین کشوں میں یہ زہر اتنی بڑی مقدار میں انسانی جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ جو عام حالت میں انسان کو موت کی نیند سلا دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس زہر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ انتہائی سرعت کے ساتھ خون میں تحلیل ہو جاتا ہے اور یوں سگریٹ نوشی سے انسان آناً فاناً موت کا شکار ہونے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن یہ زہر آہستہ آہستہ اس کی صحت کا ایسا ستیاناس کر دیتا ہے کہ جوانی میں بڑھاپے کی تصویر دکھائی دینے لگتی ہے انسانی معدے، دل اور دماغ اور خون کے سرخ خلیوں پر یہ زہر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔

مختلف امراض کا ذریعہ

تمباکو نوشی سے طرح طرح کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ انسان کو قوت ہاضمہ کی خرابی، بھوک کی کمی، بے خوابی دل کی دھڑکن اور دماغی کمزوری کی شکایت عام ہو جاتی ہے۔ سگریٹ کے مسلسل استعمال سے ان بیماریوں میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور بالآخر انسان اختلاج قلب، دمہ یا سرطان جیسے موذی مرض کا ہدف بن کر راہیٔ ملکِ عدم ہوتا ہے۔ بالخصوص سگریٹ نوش عورتوں پر نکوٹین کا زیادہ کاری وار ہوتا ہے اور کمزور اور غیر صحت مند بچوں کی پیدائش کا سبب بنتی ہے۔

قومی صحت اور تندرستی کا انحطاط

تمباکو نوشی کا بڑھتا ہوا رجحان ہماری قوم اور معاشرے کے لئے بھی نقصان دہ ہے بھلا جس قوم کے افراد غیر صحت مند ہوں یا جن کی صحت انحطاط پذیر ہو وہ قوم اتنی ترقی اور خوشحالی کے عظیم الشان منصوبوں کو کیونکر جلد عمل میں لا کر اپنے اور آنے والی نسلوں کے بہتر مستقبل کی ضمانت دے سکتی ہے۔

بے جا اسراف

ہماری قومی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ محض سگریٹ نوشی جیسی فضول اور قبیح عادت کی نذر ہو جاتا ہے اور پھر اس عادت کے باعث پیدا ہونے والے مہلک امراض کے مقابلے میں ہمارا گراں قدر زرمبادلہ ضائع ہو جاتا ہے۔

آتش زدگی کا احتمال

بعض اوقات سگریٹ آگ لگنے کا باعث بھی بن جاتا ہے، روزانہ اخبارات میں ایسے کئی حادثات کا ذکر آتا ہے اس طرح سگریٹ سے کئی دفعہ جانی و مالی نقصان کا اعادہ ہوتا ہے۔

عزتِ نفس کا خاتمہ

بعض اوقات تمباکو نوشی کے پاس سگریٹ خریدنے کے لئے رقم نہیں ہوتی یا وہ فوری طور پر سگریٹ حاصل نہیں کر سکتا اس وقت اس کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ وہ نشہ پورا کرنے کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے اس سے اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو ایسے لوگ چوری کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے

اخلاقی برائیاں

سگریٹ نوشی اس اعتبار سے بھی قابل مذمت ہے کہ اس سے بعض نہایت مکروہ قسم کی اخلاقی برائیاں بھی معاشرے میں جڑ پکڑ لیتی ہیں اور

خاص طور پر بچوں، نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں میں یہ برائی عام ہو جائے تو پھر سمجھ لیجئے کہ جھوٹ، چوری اور بداخلاقی ایسے جرائم کی حد و انتہا نہیں رہے گی۔

منشیات کا استعمال

بعض سگریٹ نوش، سگریٹ کے ذریعے چرس اور ہیروئن بھی پیتے ہیں، اس طرح سگریٹ نوشی منشیات کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے جس کے نتائج گھناؤنے ہوں گے۔

شرعی حیثیت

انسان جس طرح پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں جا سکتا اسی طرح ایک حقہ یا سگریٹ نوش کش لگا کر مسجد میں حاضری نہیں دے سکتا اور نہ ہی تمباکو نوشی کے فوراً بعد قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ہے۔

انسدادی تدابیر

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے ہاں سگریٹ نوشی کے انسداد کے لئے عوامی شعور کی تربیت کی جائے اس سلسلے میں حکومت کا بھی یہ فرض ہے:

۱۔ وہ تعلیمی اداروں، سرکاری دفاتر، پبلک مقامات پر سگریٹ نوشی ممنوع قرار دے۔
۲۔ ۲۵ سال سے کم عمر کا کوئی نوجوان اگر سگریٹ پیتا ہوا پکڑا جائے تو اسے معقول جرمانہ کیا جائے اور سزا دی جائے۔
۳۔ ٹیلیویژن، ریڈیو اور اخبارات میں سگریٹ نوشی کے اشتہارات بند کرا دیئے جائیں۔
۴۔ کوئی سگریٹ باہر سے نہ منگوایا جائے۔
۵۔ سگریٹوں کی قیمتیں بڑھا دی جائیں۔
۶۔ سگریٹ ساز اداروں کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ سگریٹ کے ہر پیکٹ پر "سگریٹ صحت کے لئے مضر ہے" لکھا جائے۔
۷۔ ڈاکٹر، حکیم، علماء کرام، سماجی اور رفاہی ادارے اس کے خلاف مہم چلائیں۔
۸۔ حکومت عام فہم لٹریچر شائع کرے۔
۹۔ سگریٹ نوشی کے خلاف ٹیلیویژن اور ریڈیو پر موثر پروگرام پیش کئے جائیں۔
۱۰۔ عورتوں کے لئے سگریٹ نوشی حکماً بند کر دی جائے۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے

چھوٹے نہ بندگی کہیں دامن خدائی کا
معراج ارتقائے بشر دیکھتا ہوں میں

انسانی فطرت

انسان کی فطرت ہے کہ جب تک اسے کوئی مسئلہ یا دشواری پیش نہ آئے وہ اس کے حل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے سلجھانے کی تدبیر سوچتا ہے۔ مگر جب اس کے سامنے کوئی دشواری آتی ہے تو وہ اس تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آخر بحد امکان اسے دور کر لیتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہر ایجاد اس وقت ہوتی ہے جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے۔

رہائش کا بندوبست

ابتدائی زمانے میں انسان وحشت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ دن سیر و شکار میں بسر کرتا اور رات کو کسی پہاڑ کی غار یا درخت کی کھوہ میں چھپ جاتا تھا۔ اسے ہر وقت درندوں سے خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ رات کی سردی اور دن کی چلچلاتی دھوپ سے اسے تکلیف ہوتی تھی۔ آندھی اور بارش اسے الگ ستاتی تھی۔ آخرکار اس نے شروع شروع میں دھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے گھاس پھونس کی جھونپڑیاں بنا لیں۔ یہ ایک چھوٹی سی ایجاد تھی جو ترقی کر کے عالیشان محلات، فلک بوس عمارات اور کوہ پیکر قلعوں کی شکل اختیار کر گئی۔

ذرائع آمد و رفت

جب انسان کو دور دراز مقامات تک سفر کرنے میں تکلیف ہوئی تو اس نے سواری کے لئے گدھوں، گھوڑوں اور اونٹوں کو سدھایا مگر منزل پر جلد پہنچنے کی خواہش میں کوئی کمی نہ آئی تو ریل، موٹریں اور ہوائی جہاز ایجاد کر لئے اور اب اس نے ایسے طیارے بھی ایجاد کر لئے جن کی رفتار آواز سے بھی تیز ہے۔

پیغام رسانی

پیغام رسانی کی ضرورت نے شروع میں قاصد دریافت کئے پھر محکمہ ڈاک وجود میں آیا۔ آج تار برقی لاسلکی، ریڈیو اور ٹیلیویژن سب اسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ اور آئندہ نہ جانے کیا کچھ ہو جائے۔

گھڑی کی ایجاد

ابتدائی زمانے میں انسان کے پاس وقت کم اور کام زیادہ تھا۔ شکار کے بعد وہ نہ جانتا تھا کہ کیا کرے مگر جب اس نے مدنی زندگی اختیار کی اور کاشت کاری میں مشغول ہوا تو متعدد تمدنی ادارے وجود میں آئے۔ اب وقت کم اور کام زیادہ ہو گیا تو اسے تقسیم اوقات کے لئے گھڑی کی ضرورت پیش آئی۔ اول دھوپ گھڑی ایجاد ہوئی پھر ریت اور پانی کی گھڑیاں بنائیں۔ آخرکار مشین سے وقت بتانے والی گھڑیاں ایجاد کر لیں۔

لذت کام و دہن

شکار کی کمی اور مردم شماری کے اضافے نے اسے کاشتکاری کی طرف متوجہ کیا۔ سردی کے احساس نے لباس بنوایا۔ بھوک اور لذت کام و دہن نے اول اشیائے خوردنی کو ابلوایا اور نمکین بنوایا۔ یہاں تک کہ پلاؤ، قورمہ، فرنی

اور اسی قبیل کے سینکڑوں کھانے ایجاد کیے ۔

تفریحات تفریح کی ضرورت نے اول کبڈی، آنکھ مچولی جیسے کھیل ایجاد کرائے یہاں تک کہ اب ہم اس شوق کو فٹ بال، ہاکی اور کرکٹ سے پورا کرتے ہیں۔ تھیٹر اور سینما سے اپنا دل خوش کرتے ہیں ۔

سینما اور فلم بینی جوں جوں انسان مہذب ہوتا جاتا ہے اس کی ضروریات بھی بڑھتی جاتی ہیں اور معاشرے کا نظام بھی پیچیدہ ہوتا جاتا ہے اور ایک ضرورت دوسری ضرورت کو پیدا کرتی ہے ۔ مثلاً شروع میں ایک سائنسدان میجک لینٹرن (جادو کی لالٹین) سے تصویریں دکھانا شروع کیں ۔ دوسرے نے سوچا اسے متحرک بنانا چاہیئے ۔ اس ضرورت کے تحت فلم بنائی گئی ۔ پھر ایسی ضرورت پیدا ہوگئی کہ ایسا کیمرہ ہونا چاہیئے جو متحرک تصویریں لے سکے ۔ پھر ایسی مشین بنانی پڑی جو فلم کو ایک خاص رفتار سے حرکت دے ۔ پھر ایسی عمارت کی ضرورت پڑی جس میں فلم دکھائی جائے ۔ اس عمارت میں جب ایک مجمع بیٹھتا ہے تو سانس سے ہوا مسموم ہوجاتی ہے ۔ لہٰذا ایسے پنکھوں کی ضرورت ہوئی جو ہوا کو باہر خارج کرے ۔ غرض ایک ضرورت دوسری ضرورت کی تولید کرتی ہے ۔

ایجادات ، ایک مسلسل عمل ایجاد کا عمل حالت امن اور جنگ دونوں میں جاری رہتا ہے پہلی صورت میں عیش و آرام اور زندگی کے لئے راحت بخش چیزیں ایجاد ہوتی ہیں ۔ بیماریوں کے علاج اور انسانی مصائب کا خاتمہ کرنے کی تدابیر سوچی جاتی ہیں مگر حالت جنگ میں جنگی آلات ایجاد ہوتے ہیں ۔ حملے اور دفاع کی تدابیر جاتی ہے اور وحشت و بربریت کی خوفناک شکل نظر آنے لگتی ہے ۔

محنت کی برکتیں

مشقت کی ذلت جنہوں نے اٹھائی
جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی

محنت کی عظمت لڑکپن میں ہر ایک نوجوان کی طرح ہمیں بھی پرانی داستانیں پڑھنے کا شوق تھا جس میں ایک سبز پوش بزرگ ہیرو کو اسم اعظم سکھایا کرتے تھے ۔ جس کی بدولت ہیرو کی ہر مشکل آسان ہو جاتی تھی ۔ وہ قصے پڑھتے ہوئے یہ آرزو دل میں چٹکیاں لیا کرتی تھی کہ کاش وہ اسم اعظم ہمیں بھی معلوم ہو جائے ۔ عملی دنیا میں

قدم رکھتے ہی وہ اسم اعظم ہمیں بھی مل گیا۔ لیکن اس کا نام "محنت" تھا محنت ہی دراصل وہ اسم اعظم ہے جو انسان کی زندگی میں ہر مشکل کا حل پیش کر دیتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "محنت کار اللہ تعالیٰ کا دوست ہے" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کماتا ہے۔

محنت کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ اسے کچھ عطا فرمائیں۔ حضورؐ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا ایک کمبل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "اسے بیچ کر ایک رسی اور کلہاڑی لے آؤ۔ رسی اور کلہاڑی لے کر جب وہ شخص واپس آیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹو، اس رسی میں باندھو اور جا کر بازار میں بیچ دو۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میرے پاس آنا" کچھ دنوں کے بعد وہ شخص دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور کہنے لگا "حضورؐ! آپ نے مجھے بہت اچھا راستہ دکھایا۔ بھیک مانگنے کی بجائے اب میرے پاس اپنی محنت کے سبب بہت سے روپے جمع ہو گئے ہیں۔ سچ ہے محنت میں عظمت اور برکت ہے۔

اسلام سے پہلے سردار، حاکم اور بڑے لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار سمجھتے تھے۔ وہ بس حکم چلانا جانتے تھے لیکن حضورؐ نے اس قبیح عادت کو ختم کیا اور خود اپنے ہاتھوں سے کام کر کے اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ ظاہر ہے حضورؐ کا مرتبہ خدا کے بعد سب سے بڑھ کر ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کام اور محنت کرنے کو عار نہ سمجھا تو ہم ایسا کیوں سمجھیں؟

شیوۂ پیغمبری

تاریخ اسلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت انبیاء کرامؑ اپنے کام خود کرتے تھے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کھیتی باڑی کرتے تھے حضرت ادریسؑ کپڑے سیتے تھے۔ حضرت نوحؑ نے کشتی بنائی۔ حضرت ہودؑ تجارت کرتے تھے حضرت ابراہیمؑ کھیتی باڑی کرتے تھے حضرت یعقوبؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ بھی کاشتکاری کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ زرہ بناتے تھے۔

حضورؐ کی عملی زندگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ وہ محنت کے عظیم پیکر تھے۔ آپ تبلیغ اسلام اور انسانی فلاح و بہبود کے دوسرے پاکیزہ مقاصد کے لئے شب و روز محنت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی کام بھی خود انجام دیتے تھے۔ مثال کے طور پر کپڑوں کو پیوند لگاتے اور اپنے جوتے خود مرمت فرماتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کا ہاتھ بٹایا اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی کے کام میں بھی آپ اپنے صحابہ کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔

ہمارے اسلاف کی پاکیزہ زندگیاں

ہمارے اسلاف کی پاکیزہ زندگیوں میں بھی اپنے

کام خود انجام دیتے ۔ دبدبہ رکھنے کے باوجود اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں دوسروں کی مدد قبول نہ کرتے تھے۔ کسی محتاج کا حال معلوم ہوتا تو اناج کی بوری اپنی کمر پر اٹھا کر پہنچاتے۔ باہر سے کوئی قافلہ اگر مدینہ میں ٹھہرتا تو اس کی حفاظت کے لئے خود پہرہ دیتے ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق یہ واقعہ تاریخ میں آیا ہے کہ ایک رات وہ کچھ سرکاری کاغذات دیکھ رہے تھے کہ کام کرتے کرتے چراغ کا تیل ختم ہو گیا۔ اتفاق سے ان کے پاس ایک مہمان بیٹھے تھے۔ آپ تیل لانے کے لئے اپنی جگہ سے اُٹھے تو مہمان نے کہا، یا امیر المومنین ! آپ تشریف رکھیں میں چراغ میں تیل ڈال دیتا ہوں۔" آپ نے جواب دیا۔ میں اس کام کے لئے مہمان کو تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ مہمان نے کہا" اگر آپ مجھے تکلیف نہیں دینا چاہتے تو پھر اپنے کسی غلام یا کنیز کو حکم دیجئے کہ وہ چراغ میں تیل ڈال دے۔" امیر المومنین نے فرمایا۔ کنیزیں اور غلام دن بھر کے تھکے ہوئے سو گئے ہیں۔ میں اپنے ذاتی کام کے لئے ان کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔" مہمان یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی جگہ سے اٹھے اور جا کر چراغ میں تیل ڈال لائے اور اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے مہمان سے کہا کہ میں اٹھتے وقت بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور آ کر بیٹھتے وقت بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں اپنا کام کرنے میں میری عزت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

عظیم انسانوں کا شیوہ

دنیا میں جتنے بھی عظیم لوگ گزرے ہیں، انہوں نے زندگی میں سخت محنت اور زبردست جدوجہد کی۔ ان عظیم انسانوں نے بے شمار سختیاں برداشت کیں اور پھر کہیں جا کر اس قابل ہوئے کہ عظمت و عزت کے پرچم کو چھو سکیں۔ بقول مولانا حالی ؎

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

امریکہ کا پہلا صدر ابراہام لنکن راتوں کو لکڑی جلا کر اس کی روشنی میں مطالعہ کرتا تھا۔ امریکہ کا ہی صدر لنڈن جانسن ایک نائی کی دوکان پر بوٹ پالش کرتا تھا۔ انگلستان کا وزیراعظم چرچل اپنے جوتے مرمت کر لیا کرتا تھا۔ دور کیوں جائیں خالق پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کو دیکھ لیں۔ وہ رات کو بہت دیر تک پڑھتے رہتے تھے۔ ایک رات جب ان کی بہن نے بہت رات گئے تک پڑھتے رہنے سے منع کیا تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ اگر میں محنت سے پڑھوں گا نہیں تو بڑا آدمی کیسے بنونگا؟

شرف آدمیت

جو لوگ محنت سے جی چراتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کاموں کو خود انجام دینا عار سمجھتے ہیں وہ کم ظرف ہونے کے ساتھ ساتھ احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو وہ دوسروں سے کام لے کر اس خوش

فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہم بڑے آدمی ہیں۔ حالانکہ بڑا آدمی وہ ہے جو اپنے طرزِ عمل سے کسی کے لئے پریشانی اور تکلیف کا باعث نہ بنے۔

احساس ذمہ داری کی ضرورت

انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں حکومت کا دبدبہ قائم رکھنے کے لئے ہندوستانی عوام اور افسروں کے درمیان ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہر قیمت پر رکھا۔ صاحب لوگ غلط قسم کے احساس برتری کی وجہ سے اپنے چھوٹے چھوٹے کام ذاتی محنت سے انجام دینا اپنی ہتک خیال کرتے تھے۔ اس لئے معاشرے میں آہستہ آہستہ یہ رجحان عام ہو گیا کہ اپنے ذاتی کام خود کرنے کی بجائے دوسروں سے کروانا ہی عزت کا حقیقی معیار ہے۔ اس غلط روش کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بعض کام ہماری نظر میں گھٹیا اور بعض اونچے درجے کے ہیں۔ مثلاً جوتے گانٹھنا، نہر کی کھدائی کرنا، سڑک کاٹنا، کارخانے میں کام کرنا اور کاشتکاری کرنا گھٹیا قسم کے کام ہیں اور ان کے مقابلے میں افسری، ٹھیکیداری، انجینئری اور ڈاکٹری وغیرہ اونچے درجے کے کام سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ اگر جوتے گانٹھنے والا جوتے نہ گانٹھے، سڑک کاٹنے والا دوپہر کی جلتی دھوپ میں سڑک نہ کوٹے، فیکٹری کا مزدور فیکٹری میں کام نہ کرے اور کسان ہل نہ چلائے تو معاشرے کا سارا نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔

محنت کا شیریں ثمر

اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ ارشادِ ربانی ہے "انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔" جو کوئی محنت کرتا ہے اسے اس کا پھل ضرور ملتا ہے۔

یوں تو محنت کی ضرورت دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے، مگر اس کی ضرورت اور اہمیت حصولِ تعلیم کے سلسلے میں دوچند ہو جاتی ہے کہ یہی ایک چیز دنیا میں ایسی ہے جو دولت سے خریدی نہیں جا سکتی۔ بلکہ اس کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ شوق اور محنت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ شوق جتنا تیز ہوگا اور محنت جتنی زیادہ ہوگی۔ اس میدان میں کامیابی اتنی ہی بڑی اور اتنی ہی اہم ہوگی جو لوگ لکھنے پڑھنے میں دلچسپی نہیں لیتے اور خاطر خواہ محنت نہیں کرتے انہیں کامیابی کی قطعاً امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ دنیا اپنی تاریخ میں کوئی ایسا معجزہ نہیں کر سکتی کہ کوئی شخص علم کے میدان میں بغیر محنت کے آگے بڑھ گیا ہو۔

تعمیر اخلاق اور روحانی پاکیزگی

محنت اور مشقت کے تعمیری پہلو کی اہمیت تو مسلم ہے ہی۔ اس سے تعمیر اخلاق میں بھی مدد ملتی ہے۔ جن کاموں کے لئے سخت قسم کی جسمانی یا ذہنی مشقت درکار ہوتی ہے، انہیں انجام دیتے ہوئے انسان ذہنی طور پر کچھ اس طرح مصروف رہتا ہے کہ کوئی بری سوچ اس کے قریب نہیں پھٹکنے پاتی۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مصلحین نے کام کو عبادت کا درجہ دیا ہے ۔

انسانی ترقی کا سربستہ راز تخلیق آدم سے لے کر اب تک انسان نے ارتقاء کی جو منزلیں طے کی ہیں وہ سب محنت ہی کا ثمر ہے اسے جسم و روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس نے اپنی معاشرتی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سخت سے سخت محنت کی ہے ۔ اس نے اپنے عزم آہنی سے کام لیکر پہاڑوں کے جگر چیرے ہیں ۔ اس کی سخت کوشی اور عرق ریزی نے صحراؤں کو سبزہ زاروں اور خوبصورت شہروں میں تبدیل کر کے خدا کی زمین کو جنت کا نمونہ بنا دیا ہے ۔ الغرض آج انسانی ترقی کے جو مظاہر ہمارے سامنے ہیں وہ اس کی صدیوں کی محنت و مشقت کا صلہ ہیں ۔

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا   روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

گداگری

مانگنے والا گدا ہے ، صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا

معنی اور مفہوم کسی سے کچھ مانگنا اور اس کے عوض اس کی جائز خدمت نہ کرنا گداگری کہلاتا ہے ۔

گداگری کے مختلف طریقے گداگری کے سینکڑوں صورتیں ہیں ۔ اور گداگروں کے بیسیوں طبقے ہیں ۔ کوئی فریاد کر کے مانگتا پھرتا ہے ۔ کوئی گانا گا کر اس کے بعد کچھ مانگ لیتا ہے ۔ کوئی اپنی بے کسی کا واسطہ دے کر کچھ طلب کرتا پھرتا ہے ۔ کوئی اپنے آپ کو پردیسی ظاہر کر کے گھر پہنچنے کے لئے کرایہ کے بہانے پیسے جمع کرتا پھرتا ہے ۔ کوئی کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے لئے روپیہ بٹورا کرتا ہے ۔ غرضیکہ ہر گداگر نے اپنی سمجھ اور اہلیت کے مطابق ایک طریقہ اختیار کر رکھا ہے ۔

گداگری کی ابتداء ان مانگنے والوں میں کچھ پیشہ ور ہوتے ہیں اور کوئی مجبور حالات کی ستم ظریفی بڑے بڑے خودداروں کو بھی دست سوال دراز کرنے پر مجبور کر دیتی ہے ۔ جو لوگ جسمانی یا دماغی طور پر روزی کمانے کے قابل نہ ہوں یا جنہیں معمولی سی قابلیت رکھنے کے باوجود ایسے ذرائع نہ دستیاب ہو سکتے ہیں ۔ ان کا اتنا قصور نہیں ہوتا جتنا کہ اس ماحول اور معاشرے کا ہوتا ہے جو انہیں گداگر بننے پر مجبور کر دیتا ہے اور

ہو ان کی مناسب امداد اور دستگیری نہیں کرتا۔ حکومت کا قصور یہ ہوتا ہے۔ جو محتاج خانے نہیں کھولتی یا ان کے لئے مناسب وظائف مقرر نہیں کرتی۔ ان کے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ مذہب اسلام نے ایسے ہی افراد کی امداد کے لئے زکوٰۃ کا اہتمام کیا ہے اور سختی کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ اپنی حلال کمائی سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دیا کرو۔

پیشہ ور بھکاری

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آج کل کچھ لوگوں نے تن آسانی کی وجہ سے بھیک مانگنے کو ایک منظم پیشہ کے طور پر اپنا لیا ہے اور ہٹے کٹے لوگ بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ کام چور ہوتے ہیں اور بھیک کے ذریعے وہ دن میں معقول روپیہ کما لیتے ہیں بغیر محنت کے جسے معقول آمدن ہو جائے اسے محنت کی ضرورت ہی کیا؛ نتیجہ یہ ہے کہ آج کل بھکاریوں کی اکثریت پیشہ ور ہے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا گداگری کو پھیلانے کے مترادف ہے۔

ہمارا مذہبی رویہ اور گداگری کی حوصلہ افزائی

برصغیر پاک و ہند کی مذہبی ذہنیت بھی گداگروں کی ہمت افزائی کا باعث ہوتی ہے۔ ان ملکوں میں ہندو بیراگی اور سادھوؤں کو مہاتما سمجھتے ہیں اور مسلمان ہر درویش صورت شخص کو مافوق البشریت قوتوں کا مالک خیال کرتے ہیں اس لئے ان کی خدمت کرنے کو ثواب اور دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا باعث تصور کرتے ہیں۔ عوام یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ جو فقراء حقیقی طور پر بلند روح کے مالک ہیں جنہوں نے تزکیۂ نفس، صفائی باطن اور پاکیزگی اخلاق کو اپنا شعار بنایا ہے، وہ مالِ دنیا کے لئے دستِ سوال دراز نہیں کرتے، بہرحال ہماری اس ذہنیت نے ہر پیشہ ور بھکاری کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ دعا دے کر ایسے لوگوں کی جیب سے بھی پیسہ نکالے جو خود نان شبینہ کو محتاج ہوتے ہیں۔

گداگری کے ادارے

ایسا بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض شقی القلب لوگ گداگری کے ادارے کھولے ہوئے ہیں اور انہیں تجارتی اصول پر چلاتے ہیں۔ یہاں بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو لنگڑا، لولا بننا اور لرزنا سکھایا جاتا ہے انہیں دو وقت کھانا اور رات کو آرام کرنے کے لئے بستر بھی مہیا کرتے ہیں۔ اس کے معاوضہ میں ان گداگروں سے ان کی کمائی کا بڑا حصہ وصول کر لیا جاتا ہے۔

ایک ذاتی تجربہ

ایک دفعہ سرِ شام قلعہ گوجر سنگھ کے باہر میں ایک صاحب سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک بھکاری آیا جس کے ہاتھ پاؤں میں لرزہ تھا مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور حسب توفیق کچھ دیا جب وہ جانے لگا تو میری نگاہ اس

کا تعاقب کر رہی تھی۔ میں افسوس کر رہا تھا کاش میں اس کی کچھ اور مدد کر سکتا مگر میری حیرت کی کچھ حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ چند قدم چلنے کے بعد وہ بالکل تندرست آدمیوں کی طرح قدم اٹھانے لگا۔

گداگری کے نقصانات

گداگری قوم کے افراد کو اجتماعی طور پر بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ یہ افراد کے اندر غیرت و حمیت کو ختم کر دیتی ہے، مستعدی اور کام کرنے کی صلاحیت برباد کر دیتی ہے۔ قوموں کی ذہنی صلاحیتوں کو یکسر موقوف کر دیتی ہے۔ سستی، سہل، انگاری اور دولت کی ہوس بڑھ جاتی ہے۔ اخلاقی اور نفسیاتی جرائم عام ہو جاتے ہیں۔ انسان گھٹیا اور ذلیل عادات کا غلام ہو جاتا ہے۔ انسانی رشتے اور اخلاقی اقدار پامال ہو جاتی ہیں۔ انسان، انسان کا دست نگر ہو جاتا ہے۔ اجتماعی طور پر معاشرہ غیروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر عزت نفس ختم ہو جاتی ہے۔ انسان خالق حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سہارا اور رازق سمجھ بیٹھتا ہے اور اس طرح انسان اللہ تعالےٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسلام میں گداگری کی مذمت

اسلام میں جس قدر گداگری کی مذمت کی گئی ہے اتنی کسی اور مذہب میں نہیں کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"اے مسلمانو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ احکام الٰہی بجا لاؤ اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔"

یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہؓ سے اگر سواری کی حالت میں کوڑا گر جاتا تھا تو وہ اس خیال سے کہ کہیں یہ بھی سوال میں داخل نہ ہو، کسی راہ چلتے سے اپنا کوڑا اٹھانے کیلئے بھی نہیں کہتے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا "ہم میں سے جو شخص اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے اور وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پشت پر لائے اور اس کو فروخت کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت رفع کرے یہ اس کے حق میں بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے۔ پھر وہ اس کو دیں یا دھتکار دیں۔

گداگری کا سدّباب

مندرجہ ذیل تجاویز کو بروئے کار لا کر گداگری جیسے قبیح پیشے پر بڑی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

۱۔ ہمیں یہ عہد کر لینا چاہیے کہ کسی غیر مستحق کو کسی صورت میں بھی امداد نہیں دی جائے گی خود بھی اس پر عمل کیا جائے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کی جائے۔

۲۔ علماء اور واعظین کا فرض ہے کہ نہایت جرأت، دلیری اور آزادی کے ساتھ سوال کرنے

کی مذمت احادیث نبویؐ کی روشنی میں کریں ۔اسراف اور فضول خرچی کی برائیاں بھی۔ جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ۔لوگوں پر واضح کریں ۔

۳۔ عورتوں کو جو ہر فقیر کی آواز کو غیب کی آواز سمجھتی ہیں ،ان کے مکروہ فریب سے آگاہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ انہیں صدقہ و خیرات دینے سے باز رہیں ۔

۴۔ حکومت اور معاشرے کا فرض ہے کہ وہ بھکاریوں کو مختلف دستکاریوں ،کاروبار اور روزگار میں لگائیں تاکہ گداگری کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے ۔

۵۔ اخبارات ،ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے گداگری کی مذمت کی جائے ۔

۶۔ گداگروں کو محنت اور کام کرنے کی ترغیب دی جائے ۔

۷۔ جو گداگر بدقماش ،چور اچکے اور بچوں کو اغواء کرنے والے ہیں ۔انہیں عبرتناک سزائیں دی جائیں ۔

سیلاب اور اس کی تباہ کاریاں

سیلاب کیا ہے؟ سیلاب .....؛ سیل آب" کا مرکب ہے یعنی پانی کا طوفان بعض دفعہ بارشوں کی وجہ سے دریاؤں یا نالوں میں پانی کی سطح اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ پانی دریاؤں اور نالوں کے کناروں سے باہر نکل کر دور دور تک پھیل جاتا ہے ۔پانی کے اس تیز ریلے کو جو کناروں سے باہر نکلتا ہے ۔سیلاب کہتے ہیں ۔سیلاب عموماً موسم گرما میں ان مہینوں میں آتے ہیں جب برسات شروع ہو جاتی ہے ۔

انسان کی بے بسی پانی دنیا کے چار عناصر میں سے ایک ہے ۔جس پر قابو پانا انسان کے بس کی بات نہیں ۔آب و خاک آتش و باد میں سے کوئی ایک چیز بھی غضب میں آجائے تو انسان کی ساری سائنسی ترقی دھری کی دھری رہ جاتی ہے ۔ سیلاب بھی چونکہ پانی کی غضبناکی کا دوسرا نام ہے ۔اس لئے اس سے بھی رب پناہ مانگتے ہیں انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنے احکامات سے بغاوت کرنے والوں کو سزا دینے کے لئے پانی ہی سے کام لیا" طوفان نوحؑ اسی کا نام تھا ۔

عذاب الٰہی آج کے ترقی یافتہ سائنسی دور میں بھی جب مختلف ممالک میں سیلاب سے تباہ کاریاں ہوتی ہیں تو بڑے بڑے مادہ پرست بھی اللہ سے پناہ مانگتے نظر آتے ہیں اور اس کو خدا یا بھگوان کی ناراضگی کی علامت سمجھتے ہیں ۔پنڈت نہرو کے زمانے میں ایک مرتبہ آسام میں بڑے پیمانے پر طغیانی آئی اور تباہی پھیلی تو نہرو نے کہا تھا ۔

"معلوم ہوتا ہے میگھ دیوتا ہم سے ناراض ہو گئے ہیں" خدا پرست بندے تو ہمیشہ ہی سے سیلاب کو اللہ کا غضب کہتے رہتے ہیں۔

ارشادِ ربانی

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور اصول ہے کہ وہ انسانوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ کون اس کا شکر گزار بندہ ہے۔ اور کون اس کی ناشکری کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور صابروں کو خوشخبری دے دو"

سیلاب کے نقصانات

سیلاب جہاں کہیں بھی آتا ہے۔ تباہی پھیلا دیتا ہے۔ یہ تباہی کتنی ہی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ زرعی ممالک میں کھڑی فصلیں دریا برد ہو جاتی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کھیتوں کے علاوہ مکانوں کو بھی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ پریشان اور خوفزدہ مرد عورتیں اور بچے مکانوں کی چھتوں پر پناہ لیتے ہیں۔ لیکن غریبوں کے مکان بھی کچے ہوتے ہیں اور چھتیں بہت نیچی۔ پانی گھروں میں گھس کر دیواروں کو گرانا شروع کر دیتا ہے۔ چشم زدن میں ہنستے مسکراتے پھول جیسے بچے پانی میں ڈوب کر مچھلیوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔ مردوں، عورتوں کی لاشیں جانور اور ہر جاندار چیز بے جان ہو کر پانی پہ بہتی نظر آنے لگتی ہے۔

دریاؤں کے کنارے آباد شہروں میں سیلاب کی تباہ کاریاں دیہات سے زیادہ ہولناک ہوتی ہیں۔ شہروں کی سڑکیں نہروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ طوفانی موجوں میں انسانوں کے ساتھ ان کے لوازمات تانگے، گھوڑے، بیل، بھینس، بکریاں، موٹر سائیکلیں، کاریں وغیرہ تمام کی تمام غوطے کھاتی نظر آتی ہیں۔ کچے مکان مع سامان کے سیلاب میں بہنے لگتے ہیں۔ کچے مکانوں میں رہنے والے بھی خود کو کشتی نوح کے مسافر محسوس کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی ساری چیزیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ میدان حشر کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ماں باپ، اولاد کو۔ اولاد والدین کو اور جگری دوست اپنے دوستوں کو بھول جاتے ہیں۔ نفسا نفسی کا عالم ہوتا ہے۔ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہوتی ہے۔

وبائی امراض

مصائب کا یہ سلسلہ انہیں باتوں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جن علاقے میں سیلاب آتا ہے وہاں رطوبت بڑھ جاتی ہے۔ بیماریوں کے جراثیم بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں۔ طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں۔ ہیضہ پھیلنے لگتا ہے۔ بھوک پیاس کے مارے ہزاروں افراد ہیضہ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ شہروں میں نکاسیٔ آب کا کام ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ ہر طرف گندگی اور غلاظت کے ڈھیر نظر آنے لگتے ہیں۔ گلی کوچوں میں چھوٹے چھوٹے تالاب

سے بن جاتے ہیں جن میں مچھروں کی فوج پروان چڑھتی ہے اور بستی کے لوگ ملیریا بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں

قحط اور اشیائے ضرورت کی گرانی

سیلاب میں بہت سا غلہ اور ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء ضائع ہو جاتی ہیں جس سے قحط کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ روزمرہ استعمال کی چیزیں اور آمد کرنی پڑتی ہیں اور اس طرح اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

لیکن اس خوفناک تصویر کا ایک خوشگوار پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ سیلاب جہاں کھیتوں کو اجاڑتا اور کھڑی فصلوں کو تباہ کرتا ہے۔ وہاں دور دور تک زمین کو سیراب بھی کر جاتا ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ فصلیں اچھی ہونے لگتی ہیں۔ بعض اوقات بہت سی ڈوبی ہوئی چیزیں بھی اُبھر آتی ہیں۔

مگر یہ فوائد ان نقصانات اور تکالیف کے مقابلے میں بہت کم ہیں جن کا سامنا لوگوں کو سیلاب کے دوران کرنا پڑتا ہے۔

امدادی کارروائیاں

اسی پریشانی اور مصیبت کے عالم میں حکومت مصیبت زدگان کی ہر ممکن امداد کرتی ہے۔ ان کو کھانے کی چیزیں پہنچاتی ہے۔ پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ اور زخمیوں کو مرہم پٹی اور طبی امداد بھی دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے مصیبت زدگان جن کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ جن کے مکان گر جاتے ہیں حکومت ان کے لئے گرانٹ منظور کرتی ہے۔ ان کا مالیہ معاف ہو جاتا ہے۔ حکومت ان کو قرضے دیتی ہے جو آسان قسطوں کے ذریعے واپس کئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں سیلاب

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کو بھی کئی بار سیلاب کی تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۵۰ء میں دریائے راوی اور چناب میں سیلاب آیا دریائے سندھ میں ۱۹۵۵ء میں سیلاب آیا جس نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ۱۹۵۸ء میں جہلم اور چناب میں زبردست طغیانی آئی۔ ۱۹۷۳ء کا سیلاب بہت شدید تھا جس کی وجہ سے بہت سا مالی اور جانی نقصان ہوا۔ اس طرح ۱۹۸۸ء کا ملک گیر سیلاب اپنی شدت اور ہولناکی کے اعتبار سے تمام سیلابوں پر بازی لے گیا۔ بنگلہ دیش (مغربی پاکستان) تو ہمیشہ سے سیلابوں کی زد میں رہا ہے۔

سیلابوں کی روک تھام

ملکی تعمیر و ترقی کے لئے سیلابوں سے بچاؤ اور روک تھام کے لئے حکومت مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کر رہی ہے۔

۱. اطلاعاتی مراکز کا قیام

سیلاب کے متوقع خطرے کے پیش نظر حکومت متاثرہ علاقوں کے لوگوں کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے اطلاع پہنچا دیتی ہے تاکہ وہ جلد از جلد محفوظ مقامات پر پہنچ جائیں۔

۲. سیلاب کا محکمہ

حکومت نے سیلاب کی روک تھام کے لئے ایک الگ محکمہ قائم کر رکھا ہے جو سیلاب کی تباہ کاریوں سے علاقوں اور انسانوں کو بچانے کے لئے منصوبے بناتا ہے اور اپنی تجاویز حکومت کو پہنچاتا ہے۔

۳ حکومت ہند سے رابطہ

چونکہ ہمارے زیادہ تر دریاؤں کے سرچشمے بھارتی علاقوں میں ہیں اس لئے ہماری حکومت سیلاب کے دنوں میں بھارت سے رابطہ قائم کرنے کے انتظامات کرتی ہے۔ تاکہ دریاؤں کے بہاؤ میں کمی بیشی کا پہلے سے اندازہ ہو سکے۔

۴ پشتوں اور بندوں کی تعمیر

سیلاب کے نپٹنے کے لئے ایک تدبیر یہ ہے کہ دریاؤں کے ساتھ ساتھ بند اور پشتے باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ سیلاب کا پانی وہیں رک جائے اور آبادیوں تک نہ پہنچ جائے۔ اس سے اہم ترین مقامات کی حفاظت میں بھی مدد ملتی ہے۔

۵. ڈیم کی تعمیر

دریائے جہلم پر منگلا بند اور دریائے سندھ پر تربیلا بند کی تعمیر کے بعد دونوں دریاؤں کی تباہ کاریوں میں کافی کمی آگئی ہے۔ یہ ڈیم فالتو پانی کو جمع کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان سے بجلی بھی حاصل ہوتی ہے۔

۶. تالابوں کی تعمیر

حکومت بارش کے پانی کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑے بڑے تالاب تعمیر کر رہی ہے تاکہ تالابوں کے جمع شدہ پانی کو کھیتی باڑی کے لئے استعمال کیا جا سکے۔

۷ دریائی جنگلات

حکومت دریاؤں کے کناروں پر جنگلات لگانے پر خصوصی توجہ دے رہی ہے تاکہ سیلاب کے زور کو توڑا اور کم کیا جا سکے۔

اتحاد

مفہوم

اتحاد کا مطلب ہے متحد رہنا۔ دنیا کا تمام نظام اتحاد پر قائم ہے۔ خواہ کوئی خاندان ہو یا کوئی قوم۔ ملک ہو یا اس کی کوئی وسیع تر کوئی شکل جب تک باہمی اتحاد

اور اتفاق نہ ہوگا۔ ترقی نہیں ہوگی۔ مشہور ہے، اتفاق میں طاقت ہے۔ درحقیقت اتحاد اور اتفاق دو ہم معنی الفاظ ہیں جو طاقت کا ذریعہ ہیں: "ایک اور ایک دو گیارہ"۔ ایک مشہور مثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک زندہ رہتا ہے تو ایک ہی رہتا ہے جیسے (1) لیکن جب دو ایک (11) یکجا اور متحد ہو جاتے ہیں۔ تو یہ گیارہ بن جاتے ہیں۔ جو ایک کے مقابلے میں کئی گنا بڑا عدد ہے۔

اتحاد اور اتفاق کی برکات

دنیا کی ہر چیز اتفاق اور اتحاد کی وجہ سے قائم اور برقرار ہے جب مفرد اشیاء خاص تناسب سے باہم مل جاتی ہیں تو ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے مثلاً مکان جس میں ہم رہتے ہیں، اینٹ سیمنٹ اور لوہے وغیرہ سے بنا ہے اینٹیں جب باہم مل جائیں تو ایک نئی چیز کے سانچے میں ڈھل گئیں۔ یعنی دیواریں بن گئیں۔ جب دیواروں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا ہوا تو وہ چاردیواری کی صورت میں ہمارے سامنے آئیں۔ اسی طرح جب سریا اور سیمنٹ یکجا ہوا تو چھت بن گئی۔ اور اس طرح مختلف مفرد اشیاء کے اتفاق سے ایک خوبصورت مکان بن گیا جو ہمیں آرام بھی دیتا ہے سکون بھی اور ہماری حفاظت بھی کرتا ہے۔

اسی طرح اپنے گرد و پیش کی چیزوں پر نظر ڈالیں۔ آپ کو اس میں اتفاق و اتحاد کا کرشمہ نظر آئے گا۔ یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی شیرازہ بندی اتفاق و اتحاد ہی کی بدولت ہے۔ آپ نے جو لباس زیب تن کر رکھا ہے یہ بھی باریک باریک تاروں کے اتفاق سے تیار ہوا ہے۔ شہد کی مکھیاں اجتماع و اتفاق کی بہترین مثال ہیں وہ مل کر شہد اکٹھا کرتی ہیں، گھر بناتی ہیں۔ بچے دیتی ہیں۔

ہماری نظروں کے سامنے فصلوں کے لہلہاتے کھیت ہیں۔ کسان صبح و شام محنت کرتا ہے۔ جب فصل پکتی ہے تو وہ پودا پودا اکٹھا کرتا ہے جس کے خوشوں سے دانہ دانہ نکالتا ہے۔ یہ دانہ دانہ مل کر گندم جو، مکئی، چنے اور دوسری اجناس کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اگر دانوں کا یہ اجتماع موجود نہ ہو تو غلے کا ڈھیر کیسے لگتا۔

ایک حکایت

ایک پرانی کہانی ہے۔ کئی بار پڑھی اور سنی ہے۔ لیکن یہ کہانی اپنے اندر اتفاق کا ایک ایسا سبق لئے ہوئے ہے جس پر عمل کرنے سے افراد متحد ہو کر ایک قوم بن جایا کرتے ہیں اور پھر دشمن ان پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ کہتے ہیں ایک کسان بیمار ہوا جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور کہا" ایک ایک چھڑی لے آؤ" وہ لے آئے۔ اس نے ایک بیٹے کو کہا کہ ان کو توڑ دو اس نے ایک ایک کر کے سب کو توڑ دیا اس نے پھر کہا ایک ایک چھڑی اور لاؤ۔ وہ لے آئے۔ اس نے کہا ان سب کا ایک گٹھا بنا دو۔ پھر اس نے کہا کہ گٹھے کو سب مل کر زور لگا کر توڑ دو لیکن وہ توڑ نہ سکے۔ اب اس نے کہا۔ اگر تم اکیلے اکیلے ہو گے تو مٹ جاؤ گے۔ لیکن جب اس گٹھے کی طرح متحد ہو جاؤ گے تو تمہیں کوئی طاقت نہ مٹا سکے گی۔ بقول اقبالؒ

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اسلامی تعلیمات اور اتحاد

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اپنے اندر اتحاد و مساوات اور ربط باہمی کے ایسے پہلو لئے ہوئے ہیں جن پر عمل کرنے سے قومیں سرفراز ہوتی ہیں۔ نماز باجماعت اتفاق کا ایک عمدہ مظاہرہ ہے۔ اسی طرح جمعہ کی نماز اور عیدین کی نمازیں اپنے اندر اتفاق، مساوات اور اتحاد کی ایک ایسی دنیا لئے ہوئے ہیں جس کی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ حج اتفاق کا ایک عالمگیر مظاہرہ ہے اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ کی رسی (یعنی دین) کو باہم مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑھو"

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے جو جماعت سے الگ رہا وہ تباہ ہوا۔ جو بکری ریوڑ سے الگ ہو گی، بھیڑیے کی خوراک بن گئی"۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "مسلمانوں کی مثال ایک جسم واحد کی سی ہے، اگر اس کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے"۔ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا: "مسلمانوں کی مثال ایک دیوار یا عمارت کی ہے، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی تقویت کا باعث بنتی ہے"۔

قومی اتحاد

قوم افراد کے مجموعے کا نام ہے جو کسی ایک ملک کے باشندے ہوں اور ایک ملت سے وابستہ ہوں۔ جس علاقے کے رہنے والے لوگ ہوں اسی لحاظ سے ان کی قومیت متعین ہو گی۔ یہ قوم کا مغربی تصور ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک دنیا کے تمام مسلمان ایک ہی ملت سے وابستہ ہیں اور قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ محدود معنوں میں قومی اتحاد سے مراد پاکستانی قوم کا اتحاد مراد لیا جا سکتا ہے۔

فرد اور ملت کا تعلق

فرد کا قوم کے ساتھ وہی تعلق ہے جو قطرے کا دریا کے ساتھ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے فرد اور ملت کے تعلق کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ "جب کوئی فرد کسی منظم انسانی گروہ کے ساتھ ایک جزو کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے تو اس کا وجود دنیا کو محسوس ہوتا ہے لیکن جس وقت وہ اپنے تعلقات قوم سے منقطع کر لیتا ہے اور محض انفرادی حیثیت سے زندگی بسر کرتا ہے تو اس کا وجود کوئی قوت نہیں رکھتا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اس فلسفہ کو علامہ اقبال نے ایک اور جگہ یوں واضح کیا ہے۔

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے

ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے

یعنی اگر شجر سے کوئی شاخ ٹوٹ جائے تو پھر وہ بہار میں بھی سرسبز نہیں ہو سکتی۔ فرد بھی اگر قوم سے رشتہ منقطع کرے تو اس کی انفرادی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرد کو ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھنا چاہئے

تاریخی شواہد

تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمان ایمان کی حرارت اپنے سینوں میں لئے ہوئے متحد ہو کر عرب کے ریگزاروں سے اٹھے تو انہوں نے روم و ایران جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو الٹ کر رکھ دیا۔ ان کے لوہے نے ہر لوہے کو کاٹا۔ انہیں ہر میدان میں کامیابی حاصل ہوئی، دنیا پر ان کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا۔ کوئی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام دنیا پر چھا گئے۔

لیکن جب مسلمانوں کی ایمانی قوت کمزور ہو گئی اور وہ اختلاف و انتشار کا شکار ہو گئے تو ان کی ہوا اکھڑ گئی، مخالف قوتیں ان پر غالب آگئیں اور وہ محکوم و مغلوب ہو کر رہ گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ محض اس لئے کہ ہم نے اتحاد کا سبق فراموش کر دیا اور باہم دست و گریبان ہو کر رہ گئے۔ غیروں کی سازشیں اور اپنوں کی غداریاں رنگ لائیں اور امت مسلمہ کو یہ روز سیاہ دیکھنا پڑا کہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رہ گئی۔

کامیابی کا راستہ

اب ہماری کامیابی اور سرخروئی کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم پہلے تو اپنے اندر ایمان کا جذبہ پیدا کریں اور پھر اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور دشمن کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ سید جمال الدین افغانی اور علامہ اقبالؒ جیسے اکابرین اتحاد کے زبردست علمبردار تھے۔ انہوں نے عالم اسلام کو یہی دعوت اور پیغام دیا کہ وہ پھر سے متحد و یکجا ہو کر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیں۔

پاکستان کا قیام

یہ اتحاد ہی کا کرشمہ تھا کہ اسلامیانِ ہند قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں ایک زبردست قوت بن کر اٹھے اور انہوں نے قیام پاکستان کی صورت میں بیسویں صدی کا سب سے بڑا معجزہ کر دکھایا۔ اگر مسلمان متحد نہ ہوتے تو اتنا بڑا کارنامہ کبھی سرانجام نہ پاتا۔

عالم اسلام کا اتحاد

قیام پاکستان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پورے عالم اسلام کو متحد کیا جائے جیسا کہ قائداعظمؒ فرماتے تھے کہ "پاکستان عالم اسلام کے اتحاد کی کنجی ہے"۔ علامہ اقبال نے بھی مسلمانوں کو یہی پیغام دیا تھا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اسلامی بلاک اب خدا کے فضل و کرم سے تقریباً پچاس اسلامی ممالک آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ وسائل سے نوازا ہے۔ اگر وہ متحد ہو کر ایک اسلامی بلاک بنا لیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی الحمدللہ کہ مسلم اتحاد کے لئے بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ اسلامی کانفرنس کا قیام عمل میں آچکا ہے اور اب تک چار اسلامی سربراہی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ لیکن ابھی اس میدان میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

استحکام پاکستان حصولِ آزادی کے مقابلے میں آزادی کا تحفظ مشکل تر مرحلہ ہے۔ اس وقت پاکستان بہت سے خطرات میں گھیرا ہوا ہے۔ ان خطرات کا ازالہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم آپس کے اختلافات ختم کر دیں اور اپنے مشترکہ دشمن کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ پہلے ہی ہم باہمی انتشار کی وجہ سے نصف پاکستان کھو چکے ہیں ہمیں اس المیہ سے سبق لینا چاہیئے۔ ہماری کامیابی اور حیات کا راز اتحاد میں ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اُردو ذریعۂ تعلیم

مفہوم اور مطلب ذریعہ تعلیم سے مراد وہ زبان ہے جس کی مدد سے استاد کوئی بھی علم یا فن طلبہ کو سمجھاتا ہے کسی بھی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کے لئے اس زبان کا بہت سے پہلوؤں کے اعتبار سے جائزہ لینا ضروری ہے کیونکہ صرف وہی زبان ذریعہ تعلیم بن سکتی ہے جس میں کچھ اوصاف اور محاسن موجود ہوں۔

۱۔ **مکمل ابلاغ** سب سے پہلی بات یہ ہے کہ پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں اس زبان سے واقف ہوں۔ استاد جو بات طلبہ تک پہنچانا چاہتا ہے وہ بات طلبہ کی سمجھ میں آجائے دراصل زبان چند آوازوں اور صوتیات کے مجموعے کا نام ہے جو آدمی ان آوازوں اور علامات سے واقف ہو وہ کیسے دوسرے کی بات سمجھ سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں اردو زبان ہی وہ زبان ہے جسے شاگرد اور استاد دونوں بخوبی جانتے ہیں۔

استفسارات غیر ملکی زبان میں طالب علم استاد سے کسی مشکل مسئلے پر سوال کرنے کی جرأت

نہیں کرتا، وہ ایک نفسیاتی اُلجھن کا شکار رہتا ہے۔ اگر اس کے منہ سے انگریزی کے کچھ غلط الفاظ نکل گئے تو استاد اور شاگرد اس کا مذاق اُڑائیں گے۔ اس طرح شاگرد اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں بلا جھجک شاگرد اپنے استاد سے سوال کر سکتا ہے۔

۳۔ وسیع الدامنی

زبان کا دامن اس قدر وسیع ہونا چاہیئے کہ تمام علوم و فنون کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ گویا زبان کا ذخیرہ الفاظ اس قدر وسیع ہونا چاہیئے کہ کسی قسم کا خیال یا مطلب کے اظہار میں الفاظ کی کمی محسوس نہ ہو۔ اردو زبان وسیع زبان ہے اگرچہ یہ مشرقی علوم کے اظہار کی مکمل استعداد رکھتی ہے۔ چند مغربی سائنسی علوم اس کے ذریعے بیان نہیں ہو سکتے۔ اگر ان مغربی اصطلاحات کا سہارا لیا جائے تو یہ مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے۔

۴۔ تدریسی تجربات

۱۸۴۳ء میں جب دہلی کالج قائم ہوا تو مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم ریاضی وغیرہ کی تدریس کے لئے اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا اور ثابت کیا گیا کہ مغربی علوم کی تدریس اردو کے ذریعہ زیادہ موثر ہے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں جملہ سائنسی مضامین کی تعلیم اردو زبان میں ہوتی تھی۔ اُردو کالج کراچی میں تمام سائنسی علوم اردو زبان میں ہی پڑھائے جاتے ہیں، جن سے ثابت ہوا کہ اُردو زبان ذریعہ تعلیم بن سکتی ہے۔

تصنیف و تالیف

جس زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ متواتر جاری رہنا چاہیئے۔ تعلیم و تعلم ایک تعمیر پذیر عمل ہے۔ وقت کے ساتھ نئے نئے خیالات، افکار اور تجربات جنم لیتے ہیں۔ ان افکار و تجربات کو کتابوں میں محفوظ کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ اُردو میں تصنیف و تالیف کا کام بدستور جاری ہے بلکہ بہت سے ایسے ادارے معرض وجود میں آچکے ہیں جو اردو میں تصنیف و تالیف کا کام اپنی نگرانی میں کراتے ہیں، مثلاً مرکزی اُردو بورڈ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو اور مجلس ترقی ادب وغیرہ۔ یہ سب ادارے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کراتے ہیں۔ یا پھر ایسی کتابیں شائع کرتے ہیں جن سے اُردو زبان میں ترقی و ترویج ہو۔

اُردو زبان کی ترقی کے ذرائع

اردو کی مقبولیت

اردو دنیا کی اہم زبانوں میں سے ہے اگرچہ اس زبان کی مجموعی عمر چار پانچ سو برس سے زیادہ نہیں، تاہم اس زبان نے اس قدر ترقی کی ہے کہ آج دنیا کی جدید ترین زبانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

۷۱۱ء میں جب محمد بن قاسم نے سندھ کا علاقہ فتح کیا اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی پھر مسلمانوں اور ہندوؤں کا لین دین اور کاروبار ہوئے۔ اس وقت اُردو زبان نے جنم لیا۔ گویا اُردو زبان برج بھاشا اور عربی زبان کے ملاپ سے معرض وجود میں آئی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس زبان کو ذوق و شوق سے سیکھا، شاعروں نے اشعار کہے اور ادیبوں نے کتابیں لکھیں۔ بعد ازاں فارسی، ترکی اور انگریزی زبانوں کے الفاظ اس میں شامل ہوتے گئے جن کی بدولت اس زبان کا ذخیرۂ الفاظ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

یہ زبان چونکہ دوسری زبانوں کے مقابلہ میں آسان اور عام فہم تھی۔ لہٰذا روز بروز اس مقبولیت بڑھتی گئی۔ اس زبان کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ یہ غیر ملکی زبان کے الفاظ کو اپنی آغوش میں لینے کی اہمیت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا دامن وسعت پذیر ہے۔

اُردو کی ترقی کیسے ممکن ہے؟

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے اور اس کی مزید وسعت اور ترویج و ترقی پر غور کیا جائے۔ چنانچہ جب اردو زبان کی مزید ترقی کے ضمن میں نظر دوڑائی جاتی ہے تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ قومی زبان کا درجہ

ہمارے ملک میں اردو قومی زبان ہے۔ اگر یہ قومی زبان ہے تو اسے وہ درجہ اور مرتبہ دیا جانا چاہیئے جو قیام پاکستان سے قبل انگریزی زبان کو حاصل تھا، یعنی عوام کی گفتگو، جلسوں میں تقریریں، فلمیں، تجارتی کاروبار، ریلوے اور ڈاک ٹکٹوں پر، سڑکوں، گلیوں اور بازاروں کے نام وغیرہ سب کچھ اُردو میں ہونا چاہیئے۔ جب مختلف طبقوں کے لوگ اردو زبان بولیں گے اور ہر فن و پیشہ کے متعلق بات کریں گے تو یقیناً نئی اصطلاحات وضع ہوں گی اور زبان میں داخل ہوں گی۔

۲۔ سرکاری اور دفتری زبان

پاکستان میں اُردو کو لازمی طور پر سرکاری و دفتری زبان قرار دیا جائے اور تمام سرکاری افسروں، عہدہ اور ملازموں کے لئے اُردو میں بات کرنا، لکھنا اور پڑھنا ضروری قرار دیا جائے۔

۱۸۳۶ء میں دفاتر کے کام اردو میں ہوتے تھے جب کہ اردو ابتدائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ اب جب کہ اُردو ترقی کی منازل پر گامزن ہے تو یہ دفتری زبان کیوں نہیں بن سکتی۔ اگرچہ چند ایک اصطلاحات سد راہ ہیں تو ان کا ترجمہ کر کے یا انہیں جوں کا توں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ دار الترجمہ کا قیام

حکومت کا فرض ہے کہ وسیع پیمانہ پر "دار الترجمہ" کے لئے پاکستان کے بڑے تجربہ کار ادیبوں اور عالموں کی خدمات حاصل کرے جو ہر فن اور علم کی اصطلاحات وضع کریں۔ پھر ان اصطلاحات کو رواج دیا جائے اس طرح دوسری زبانوں سے

اعلیٰ و عمدہ کتابوں کے تراجم بھی اردو میں کرائے جائیں تاکہ اردو زبان کے امکانات مزید روشن ہو جائیں۔

۴ سلیس اور سادہ زبان کا استعمال

ہمارے عالموں اور ادیبوں کا ایک گروہ اردو زبان میں عربی اور فارسی کے مشکل، دقیق الفاظ اور تراکیب استعمال کرنے کا عادی ہے اس دقیق اردو زبان کو عوام نہیں سمجھ سکتے اور یہ انداز اردو زبان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ لہٰذا ان علماء کا فرض ہے کہ اردو زبان کو مقبول اور ہر دلعزیز بنانے کے لئے آسان اور عام فہم انداز اختیار کریں۔ اگر سلاست، سادگی اور صفائی کا خیال رکھا جائے تو اس سے اردو زبان کی توسیع اور ترقی میں بہت مدد ملے گی۔

۵ جامع لغت کی ضرورت

اردو زبان کی ایک جامع لغت کی اہم ضرورت ہے حکومت کا فرض ہے کہ بلند پایہ ادیبوں، انشاء پردازوں اور عالموں کو اس کام پر مامور کرے کہ وہ اردو کی موزوں اور جامع لغت تیار کریں اور غیر ملکی علوم و فنون کی اصطلاحات کو بھی اردو لغت میں جگہ دیں۔

۶۔ ذریعہ تعلیم

محکمہ تعلیم کا فرض ہے کہ ہر مضمون پر اردو میں کتابیں لکھوائے اور تمام درجوں میں اردو مضمون لازمی قرار دیا جائے، مزید برآں یونیورسٹی کو چاہیئے کہ اعلیٰ تعلیم میں بھی ذریعہ تعلیم اردو کو بنایا جائے۔

۷۔ رسم الخط

اردو رسم الخط ایسا ہونا چاہیئے کہ جس میں اشاعت کی جملہ سہولتیں موجود ہوں لہٰذا ہمیں خط نستعلیق کی بجائے خط نسخ کو اپنانا چاہیئے تاکہ اردو زبان کی ترقی کی راہیں کھل سکیں۔

۸۔ ذرائع ابلاغ

ہماری فلم ساز کمپنیاں، ریڈیو اور ٹیلیویژن اردو زبان کی توسیع میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر ایسے ڈرامے، فیچر اور تقاریر پیش کی جائیں جن میں کسی نہ کسی طرح اردو زبان کی ترویج کا پہلو نکلتا ہو۔

ان تجاویز پر عمل پیرا ہونے سے اردو زبان کی توسیع اور ترقی ہو سکتی ہے۔

میرا پسندیدہ شاعر

اردو شاعری باکمال شاعروں سے تہی دامن نہیں ہے۔ خود میر کے عہد میں مرزا سودا کا طوطی بولتا تھا، معاصرانہ چشمک کے باوجود میر نے بھی سودا کی فنکارانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ سودا بنیادی طور پر قصیدہ گو ہیں۔ اور قصیدہ ہماری شاعری کی وہ صنف ہے جو جذبات کی

شدت اور واردات قلبی کی نیرنگیوں کی بجائے مبالغہ آمیز خیالی مضامین کی متقضی ہوتی ہے۔ اور اظہار کی سادگی اصلیت اور بے تکلفی پر شکوہ بیان اور الفاظ و تراکیب کے طنطنہ کو ترجیح دیتی ہے۔ چنانچہ سوداؔ جب غزل کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو قصیدہ کا یہی شکوہ اور جلال برقرار رہتا ہے۔

سوداؔ کے جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب سے بولے ابھی آنکھ لگی ہے

اس کے برعکس میرؔ کے ہاں یہی مضمون غزل کے خاص رنگ میں ڈوب کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

یوں تو میر کے بعد آنے والے بہت سے باکمال شعراء کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان سب میں ایک غالب ہی ہیں جو میرؔ سے لگاؤ رکھتے تھے اور حق تو یہ ہے کہ خوب مقابلے کی چوٹ لاتے ہیں مگر غالب کی وقت پسندی، مبالغہ آرائی اور مشکل گوئی نے اکثر ان کے اشعار کی شعریت اور روح شاعری کو مجروح کیا ہے۔ یوں ان کا شعر ایک معمہ یا چیستان بن کے رہ جاتا ہے جو تشریح و توضیح کا محتاج ہو۔ دور نہ جائیے ان کا سرِ دیوان یہ شعر۔ نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

آج تک شارحین کے لئے صلائے عام کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن میرؔ کے ہاں ایسی کوئی دقت نہیں ہے۔ یہاں تو بات دل سے نکلتی ہے اور دل میں اتر جاتی ہے۔ میرؔ کے کلام کی یہ خوبی ان کے ہاں اتنی عام ہے کہ کسی اور شاعر کے کلام میں اس کا عشر عشیر مل جانا بھی مشکل ہے یہی وہ چیز ہے جس نے میرؔ کو اردو شاعروں میں نہایت ممتاز مقام عطا کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ میر کے کلام کو یہ تاثیر کیونکر نصیب ہوئی ہے؟ کلام میرؔ کی تاثیر کا راز اس کی جذباتی اصلیت اور سچائی میں مضمر ہے۔ کیونکہ میر کی شاعری ان کی زندگی سے پوری طرح ہم آہنگ بھی ہے اور اس کی ترجمان بھی، وہ خود کہتے ہیں۔

ہم کو شاعر نہ کہو میرؔ صاحب ہم نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا

میرؔ کا یہ دعویٰ شاعرانہ مبالغہ پسندی کی مثال نہیں امر واقعہ ہے۔ انہوں نے جب ہوش سنبھالا تو عالم میں انتخاب وہ شہر جسے دلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بڑی تیزی سے اجڑے دیار کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ہر آن نئی تباہی، بربادی اور ویرانی کا ساماں نگاہوں کے سامنے تھا۔ بیرونی حملہ آوروں کی لوٹ مار اور قتل و غارت گری تو ایک طرف سکھوں، جاٹوں، مرہٹوں اور روہیلوں کی یورش نے وہ وہ تباہیاں

ڈھائیں کہ الحفیظ والامان! میر اس پر آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتے مگر یہ رونا تو عمر بھر کا تھا جس سے لکھنؤ جا کر بھی پنڈ نہ چھٹ سکا۔

ماحول اور گردوپیش کا دیا ہوا یہ غم ہی میر کے لئے کچھ کم نہیں تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کی ذاتی اور شخصی زندگی بجائے خود محرومیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ کم عمری میں یتیمی عزیز واقارب کی بدسلوکیوں اور ان کے ہاتھوں اٹھائے ہوئے صدموں کے ساتھ ساتھ خان آرزو کے ہاں قیام کے دوران ان کے دل کی دلی کچھ ایسی لٹی کہ پھر بس نہ سکی۔ ان پر وحشت و دیوانگی کے دورے پڑنے لگے چاند کو دیکھتے تو حالت غیر ہو جاتی۔ دراصل یہ حادثہ میر کی الم نصیب زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔

مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

محبت میں ناکامی میر کی زندگی کا وہ المیہ ہے جس نے انہیں وہ دردِ زیست عطا کیا، جینے کا وہ سلیقہ یا ناکامیوں سے کام لینے کا وہ اسلوب بخشا جو صرف امیر اور امیر ہی کا حصہ ہے۔

نامرادانہ زیست کرتا تھا
میر کا طور یاد ہے ہم کو (دیا)

میرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر ناکامیوں سے کام لیا

ناکامیوں سے کام لینے کا یہ وہ سلیقہ ہے جس نے درد و غم کو جمع کر کے دیوان بنانے کی توفیق میر کو عطا کر دی۔

کلام میر کی یہ المناک جذباتی احساس ہی تو ہے جو ان کی شاعری میں روح رواں کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر جگہ کارفرما اور جلوہ ساماں نظر آتی ہے۔ میر چونکہ بنیادی طور پر غزل گو ہیں، اس لئے ان کی یہ المناک نفسی کیفیت ان کی زخم خوردگی اور دردمندی غزل کے مزاج سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ غزل اس آہوئے زخم خوردہ کی دردناک آواز کو کہتے ہیں جس کے پیچھے شکاری کتے ہوں اور جو کراہتے ہوئے بھاگ رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی آواز کا درد نہایت فطری انداز میں ظہور میں آتا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی عجیب اتفاق نہیں ہے کہ میر نے اپنی جان کاہی اور دل سوزی کا اظہار بے حد فطری اور سادہ انداز میں کیا فرق ہے۔

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چراغ سحری کا

محبوب کو اپنی حالت زار کی طرف متوجہ کرنے کی یہ پکار کتنی برجستہ بے تکلف اور فطری ہے۔

یہی نہیں محبوب کی بے رخی اور تغافل کی شکایت کس قدر پیارے اور سادہ انداز سے کرتے ہیں ؎

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے !!
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس طرح محبوب سے وصل کی تمنا ہے جو کبھی پوری نہ ہوئی۔ مگر دل کے ارمان ہیں کہ نکلنا چاہتے ہیں

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میرؔ جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

میرؔ کا یہ سادہ اور فطری اظہار، سپاٹ یا بے رنگ و بے کیف نہیں ہے۔ ان کا کمال فن یہ ہے کہ وہ انتہائی سادہ مترنم اور سبک الفاظ سے شعر میں ایسی فضا پیدا کر دیتے ہیں جو قاری کو عجیب سحر کارانہ انداز میں مبہوت کر دیتی ہے۔ جیسے کوئی شعبدہ باز ہماری آنکھوں کے سامنے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے بے رنگ ٹکڑوں کو ہاتھ میں لے کر انہیں ایک رنگارنگ اور خوبصورت گلدستے میں تبدیل کر دے مگر میرؔ الفاظ کی شعبدہ بازی کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا فن الفاظ سے کھیلنے کا فن نہیں ہے اور نہ وہ کوئی تماشا ہی ہمیں دکھانا چاہتے ہیں وہ تو ان سادہ اور بے رنگ الفاظ کو عوض جگر سے رنگتے ہیں اور اپنے دل کی دھڑکنوں میں سمو کر ان میں جان ڈال دیتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ حقیقی شاعری اور الفاظ کی شعبدہ بازی میں بس اتنا ہی فرق ہے۔

میرؔ نے اپنی شاعری کو بات بنانے کے فن سے تعبیر کیا ہے ؎

بات بنانا مشکل ہے شعر سبھی کہہ لیتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی میرؔ نے خوب خوب باتیں بنائی ہیں اور ان باتوں کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ بھی بالکل بجا اور درست ہے ؎

باتیں ہماری یاد رہیں گی پھر نہ باتیں ایسی سنیئے گا
کہتے کسی کو سنیئے گا تو دیر تلک سر دھنیئے گا

میرؔ کو بات بنانے کا فن اگر آتا ہے تو بات کرنے کے سلیقے سے وہ بھی بخوبی واقف ہیں۔ ان کے ہاں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں جن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے جیسے وہ ہم آپ سے یا اپنے آپ سے مصروف گفتگو ہوں یا محبوب سے کوئی بات کہہ رہے ہوں مگر ایسی باتوں کا لب و لہجہ بے حد نرم اور ملائم شائستہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ ؎

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے!
پھول کھلے ہیں پات ہرے ہیں کم کم باد و باراں ہے

رمزیت، اشاریت، ایجاز اور اختصار کو غزل کی جان یا روح تغزل قرار دیا جاتا ہے، میرؔ کے کلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اور خاص طور پر ان کی چھوٹی بحروں والی غزلوں میں یہ چیز اپنے کمال

پر دکھائی دیتی ہے اور یہاں یہ ذکر بے محل نہیں ہوگا کہ میر نے زیادہ تر غزلیں بحروں ہی میں کہی ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو ؎

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

میر کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ استعارہ کا استعمال کم سے کم کرتے ہیں۔ البتہ ان کے ہاں تشبیہیں بڑی فراوانی سے ملتی ہیں اور ان تشبیہوں سے وہ ایسی ایسی تصویریں بناتے ہیں کہ انسان بے ساختہ داد دے اُٹھتا ہے۔ ؎

رخ روشن سے یوں اٹھی نقاب آہستہ آہستہ
کہ جیسے ہو طلوع آفتاب آہستہ آہستہ

(یا)

؎ نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

پھر زبان اور الفاظ کے انتخاب و استعمال میں بھی میر کا اپنا ایک سلیقہ اور طور ہے۔ ان کی محرومی، نا آسودگی، جگر سوختگی اور دل گرفتگی کا اظہار کچھ ایسے الفاظ میں ہوا ہے جو ان کیفیات کی ادائیگی بدرجۂ احسن کرتے ہیں۔ کم کم، کی سی، کچھ، کاش وغیرہ۔

؎ کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
ان کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

؎ میں جو بولا کہا کہ یہ آواز!
اسی خانہ خراب کی سی ہے!

؎ گل کو ہوتا صبا قرار اے کاش
رہتی ایک آدھ دن بہار اے کاش

کلام میر کے اس جائزہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میر کیوں پسند ہے یا میں نے اسے اپنا پسندیدہ شاعر کیوں کہا ہے؟ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ میری پسند ایک عام قاری یا ایک طالب علم کی پسند ہے۔ مگر میر کی عظمت کا اعتراف کسے نہیں ہے۔ غالب جیسے عظیم فنکار کا کہنا ہے۔

؎ غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

غالب نے میر کی عظمت کا یہ اعتراف ناسخ کے الفاظ میں کیا ہے جو دبستان لکھنؤ کے مسلم استاد

ہیں بلکہ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ غزل کے عہد جدید کے امام حسرت موہانی میر کے شیوۂ گفتار کو ترس رہے ہیں۔ ؎

شعر میرے بھی بہت خوب ہیں لیکن حسرت
میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

یہی نہیں بلکہ عہد حاضر میں تو میر کی مقبولیت اس قدر بڑھی ہے کہ بہت سے نوجوان غزل گو شعراء نے طرزِ میر کو اپنانے میں اور میر کے انداز میں بات کہنے کی کوشش کی ہے۔

سرسیّد کی علمی و ادبی خدمات

سرسیّد کے تصنیفی ذوق کا آغاز تو شعر گوئی سے ہوا کیونکہ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو مرزا غالب، نواب شیفتہ اور صہبائی جیسی باکمال شخصیتوں کے دم سے شعر و سخن کا چرچا عام تھا۔ سرسید کی ذہنی تربیت میں ان بزرگوں کی صحبت نے پورا اثر دکھایا۔ لیکن سرسید نے بہت جلد شعر گوئی کو چھوڑ کر، نثر کو اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ چنانچہ جب ۱۸۳۶ء یا ۱۸۳۷ء میں ان کے بڑے بھائی سید محمد خان نے دہلی سے سید الاخبار جاری کیا۔ تو سرسید اس کے لیے مضامین وغیرہ لکھنے لگے۔ اسی عرصہ میں تین چار رسالے اور کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن ان کی پہلی معرکہ کی کوشش ان کی کتاب آثار الصنادید ہے جو انہوں نے ۱۸۴۷ء میں لکھی۔ اس کتاب میں دلی کی نادر روزگار شخصیتوں اور عمارتوں وغیرہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس کتاب کے سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں سرسید نے جو اسلوب بیان اختیار کیا وہ پرانے اسلوب نگارش سے متاثر ہے۔ لیکن جب ۱۸۵۴ء میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو سرسید نے اس کی عبارتوں میں ترمیم کر کے مسجع و مقفیٰ نثر کی بجائے صاف اور سادہ انداز بیان اختیار کیا۔ پھر انقلاب ۱۸۵۷ء کے دوران اپنے قیام بجنور کے عرصہ میں تاریخ سرکشی بجنور لکھی۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب اگرچہ ہندوستان گیر اثرات کا حامل تھا لیکن اس نے شمالی ہند کے مسلمانوں کو گہرے طور پر متاثر کیا تھا۔ مسلمان قوم کے لیے یہ گھڑی اشد آزمائش کی تھی۔ یہ خطرہ واضح طور پر درپیش تھا کہ اس قوم کو اس ملک میں باعزت طور پر زندہ نہ رہنے دیا جائے۔ سرسید کی دور بین نگاہوں سے یہ خطرہ پوشیدہ نہیں تھا چنانچہ انہوں نے اس مشکل وقت میں مسلمانوں کا بیڑا پار لگانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے رسالہ "اسباب بغاوت ہند" سپرد قلم کیا۔ اس کے شائع ہونے کے ساتھ ہی ساتھ سرسید کی حمایت و مخالفت کی تحریک نے کروٹ لی۔ جمود و انتشار، مایوسی اور بزدلی کی جگہ امید، اتحاد اور جوش نے لے لی۔ خود انگریزی حکومت نے اسباب بغاوت ہند کو بڑی اہمیت دی۔ مختصر یہ کہ سرسید اب مسلمانانِ شمالی ہند کی معاشرتی، سماجی اور سیاسی زندگی کے افق پر ایک مصلح، مفکر اور لیڈر کی حیثیت سے

ابھر چکے تھے۔

سرسید کی مصلحانہ سرگرمیوں میں غازی پور میں سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام (جو ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ میں منتقل ہو گئی) علی گڑھ سے اس سوسائٹی کے ماہوار جریدہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجرا، اور پھر علی گڑھ آکسفورڈ اور کیمبرج کی طرز پر اسلامیان ہندوستان کے لئے ایک یونیورسٹی کا قیام بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ اس تحریک کی بدولت انہیں محض ایسے مشاہیر اہل قلم کا تعاون حاصل ہو گیا جنہیں بجا طور پر اردو کے عناصر خمسہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اردو زبان کے ان محسنوں میں سرسید، مولانا حالی، مولوی نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا شبلی نعمانی شامل ہیں۔ اگرچہ آزاد باقاعدہ طور پر سرسید تحریک سے وابستہ نہیں رہے۔ لیکن بالواسطہ طور پر اس تحریک سے متاثر ضرور ہوئے۔ ان کے علاوہ نواب محسن الملک مولوی چراغ علی اور نواب وقار الملک کا تعاون بھی سرسید کو حاصل تھا۔

سرسید اور ان کے رفقاء کی مساعی جمیلہ سے بالآخر مسلمان قوم بیدار ہو گئی۔ ان بزرگوں نے سرسید کی عظیم رہنمائی میں جو تحریک شروع کی تھی وہ رنگ لائی اور اس نے مسلمانانِ ہند کے فکر کو ایک نیا انداز بخشا اور افکار و خیالات کے اظہار کا ایک نیا اسلوب بھی عطا کیا۔ سرسید کا یہ کارنامہ اس قدر عالیشان ہے کہ تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ ۱۸۹۸ء میں آپ نے علی گڑھ میں وفات پائی اور یہیں کالج کی مسجد میں دفن کیا گیا۔

سرسید کی مشہور تصنیفات میں آثار الصنادید، تاریخ سرکشیٔ بجنور، اسباب بغاوت ہند، سفرنامہ لندن، تاریخ فیروز شاہی، خطبات احمدیہ، تبیین الکلام، تفسیر قرآن پاک اور تہذیب الاخلاق میں شائع ہونے والے کثیر التعداد مضامین شامل ہیں۔ سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ اردو زبان و ادب میں وہ تحریک ہے جسے جدید اردو نثر کی تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اردو نثر جو کچھ کہ آج ہے سرسید ہی کے فیض سے ہے۔ مہدی افادی نے درست لکھا ہے۔

"نئی نسل تمام تر تہذیب الاخلاق کی پروردہ ہے۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ سرسید سے پہلے اردو نثر بڑی کم مایہ اور تہی دامن تھی۔ اگرچہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے انیسویں صدی کے آغاز ہی میں اردو میں سادہ نثر نویسی کی داغ بیل پڑ چکی تھی، مگر فورٹ کالج کی یہ نثری تحریک محض قصے کہانیوں تک محدود تھی اس کے بعد ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ جب غالب نے اردو خطوط لکھنے کی طرح ڈالی تو یقیناً سادہ سلیس اور عام فہم نثر نویسی کو تقویت ملی اور اس کی حدود کچھ اور وسعت آشنا ہوئیں۔ مگر ابھی تک رجب علی بیگ سرور کی فسانہ عجائب کا طوطی بولتا تھا۔ نثر کا یہ انداز بے حد پر تکلف ہوتا تھا۔ اس میں معنی مطلب اور مفہوم کو واضح طور پر ادا کرنے کی بجائے عبارت کی آرائش و زیبائش پر زور دیا جاتا تھا۔ فقرے مقفی اور مسجع ہوتے تھے، قاری کے پلے کچھ پڑے

یا نہ پڑے مگر عبارت آرائی میں وہ مصنف کے کمال پر داد دیتا تھا۔ چنانچہ خود سرسید نے پہلی مرتبہ "آثارالصنادید" میں یہی طرز بیان اختیار کیا۔ لیکن ۱۸۵۴ء میں اسے دوبارہ عام فہم اور سلیس نثر میں لکھا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ تھی کہ غالب کے خطوط نے جو رنگ جمایا تھا۔ سرسید اس سے متاثر ہو چکے تھے اس سلسلہ میں مولانا شبلی لکھتے ہیں :

"اردو انشاء پردازی کا جو آج انداز ہے اور جس کے مجدد اور امام سرسید مرحوم تھے۔ اس کا سنگ بنیاد دراصل مرزا غالب نے رکھا تھا۔ سرسید کو مرزا سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے اس لئے کچھ شبہ نہیں ہوتا تھا کہ سرسید مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے۔"

مرزا غالب کی شگفتہ بے تکلف اور سادہ نثر سے سرسید یقیناً مستفید و فیضیاب ہوئے ہوں گے لیکن علمی مطالب کے بیان کا یارا غالب کی نثر کو بھی نہیں ہے۔ سرسید کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو نثر کو "مدعا نویسی" کا اہل بنایا اور اسے علمی مطالب کے اظہار اور تاریخی، مذہبی اور معاشرتی موضوعات و مسائل پر بحث کے قابل بنایا۔ یہ سرسید کا وہ کارنامہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

"سرسید کی انشاء پردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے اور جس مضمون کو لکھا ہے۔ اس درجہ تک پہنچا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ناممکن ہے۔"

اردو کا پہلا ناول نگار

نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نویس ہیں۔ ان کا پہلا ناول، مراۃ العروس، اردو ادب کا بھی پہلا ناول ہے جو ۱۸۶۹ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ علاوہ ازیں انہوں نے توبۃ النصوح، ابن الوقت، بنات النعش فسانۂ مبتلا، رویائے صادقہ، محصنات اور ایامیٰ بھی لکھے۔ ان کے یہ تمام ناول ان کی مقصدیت کی گہری چھاپ لئے ہیں۔ جس کا محور انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کے مسلم معاشرہ کی اصلاح ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے نذیر احمد مسلمانوں کی گھریلو زندگی کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ گھر میں چونکہ عورت کی مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک عورتوں میں علم کے حصول کا شوق پیدا نہیں ہوتا خانگی زندگی میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی جو نہ صرف اہل خانہ کے لئے سکون و راحت کا پیام ہو بلکہ مسلم معاشرہ کی ترقی اور اصلاح میں اہم کردار ادا کر سکے۔ گھر کے انتظام کا دارومدار چونکہ روپے پیسے پر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک عورتوں کو ایسی تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ جو روپے پیسے کو کفایت شعاری سے استعمال کرنے کے گر انہیں سکھا دے تاکہ مسلمان گھرانے خوشحالی اور فارغ البالی سے ہمکنار ہو سکیں۔ چنانچہ "مراۃ العروس" اور "بنات النعش" ان کے اسی نظریہ کے ترجمان ہیں۔

ان کے ناول فسانۂ مبتلا، توبۃ النصوح اور ابن الوقت بھی مسلم معاشرہ اور مسلم گھرانوں میں کسی نہ کسی مسئلہ کو موضوع بناتے ہیں، وہ قدامت پرستی، جہالت، تنگ نظری اور تعصب کو مٹانے کی بڑے شد و مد سے تلقین کرتے ہیں، یہ ان کا محبوب مشغلہ اور موضوع ہے۔ البتہ ابن الوقت میں انگریزی حکام اور ان کی طرز معاشرت کی اندھا دھند پیروی کو بھی ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قدیم کی اصلاح اور جدید نظریات کو اپنانا چاہتے ہیں لیکن کچھ اس انداز سے کہ نئی زندگی کے روشن پہلوؤں کو اخذ کر لیا جائے اور قدیم زندگی کی کمزوریوں سے چھٹکارا پانے کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں میں اپنی تہذیب و معاشرت سے ایک لگاؤ بھی باقی رہے اور وہ اپنے مذہب اور ضابطہ اخلاق سے بیگانہ محض ہو کر نہ رہ جائیں۔

مختصر یہ کہ مولانا کے یہی نظریات اور اخلاقی تصورات و مقاصد ہیں جو ان کی تصانیف میں اساسی اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان نظریات و افکار کی ترویج و اشاعت وہ مضامین اور مقالوں کی صورت میں بھی کر سکتے تھے۔ لیکن وہ خالی خولی مصلح و مبلغ نہیں تھے۔ وہ ایک فن کار بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ناول کی صنف کو اپنایا اور کڑوی کسیلی باتوں کو شکر میں لپیٹ کر ماحول کے حلق سے اتارا۔ ان کا یہ حربہ بڑا موثر ثابت ہوا اور مسلمان گھرانوں میں ان کی تصنیفات کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ناول کے فن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عام انسانوں کی حقیقی اور اصل زندگی کی ترجمانی کی جائے۔ مولانا نذیر احمد نے مسلمانوں کے متوسط طبقہ کے گھرانوں کی زندگی کی بڑی عمدگی سے عکاسی کی ہے۔ انہیں اس زندگی کا ذاتی تجربہ تھا۔ انہوں نے اس کے ایک ایک پہلو کو دیکھا اور محسوس کیا تھا اور اس کے بارے میں پہروں غور و فکر سے کام لیا تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنا قلم اٹھاتے ہیں تو ان کا فنی خلوص ہر موقعہ پر نمایاں نظر آتا ہے۔ ناول نگاری میں فنی خلوص اسی چیز کا نام ہے کہ ناول نویس جن لوگوں کی زندگی پر لکھے، انہیں وہ نہایت قریب سے جانتا اور پہچانتا ہو، ورنہ اس کی تحریر سطحیت اور کھوکھلے پن کا شکار ہو کے رہ جائے گی۔ اس لحاظ سے مولانا کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اردو ادب میں پہلے حقیقت نگار ہیں۔

ناول کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پلاٹ موجود ہو۔ پلاٹ سیدھی سادی اور ڈھیلی ڈھالی کہانی کو نہیں کہتے۔ بلکہ یہ کہانی کی ایک پیچیدہ اور ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ اس میں کہانی کے تانے بانے میں ایک ایسا ربط ہونا چاہیئے کہ پوری کہانی کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں۔ کہانی کے پچھلے واقعات کا منطقی نتیجہ موجودہ واقعات ہوں اور موجودہ واقعات میں آگے آنے والے واقعات کے امکانات موجود ہوں۔ مولانا کے ناولوں میں پلاٹ کی متعدد خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کسی بھی ناول کو ہاتھ میں لے کر ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اس میں شک نہیں ہے کہ ان کی مقصدیت پرستی، لیکچروں اور طویل تقریروں کی صورت میں جگہ جگہ ابھر کر، کہانی کے تسلسل اور ربط

کو ضعف پہنچاتی ہے۔ لیکن پھر بھی مولانا، اس تسلسل کو کسی نہ کسی حد تک برقرار رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے اپنے ہمعصر ناول نویس سرشار سے کہیں زیادہ بہتر فنی شعور کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

نذیر احمد کے کرداروں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر مثالی کردار ہوتے ہیں۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے کیونکہ مولانا کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی خوبی یا برائی کو کسی ایک شخص یا ذات میں مجسم کر دیتے ہیں۔ پھر وہ اپنے کرداروں کے نام بھی اکثر ان کے اوصاف کی بناء پر رکھتے ہیں۔ جیسے ظاہر دار بیگ حجۃ الاسلام اور دوراندیش خان وغیرہ لیکن اس کے باوجود مولانا کے یہ مثالی کردار حقیقت و اصلیت سے کافی قریب ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ احساس تو ہوتا ہے کہ مولانا نے اس کے سلسلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لے کر ان کے اصلی خدوخال کو کچھ بگاڑ دیا ہے۔ لیکن بہر صورت وہ ہمیں معاشرہ اور ماحول کی پیداوار ہی دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں تک مکالموں کا تعلق ہے۔ مولانا کے مکالمے اکثر ان کے کرداروں سے مطابقت رکھتے ہیں، لیکن کبھی کبھی مولانا ایسی زبان استعمال کر جاتے ہیں جو کرداروں کی بجائے خود ان کی اپنی زبان معلوم ہوتی ہے بالخصوص ایسے مواقع پر جب وہ کسی کردار کی زبان سے کسی معاملہ یا مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کر رہے ہوں کیونکہ مولانا نے مکالمہ نگاری کو بڑی حد تک اپنے خیالات کی تشہیر کا وسیلہ بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس قسم کے مکالمے بڑے طویل ہوتے ہیں۔

تعلیم میں کھیلوں کا مقام

ہمارے ہاں اب تک عام لوگوں میں تعلیم کے متعلق یہ فرسودہ نظریہ پایا جاتا ہے کہ اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں داخلے سے طالب علم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کامیابی کا سرٹیفکیٹ، سند یا ڈگری حاصل کرے تاکہ فارغ التحصیل ہو جانے پر کسی ملازمت کے ذریعہ وہ اپنا اور اپنے لواحقین کا پیٹ پالنے کے قابل ہو سکے۔ یہ نقطۂ نظر دورِ غلامی کی یادگار ہے۔ انگریز کے عہد حکومت میں اسکول اور کالج وہ ٹیکسال تصور کی جاتی تھیں جن سے حکومت کے دفاتر کا کام چلانے کے لئے بابو لوگوں کی ضرورت کھیپ سال بہ سال مہیا ہوتی رہے۔ دوسری طرف آزادی کے حصول کے بعد بھی تعلیم کے مسائل سے ایک عرصہ تک غفلت نے ہمارے ہاں اس شعور کو عام نہیں کیا کہ تعلیم کا نصب العین اور مقصود کیا ہے۔

تعلیم کا مقصود کسی امتحان میں کامیابی کی سند حاصل کر لینا نہیں ہے بلکہ ایسے باشعور، ذمہ دار اور صحت مند شہری وجود میں لانا ہے جو پاکستانی قوم کے مستقبل کے امین اور معمار ثابت ہوں، جو پاکستان کی سلامتی اور بقاء کے اہل بھی ہوں اور اسے مضبوط و خوشحال بنانے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور بھی ہوں ہمیں

نہ تو کمزور ناتواں کتابی کیڑوں اور رٹو طوطوں کی ضرورت ہے اور نہ ایسے لوگوں کی جو احساس فرض اور ذمہ داری کے معنی سے ناآشنا ہوں ۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں ذہین محنتی اور باخبر عالموں کی بے حد ضرورت ہے اور یہ چیز نصابی کتب کے مطالعہ اور طلبہ میں مطالعہ کتب کی عادت اور امتحانات میں درجہ بدرجہ کامیابی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ۔ مگر ایسی کامیابی اس امر کی ضمانت نہیں دے سکتی کہ کامیاب ہونے والا طالب علم کل کو قوم کا ایک صحت مند اور ذمہ دار شہری بھی ثابت ہو سکے گا ۔ اس کے لئے تو زمانہ طالب علمی میں طلبہ کو ایسی تجربہ گاہوں اور ایسے تربیتی اداروں سے کامیاب ہو کر نکلنا پڑے گا ۔ جن کی اہمیت کو ہمیں بہر صورت تسلیم کرنا چاہیئے ۔ تعلیم میں کھیلوں ، ورزش اور کسرت کے مقابلوں اور جسمانی تربیت کو کسی بھی طرح نصابی کتب کے مطالعہ سے کمتر درجہ نہیں دیا جا سکتا ۔ آج سے بہت پہلے ان چیزوں کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا تھا ۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یونانی تہذیب کے عروج کے عہد میں کھیلوں ، کسرت اور جسمانی تربیت کے شعبے درس گاہوں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں ، سقراط ، بقراط ، افلاطون اور ارسطو جیسے فلاسفروں کے مکتب میں بار پانے والے جسمانی طور پر صحت مند اور تنومند انسان ہوتے تھے اور ان کے لئے یہ لازمی ہوتا تھا کہ وہ ورزش جسمانی کے مظاہروں و مقابلوں اور تربیت میں پورا پورا حصہ لیں ۔ اولمپیا ان لوگوں کا مرکز بن گیا تھا جہاں یونان کے مختلف علاقوں اور شہروں کے کھلاڑی جمع ہوتے اور عام شہریوں کی موجودگی میں اپنی قوت جسمانی اور کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے ۔ چنانچہ اہلِ یونان نے جہاں علم و حکمت کے چراغ جلا کر ذہنِ انسانی کو روشنی اور جلا بخشی ، وہاں تندرستی اور توانائی کے معیار بھی قائم کئے اور اولمپک کھیلوں کی صورت میں ایک ایسی شمع روشن کر دی جو نہ صرف یہ کہ آج بھی فروزاں ہے ۔ بلکہ اس کی اہمیت کا اعتراف روز افزوں ہے ۔ اسی طرح اہلِ روما نے بھی اپنے تہذیبی عروج کے دور میں کھیلوں اور ورزشی اداروں کی اہمیت کو پیش نظر رکھا ہے مسلمانوں کے ہاں بھی کہیں تعلیم سے وابستہ اور کبھی اس سے جدا طور پر جسمانی صحت کے فروغ اور جنگی امور میں مہارت حاصل کرنے کی تربیت گاہیں قائم رہی ہیں ۔ پھر موجودہ مغربی قوموں نے بھی ان کی اہمیت سے انکار نہ کرتے ہوئے تعلیمی اداروں میں انہیں رواج دیا ۔ اپنے ملکوں میں باقاعدہ اور عام پیمانے پر اور محکوم ملکوں میں محدود انداز سے طلبہ کی تعلیمی زندگی سے کھیلوں کو پیوست کرنے بلکہ انہیں تعلیم کا اہم جزو بنا دینے سے نہ صرف یہ کہ جسمانی طور پر زیادہ طاقتور اور صحت مند افراد وجود میں آتے ہیں بلکہ اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ جو پوری قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لئے نیک فال ثابت ہوتے ہیں ۔ مثلاً کسی کھیل ہاکی ، فٹ بال یا کرکٹ کو لیجیے اول تو ان کھیلوں کو باقاعدگی سے کھیلنے سے صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے ۔ کیونکہ ذہنی کام اور تھکن کے بعد جسم کی ورزش طبی نقطہ نگاہ سے ضروری ہوتی ہے کہ اس کے بغیر انسان کا نظام وغیرہ درست نہیں رہ سکتا ۔ پھر کھیلوں کا تفریحی پہلو بجائے خود انسانی اعصاب اور ذہنی صلاحیتوں پر نہایت اچھا اثر ڈالتا ہے اور اس سے دماغ کو بالیدگی اور جلا ملتی ہے ۔ پھر یہ کھیل ایک ٹیم کی صورت میں کھیلے

جاتے ہیں، اور ان کو کھیلنے والوں میں جماعت، اس کے اصول و ضوابط، جماعتی مفاد، جماعتی طور طریقوں کا شعور، اتحاد و یگانگت اور لیڈر کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو آگے چل کر قومی نقطۂ نظر سے بڑے مفید نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے کردار میں جذبہ مسابقت، ایثار، تحمل، صبر، جرأت، پہل قدمی، چوکس پن اور مستعدی جیسے اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ یقیناً انفرادی طور پر اوروں کی نسبت بہتر انسان ثابت ہوتے ہیں۔ کھیل انہیں ذمہ داری کا وہ شعور عطا کرتے ہیں جو بعد ازاں انہیں شہری زندگی کے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت بخشتے ہیں۔ پاکستان ایک نوآزاد ملک ہے، اور اسے عظیم و اہم مسائل کا سامنا ہے۔ لہٰذا ہمیں تعلیم کے ان اہم مقاصد کی روشنی میں آئندہ نسلوں کی ایسی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تعمیر کرنا ہے کہ ہم بہت جلد اقوام عالم کی برادری میں ایک اہم اور ممتاز حیثیت اختیار کر سکیں۔ اس کے لئے ہمیں تعلیم کے متعلق بعض فرسودہ اور مضر نظریات کو خیرباد کہتے ہوئے ایسے نقطہ نظر کو اپنانا چاہیئے جو ہمارے عزائم کو کماحقہ پورا کر سکے۔ اس کے لئے ہمیں طلبہ کی تعلیم پر بڑی توجہ دینے کی ضرورت ہے اور جب ہم تعلیم کا کوئی بھی منصوبہ بنائیں تو اس میں کھیلوں اور کسرت کے تربیتی اداروں کو ان کا جائز مقام دیں تاکہ آئندہ جب ہماری کسی بھی درسگاہ سے کوئی طالب علم فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو اس کے ہاتھ میں امتحان میں کامیابی کی سند کے علاوہ کھیلوں کے میدان میں کامیابی اور امتیاز کا تمغہ یا سرٹیفکیٹ بھی ہو جو اس امر کی ضمانت دے کہ پاکستانی قوم کا یہ معمار عالم بھی ہے، صحت مند اور توانا انسان بھی اور ذمہ دار اور باشعور شہری بھی۔

مخلوط تعلیم

مخلوط تعلیم کا رواج ہمارے ہاں ایک عرصہ سے ہے۔ متحدہ ہندوستان میں انگریزی عہد حکومت میں ہی اس کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ سلسلہ اور آگے بڑھا۔ حکومت اور قومی تعلیمی اداروں نے تعلیم کو فروغ دینے کی جس قدر کوششیں کیں ان سے یہ بات واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ تعلیم کے حصول کیلئے صنف نازک میں خاص جوش و خروش اور جذبہ پایا جاتا ہے۔ طالبات کی ایک بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم کے حصول میں گہری دلچسپی لیتی ہے، چنانچہ بڑے بڑے شہروں کے علاوہ متعدد چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی مخلوط تعلیم کے تجربات کرنے پڑے۔ حالانکہ ان تجربات کی تہہ میں مخلوط تعلیم کی حمایت کے جذبہ سے کہیں زیادہ مالی مشکلات کارفرما رہی ہیں، اور ایسے تجربات میں مغرب کی اندھا دھند تقلید کی جائے۔ عملی مجبوریوں کا ہی زیادہ تر دخل رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب جبکہ آزادی حاصل کئے ہمیں اس قدر عرصہ گذر چکا ہے اور خدا کے فضل سے وسائل کے اعتبار سے ہماری قومی حالت پہلے سے کہیں بہتر ہے۔ تو کیا ہم اس مسئلہ پر قومی نقطۂ نگاہ سے سوچنے اور قومی تقاضوں کے مطابق اسے حل کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یا نہیں؟ مخلوط تعلیم کا مسئلہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اور ہمارے قومی مستقبل کو

بگاڑنے یا سنوارنے میں یہ نہایت اہم کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمارے ہاں مخلوط تعلیم کے بارے میں دو انتہا پسندانہ اور متضاد نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کا آغاز اگرچہ ہمارے ہاں انگریزی عہد سے ہوا۔ لیکن یہ کوئی ایسی برائی نہیں ہے جسے یک قلم موقوف کر دیا جائے۔ بلکہ یہ ان چند اچھی روایتوں میں سے ایک ہے جو ایک ترقی یافتہ قوم نے ہمارے ہاں چھوڑی ہے۔ مغرب کی مخالفت میں یہ ضروری نہیں کہ ہم اچھائی یا برائی میں تمیز ہی نہ کریں۔ للہٰذا ہمیں مخلوط تعلیم کو برقرار رکھنا چاہیئے۔ یہی گروہ مخلوط تعلیم کے حق میں یہ دلیل بھی لاتا ہے کہ اب ہم ایک آزاد قوم ہیں اور ہمیں آزاد قوموں کی برادری میں قابل عزت مقام حاصل کرنے کے لئے تعلیم کے میدان میں جنسی امتیازات کو ختم کر دینا چاہیئے۔ عورتوں اور مردوں کو آپس میں ملنے کے مواقع فراہم کرنا چاہئیں تاکہ دونوں حق کر ملک کی ترقی و خوشحالی میں حصہ لے سکیں۔ کیونکہ مرد اور عورت میں صنفی بعد نہ صرف معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے بلکہ نفسیاتی اعتبار سے ایک صحت مند قوم کی نشوونما میں بھی مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس گروہ کے استدلال کا ایک اہم نکتہ خواتین کے لئے علیحدہ الگ درس گاہوں اور اداروں کے قیام کے متعلق عملی دشواریوں کا گوشوارہ پیش کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ایسی کسی تجویز کو عمل میں لانا گویا قومی مالیات پر ایک ناجائز بوجھ ڈالنا ہے۔

مخلوط تعلیم کے خلاف جو مؤقف اختیار کیا جاتا ہے اس میں اول تو مخلوط تعلیم کو مغرب کی اندھا دھند تقلید اور غلامانہ ذہنیت کا غماز قرار دیا جاتا ہے دوسرے اس گروہ کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا آزادانہ میل جول قومی ذہن کی صحت مند تعمیر و تشکیل کی بجائے اس کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ طلبہ اور طالبات تعلیم کے مقدس فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے صنفی دلچسپیوں میں الجھ جاتے ہیں۔ ان میں بے تکلفی، رومان و محبت کے جذبات کو ہوا دینے کا باعث بنتی ہے۔ فیشن پرستی، جسم کی نمائش، غیر ضروری آرائش اور تفریحی پروگراموں سے رغبت عام ہو جاتی ہے اور جنسی بے راہروی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چیز اسلامی تعلیمات اور روح کے منافی ہے۔ جو بالآخر ایک عیش کوش اور لہو و لعب کے دلدادہ معاشرہ کی تشکیل کا باعث بنتی ہے۔ اس مکتب فکر کا مخلوط تعلیم پر ایک اور قومی اعتراض یہ ہے کہ مخلوط تعلیم خود تعلیم کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ طلبہ و طالبات نہ استادوں سے ایک دوسرے کی موجودگی میں کھل کر کوئی بات پوچھ سکتے ہیں۔ اور نہ اساتذہ بے تکلفی سے درس و تدریس کا فرض سرانجام دے سکتے ہیں۔ اگر ٹھنڈے دل سے اور تعصب کی عینک اتار کر ان دونوں گروہوں کے استدلال کا جائزہ لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں کی دلیلیں کسی نہ کسی حد تک صداقت کی حامل بھی ہیں اور ایک حد تک بے وزن بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بھی معتدل نقطہ نظر اختیار کیا جائے اور عمل کی ایک ایسی راہ نکالی جائے جو ہماری ترقی پذیر قوم کے لئے آزادی، تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے خوابوں کی بھی صحیح تعبیر پیش کرے۔ مگر جو مغرب کی اندھا دھند نقالی کے الزام سے بھی مبرا ہو۔ قوم میں صحت مند اخلاقی اقدار کی

نشوونما کی آئینہ دار ہو اور اسلامی تعمیر و تشکیل میں بھی ممد و معاون ہو۔

اس نقطہ نظر کے تحت بارہ برس کی عمر تک اور زیادہ سے زیادہ مڈل کے درجہ تک لڑکوں اور لڑکیوں کو لازم مخلوط تعلیم دینی چاہیئے۔ کیونکہ بچوں میں اس عمر میں صنفی اساس تو پایا جاتا ہے۔ لیکن صنفی تقاضوں کا شعور انہیں حاصل نہیں ہوتا۔ اس عمر میں انہیں ایک دوسرے سے الگ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ان میں دوسری صنف سے متعلق ایک ایسی اجنبیت پیدا کر دی جائے جو آئندہ چل کر ان کی ذہنی ترقی کی راہ کا روڑا بن کر انہیں بہت سی جذباتی الجھنوں میں مبتلا کر دے۔ اس عمر میں اگر بچوں کو الگ رکھا جائے تو ان میں گہرے تجسس کے جذبہ کے تحت ایک ایسا صنفی ردعمل پیدا ہوگا جو یقیناً ان کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں ہوگا۔ بچپن میں طلبہ اور طالبات کا آزادانہ میل جول بالکل فطری شے ہے۔ جو آئندہ زندگی میں مخالف صنف کو سمجھنے اور اس کے احترام کا باعث بنے گا۔ کم و بیش بارہ سال کی عمر کو پہنچ کر بچے میں صنفی شعور انگڑائی لینے لگتا ہے۔ لہٰذا بچے کے بدلتے ہوئے ذہنی، جسمانی اور جذباتی تقاضوں کے پیش نظر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے ایسا سازگار اور موزوں ماحول مہیا کیا جائے جو اس شعور کو پختگی دے اور صنفی صلاحیتوں سے تعمیری کام لینے کا اہل بنائے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ درجہ مڈل کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ اداروں میں تعلیم دی جائے۔ صنفی لحاظ سے ان کا نصاب تعلیم بھی جدا جدا ہونا چاہیئے۔ مثال کے طور پر لڑکیوں کی تعلیم کا ایک بنیادی جزو، امور خانہ داری کی تعلیم و تربیت ہو انہیں گھریلو زندگی بسر کرنے کے لئے پوری طرح تیار کیا جائے خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ تعلیم کیوں نہ حاصل کرنا چاہیں۔ اس کی انہیں آزادی اور حق حاصل ہے، لیکن ایک مشرقی عورت ہونے کی حیثیت سے گھر سنبھالنے کی ذمہ داری اور اولاد کی پرورش و نگہداشت، ہر لڑکی کا ایمان ہونا چاہیئے۔ انہیں سادہ لیکن سلیقے سے زندگی بسر کرنے کا ہنر سکھایا جائے اور اسلامی عفت و حیا اور پاکیزگی کے تصورات سے ان کے ذہنوں کو جلا بخشی جائے اسی طرح لڑکوں کو آئندہ مفید شہری کرنے کی خاطر ان کے طبعی رجحانات کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے ایسی راہ پر ڈالا جائے جس سے انہیں دلچسپی بھی ہو اور قوم کو بھی فائدہ پہنچے۔ انہیں ایسے کھیلوں مقابلوں اور سرگرمیوں سے دلچسپی دلائی جائے۔ جو ان میں غیرت، شجاعت، ہمت، استقلال، آزادی رائے۔ قومی احساسات اور شرافت کے اعلیٰ جذبات و تصورات کو ابھارنے میں مددگار ثابت ہوں اور ان کی صنفی صلاحیتوں کو صحت مندانہ طور پر آگے بڑھائیں انہیں اسلامی اخلاقی اقدار سے نہ صرف روشناس کرایا جائے۔ بلکہ ان کی زندگی کو عملاً اس سانچے میں ڈھالا جائے مخلوط تعلیم کے بارے میں یہ معتدل رویہ اختیار کر کے طلبہ اور طالبات میں اخلاقی بے راہروی گھٹیا درجہ کی رومان پسندی کے رجحانات کا انسداد بڑی خوش اسلوبی سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے طلبہ و طالبات جب پختگی کی عمر کو پہنچ کر زندگی میں باہم ملیں گے تو ان کا طرز عمل بڑا مختلف ہوگا۔ وہ صنف مخالف میں گھٹیا درجہ کی دلچسپی لینے کی بجائے احترام، خود اعتمادی، عزت نفس اور شرافت کا ایسا طرز عمل اختیار کریں گے جو یقیناً ہماری قوم کے لئے خوش آئند بھی ہوگا اور قابل فخر بھی۔ لہٰذا اعلیٰ تعلیم کے مدارج میں اگر دوبارہ مخلوط طریق تعلیم کو اختیار کیا جائے تو نہ

صرف یہ کہ اس میں کسی بڑی قباجب کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ پاکستانی مرد اور عورت جب اس سطح پر باہم ملیں گے تو وہ اس کے اہل ہو چکے ہوں گے کہ مستقبل میں قومی ترقی و خوشحالی اور ملک کے تحفظ و بقاء کے مقدس فریضہ کو سرانجام دینے میں ایک دوسرے کے دوش بدوش باشعور اور ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے حصہ لے سکیں ۔

اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام

انسانی تہذیب و معاشرہ کی رہنمائی کے سلسلہ میں اسلام نے انسانیت پر جو ان گنت احسانات کئے ہیں ان میں معاشرہ میں عورت کے مقام کا واضح تعین بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ دنیا کا کوئی بھی غیر متعصب، غیر جانبدار اور انصاف پسند انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ظہور اسلام سے قبل کوئی بھی تہذیب اس کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ جو حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں ان کا شمہ برابر بھی اس تہذیب میں عورت کو حاصل تھا ۔ یہی نہیں بلکہ زمانہ ماضی قریب میں کئی ترقی پسندی کا دعویٰ کرنے والے معاشروں میں بھی عورت کو نہایت ذلیل مخلوق اور مرد کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور سچ تو یہ ہے دنیا کے بعض خطوں میں عورت کو آج بھی ایسی پست حیثیت حاصل ہے جو اسے انسانیت کے درجہ سے گری ہوئی مخلوق ثابت کرتی ہے ۔ یونانی تہذیب جو انسانی فکر و فلسفہ کے ارتقاء کا ایک ایسا موڑ اور رُخ پیش کرتی ہے کہ جس کے ذکر کے بغیر انسانی تہذیب کے ارتقاء کی ہر داستان نامکمل اور ناقص رہ جاتی ہے ۔ ذرا اس کے عظیم مفکروں کے اقوال ملاحظہ کیجئے سقراط کا قول یہ ہے کہ "عورت ایک عظیم فتنہ ہے" افلاطون کا کہنا ہے کہ "سب ذلیل اور ظالم مرد اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں عورت بن جاتے ہیں " یہی وجہ ہے کہ یونانی تہذیب میں مرد کے مقابلہ میں عورت کو فروتر حیثیت حاصل تھی ۔ عورت کو بھی غلاموں کی طرح مرد کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا ۔

عیسائیت نے جہاں انسانی معاشرہ کو نئے اخلاقی تصورات اور عقائد سے روشناس کرایا، وہاں عورت کے بارے میں یوحنا کا قول یہ ہے کہ "عورت امن و سلامتی کی دشمن ہے " اسی پر بس نہیں ہے ۔ عیسائی پادریوں میں تو ابھی کچھ دیر پہلے تک یہ بحث عام تھی کہ "عورت میں روح ہوتی ہے یا نہیں " صاف ظاہر ہے کہ جہاں عورت کے بارے میں اس قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں ۔ وہاں اس کی سماجی حیثیت کیا ہو سکتی ہے ، عیسائیت سے قطع نظر کیجئے تو ہندوستان کو لیجئے ۔ ہندوستان میں بدھ مت کے پرستار جانوروں پر تو ظلم و ستم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے لیکن عورت کے بارے میں ان کے ہاں یہ تصور عام تھا کہ "جس مرد کا رابطہ عورت سے ہو گا ، اسے نروان حاصل نہیں ہو سکتا گویا عورت وہ بدی اور برائی ہے جو مرد کی نجات میں مخل ہوتی ہے ، پھر ذرا ہندو دھرم کو لیجئے ، تو معاملہ کی نزاکت اور بھی شدت سے سامنے آئے گی ۔ ہندوؤں میں یہی ڈیڑھ دو سو سال قبل تک ستی کی رسم عام تھی ، عورت کو اپنے

شوہر کے بعد زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اور اسے شوہر کی چتا میں کود کر خودکشی کرنی پڑتی تھی اور آج تک ایسی اطلاعات ملتی رہتی ہیں جن سے اس مذموم رسم کے اعادہ کی کوششوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر عورت کو ہندو گھرانہ میں شوہر کی برابری اور رفاقت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ تو اس کی داسی اور باندی ہے اس سے ہندو معاشرہ میں عورت کی حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل عربوں میں عورت کو باعث ذلت و ننگ سمجھا جاتا تھا چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی انہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے واضح طور پر اعلان کیا کہ عورت مرد کی غلام ہے نہ ملکیت، اگر مردوں کے عورتوں پر کچھ حقوق ہیں تو بعینہ عورتوں کے مردوں پر کچھ حقوق ہیں اور ان حقوق کو نہ کوئی غصب کر سکتا ہے اور نہ ان میں کوئی ترمیم کی جا سکتی ہے کیونکہ اسلام کے اصول و آئین اٹل ہیں۔ یہ درست ہے کہ قرآن حکیم نے "الرجال قوامون علی النساء" کہہ کر اس بات کی ضرور نشاندہی کر دی کہ چونکہ جسمانی ساخت اور بناوٹ کے اعتبار سے مرد کو عورت سے قوی پیدا کیا گیا ہے اس لئے معاشرتی نظام میں اس کی ذمہ داریاں عورت سے زیادہ ہیں لیکن اس سے عورت کے معاشرتی مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اگر تعلیم مرد پر فرض ہے تو عورت پر بھی چنانچہ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مُسْلِم و مسلمۃ اس کی واضح دلیل اور ثبوت ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ عورت مرد سے کسی صورت پیچھے رہے۔ جہاں تک خاوند اور بیوی کی متاہل زندگی کا تعلق ہے۔ اسلام نے عورت کو گھر میں بڑا باعزت مقام دیا ہے۔ اور وفادار اور نیک بیوی کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں تاکہ مرد کہیں عورت پر زیادتی اور ظلم روا نہ رکھے۔ بیوی کو مرد کی کمائی اور اسے صرف کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں لیکن اگر کہیں میاں بیوی میں ایسی ناچاقی پیدا ہو جائے کہ ان کا باہم زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے تو طلاق کے وقت مرد کو حق مہر کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ بیوہ کو اسلام نے دوسرے عقد کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح اسلام نے باپ کی جائیداد میں بیٹوں کو اور خاوند کی جائیداد میں بیوی کو بھی دوسرے وارثوں کی طرح حقدار قرار دیا ہے۔ بحیثیت ماں عورت کو اسلام نے عزت و احترام کا وہ مقام عطا کیا ہے کہ جس کی مثال کہیں اور نہیں ملے گی۔ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔" اس ارشاد کی رو سے اسلام نے فرزندوں کو، ماں کی خدمت کی وہ ترغیب دی گئی ہے کہ ایک مسلمان کی نکوکاری اور پرہیزگاری داغدار ہو جاتی ہے، اگر وہ ماں کی خدمت سے گریز کرتا ہے، اسی طرح بھائیوں پر بہنوں کے حقوق واجب ٹھہرائے گئے ہیں اور باپ پر بیٹی کے فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے عبادت اور پرہیزگاری کے دروازے مرد اور عورت پر یکساں طور پر کھولے ہیں ورنہ دنیا کے بعض دوسرے اور اہم مذاہب میں عورتوں کو عبادت گاہوں میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

عورت پر اسلام کے بنیادی ارکان کی پابندی اسی طرح لازم ہے جس طرح مرد پر، صاف ظاہر ہے کہ اسلام دنیا اور دین دونوں میں عورت اور مرد میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتا۔ عورت کے لئے بھی بخشش اور نجات کے راستے اسی طرح کھلے ہیں جس طرح کہ مرد پر۔ اگر اسلام عورت کو مرد کے مساوی حیثیت دینے کا مدعی نہ ہوتا تو پھر ہرگز

ہرگز نیک بیوی کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار نہ دیا جاتا۔

اسلام کی اسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان عورتوں نے ہر میدان میں بڑے بڑے معرکے سرانجام دیئے۔ چنانچہ اسلام کے عہد زریں میں ہماری تاریخ بہادر، مدبر اور اہل علم و فضل عورتوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے مسلمان عورتیں مردوں کے دوش بدوش جنگوں میں حصہ لیتیں اور فوجوں کی رہنمائی کرتیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح فرانس کے بادشاہ لوئیس کو مسلمان خاتون نے ہی شکست فاش دی تھی۔ حضرت زبیدہؒ نے ملک کے رفاہی کاموں میں نمایاں خدمات سرانجام دیں اور مامون الرشید کی بیوی نے کئی مدرسے اور شفاخانے قائم کئے، متحدہ ہندوستان میں ملکہ رضیہ سلطانہ نے باقاعدہ حکومت کی ہے۔ ملکہ نور جہاں کے تدبر و فراست سے کون واقف نہیں ہے اور شہزادی زیب النساء کے علم و فضل اور شاعرانہ صلاحیتوں سے کون بے خبر ہوگا۔

پاکستان اور ایٹمی توانائی

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔ (اقبالؒ)

لامحدود ضروریات

"ضرورت ایجاد کی ماں ہے" یہ ایک مشہور کہاوت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے تحت انسان نئی نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے۔ جوں جوں اس کی ضروریات بڑھتی ہیں توں توں وہ ان کی تکمیل کے لئے نئے نئے ذرائع و وسائل اختیار کرتا ہے اور نئی چیزیں بناتا اور تیار کرتا ہے۔ انسانی ضروریات لامحدود ہیں ان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انہی ضروریات کے لحاظ سے انسان نئے نئے ذرائع سوچتا اور اختیار کرتا ہے۔ ہم دنیا میں جس قدر تعمیر و ترقی دیکھتے ہیں وہ انسان کے اسی نظریے کے تحت عمل میں آئی ہے۔

وطن عزیز کے تقاضے

ہمارا وطن عزیز پاکستان ابھی ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اسے اپنی تعمیر و ترقی کے لئے مختلف ذرائع و وسائل سے کام لینا ہے۔ ہمارے مشہور وسائل قوت معدنی تیل، کوئلہ، قدرتی گیس، برقابی طاقت اور بائیو گیس وغیرہ ہیں۔ شمسی توانائی بھی ایک وسیلہ قوت ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔

تعمیر و ترقی کے میدان میں ہماری ضروریات اس قدر وسیع و لامحدود ہیں کہ موجودہ وسائل اور ذرائع قطعاً ناکافی ہیں اس لئے ہمیں لامحالہ ایٹمی توانائی کے حصول پر اپنی مساعی اور کوششوں کو مرکوز کرنا ہے بڑھتی ہوئی آبادی اور پیہم روز افزوں ضروریات کے پیش نظر اگر ہم نے اس شعبے میں غفلت اور کوتاہی سے کام

لیا تو ہماری تعمیر و ترقی کا تمام تر نظام اور پروگرام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

پاکستان کا ایٹمی دور

یہ امر موجب اطمینان ہے کہ پاکستان کے پہلے ایٹمی بجلی گھر نے کراچی میں ۱۹۷۲ء میں کام شروع کر دیا تھا اور اس کے بعد راولپنڈی کے قریب کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا قیام ایک اہم پیش رفت ہے۔ اس ضمن میں ہمارے دو مایہ ناز سائنسدان ڈاکٹر محمد منیر اور ڈاکٹر عبدالقدیر شبانہ روز ریسرچ و تحقیق سے کام لے کر ملک و قوم کی بہترین خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے بلاشبہ اپنی اعلیٰ سائنسی و فنی صلاحیتوں سے کام لے کر پاکستان کو ایٹمی توانائی کے لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

مخالفانہ پراپیگنڈا

بیرونی دنیا اور بالخصوص بھارت امریکہ اور اسرائیل "اسلامی بم" کا ہوا کھڑا کر کے ہمارے ایٹمی منصوبے کے خلاف مسلسل پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ اور یوں ہمیں بدنام کرنے کی مذموم کوشش جاری ہے۔ حکومت پاکستان اس ضمن میں بار بار اس امر کی یقین دہانی کراتی رہتی ہے کہ ہمارا ایٹمی پروگرام سراسر پرامن اور تعمیری مقاصد کے لئے ہے اور یہ کہ ہمیں خواہ مخواہ ایٹمی اسلحہ کی تیاری کی دوڑ میں شرکت نہیں کرنی ہے۔ لیکن ان تمام یقین دہانیوں کے باوجود مذموم پراپیگنڈا کی یہ مہم مسلسل جاری ہے۔ ہمیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہیئے اور اسے خاطر میں نہیں لانا چاہیئے بلکہ اپنے ایٹمی منصوبے اور پروگرام کو مسلسل جاری و ساری رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

ہمارا اصل مقصود

ہمارا اصل مقصود ایٹمی دھماکا یا ایٹمی اسلحہ کی تیاری نہیں ہے بلکہ ہم تو اس سے کہیں اعلیٰ چیز کی جستجو میں ہیں۔ ہم تو محض ٹیکنالوجی کے شعبے کا استحکام اور فروغ چاہتے ہیں تاکہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور عوام کو پرمسرت زندگی دے سکیں۔ ایٹمی ٹیکنالوجی میں پیش قدمی کا صنعت اور زراعت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ ایٹمی پیش رفت نے الیکٹرانکس انڈسٹری پر خوشگوار اثر ڈالا ہے اور بہتر نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ ملک میں کمپیوٹر کا علم پہلے کے مقابلے میں کہیں بڑھا ہے۔ انڈسٹری کے علاوہ ہم نے تعلیم کے میدان میں بھی خوشگوار اضافے کئے ہیں۔

جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت

بقول ڈاکٹر محمد منیر، ہم جوہری ہتھیاروں کے جنون میں مبتلا نہیں ہیں ہمارے عزائم عالمی طاقت بن جانے کے بھی نہیں۔ فقط عوام کی اقتصادی بہبود پیش نظر ہے۔ چونکہ ہم اپنے وسائل اور ذخائر کو روائتی انداز میں ترقی دے کر افلاس اور پسماندگی سے نجات نہیں پا سکتے۔ اس لئے جدید ترین ٹیکنالوجی کے حصول اور فروغ میں سرگرم عمل ہیں۔ ہماری قوم کو کچھ احساس ہی نہیں کہ آئندہ دس بیس برس میں ہمارے پاس کتنے قدرتی وسائل رہ جائیں گے اور زرمبادلہ کے ذخائر کس حال میں ہوں گے۔

زرمبادلہ کا مسئلہ

تیل کی قیمتوں میں مسلسل اضافے سے پاکستان تیل کی درآمد پر زر کثیر

خرچ کر رہا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں تیل کا بل ۸۰۴ بلین ڈالر یعنی زر مبادلہ کا ۸ فیصد تھا۔ ۱۹۸۱ء میں یہی بل ۱۵۰ بلین ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔ جو زر مبادلہ کا ۶۰ فیصد ہضم کر جاتا ہے۔ اگر یہی حال رہا تو آئندہ چند برسوں میں ترکی کی طرح ہمارے زر مبادلہ کے تمام ذخائر تیل کی درآمد پر اُٹھ جائیں گے۔ اور ہم تیل کے سوا اور کوئی چیز درآمد نہ کر سکیں گے۔ فوجی اسلحہ آسکے گا، نہ صنعتی مشینری، خام مال درآمد ہو گا اور نہ ہنگامی حالات میں خوراک، اس نازک وقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اب ملک میں تیل کی دریافت کا تناسب بڑھ رہا ہے، تاہم ہماری ضروریات کا تناسب بہت افزوں تر ہے۔

پست معیارِ زندگی ہمارے عوام کا معیارِ زندگی اس قدر پست اور اقتصادی ترقی اس قدر سست ہے کہ ہم دوسرے ملکوں کے مقابلے میں پہلے ہی توانائی انتہائی کم خرچ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں تقابلی مطالعہ بڑا ہی حیرت انگیز ہے۔ ۱۹۷۸ء میں بجلی اور کمرشل توانائی کی عالمی کھپت کی اوسط ۱۸۰۰ کلو واٹ فی کس تھی۔ جبکہ پاکستان میں صرف ۱۸۰ کلو واٹ ہے۔ امریکہ میں اس کی اوسط دس ہزار کلو واٹ فی کس ہے۔ یعنی پاکستان سے ۵۵ گنا زیادہ۔ ہمارا توانائی کا دائرہ پہلے ہی بہت محدود ہے۔ ہمارے قدرتی وسائل تیل، گیس اور کوئلے پر مشتمل ہیں۔ اگر ہم تمام غیر ثابت شدہ ذخائر کو بھی ثابت شدہ تصور کر لیں تو وہ عالمی ذخائر کا ۳ فیصد اور بھارت کے ذخائر کا ۱۰ فیصد بنتے ہیں۔ اور امریکہ میں صرف ایک سال کی کھپت کے برابر۔

بجلی کا تخمینہ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں کل بیس ہزار میگا واٹ پن بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جبکہ بمشکل آٹھ ہزار میگا واٹ کمرشل استعمال میں آسکے گی۔ اس وقت ۱۶۵۰ میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کی مشینری نصب ہے اور اگر توسیع کے سارے منصوبے وقت پر مکمل ہو گئے تو سن ۱۹۹۰ء میں چار ہزار پانچ سو میگا واٹ بجلی دستیاب ہو سکے گی اور مستقبل کے لئے صرف ساڑھے تین ہزار یا زیادہ سے زیادہ ساڑھے پانچ ہزار میگا واٹ محفوظ رہیں گے جو قطعاً ناکافی ہیں۔

لمحۂ فکریہ ان حالات میں اگر ہم توانائی کے متبادل ذرائع تلاش نہیں کرتے اور اپنے ان وسائل پر انحصار کرتے ہیں جو روایتی طریقوں سے دستیاب ہوں گے تو اقتصادی ترقی کی شرح مشکل ہی سے ۳ فیصد رکھ سکیں گے۔ ہماری آبادی میں اضافے کی رفتار بھی یہی ہے اس طرح ہم اپنی مجموعی قومی پیداوار میں کوئی اضافہ نہ کر پائیں گے۔

صنعتی ترقی، عوام کی خوشحالی اور تکنیکی بنیاد کا خیال ہمیشہ کے لئے ذہن سے نکال دینا ہو گا اور یوں ایک دن ہماری حالت بھکاریوں کی سی ہو جائے گی۔ اس بھیانک صورتِ حال سے بچنے کیلئے ہمارے لئے ایٹمی توانائی کا حصول ناگزیر ہے۔

عظیم ایٹمی انقلاب: ایٹمی توانائی کی بدولت ہم اپنے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں عظیم انقلاب

برپا کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم نئی تکنیک استعمال کر کے زرعی پیداوار میں دس گنا اضافہ کر سکتے ہیں پاکستانی سائنس دانوں نے چاولوں کی ایک نئی قسم "کشمیر باسمتی" تیار کی ہے اور اس سے آزاد کشمیر، سوات اور پہاڑی علاقوں کے حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ اب وہاں تین چار ہفتے پہلے ہی فصل تیار ہو جاتی ہے اور سردیوں کے مضر اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔ اسی طرح کپاس کی نئی اقسام تیار ہو چکی ہیں۔

ایٹمی سٹوریج

ایٹمی شعاعوں کے ذریعے زرعی اجناس کو دیر تک ٹھیک حالت میں رکھا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آلو اور گندم کو ایک ڈیڑھ سال خراب ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ ہماری فصلوں کی ۲۰ فیصد پیداوار کیڑے مکوڑے کھا جاتے ہیں۔ اگر اسٹوریج میں ایٹمی شعاعیں استعمال کر لی جائیں، تو ہم بڑے نقصان سے محفوظ ہو جائیں گے۔ امریکہ میں دس شعاع زدہ اشیائے خوردنی فروخت ہوتی ہیں۔ ان کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ وہ صحت کے لئے بھی مضر نہیں ہوتیں۔ صرف وہ بیکٹیریا مر جاتے ہیں، جو ان اشیاء کو سڑا دیتے ہیں۔

ریگ زار گلزار

اس کے علاوہ ہمارے سائنسدانوں نے کلر زدہ زمین کے لئے خاص قسم کی گھاس تیار کی ہے۔ اسے کاشت کیجئے، جانوروں کو کھلائیے اور تین چار سال کے بعد اس زمین سے اچھی فصل لے لیجئے، یہ گھاس ایک طرح کی کھاد کا کام کرتی ہے اور وہ زمین جس میں کچھ نہیں اگ سکتا، اسے قابلِ کاشت بنا دیتی ہے۔ ایسی فصلیں بھی دریافت کی گئی ہیں جو کھاری پانی میں تیار ہو سکتی ہیں۔

طب و زراعت میں ترقی

طبی میدان میں بھی ایٹمی توانائی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایٹمی شعاعوں کے ذریعے سرطان کے علاج سے عام آدمی کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ دراصل زراعت اور طب، دو ہی ایسے شعبے ہیں جن کے ذریعے ایٹمی توانائی کمیشن کے وجود کا عام شہری کو بھی احساس ہوتا ہے۔ جبکہ بجلی کے بلب سے اسے کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس شعبہ میں بھی حیرت انگیز انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔

حاصل کلام

الغرض ایٹمی توانائی کا وسیع تر بنیادوں پر حصول میرے لئے اشد ضروری ہے ورنہ تعمیر و ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ ڈاکٹر محمد منیر اور ڈاکٹر عبدالقدیر اس ضمن میں قابل قدر کام کر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وہ اس میدان میں قوم کو مایوس نہیں کریں گے۔

یہ تو ایٹمی مسئلے کا پرامن اور تعمیری پہلو ہے۔ اب ہمیں ذرا دفاعی پہلو پر غور کرنا ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بھارت ہمارا بد ترین دشمن ہے، وہ روس سے گٹھ جوڑ کر کے پہلے ہی پاکستان کو دو لخت کر کے بنگلہ دیش بنا چکا ہے۔ اسی طرح افغانستان میں روس آگ اور خون کا جو کھیل کھیل رہا ہے۔ اس میں بھارت بھی برابر کا شریک ہے اور اس نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے اور اہل کشمیر کو حق خود ارادیت سے محروم کر رکھا ہے۔ اس نے پاکستان کو ابھی تک دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اب بھی وہ مسلسل ہمارے اندرونی معاملات

میں مداخلت کر رہا ہے۔ ان حالات میں ہمیں اپنے دفاع سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمارے عزائم جارحانہ نہیں ہیں، لیکن اگر کوئی ملک ہمارے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرے تو ہمیں اس کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیئے۔

ایٹمی پروگرام پر پابندی صرف ہم پر ہی کیوں عائد کی جاتی ہے! بھارت پر بھی تو یہ پابندی عائد ہونی چاہیئے۔ ہمیں اپنے آپ کو اس امر کے لئے تیار رکھنا چاہیئے کہ اگر کبھی خدانخواستہ بھارت ہمیں ایٹم بم کے استعمال کی دھمکی دے تو ہم بھی ترکی بہ ترکی اس دھمکی کا جواب دے سکیں۔ اب تک پچھلے پچاس سال کے عرصہ میں صرف جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکے گئے تھے۔ اس کے بعد اگرچہ بموں سے ہزارہا گنا زیادہ طاقت کے ایٹم بم بلکہ ہائیڈروجن بم وغیرہ تیار ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کا استعمال عمل میں نہیں آیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ محض قوت کا مظاہرہ اور دشمن کے لئے ڈراوا ہے، کمزوری جارحیت کو دعوت دیتی ہے۔ قوت ہی دفاع اور سلامتی کی ضمانت فراہم کر سکتی ہے اور ہمیں اس سے ہرگز ہرگز غافل نہیں رہنا چاہیئے

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی — دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

(ماخوذ اردو ڈائجسٹ)

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کی وجوہات اور ان کا تدارک

سب سے پہلے ہمیں اخلاق و کردار کے مفہوم کا تعین کرنا ہے۔ اخلاق خلق کی جمع ہے۔ یعنی دعائیں اور خصائل۔ اور کردار کے معنی ہیں روش، عمل یا فعل۔ اخلاق انسان کے تمام اعلیٰ اوصاف و خصوصیات سے عبارت ہے، مثلاً صداقت و دیانت، راستبازی، عدل و انصاف، اخوت و محبت، ایفائے عہد، رواداری، مستقل مزاجی صبر و استقامت، تحمل و بردباری، ایثار و قربانی اور احسان و مروت وغیرہ۔ انسان کے یہی اعلیٰ اوصاف جب عملی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو اسے کردار سے موسوم کیا جاتا ہے۔ گویا اخلاق و کردار کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

یہاں ایک بنیادی نکتہ سمجھ لینا چاہیئے، جب ہم اخلاق و کردار پر بحث کرتے ہیں تو ہمارا واسطہ دو پہلوؤں یا نظریوں سے پڑتا ہے۔ ایک پہلو یا نظریہ تو وہ ہے جو انسان کا اپنا وضع کردہ اور اختیار کردہ ہے اور دوسرا پہلو یا نظریہ وہ ہے جسے خود خالق کائنات نے بذریعہ وحی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ انسان کے اپنے خود ساختہ نظریے کو خامی اور نقص سے مبرا نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن جو نظریہ اللہ تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی رسولوں اور نبیوں کے ذریعے پیش فرمایا ہے، اس میں کسی قسم کی خامی یا نقص کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

چونکہ زیر بحث موضوع میں لفظ "ہمارے" پر زور دیا گیا ہے۔ اس لئے لامحالہ اس سے یہ حقیقت واضح

ہو جاتی ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہم ایک مخصوص نظریہ و عقیدہ رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم اپنے اس نظریہ و عقیدہ کو ایمان کا نام دے سکتے ہیں۔ اب ظاہر ہے، ہمارے اخلاق و کردار کا اس ایمان سے گہرا تعلق ہے یہ ایمان جس قدر مضبوط و مستحکم ہوگا۔ اسی قدر ہمارا اخلاق و کردار پختہ و پائیدار ہوگا اور جس قدر اس ایمان میں ضعف و کمزوری آجائے گی، اسی قدر ہمارا اخلاق و کردار پستی و گراوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

لہٰذا ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہی ضعف ایمان ہے۔ جب تک مسلمان جذبۂ ایمان سے سرشار رہے اور ان کے دلوں میں ایمان کی حرارت اپنے اثرات دکھاتی رہی۔ ان کا اخلاق و کردار مثالی رہا۔ دنیا ان کے اخلاق و کردار کی سند پیش کرتی تھی اور اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی بدولت ہمارے اسلاف دنیا میں سرخرو کامیاب و کامران تھے لیکن جب مسلمان ضعف ایمانی کا شکار ہو گیا تو اس کے اخلاق و کردار پستی اور تنزل کی گہرائیوں میں جا گرے۔ اس کی ساکھ ختم ہو کر رہ گئی اور وہ انسانیت کے لئے ایک بدنما دھبہ بن کر رہ گیا۔

اندریں حالات ہم اپنے اخلاق و کردار کو پھر سے اسی صورت میں سنوار سکتے ہیں۔ جبکہ ہم اپنے دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کریں اور عقیدے اور نظریے کی پختگی کا سامان کریں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے ؟ وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے، آغوش محبت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کا اہم سبب اسلامی تعلیمات سے روگردانی ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کی تعلیمات اور اصول و اقدار پر عمل کرنے میں ہماری دین و دنیا کی سرخروئی مضمر ہے۔ اسلام محض پوجا پاٹ اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی ہر شعبہ زندگی میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے زریں اصولوں اور تعلیمات پر عمل کر کے قرونِ اولیٰ کے مسلمان چار دانگ عالم پر چھا گئے اور انہوں نے سیرت و کردار کے ایسے اعلیٰ نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ آج ہم نے اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس لئے ہمارے اخلاق و کردار گراوٹ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں اور ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اس گراوٹ اور پستی سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں اور اسلام کے ضابطۂ اخلاق کی مکمل پیروی کریں۔

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کا ایک اہم سبب حد سے بڑھی ہوئی مادہ پرستی ہے۔ ہم نے روحانی اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہے اور مادیت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ہر شخص ہوس زر میں مبتلا ہے وہ

راتوں رات امیر اور امیر سے امیر تر ہونا چاہتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا ہے کہ جائز و ناجائز کیا ہے؛ بس وہ تو ہر قیمت پر اپنا معیار زندگی بلند کرنا چاہتا ہے۔ اسے اخلاقی اور روحانی قدروں کی قطعاً پروا نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف بدعنوانی، رشوت ستانی، کنبہ پروری، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری جیسی بے شمار خرابیوں کا دور دورہ ہے۔ ان خرابیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ جب تک مادہ پرستی کے اس بھوت کا خاتمہ نہ کیا جائے اور روحانی و اخلاقی اقدار کو فروغ نہ دیا جائے اس وقت تک اخلاق و کردار کی اصلاح ممکن نہیں۔

بقول علامہ اقبالؒ ؎

تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری　　　　مری دعا ہے کہ تیری آرزو بدل جائے

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کا ایک بڑا سبب حکومت کی نااہلی اور غیر ذمہ داری ہے ہم نے خدا و خلق کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی مملکت بنایا جائے گا۔ یہاں ایسا نظام رائج کیا جائے گا جس کے ذریعے ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں گے۔ ہم نے یہاں اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کے قیام کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس کے ہمارے حکمرانوں نے اس وعدے کو پس پشت ڈال دیا۔ وہ اقتدار کی جنگ میں الجھے رہے اور اپنے مذموم عزائم و مقاصد کی تکمیل کرتے رہے۔ اگرچہ اس ضمن میں کچھ نہ کچھ کام ہوا ہے۔ لیکن یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ ہم ابھی تک اسلامی معاشرے اور اسلامی نظام کے قیام کی منزل سے کوسوں دور ہیں۔ جب تک حکومت اپنے اس فریضے کی تکمیل نہیں کرے گی، صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جائے گی اور ہمارے اخلاق و کردار کے سنورنے کی کوئی صورت نہ بن سکے گی۔

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کی ایک بڑی وجہ معاشرے کی اجتماعی بے حسی ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ جب تک ہر فرد اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرے، معاشرہ کبھی رو بہ اصلاح نہیں ہو سکتا۔ حدیثِ رسولؐ ہے "تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے" اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام افراد مل کر اصلاحِ احوال کے لئے جدوجہد کریں۔ وہ محض دوسروں کو مطعون کرنے کی بجائے اپنے گریبان میں بھی جھانکیں، اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو بھی پہچانیں۔ جب تک یہ نہیں ہوگا، اصلاح کی امید محض خام خیالی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر　　　　ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

والدین کا فرض ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے اخلاق و کردار کی اصلاح کریں اور پھر اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ گھر کا ماحول نئی پود کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تخریب میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہمیں اس خانگی ماحول کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ اولاد کے لئے والدین کا بہترین تحفہ اور عطیہ اچھی تعلیم ہے۔" شوہر اپنی بیوی کے اخلاق و کردار کا ذمہ دار

ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ خود بھی اخلاق و کردار کا بہترین نمونہ پیش کرے اور اپنے اہل خانہ کے اخلاق و کردار پر بھی نظر رکھے اور جہاں تک ہو سکے اخلاق و کردار کے منافی کسی صورت حال کو گوارا نہ کرے۔ عورتوں میں جو بے پردگی، عریانی، حد سے بڑھی ہوئی فیشن پرستی اور اخلاقی بے راہ روی دیکھنے میں آتی ہے، اس کی ذمہ داری براہ راست مرد پر عائد ہوتی ہے۔ عورت کو چراغ خانہ بن کر رہنا چاہیئے نہ کہ شمع انجمن! مرحوم اکبر الہ آبادی نے کیا خوب طنز کی ہے۔

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب ان کو نہیں آتا، انہیں غصہ نہیں آتا

بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا!
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا۔

عورتوں کو خود بھی پردے، ستر پوشی اور شرم و حیا کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے شرم و حیا ہی ایک عورت کا اصل زیور ہے، یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ کچھ مغرب زدہ خواتین ایسا لباس استعمال کرتی ہیں جس سے پردے، حجاب اور ستر پوشی کے تقاضے قطعاً پورے نہیں ہوتے۔ حدیث رسول ہے کہ "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عورتیں لباس پہنیں گی لیکن وہ عریاں ہوں گی" لہٰذا عورتوں پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اسلامی و مشرقی روایات کی پاسداری کریں۔

نئی پود کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں اساتذہ بھی ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے اساتذہ کا اپنا اخلاق و کردار مثالی ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے تصورات و نظریات اپنے طلبہ تک منتقل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ طلبہ ان کے کردار و سیرت کی پیروی کرتے ہیں، اس طرح تعلیمی اداروں کا ماحول ہمارے نوجوانوں کے اخلاق و کردار پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے اور اساتذہ اس ضمن میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال

شیخ مکتب ہے ایک عمارت گر   جس کی صنعت ہے روح انسانی

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال کا ایک سبب دینی حلقوں کی نااتفاقی اور چپقلش ہے۔ علمائے کرام کا کام لوگوں کی رہنمائی کرنا اور انہیں دین کے اصل اور بنیادی تقاضوں اور تعلیمات سے آگاہ کرنا ہے۔ لیکن یہ ایک افسوسناک صورت حال ہے کہ ان کی باہمی نااتفاقی اور چپقلش قوم پر اور خاص طور پر نئی پود پر انتہائی مضر اور منفی اثرات مرتب کر رہی ہے اور ان کے اس غلط طرز عمل کے باعث ہمارے نوجوان اپنے مذہب، روایات اور تہذیب و تمدن ہی سے بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔ علمی اختلاف میں کچھ قباحت نہیں لیکن اس اختلاف کو دشمنی، عداوت، نفرت بیزاری اور دلآزاری میں بدل دینا کسی طرح قرین قیاس نہیں۔ جب تک ہمارے دینی حلقے مکمل اتحاد و یک جہتی

اور یگانگت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ہمارے اخلاق و کردار کی اصلاح کا کام تشنۂ تکمیل رہے گا۔

بقول علامہ اقبال ؎

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہمارے اخلاق و کردار کے زوال میں سینما، ریڈیو، ٹی۔وی، وی سی آر اور اخبارات و رسائل اور منفی قسم کے لٹریچر کا بھی کافی حصہ ہے۔ سینما میں اخلاق سوز، مار دھاڑ، وارداتوں اور جرائم پر مبنی فلمیں دکھائی جاتی ہیں یہ فلمیں ہمارے نوجوانوں کے اخلاق و کردار کو بری طرح متاثر کرتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سینما کی اس انداز میں اصلاح کی جائے جس سے ہمارے نوجوانوں کے اخلاق و کردار پر مثبت اور صحت مندانہ اثرات مرتب ہوں

یہی معاملہ ریڈیو، ٹی وی اور وی سی آر کا ہے۔ جہاں تک ہمارے ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق ہے پہلے کے مقابلے میں ان کی کافی حد تک اصلاح ہو چکی ہے۔ البتہ اصلاح کے اس پہلو کو اور وسعت دینے کی ضرورت ہے لیکن اس کی رہی سہی کسر انڈیا ریڈیو اور ٹی وی پوری کر دیتے ہیں۔ بالخصوص انڈیا کے اکثر ٹی وی پروگرام انتہائی فحش، حیاسوز اور مخرب اخلاق ہوتے ہیں اور پھر وی سی آر پر جو بھارتی فلمیں دکھائی جاتی ہیں وہ تو انتہائی لچر اور فحش ہوتی ہیں۔ اس طرح وی سی آر کا استعمال ایک وبا کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔

ہم اپنے ہاں جو تھوڑے بہت اصلاحی اقدامات کرتے ہیں۔ ان پر بھارتی ٹی وی کے پروگرام اور وی سی آر پر دکھائی جانے والی بھارتی فلمیں پانی پھیر کر رکھ دیتی ہیں۔ یہ ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ اور چیلنج ہے اس کا تدارک کئے بغیر اخلاق و کردار کی اصلاح امر محال ہے۔

ہمارے ہاں اخبارات و رسائل بھی اخلاق و کردار پر منفی اثر ڈالتے ہیں۔ یہ اخبارات و رسائل بے تحاشا فلمی اشتہارات اور مخرب اخلاق اور حیاسوز رنگین ایڈیشن اور فیچر شائع کرتے ہیں۔ یہ اخبارات و رسائل اپنی اشاعت بڑھانے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتے ہیں اور انہیں اس بات کی قطعاً پروا نہیں ہے کہ ان کی اس کارروائی سے ہمارے نوجوانوں کے اخلاق و کردار پر کس قدر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انہیں تو بس روپیہ بٹورنے کی فکر ہے۔ قوم کا اخلاق و کردار جائے بھاڑ میں! ان اخبارات و رسائل کے لئے ایک باقاعدہ ضابطۂ اخلاق مرتب ہونا چاہیئے اور اس ضابطے پر سختی سے عمل درآمد کرانا چاہیئے۔

اسی طرح منفی قسم کا لٹریچر جنسی، جاسوسی اور اسی قبیل کے ناول اور افسانے وغیرہ بھی ہمارے اخلاق و کردار پر تباہ کن اثرات ڈالتے ہیں۔ ان کا تدارک بھی اصلاح احوال کے لئے ضروری ہے۔ مخرب اخلاق غیر ملکی لٹریچر کی روک تھام بھی ضروری ہے۔

ہم اور ہماری پہچان

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری (اقبالؒ)

ہر قوم کی ایک پہچان ہوتی ہے۔ اس کی ایک انفرادی اور جداگانہ حیثیت ہوتی ہے۔ اس کی یہ منفرد اور جداگانہ حیثیت اسے دوسری اقوام سے ممتاز بناتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم اسے قومی تشخص کا نام دیتے ہیں۔ تشخص کا مطلب ہے شخصیت کی پہچان اور تعارف۔ ہر قوم کا اپنا تشخص ہے۔ یہ تشخص اس قوم کے مذہب، اقدارِ حیات، افکار و نظریات اور روایات کا عکاس و ترجمان ہوتا ہے۔ دنیا میں مختلف اور بے شمار قومیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ہندو قوم، عیسائی قوم، یہودی قوم، چینی قوم اور سکھ قوم وغیرہ۔ ان سب قوموں کی الگ تھلگ اور جداگانہ پہچان اور تشخص ہے۔ ان قوموں کے مذاہب، عقائد و نظریات اصول و اقدار، روایات، رہن سہن لباس، خوراک، زبان غرض ہر شعبہ زندگی میں نمایاں اور واضح فرق نظر آتا ہے۔ اسی فرق اور تفاوت کی بناء پر یہ قومیں صاف طور پر ایک دوسرے سے الگ تھلگ پہچانی اور جانی جاتی ہیں۔

مسلمان ایک منفرد اور جداگانہ قوم ہیں۔ بلکہ اسے ایک ملت کہنا زیادہ صحیح اور بجا ہوگا۔ مسلم قومیت یا ملت اقوامِ عالم کے تصورِ قومیت سے یکسر منفرد اور جداگانہ ہے۔ دیگر اقوامِ عالم نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور یہ نظریہ پیش کیا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی و بربادی کا جو دروازہ کھلا وہ دو عالمی جنگوں کی صورت میں بخوبی ظاہر ہے۔ یہ جنگیں وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں۔ قومیت اور وطنیت کا یہ محدود اور باطل تصور دورِ جدید کے فتنوں میں ایک عظیم فتنہ ہے۔ یہ فتنہ و فساد انسانیت کے لئے تباہی اور ہلاکت و بربادی کا پیغام ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الٰہ الا اللہ پر قائم ہے۔ یعنی یہ کہ نسل رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے اور اس نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لئے جگہ ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

اسلام کا اپنا ایک خاص نظریہ اور عقیدہ ہے۔ یہی نظریہ اور عقیدہ اس کی اصل پہچان ہے۔ یہ نظریہ دوسرے مذاہب سے یکسر مختلف منفرد اور جداگانہ ہے۔ مسلمانانِ برصغیر اپنے آپ کو ایک قوم یا ملت سمجھتے ہیں

جو ایک مخصوص فلسفہ اخلاق ضابطہ حیات، تہذیب وتمدن، ثقافت، تاریخی ورثہ اور سیاسی معاشی فلسفہ کی مالک ہے۔ ان تمام امور کی بنیاد اسلام کی ابدی، عالمگیر اور آفاقی تعلیمات پر رکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کے یہ اصول و روایات ہندوؤں سے اتنے مختلف ہیں کہ سینکڑوں سال اکٹھے رہنے کے باوجود نہ تو یہ دونوں قومیں معاشرتی طور پر یکجا ہو سکیں اور نہ ہی ان میں واحد قومیت کا تصور جڑ پکڑ سکا۔ اس طرح مسلمانوں کا قومی تشخص جداگانہ رہا۔

پاکستان کا قیام مسلمانوں کے اسی قومی تشخص کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا۔ جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قیام پاکستان کی اساس دو قومی نظریہ ہے۔ اس نظریے سے مراد یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں دو بڑی قومیں آباد ہیں مسلمان اور ہندو۔ اگرچہ یہ دونوں قومیں صدیوں تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ لیکن یہ آپس میں گھل مل نہ سکیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دونوں قوموں کے دین و مذہب، تہذیب وتمدن اور روایات و اقدار میں اس قدر زبردست اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں قومیں کبھی یکجا نہیں رہ سکتیں۔

درحقیقت دو قومی نظریہ ہماری پہچان کی بنیاد ہے۔ کوئی نئی چیز نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ اسے مخصوص حالات کے تحت ایک نئے اور مرتب و مربوط صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اسلام اور کفر روز ازل ہی سے دو الگ چیزیں ہیں جو کبھی باہم یکجا نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی ان میں کوئی سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ قرآن انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان ایک وہ گروہ ہے جو خدا اور اس کے رسولوں کا پیروکار ہے اور خاص طور پر نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر سلسلہ نبوت ختم کر کے اس کی تکمیل کر دی گئی بقول علامہ اقبال ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
کہ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

دوسرا گروہ شیطان کا پیروکار ہے۔ اس گروہ میں ادیان باطلہ، کافر و مشرک، دہریے اور دیگر گمراہ فرقے شامل ہیں۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام سورہ الکافرون میں واضح طور پر اس نظریے کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے لکم دینکم ولی دین ۰ یعنی کافرو! تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔" دین سے مراد طریقۂ زندگی ہے۔ جس میں تہذیب وتمدن، روایات اور اصول و اقدار بھی شامل ہیں۔ اور یہی دین یعنی طریقۂ زندگی ہماری اصل پہچان ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں کے علیحدہ قومی وجود کا تصور بہت پرانا ہے۔ لیکن سر سید احمد خان وہ پہلے مسلمان سیاسی رہنما تھے۔ جنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے "قوم" کا لفظ استعمال کیا۔ سر سید کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو مروجہ تعلیم کی طرف راغب کیا اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنے علیحدہ قومی اور تہذیبی تشخص کو اجاگر کرنے پر ابھارا۔ اسی لئے بابائے اردو مولوی عبدالحق کا یہ کہنا بجا ہے کہ قصر

پاکستان کی پہلی اینٹ سر سید نے رکھی :

اسی زمانے میں سید جمال الدین افغانیؒ نے مسلمانوں کے ملی تشخص کو اجاگر کرنے کے لئے بڑا کام کیا اور اتحاد عالم اسلام کی تحریک چلائی۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ برصغیر کے دوسرے مسلم رہنماؤں شلاً مولوی نذیر احمد، مولانا حالی، مولانا شبلی، مولانا ظفر علی خان، علی برادران، اکبر الٰہ آبادی اور ان سب سے بڑھ کر علامہ اقبال نے مسلمانوں کے قومی تشخص کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بجا طور پر کہا ہے کہ علامہ اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے قومی تشخص کا بھرپور طریقے سے تحفظ کیا۔ ان کے فلسفہ خودی کا نچوڑ بھی یہی ہے کہ مسلمان اپنی ہستی کو پہچانیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی ولولہ انگیز شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو آزادی وحریت کا ایک نیا پیغام دیا اور انہیں احساس دلایا کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کریں۔ ذیل میں ان کے کچھ اشعار دیئے جاتے ہیں جو اس پیغام کی ترجمانی کرتے ہیں :

ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے ❊ پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق ❊ کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

ان کی اذانوں سے فاش سر کلیمؑ و خلیلؑ ❊ مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے ❊ آگ ہے اولاد ابراہیمؑ ہے نمرود ہے

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان ❊ ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو ❊ شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا ❊ کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے

کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا ❊ تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں

خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ ❊ خودی کا سر نہاں لا الٰہ الا اللہ

علامہ اقبال نے ایک طرف تو مسلمان قوم کو ذہنی انقلاب سے روشناس کیا اور دوسری طرف سن ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے مقام پر سب سے پہلے مسلمانوں کی الگ ریاست کا تصور پیش کیا۔ اس لئے انہیں مصور پاکستان کہا جاتا ہے۔ ان کے اس تصور کو قائد اعظم نے عملی صورت میں جلوہ گر کر دیا۔

ہندوؤں کا یہ نظریہ تھا کہ برصغیر میں صرف ایک قوم بستی ہے اور وہ قوم ہندو ہے۔ وہ یہ نظریہ وطن کی بنیاد پر پیش کرتے تھے۔ انہوں نے یہ تصور پیش کیا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو ہندوؤں کے بڑے لیڈر تھے۔ پنڈت نہرو نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں کانگرس اور انگریز۔ مسلمانوں کو وہ کسی شمار قطار میں نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح مہاتما گاندھی نے بھی یہ کہا کہ ہندوستان بھارت ماتا ہے جس کے دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں کے لئے یہ نہایت نازک حالات تھے۔ لیکن خوش قسمتی سے مسلمان قائد اعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں متحد ہو گئے اور قائد اعظم نے واشگاف الفاظ میں دو قومی نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے پنڈت نہرو کے چیلنج کا جواب دیا کہ ہندوستان میں ایک تیسری طاقت بھی ہے اور وہ مسلمان ہیں۔ آپ نے دلائل سے واضح کیا کہ مسلمان مذہب، تہذیب و تمدن، زبان، لباس، تاریخ غرض ہر اعتبار سے ہندوؤں سے الگ قوم ہیں۔ یہاں تک کہ ہندو جسے گاؤ ماتا مانتے ہیں اور مسلمان اس کے گلے پر چھری چلاتے ہیں۔ اس صورت میں وہ کیسے یکجا رہ سکتے ہیں؟

یہی دو قومی نظریہ قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔ نظریہ پاکستان جو سراسر اسلام ہے، کے تحفظ ہی میں پاکستان کا تحفظ اور سلامتی مخدوش ہو کر رہ جائے گی۔ اگرچہ بھارت نے یہ سمجھا تھا کہ مشرقی پاکستان کو پاکستان سے کاٹ کر اور اسے بنگلہ دیش میں تبدیل کر کے نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی یہ پالیسی کامیاب نہیں ہو سکی۔ بنگلہ دیش کا اگرچہ نام بدل گیا ہے، لیکن وہ اب بھی ایک اسلامی مملکت ہے۔ وہ بھارت کے تسلط سے آزاد ہے اور اسلامی کانفرنس کا ایک اہم رکن ہے۔

اس وقت پاکستان انتہائی نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ بار بار کے مارشل لاء کے نفاذ کی وجہ سے نظریہ پاکستان اور ملی تشخص کو زبردست دھچکا لگا ہے اور تشکیل پاکستان کے مقاصد بُری طرح پامال ہوئے ہیں۔ مختلف صوبائی و لسانی اور علاقائی تعصبات اور فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔ اور سب سے افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ قوم میں اتحاد و یک جہتی کا فقدان ہے۔ سیاسی و دینی جماعتیں اپنے اصل فرائض سے غافل ہو کر اپنے اپنے راگ الاپ رہی ہیں اور عوام بیچارے پریشان ہیں کہ ان کے حال اور مستقبل کا کیا بنے گا؟ ہماری سرحدیں بیرونی خطرات کی زد میں ہیں۔ روس افغانستان میں آگ اور خون کا کھیل کھیل رہا ہے۔ جس کے باعث پاکستان کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ بھارت کا روس سے گٹھ جوڑ ہے۔ اس نے ابھی تک پاکستان کے قیام کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اس کی روزافزوں طاقت ہمارے لئے ایک سنگین خطرہ ہے ——— ہمیں اصلاح احوال کے لئے اپنے ملی تشخص کا تحفظ کرنا ہو گا۔ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہو گا۔ ذاتی گروہی اور علاقائی مفادات پر قومی مفاد کو ترجیح

دینا ہوگا اور ملک میں صحیح معنوں میں جمہوریت کو جاری و ساری کرنا ہوگا۔ ایک صحیح نمائندہ حکومت ہی اس نازک صورت حال سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ جب تک پاکستان کے تمام طبقات مطمئن ہو کر باہم متحد و یک جا نہیں ہوں گے، صورت حال کی اصلاح نہیں ہو گی۔

۴۔ وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنیوالی ہے — تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے پاکستان والو — تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

عالمی امن کے قیام میں نوجوانوں کا کردار

امن کا مفہوم
امن کا مفہوم ہے سکون و سلامتی۔ یعنی انسانوں کے ایسے ماحول اور فضا کی ضرورت ہے جس میں خوف و ہراس فتنہ فساد، دہشت گردی اور عدم تحفظ کا احساس نہ ہو۔ بلکہ انسان سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے اور اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کو پورا پورا تحفظ حاصل ہو۔ کوئی ظالم اور ستمگر اسے اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق نہ بنا سکے، اس کے بنیادی اور جائز حقوق پائمال نہ ہوں۔ اور کوئی اُسے نفرت و حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ انسان کو امن و سلامتی کی ایسی فضا میسر آنی چاہیئے جس میں وہ شرف انسانی کے ساتھ ایک باوقار اور آبرومندانہ زندگی گزار سکے۔

عالمی امن اور اس کے تقاضے
انسانی معاشرہ ایک خاندان اور کنبے سے شروع ہوتا ہے اور پھر آگے چل کر بین الاقوامی سطح تک جا پہنچتا ہے۔ جس طرح نچلی اور ابتدائی سطح پر ایک پرامن معاشرہ انسان کا مطمع نظر ہے، اسی طرح ملکی، بین الاقوامی اور عالمی معاشرے کو بھی انہی خطوط پر استوار ہونا چاہیئے اور تمام اقوام عالم کو باہمی تعلقات و روابط اس نہج پر قائم و استوار کرنے چاہئیں کہ دنیا میں امن و سلامتی اور صلح و آشتی کی فضا پیدا ہو۔ قومیں ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں۔ ایک قوم دوسری قوم کا استحصال نہ کرے، اسے اپنے ظلم و تعدی کا شکار نہ بنائے۔ ہر قوم کو اقوام عالم کی صف میں ایک باوقار مقام حاصل ہو اور کسی قوم کے بنیادی حقوق سلب نہ ہوں، اسے حق خودارادیت اور آزادی رائے کا حق حاصل ہو ہر قوم کو یہ حق ملنا چاہیئے کہ وہ اپنے مذہب و ملت اور اقدار و روایات کے مطابق زندگی بسر کر سکے اور اس پر کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ ہو۔

دنیا کی سُپر طاقتیں
اس وقت امریکہ اور روس دنیا کی سپر طاقتیں ہیں۔ ان دونوں طاقتوں کے اپنے اپنے مفادات اور نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ان دونوں کے مفادات اور نقطہ ہائے نظر میں زبردست تضاد پایا جاتا ہے۔ ان کا یہی تضاد اور تصادم عالمی امن کو تہ و بالا کئے ہوئے ہے۔ ہر طاقت پورے کرہ ارضی پر غلبہ و تسلط حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنے حلقہ اثر کو وسیع

سے وسیع تر کرنا چاہتی ہے۔ ان بڑی طاقتوں نے مختلف ملکوں اور علاقوں کا بٹوارہ کر رکھا ہے اور انہیں اپنا آلۂ کار بنایا ہوا ہے۔ امریکہ یوں تو جمہوری اقدار اور حق و انصاف کا علمبردار بنا پھرتا ہے، لیکن وہ اسرائیل جیسے انسانیت دشمن کی سرپرستی کر کے ان اقدار و روایات کی مٹی پلید کر رہا ہے۔ روس بظاہر ایک طرف مثلاً فلسطین پر عربوں کو اپنے نام نہاد اشتراک و تعاون کا یقین دلاتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ افغانستان میں بدترین جارحیت اور بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے، آگ اور خون کے اس کھیل میں پاکستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہے۔ یہ دونوں سپر طاقتیں اپنے زعم میں کرہ ارضی کی اجارہ دار بنی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنے مخصوص مفادات کے لئے اقوام عالم کو تختہ مشق بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ طاقتیں اپنی عالمی اور بین الاقوامی ذمہ داریوں اور فرائض کا صحیح احساس پیدا کریں تو دنیا میں بلاشبہ امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

دنیا کے اہم حل طلب مسائل

اس وقت عالمی امن و سلامتی کو اس لئے خطرات درپیش ہیں کہ مختلف قوموں کے مسائل حل طلب ہیں۔ یہ دیکھتے ہوئے مسائل دورِ جدید کے لئے چیلنج ہیں، جب تک ان مسائل کو حق و انصاف کی بنیادوں پر حل نہیں کیا جائے گا، دنیا میں ہرگز امن و سلامتی کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی۔ ان مسائل میں مسئلہ فلسطین سرفہرست ہے۔ لاکھوں عرب فلسطینیوں کو ان کے آبائی وطن سے نکال کر اسرائیلی مملکت کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور مسلمانوں کا قبلہ اول اسرائیل کے قبضے میں ہے۔ اسرائیل امریکہ کی شہ پر دندناتا پھرتا ہے اور کوئی اس کی بربریت و درندگی کا سدِ باب کرنے والا نہیں ہے۔ افغانستان کا مسئلہ ایک رِستا ہوا ناسور ہے۔ افغان مجاہدین نہ صرف اپنے وطن کی آزادی کے لئے بلکہ پاکستان اور پورے عالم اسلام کی سلامتی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ آخر روس کی بربریت کا سلسلہ کب تک چلے گا! اسی طرح مسئلہ کشمیر ابھی تک حل طلب ہے۔ بھارت نے طاقت کے بل بوتے پر کشمیریوں کو پابند سلاسل کر رکھا ہے۔ جب تک یہ مسئلہ حق و انصاف کے مطابق حل نہ ہو، اس خطے میں صحیح معنوں میں پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جنوبی افریقہ، فلپائن، اریٹریا اور قبرص جیسے مسائل بھی حل طلب ہیں۔ ان مسائل کا صحیح حل ہی امن عالم کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔ بھارت میں خون مسلم کی ارزانی عالم اسلام کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

ع ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

اسلحہ کی دوڑ اور تحدید اسلحہ کی ضرورت

اس وقت دنیا کی بڑی طاقتیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اسلحہ کی دوڑ میں سرگرداں ہیں، جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر ایسے ایسے تباہ کن اور ہلاکت آفریں ایٹمی ہتھیار تیار کر لئے گئے ہیں جو چند لمحوں میں پورے کرہ ارضی کو خاکستر بنا کر رکھ سکتے ہیں۔ ان مہلک ہتھیاروں پر اربوں نہیں کھربوں روپیہ صرف ہو رہا ہے، جدید اسلحہ کی فروخت اور مارکیٹنگ سے بے پناہ دولت سمیٹی جا رہی ہے۔ اگر اسلحہ کی یہ دوڑ ختم ہو جائے اور جو دولت اس اسلحہ کی تیاری پر صرف ہوتی ہے اسے تعمیر و ترقی کے

کاموں پر خرچ کیا جائے تو دنیا نہ صرف امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے بلکہ بے پناہ خوش حالی اور فارغ البالی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اب روس اور امریکہ تحدید و تخفیف اسلحہ کے لئے اقدامات کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پالیسی پر مکمل طور پر اور صحیح معنوں میں عمل درآمد کیا جائے تاکہ دنیا سے خوف و ہراس کی فضا ختم ہو اور امن و سلامتی کا ماحول پیدا ہو۔

اقوام متحدہ اور اس کی ذمہ داریاں

ادارہ اقوام متحدہ کا قیام جن اعلیٰ اغراض و مقاصد کی خاطر عمل میں آیا تھا۔ ان کی بطریق احسن تکمیل ہی عالمی امن کی ضمانت فراہم کر سکتی ہے۔ اس ادارے کا اہم ترین مقصد یہ تھا کہ جنگ و جدل کا مکمل خاتمہ ہو اور اقوام عالم باہمی مسائل صلح و آشتی سے حل کریں اور ہر قوم دوسری اقوام کے حق خودداریت اور بنیادی حقوق کا تحفظ کرے۔ دراصل یہ ادارہ ویسے تو اعلیٰ وارفع مقاصد کی خاطر قائم ہوا تھا، لیکن کچھ سپر طاقتوں کی اجارہ داری اور بے جا دخل اندازی اور تصرف کے باعث یہ عالمی ادارہ موثر طریقے سے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بڑی طاقتوں کی اجارہ داری ختم ہو اور اس ادارے کو اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مکمل اختیارات تفویض کئے جائیں۔ مشہور برطانوی مفکر برٹرنڈ رسل نے ایک مرتبہ بجا طور پر کہا تھا کہ "اقوام متحدہ کو ایک موثر طاقت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ایٹمی قوت اس ادارے کے کنٹرول میں دے دی جائے"

اس عالمی ادارے کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنی منظور کردہ قرار دادوں پر صحیح طور پر عملدرآمد کرا سکے۔ ورنہ ایک مفکر و مدبر کے قول کے مطابق "اقوام متحدہ کو مردہ قرار دادوں کا عجائب گھر" کہنا پڑے گا۔

انبیائے کرام کی تعلیمات

اللہ تعالےٰ نے کائنات کو کسی خاص مقصد کی خاطر بنایا ہے۔ اس نے اس کرہ ارضی پر انسانوں کو منصب خلافت پر فائز کیا ہے۔ جب خالق کائنات نے انسان کو اس دنیا میں آباد کیا تو اس کی دیگر انسانی اور بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ہدایت و رہنمائی کا اہتمام بھی فرما دیا۔ ایک طرف تو ابلیس نمائندہ شر بن کر میدان کارزار میں کود پڑا اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء و رسل خیر کے نمائندے بنا کر انسان کو ہدایت اور صراط مستقیم دکھانے کے لئے بھیج دیئے۔ ان انبیاء و رسل کی تعداد تقریباً سوا لاکھ ہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ ہی انسان کا خالق و مالک ہے۔ اس لئے وہی ذات کبریا بہتر طور پر جانتی ہے کہ انسان کی اصل فلاح و کامرانی اور نجات کس بات میں ہے۔ وہی خالق حقیقی انسان کے فطری تقاضوں اور ضروریات سے خوب باخبر ہے۔ لہٰذا انبیائے کرام کی تعلیمات ہی صحیح معنوں میں انسانیت کی حقیقی فلاح و کامرانی اور امن و سلامتی کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ تعلیمات براہ راست وحی الٰہی پر مبنی ہوتی تھیں۔ سلسلۂ نبوت کا جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر خاتمہ ہو گیا۔ اب وحی الٰہی سے حاصل شدہ دین اور اس کی تعلیمات وہی ہیں جو نبی اکرمؐ کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں

یہ تعلیمات قرآن وسنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان تعلیمات پر عمل کر کے ہی انسان کو شرف انسانیت کا اصل مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہ دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے بعد انسان کو راہ راست دکھانے کا فریضہ علمائے حق اور صلحائے کرام کے سپرد ہوا۔ یہ نفوس قدسیہ ہر دور میں گمراہی وضلالت کے اندھیاروں میں مینارۂ روشنی کا کام دیتے رہے ہیں اور آئندہ بھی دیتے رہیں گے۔ ان کی تعلیمات اور سیرت وکردار سے ہم امن و سلامتی اور صلح وآشتی کے گلہائے رنگا رنگ چن سکتے ہیں۔

اسوۂ رسولؐ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا (حالی)

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے اور سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن وسلامتی کے سب سے بڑے داعی اور علمبردار ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے نبی اکرمؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ بعثت نبوی سے پہلے جزیرۃ العرب فتنہ وفساد، گمراہی وضلالت قتل وغارت وخونریزی، لوٹ مار، ڈکیتی، راہزنی اور جنگ وجدل کا گہوارہ تھا، لیکن حضور اکرمؐ نے عرب کی کایا پلٹ دی اور اسے امن وسلامتی کا گہوارہ بنا دیا۔ اور پھر اسلام نے امن وسلامتی اور رشد وہدایت کا علمبردار بن کر تمام دنیا کو اپنے فیوض وبرکات سے بہرہ ور کر دیا۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا اسلام کی سنہری اور ابدی تعلیمات اور حضور اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کی اثرانگیزی وکارفرمائی۔ یہ اسی انقلاب کا ثمر تھا کہ رسول اکرمؐ کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف درست ہوئی کہ "بے شک یہ دین غالب آئے گا اور دنیا میں امن وسلامتی کا ایسا دور آئے گا کہ ایک عورت تنہا زیور سے آراستہ صنعاء سے یمن تک بغیر کسی خوف اور کھٹکے کے سفر کرے گی"۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصل مقصد لوگوں کو اصلاح اور ہدایت کی راہ پر گامزن کرنا تھا۔ حضورؐ حتی الوسع جنگ اور قتال سے کنارہ کشی فرماتے تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ اسی کا ایک بین ثبوت تھا کہ طاقت وقوت رکھتے ہوئے بھی حضورؐ نے صلح کے معاہدے کو پسند فرمایا اور اللہ تعالےٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے دور میں جس قدر جنگیں ہوئیں ان میں تمام تر صرف ایک ہزار افراد کام آئے اس قدر کم جانی نقصان پر اتنے عظیم الشان انقلاب کا رونما ہونا ایک معجزے سے کم نہیں۔ اسلام جہاد کو لازمی قرار دیتا ہے لیکن اس کے لئے خاص شرائط اور تقاضے ہیں۔ یہ ایک آخری چارہ کار ہے جب حق کو مسدود کر دیا جائے اور اسلام اور ملت اسلامیہ کو خطرہ درپیش ہو تو پھر تلوار اٹھانے کا حکم ہے۔ رسول اکرمؐ کا حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا ہوا خطبہ عالمی امن وسلامتی کا بہترین منشور ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ: "نہ کسی عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ لوگو! تمہارے مال، جانیں اور عزت وآبرو اسی طرح مقدس ومحترم ہیں جس طرح یہ دن، مقام اور مہینہ۔ دور جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے

انتقام اب معدوم ہیں۔

اسلامی بلاک

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے زائد ہے۔ اگر تمام عالم اسلام باہم متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے تو ایک میسراز بردست اسلامی بلاک وجود میں آسکتا ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی سپر طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ یہ اسلامی بلاک عالمی امن وسلامتی کی ضمانت فراہم کرسکتا ہے۔ مقام تشکر ہے کہ اسلامی کانفرنس کی صورت میں اتحاد عالم اسلام کی بنیاد رکھی جا چکی ہے اور اس کے اب تک پانچ سربراہی اجلاس منعقد ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس اتحاد کو مزید مضبوط و مستحکم بنایا جائے۔ تاکہ مطلوبہ مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ بقول علامہ اقبال ؒ ہے

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک　　　　ترا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کے لئے

نوجوان اصل سرمایہ

نوجوان کسی قوم کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستقبل کی گرانبار ذمہ داریاں انہی کو سرانجام دینا ہوتی ہیں۔ یہی مستقبل کے حکمران اور رہنما ہیں۔ اس لئے ان نوجوانوں کی صحیح تعلیم و تربیت بنیادی مسئلہ ہے۔ ان نوجوانوں کو ایک طرف تو خود کو جدید علوم و فنون سے آراستہ کرنا ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے اخلاق اور سیرت و کردار کی بہترین خطوط پر تشکیل کرنی ہوتی ہے۔ ان نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کو مثبت اور تعمیری کاموں میں صرف کریں۔ انہیں جہاں اپنے مستقبل کی تعمیر نو کرنا ہے، وہاں اپنے خاندان اور ملک وقوم کا نام بھی روشن کرنا ہے اور پھر آگے چل کر انسانیت کی فلاح و بہبود۔ ر عالمی امن وسلامتی کے اہم تر فرائض سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ انہیں اپنی منتشر قوتوں کو مجتمع کرنا ہے اور خود کو منظم کر کے ان اعلیٰ مقاصد کے حصول کی تگ و دو کرنا ہے۔ قائد اعظم نوجوانوں کو اسی جذبے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لئے تیار کریں۔ آپ مستقبل کے معمار ہیں۔ اس لئے جو مشکل کام آپ کے سر پر کھڑا ہے اس سے نمٹنے کے لئے اپنی شخصیت میں نظم وضبط پیدا کریں، مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجئے۔ آپ کو پورا پورا احساس ہونا چاہیئے کہ آپ کی ذمہ داریاں کتنی زیادہ اور کتنی شدید ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیئے۔ اگر ہمارے نوجوان ہر ایک کو دوست رکھنے ہر ایک کی ہمہ وقت خدمت کرنے اور ذاتی مفاد کو دوسروں کی بھلائی کے سامنے پس پشت ڈالنے، خیال، الفاظ، اور عمل تشدد سے بچنے کا سبق سیکھ لیں تو مجھے امید واثق ہے کہ عالمگیر اخوت ہمارے امکان اور دسترس میں ہوگی

اعلیٰ اقدار کا تحفظ

اعلیٰ اقدار و روایات کا تحفظ اور انہیں فروغ دینا ہی عالمی امن و سلامتی کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔ نوجوانوں کے لئے ان اقدار و روایات کی پاسداری سب سے بڑھ کر ضروری ہے۔ حق و انصاف کا بول بالا، رواداری، وسعت نظری، عدل و مساوات، اخوت و محبت، ہمدردی و ایثار، اشتراک و تعاون، احسان و مروت، شرف انسانیت اور احترام

آدمیت ایسے اوصاف حمیدہ ہیں۔ جن سے متصف ہو کر ہمارے نوجوان دنیا میں ایک انقلاب برپا کر سکتے ہیں اور امن وسلامتی کی فضا و ماحول کا سامان کر سکتے ہیں۔ ان نوجوانوں کو تعصب، ذہنی تنگ نظری، نفرت، حسد، بغض، عداوت جیسے اوصاف رذیلہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا۔

پیامِ اقبال

علامہ اقبال عام فہم قسم کے شاعر نہیں تھے، بلکہ انہوں نے اپنی شاعری کو ایک عظیم مقصد اور پیغام کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے مسلمان قوم کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ ان میں آزادی وحریت کی تڑپ پیدا کی اور انہیں اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پھر سے حاصل کرنے پر ابھارا۔ علامہ اقبال کی شاعری حقیقت میں تعلیمات اسلامی کی ترجمان ہے۔ آپ نے نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے اور ان میں شعور واحساس اُبھارنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ ؂

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تُو نے؟ — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی — ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

جوانوں کو مری آہ سحر دے — پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے — مرا نورِ بصیرت عام کر دے

قیامِ امن کے لئے جنگ ناگزیر ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر جسم انسانی کو فاسد خون کے اثرات سے بچانے کے لئے علاج کے طور پر پھنسیوں اور پھوڑوں کو نوکِ نشتر سے چیر دیتا ہے۔ مقصد انسانی زندگی کو بچانا ہے اس قاعدے کلیے کا اطلاق انسانی معاشرے پر بھی ہوتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ ہم ایک فرد کے جسم و جان کو بچانے کے لئے تو نشتر کے استعمال کو جائز سمجھیں، مگر ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو ظلم و جور سے بچانے اور حق و صداقت کی اقدار کے تحفظ کے لئے چنگیزوں اور ہلاکوؤں کا تلوار سے مقابلہ نہ کریں اور انہیں خلقِ خدا کو تباہ کرنے کی کھلی چھوٹ دے دیں۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں باطل قوتوں سے ٹکرائے بغیر کبھی امن قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ بقول علامہ اقبال ؂

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم — عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اسلامی نقطۂ نظر سے ضروری نہیں کہ جنگ صرف مدافعانہ حیثیت ہی سے لڑی جائے، بلکہ اگر عدل وانصاف اور حق کی دشمن قوت کی طرف سے یقینی طور پر اندیشہ ہو کہ وہ کسی اسلامی ریاست کے مفادات یا اس کی نظریاتی اساس کو ملیامیٹ کرنے کے درپے ہے تو پھر اس کے ساتھ جارحانہ جنگ کرنا بھی جائز ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

بے معرکہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

۱۵ ویں صدی اسلام کی صدی

اس وقت دنیا میں گوناگوں نظریات وافکار کی شدید کشمکش جاری ہے۔ گویا مختلف نظریات اور ازموں کو زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جارہا ہے۔ انسان روحانی سکون وسلامتی کا متلاشی ہے وہ بحران کی بجائے امن کا خواہاں ہے۔ آج کا انسان ایک شدید بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ آخر کار وہ تھک ہار کر اسلام کے نظری اور آفاقی دین کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہی دین انسانیت کے الجھے ہوئے مسائل کا تسلی بخش حل پیش کرتا ہے۔ یہی دین امن عالم کا ضامن ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ وقت کی پکار ہے کہ ۱۵ ویں صدی اسلام کی صدی ہوگی۔ اس وقت عالم اسلام کروٹ لے کر بیدار ہو رہا ہے۔ دنیائے اسلام میں بیداری اور حیاتِ نو کی لہر دوڑ رہی ہے۔ باطل اور شر کے اندھیارے چھٹنے والے ہیں اور دین ھدیٰ کا آفتاب پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے والا ہے۔ ظاہر ہے یہ انقلاب نوجوانوں کے ہاتھوں برپا ہوگا نوجوانوں کا گرم خون ہی ایسے انقلاب کا نقیب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس نئی پود سے ہماری بہت سی توقعات اور امیدیں وابستہ ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے — ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مشہور برطانوی مفکر برناڈ شا نے کہا تھا۔

" آئندہ صدی میں یورپ کا مذہب اسلام ہوگا "

نیز " اگر محمد ﷺ جیسی شخصیت کو موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو اس کے تمام الجھے ہوئے مسائل حل ہو سکتے ہیں " بقول علامہ اقبال ؎

نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

پاکستان کا کردار

پاکستان کو عالمِ اسلام اور بین الاقوامی سیاست میں ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ پاکستان نہایت اعلیٰ وارفع مقاصد کی خاطر قائم ہوا ہے۔ یہ مقاصد ہیں: دینِ اسلام اور ملت اسلامیہ کا تحفظ، اسلامی تہذیب کی حفاظت، اسلامی نظام کا قیام، معاشی مسئلے کا حل اور عالمی امن کا قیام وغیرہ۔ پاکستان کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک کے ساتھ خصوصاً اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ عموماً قریبی اور خوشگوار تعلقات استوار کئے جائیں پاکستان جنگ سے گریز کرتا ہے لیکن جب اس کی سلامتی اور وجود پر حرف آئے تو پھر اپنے دشمن کو دندان شکن جواب دینے کے لئے بھی تیار رہے کیونکہ بقول علامہ اقبال جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے۔ کوئی کمزور ملک یا قوم امن و سلامتی کی نعمت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ نعمت انہی کے حصے میں آتی ہے جو طوفانوں سے ٹکرا جانے کی ہمت رکھتے ہیں۔ پاکستان اتحاد عالم اسلام کا داعی ہے اور اس سلسلے میں وہ اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ملت اسلامیہ کے مفاد میں جو بھی اقدام کیا جائے، پاکستان اس میں پیش پیش ہوتا ہے۔ بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ:

"پاکستان اتحاد عالم اسلام کی چابی ہے"

بقول شاہ فیصل مرحوم "پاکستان اسلام کا قلعہ ہے" ہمیں اس قلعہ کو ناقابل تسخیر بنانا ہے کیونکہ یہ نہ صرف اس خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کا ضامن ہے بلکہ یہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک مضبوط سہارا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے نوجوانوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ انہیں اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں اس مملکت خداداد کی تعمیر و ترقی اور استحکام میں صرف کرنا ہوں گی تاکہ ہم اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کر سکیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے\
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

عالمِ اسلام کو منزلِ مراد کے حصول کیلئے دوست اور دشمن میں تمیز کرنی ہوگی

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نو امیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ (اقبال)

ملت اسلامیہ کی انفرادی حیثیت

اقوام عالم قومیت کے محدود نظریے کی علمبردار ہیں ان کی قومیت کی بنیاد رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود پر ہے۔ اسی غلط نظریے کی بدولت دنیا دو عالمگیر جنگوں کی صورت میں بھیانک تباہی سے دوچار

ہو چکی ہے۔ اس کے برعکس ملت اسلامیہ کی تشکیل ایک آفاقی اور عالمگیر نظریے سے عبارت ہے۔ اس نظریے کی اساس کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ہے۔ جو شخص اس نظریے پر ایمان رکھتا ہے وہ ملت اسلامیہ کا فرد ہے، خواہ اس کا تعلق کسی خطۂ زمین یا رنگ و نسل سے ہو۔ بقول علامہ اقبال

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ؎ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

عالمگیر اخوت اسلامی

ملت اسلامیہ ایک آفاقی اور عالمگیر نظریے کی علمبردار ہونے کے باعث ایک عالمگیر اخوت اسلامی سے منسلک ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔ یعنی بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ احادیث مبارکہ میں بھی اخوت اسلامی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے: "مسلمانوں کی مثال ایک جسدِ واحد کی سی ہے۔ اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔" پھر فرمایا: "مسلمان ایک دیوار یا عمارت کی مانند ہیں، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔" بقول مولانا ظفر علی خان ؎

اخوت اس کو کہتے ہیں، چبھے کانٹا جو کابل میں تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بیتاب ہو جائے

علامہ اقبال نے مسلمانانِ عالم کو تنگ نظری، تعصب اور محدود علاقائی تصور چھوڑ کر عالمگیر اخوت اسلامی کا پیغام دیا ہے۔ ؎

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے

بتانِ رنگ و خوں کو چھوڑ کر ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

عالمِ اسلام حال کے آئینے میں

اس وقت مسلمان ایک ارب کی تعداد میں دنیا کے مختلف خطوں میں بستے ہیں اور تقریباً پچاس اسلامی ممالک آزاد و خودمختار مملکتوں کے مالک ہیں۔ قدرت نے انہیں بے پناہ ذرائع و وسائل سے نوازا ہے۔ صرف معدنی تیل کی دولت ہی ایک ایسا آلہ ہے، جسے اگر بروئے کار لایا جائے تو مغرب تاریکیوں میں گم اور اس کی تمام تر مشینری جام ہو کر رہ سکتی ہے۔ لیکن یہ کس قدر مقامِ افسوس ہے کہ عالم اسلام میں مطلوبہ اتحاد و یک جہتی کا فقدان ہے۔ خاص طور پر دو اسلامی ممالک ایران و عراق کی لامتناہی جنگ عالمِ اسلام کا ایک رستا ہوا ناسور ہے۔ بے پناہ جانی و مالی نقصان کا سلسلہ بدستور جاری ہے اور اس کے خاتمے کی کوئی صورت

نظر نہیں آتی رانہ ممالک کو چاہیئے کہ وہ اسلامی برادری کی بات انیں اور دنیا کو جگ ہنسائی کا موقع نہ دیں اگر اسلامی ممالک باہم اشتراک و تعاون سے کام لیں تو ان کے بہت سے اُلجھے ہوئے مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔

دوستی و دشمنی کا معیار

ہماری دوستی و دشمنی کا معیار اپنے ذاتی مفادات اور مصلحتوں کی بجائے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور اسلام و ملت اسلامیہ کی سربلندی ہونا چاہیئے۔ جو خدا، اس کے دین اور ملت اسلامیہ کا دوست ہے وہ ہمارا دوست ہونا چاہیئے اور جو ان کا دشمن ہے وہ ہمارا دشمن ہونا چاہیئے۔ ارشاد نبویؐ ہے : اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ یعنی "محبت بھی اللہ کی خاطر اور دشمن بھی اللہ کی خاطر ہے" ہمیں ہر صورت میں حق و انصاف کا ساتھ دینا چاہیئے اور باطل، جھوٹ، ناانصافی، ظلم و ستم اور استحصال کی مذمت کرنی چاہیئے۔ ہمیں کسی کا دست نگر بن کر نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ اپنی دنیا آپ پیدا کرنی چاہیئے۔ بقول علامہ اقبال ؎

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر ۔۔۔۔ فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

روسی و امریکی بلاک

دنیا اس وقت دو بڑے بلاکوں میں بٹی ہوئی ہے۔ روسی بلاک اور امریکی بلاک۔ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ کچھ مسلم ممالک تو امریکہ کے زیر اثر ہیں اور کچھ روسی بلاک میں شامل ہیں۔ ایک طرف امریکہ ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے تو دوسری طرف وہ عالم اسلام کا اس لحاظ سے بدترین دشمن ہے کہ اسرائیل کی کھلم کھلا سرپرستی کر رہا ہے۔ اسی طرح روس نے ایک طرف تو کچھ مسلم ممالک کو اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے لیکن دوسری طرف وہ افغانستان میں بدترین جارحیت اور بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ آگ اور خون کے اس کھیل سے پاکستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہے۔ یہ دونوں سپر طاقتیں اپنے زعم میں کرہ ارضی کی اجارہ دار بنی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنے مخصوص مفادات کے لئے اقوام عالم کو تختۂ مشق بنایا ہوا ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اصل سپر طاقت اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اگر اس قادر مطلق سے ہمارا رشتہ صحیح معنوں میں استوار ہو تو دنیا کی کوئی سپر طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی ؎

خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے ۔۔۔۔ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

بھارت اور عالم اسلام

بھارت اگرچہ پاکستان کا قریبی ہمسایہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہمارے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔ درحقیقت بھارت نے ابھی تک پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اس نے ایک سپر طاقت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے پاکستان کو دولخت کیا ہے اور یوں بنگلہ دیش وجود میں آیا ہے۔ اسی طرح اس نے اہل کشمیر کو پابند سلاسل کر رکھا ہے۔ حالانکہ بقول قائد اعظم : کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ علاوہ ازیں بھارت میں

۱۵ کروڑ مسلمان بستے ہیں، لیکن درحقیقت عالمِ اسلام کا خیر خواہ نہیں ہے۔ عالمِ اسلام کو چاہیئے کہ وہ بھارت پر کڑی نظر رکھے تاکہ اس خطے کے مسلمانوں کا خاطر خواہ تحفظ ہو سکے۔

چین اور عالمِ اسلام

چین اگرچہ ایک سوشلسٹ ملک ہے، لیکن وہ حق و انصاف کے اصولوں کی پاسداری کرتا ہے، اور ظلم و استحصال کے خلاف ہے پاکستان کے ساتھ اس کے نہایت دوستانہ اور قریبی تعلقات ہیں۔ پاکستان نے اسے اقوامِ متحدہ میں داخلہ دلانے کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ ہر نازک موقع پر پاکستان کی مدد کرتا رہا ہے۔ چین روس اور امریکہ کی دو سپر طاقتوں کے مقابلے میں ایک تیسری اُبھرتی طاقت ہے۔ وہ عالمِ اسلام کے مسائل و مفادات سے گہری وابستگی رکھتا ہے۔ چین کی دوستی ہمارے لئے بڑی اہم اور قابلِ فخر ہے۔ بقول علامہ اقبال ؒ

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

نشانِ منزل

حصولِ مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی منزلِ مقصود کا تعین کریں کیونکہ نشانِ منزل کے تعین کے بغیر ہماری جد و جہد سعئی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔ ہماری منزلِ مقصود اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی سربلندی اور نشاۃ ثانیہ ہونی چاہیئے۔ ہمیں اپنا وہ کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کرنا ہے جو کبھی عہدِ رفتہ میں ملتِ اسلامیہ کو حاصل تھا بقول علامہ اقبال ؒ

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

پاکستان کا کردار

پاکستان کو عالمِ اسلام میں ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ پاکستان کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک کے ساتھ برادرانہ اور قریبی تعلقات استوار کئے جائیں۔ پاکستان اتحادِ عالمِ اسلام کا داعی ہے اور اس سلسلے میں وہ اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے مفاد میں جب بھی اقدام کیا جائے پاکستان اس میں پیش پیش ہوتا ہے۔ بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ: "پاکستان اتحادِ عالمِ اسلام کی چابی ہے۔"

پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ ہمیں اسے ناقابلِ تسخیر بنانا ہے کیونکہ یہ نہ صرف اس خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کا ضامن ہے بلکہ یہ پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک مضبوط سہارا ہے۔

اسلامی کانفرنس

شریعتِ اسلامی نے اتحادِ ملت اور اخوت و یکجہتی پر بہت زور دیا ہے۔ یہ دینِ حق کا اہم اور بنیادی تقاضا ہے کہ ملتِ اسلامیہ اجتماعی طور پر دنیا میں ایک قوت بن کر اُبھرے تاکہ ادیانِ باطل کے مقابلے میں دینِ حق کو غلبہ حاصل ہو اور دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکے۔ سید جمال الدین افغانی ؒ اور علامہ اقبال اتحادِ عالمِ اسلام کے زبردست داعی تھے۔ علامہ اقبال کا کلام اس جذبے اور پیغام سے معمور ہے۔ وہ فرماتے ہیں

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے　　　نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

اس شعر میں ایک تو مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیا گیا ہے اور دوسرا مقصدِ اتحاد بتلایا گیا ہے یعنی دین اسلام کا تحفظ۔ یہ مقام تشکر ہے کہ اتحاد عالم اسلام کی اساس رکھی جاچکی ہے۔ اسلامی کانفرنس کا قیام عمل میں آچکا ہے اور اب تک پانچ اسلامی سربراہی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں، جن میں سے ایک کانفرنس قلب پاکستان لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اتحاد و یک جہتی کے اس جذبے کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے تاکہ مطلوبہ نتائج خاطر خواہ طور پر حاصل ہو سکیں۔

اسلامی بلاک

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ ہمیں بڑی طاقتوں کا حاشیہ بردار نہیں بننا چاہیئے اور ان کی گروپ دھڑے بندیوں سے الگ تھلگ رہنا چاہیئے۔ ہمیں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہیئے۔ اسلامی ممالک کے پاس بے پناہ افرادی و مادی وسائل و ذرائع ہیں۔ ہمیں انہیں بروئے کار لا کر اپنا الگ اسلامی بلاک تشکیل دینا چاہیئے۔ یہ اسلامی بلاک وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اگر یہ بلاک صحیح معنوں میں وجود میں آجائے تو یہ دنیا کی ایسی عظیم ترین قوت بن سکتا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی سپر طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ علامہ اقبالؒ کی روح آج بھی پکار رہی ہے۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں　　　نفس سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

عالم اسلام اور اسرائیلی فتنہ

اس وقت عالم اسلام کا اہم ترین مسئلہ فلسطین کا مسئلہ ہے۔ یہ صرف عربوں ہی کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ اسرائیل پورے عالم اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ اس نے مسلمانوں کے قبلۂ اول اور معراج النبیؐ کی منزل اول بیت المقدس پر زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ لاکھوں اہل فلسطین کو ان کے آبائی وطن سے نکال دیا گیا ہے اور وہ دربدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اسرائیل امریکہ کی سرپرستی میں ایک زبردست جنگی قوت بن چکا ہے۔ وہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک چیلنج ہے۔ وہ ایک وسیع تر اسرائیلی ریاست کے قیام کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اس کی اس مجوزہ ریاست میں دریائے نیل تا دریائے فرات کا علاقہ اور سرزمین حجاز بھی شامل ہے۔ اسرائیل فتنے کے سدباب کے لئے پورے عالم اسلام کو اجتماعی جدوجہد کرنا ہوگی بیت المقدس آج کسی نئے صلاح الدین ایوبی کی راہ دیکھ رہا ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی

ایک بار اور بھی یثرب سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

احساس سے عاری ہو تو انسان بھی کھے پتھر

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں (میر درد)

معنی و مفہوم

زیرِ بحث مضمون میں اصل موضوع ہے ہمدردی اور دردِ دل۔ یہی ایک خصوصیت ہے جو انسانیت کی حاصل ہے۔ انسان عبارت ہے احساس اور اُنس و محبت سے۔ خود لفظ انسان میں یہی مفہوم مضمر ہے۔ انسان کو بالعموم مدنی الطبع (Social Animal) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گذار سکتا۔ بلکہ مل جل کر رہنا اس کی فطرت اور جبلت میں شامل ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ افراد معاشرہ میں خوشگوار تعلقات استوار ہوں تو ایک صحت منداور مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس معاشرے کی حدود میں وقت اور ضرورت کے تحت وسعت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک عالمگیر اور آفاقی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ معاشرہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ باہمی احساس و محبت اور ہمدردی اور ایثار ہی سے خوشگوار بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے۔ افراد کے اجتماعی احساسِ ذمہ داری ہی سے یہ اعلیٰ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

شرفِ انسانیت

اللہ تعالےٰ نے انسان کو جس شرف و اعزاز سے نوازا ہے اس سے فرشتے بھی محروم ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ باری تعالےٰ یہ انسان زمین میں فتنہ و فساد اور خونریزی کرے گا، جبکہ ہم تیری تحمید و تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا تھا کہ انسان کی تخلیق کی حکمت میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اسے وہ شرف و امتیاز بخشا کہ فرشتے بھی حیرت میں گم ہو گئے، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۔ یعنی "اور بلاشبہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت و تکریم دی"۔ یہی شرفِ انسانیت ہے جس کی بنا پر انسان کو فرشتوں پر برتری حاصل ہے۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

منصبِ خلافت

تمام مخلوقات میں اسی شرف و امتیاز کی بدولت اللہ تعالےٰ نے انسان کو منصبِ خلافت پر فائز کیا۔ کوئی اور مخلوق خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان اس بارِ خلافت کو اٹھانے کی متحمل نہ ہو سکی۔ صرف انسان ہی نے اللہ تعالےٰ کے حکم و منشاء کے مطابق اس بارِ گراں کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔ یعنی "بے شک میں زمین پر اپنا خلیفہ یعنی نائب

بنا کر بھیجنے والا ہوں۔"

یہ منصب خلافت کیا ہے؟ یہی کہ انسان دنیا میں اللہ تعالےٰ کی بندگی و اطاعت کرتے ہوئے ان اعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرے جن کی خاطر اسے اس کرہ ارضی پر بھیجا گیا ہے۔ ایک طرف تو وہ حقوق اللہ کو بطریق احسن ادا کرے اور دوسری طرف وہ حقوق العباد کو خوش اسلوبی سے پورا کرے۔ گویا منصب خلافت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دنیا و آخرت دونوں مقامات پر حقیقی فلاح و کامرانی اور سرخروئی حاصل کر سکے۔

منصبِ نبوّت

اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے سب سے بڑا شرف و اعزاز یہ بخشا کہ اپنے برگزیدہ بندوں کو منصب نبوت پر فائز کیا۔ یہ حضرات انبیائے کرامؑ جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ دراصل خدا اور بندوں کے درمیان ایک رابطہ اور وسیلہ بن کر مبعوث ہوئے۔ انسان براہ راست خدا سے ہدایت و رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا تھا بلکہ یہ ہدایت و رہنمائی اسے اس نفوسِ قدسیہ کے ذریعے حاصل ہوئی۔ ابلیس کو بھی اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا۔ اس نے اپنے ذمے انسان کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا کام کیا جبکہ حضرت انبیائے کرامؑ نے یہ فریضہ سنبھالا کہ وہ انسانوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کریں۔ یوں اللہ تعالےٰ نے انسان کے سامنے دونوں راستے کھول دیئے تاکہ وہ عقل و شعور سے کام لے کر خود صحیح راستے کا انتخاب کرے۔ گویا اللہ تعالےٰ نے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرما کر انسان پر اپنی حجت پوری کر دی۔ ان برگزیدہ اور پاکباز ہستیوں نے توحید باری تعالےٰ کے بعد سب سے زیادہ زور انسان کی عزت و تکریم پر دیا۔ نبیوں کا پیغام امن و سلامتی کا پیغام تھا اخوت و محبت اور بھائی چارے کا پیغام تھا۔ ہمدردی و ایثار و قربانی کا پیغام تھا۔

اُسوۂ رسولؐ

ان حضراتِ انبیائے کرام کا دین و پیغام ایک ہی تھا یعنی اسلام۔ یہ دین توحید، امن و سلامتی، صلح و آشتی، اخوت و مساوات، رواداری عدل و انصاف، حق و صداقت اور امانت و دیانت جیسی اعلیٰ تعلیمات کا درس دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نبوت و رسالت کے اس سلسلے کو اپنے آخری اور محبوب رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ختم کر دیا اور اپنے پسندیدہ دین اسلام کو قرآن مجید کی صورت میں حضور اکرمؐ پر نازل فرما کر دین کی تکمیل فرما دی۔ حضور اکرمؐ نے قرآن مجید اور وحیِ الٰہی کی روشنی میں دین اسلام کا ایک مکمل اور جامع نمونہ دنیا کے سامنے پیش فرما دیا۔ حضور اکرمؐ نے اسلامی معاشرے اور اسلامی نظام حکومت کو اپنی بہترین صورت میں قائم و برپا فرما دیا۔ عرب ایک اجڈ، وحشی، جاہل اور خونخوار قوم تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس قوم کی کایا پلٹ کر اسے ایک مہذب اور ہدایت یافتہ قوم بنا دیا اور اس طرح ہر شخص کی جان، مال اور آبرو کو بدرجہ کمال تحفظ حاصل ہو گیا۔ اور دنیا امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا گہوارہ بن گئی۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

خلافت راشدہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے اعلیٰ مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان صحابہ کرامؓ نے براہ راست حضور اکرمؐ کے فیض صحبت سے تربیت پائی تھی۔ حضرت انبیائے کرامؑ کے بعد ان صحابہ کرامؓ کا مقام سب سے بلند ہے۔ ان صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں روم و ایران جیسی عظیم الشان سلطنتیں مفتوح و مغلوب ہوئیں اور آخر کار دنیا میں عظیم ترین اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ عہدِ رسالت کے بعد خلافت راشدہ کا دور آج بھی ہمارے لئے مینارۂ روشنی کا کام دیتا ہے۔ یہ ایک مثالی دور تھا جس میں دنیا نے پہلی مرتبہ اسلام کی سنہری تعلیمات توحید، مساوات، اخوت و رواداری، عدل و انصاف، حق و صداقت، امن و سلامتی اور صلح و آشتی کو اپنے اصل اور حقیقی رنگ میں دیکھا۔ اپنے تو کیا اغیار بھی اس عظیم دور کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

علمبردارانِ حق

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا۔ اس لئے اب انسان کے پاس وحئ الٰہی کے ذریعے براہ راست ہدایت و رہنمائی کا حصول ممکن نہ رہا۔ لہٰذا نبوت و رسالت کے اس اہم فریضہ کی بجا آوری علمائے حق اور دیگر علمبردارانِ حق کے سپرد ہوئی۔ اربابِ اقتدار و اختیار میں سے بھی ہمیں بعض مثالی مسلمان حکمران ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے حتی المقدور دنیا کے سامنے اسلامی تعلیمات روایات کا عمدہ نمونہ پیش کیا۔ تاہم یہ فریضہ زیادہ تر علمائے حق اور اکابرین ملت کے ہاتھوں ہی سرانجام پایا۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے: "علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔ چنانچہ ہر دور میں ایسے نفوسِ قدسیہ ظاہر ہوتے رہے جو دنیا کو امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا درس دیتے رہے۔ یہ حضرات فتنہ فساد کے کانٹوں کی بیخ کنی کرتے اور اخوت و محبت کے پھول بکھیرتے رہے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

قرآن کا پیغام

قرآن کا پیغام امن و سلامتی، صلح و آشتی اور اخوت و محبت کا پیغام ہے قرآن مجید فتنہ و فساد کو قتل سے بھی بدتر جرم و گناہ قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے، اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۝ یعنی "بے شک فتنہ و فساد قتل سے بھی بدتر ہے"۔ قرآن مجید ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قتل جیسا گھناؤنا اور سنگین جرم پورے انسانی معاشرے کے عدم تحفظ کا شکار کر دیتا ہے اور پھر کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں رہ سکتی۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ جس نے ایک مومن کو ناحق قتل کیا، اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ۝ یعنی "اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا"۔

یہ سنگدلی اور بربریت کی انتہا ہے کہ جب انسان اپنے دل سے خدا کا خوف نکال دیتا ہے اور وہ حق و

صداقت سے منہ موڑ لیتا ہے تو پھر اس کا دل پتھر سے بڑھ کر سخت ہو جاتا ہے۔ اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور وہ انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گر جاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ یعنی "پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، گویا وہ پتھر ہیں، یا ان سے بھی زیادہ سخت۔ اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔"

قرآن مجید ہمیں اخوت و بھائی چارے کا درس دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ؕ یعنی "بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سو تم دو بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرا دیا کرو۔"

ارشاداتِ نبویؐ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے اسوہ کامل کے ذریعے اخوت و محبت اور امن و سلامتی کا بہترین نمونہ پیش فرمایا اور اپنی امت کو بھی بار بار اسی کی تعلیم کی۔ حضور اکرمؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو قیامت تک اسی طرح حرام ہے، جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔" "ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔" "لوگو! ہاں، بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پہ، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔" "ہاں، میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔"

پھر فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" "مسلمانوں کی مثال ایک جسدِ واحد کی سی ہے، اگر جسم کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔" "مسلمان ایک دیوار کی مانند ہیں، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی تقویت کا باعث ہوتی ہے۔"

موجودہ مشینی دور

موجودہ دور مشینی اور سائنسی ایجادات کا دور ہے۔ سائنسی ترقی سے تو مجال انکار نہیں لیکن محض سائنسی اور مادی ترقی انسانی دکھوں کا مداوا نہیں ہو سکتی۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سائنس میں اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ وہ تسخیر ماہتاب کے بعد دوسرے سیاروں کو مسخر کرنے پر کمربستہ ہے۔ لیکن اس کے باوصف انسان روحانی و قلبی سکون و طمانیت سے محروم ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انسان جب تک حضرات انبیائے کرامؑ کے توسل سے خدا سے اپنا تعلق صحیح طور پر استوار نہیں کرتا، اس وقت تک وہ حقیقی سکون اور فلاح و کامرانی کا تصور نہیں کر سکتا۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت	احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں	ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

عالم اسلام کے سلگتے مسائل

اس وقت اگرچہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے تجاوز کر چکی ہے اور اسلامی کانفرنس کی صورت میں اتحاد عالم اسلام کی بنیاد رکھی جا چکی ہے، تاہم ابھی تک عالم اسلام ایک مؤثر قوت نہیں بن سکا۔ ہمارے بے شمار مسائل ہنوز حل طلب ہیں۔ ان مسائل میں مسئلہ فلسطین سرِفہرست ہے۔ یہ صرف عربوں ہی کا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا اجتماعی سنگین مسئلہ ہے۔ اسرائیل امریکہ کی پشت پناہی پر عالم اسلام کے لئے ناسور بن چکا ہے۔ وہ مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خطرہ اور چیلنج ہے۔ اگر ہم یونہی بے حسی کا شکار رہے تو پھر اس فتنے کا سدِباب مشکل ہے۔ آج پھر ایک نئے صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہے۔ ؎

ایک بار اور بھی یثرب سے فلسطین میں آ　　راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا　(احمد ندیم قاسمی)

مسئلہ افغانستان بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ ایک سپر طاقت نے جو آگ اور خون کا کھیل کھیلا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ آخر افغان مجاہدین کی بے پناہ قربانیوں نے روسی افواج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن اصل مقصد اس وقت حاصل ہوگا جب افغانستان میں صحیح معنوں میں افغان عوام کی نمائندہ اسلامی حکومت قائم ہو گی۔ اسی طرح کشمیر ہنوز پابند سلاسل ہے۔ پاکستان کی تکمیل واستحکام کے لئے اس مسئلے کا حل ناگزیر ہے۔ بقول مشیر کاظمی ؎

بیٹیاں برباد ہیں بنگال میں کشمیر میں　　جوش کیوں آتا نہیں اسلام کی شمشیر میں

بھارتی مسلمانوں کا مسئلہ بھی نہایت سنگین ہے۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے اور ان کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ ایک طاقتور پاکستان اور اجتماعی اسلامی قوت ہی اس مسئلے کو خاطر خواہ طور پر حل کر سکتی ہے اسی طرح قبرص، اریٹریا اور فلپائن وغیرہ کے مسلمانوں کے مسائل بھی حل طلب ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پورا عالم اسلام متحد ومنظم ہو کر ان مسائل کی طرف فوری توجہ دے۔

قیامِ پاکستان کے تقاضے

قیام پاکستان بلاشبہ بیسویں صدی کا ایک معجزہ ہے۔ یہ ملک اس مقصد کی خاطر معرضِ وجود میں آیا تھا کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا خاطر خواہ طور پر تحفظ ہو سکے۔ انگریز نے تقریباً دو سو سال تک یہاں کے باشندوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا۔ اس سے پہلے مسلمان آٹھ سو سال تک نہایت شان وشوکت کے ساتھ برصغیر پر حکومت کرتے رہے تھے۔ اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی کوتاہیوں کے نتیجہ میں مسلمان مغلوب ہو کر رہ گئے اور جب یہاں آزادی کی تحریک زور پکڑ گئی اور انگریز یہاں سے رخصت ہونے پر مجبور ہو گیا تو اس بات کا خدشہ تھا کہ ہندو چونکہ اکثریت میں تھے اس لئے ایسا نہ ہو کہ مسلمان انگریز کی غلامی سے نکل کر برہمنی سامراج کی غلامی میں چلے جائیں۔ ایسے نازک حالات میں مختلف مسلم رہنماؤں اور بالخصوص علامہ اقبال نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور مسلمان ایک قوت بن کر ابھرے۔ قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمان

اس قابل ہوئے کہ اپنے لئے الگ وطن حاصل کریں۔ قیام پاکستان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام کو نافذ کر سکیں۔ ہمیں یہاں اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے۔ ہمیں پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانا ہے۔ یاد رکھیئے پاکستان نہ صرف اس خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کا ضامن ہے بلکہ یہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک مضبوط سہارا ہے۔

ہمیں اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی و اجتماعی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور گروہی، لسانی اور صوبائی تعصبات کو فراموش کرتے ہوئے استحکام پاکستان کے لئے کام کرنا ہے۔ ہمارا جینا مرنا ہمارے وطن عزیز سے وابستہ ہے۔ ہمیں بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں ہونا چاہیئے جو پاکستان کی کمزوری یا انتشار کا موجب ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی   اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

ارشاد قائداعظم

ہمیں بانی پاکستان حضرت قائداعظم کے فرمودات کی روشنی میں اپنے اندر گہرا ملی احساس پیدا کرتے ہوئے تعمیر و استحکام پاکستان کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیئے۔ قائداعظم نے فرمایا:

"ہم استقلال مزاجی، ان تھک محنت اور جذبہ ایثار سے پاکستان کو انشاء اللہ ایک عظیم اور مستحکم قوم بنا دیں گے"۔ پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور زمین پر کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اسے تباہ کر سکے۔

"پاکستان مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر ہے اور اسے ایسا ہی رہنا چاہیئے۔ سچے مسلمانوں کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دل و جان سے اس کی پاسبانی اور حفاظت کریں۔ اگر ہم یہ سمجھنے لگیں کہ ہم بنگالی، پنجابی سندھی وغیرہ ہیں اور مسلمان و پاکستانی محض اتفاقیہ تو جان لیجئے کہ پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا"۔

"ہم مسلمان ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں۔ پس یہ لازمی اور ناگزیر ہے کہ ہم ملت کی حیثیت میں بھی ایک ہوں۔ آپ نے وہ ضرب المثل تو سنی ہو گی کہ اتحاد میں طاقت ہے۔

غیرتمند قوموں کیطرح ہمیں اپنے وسائل و ذرائع پر ہی بھروسہ کرنا ہو گا

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے   سرّ آدم ہے ضمیر کُن فکاں ہے زندگی (اقبال)

زندہ قوموں کا شیوہ

زندہ قوموں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اپنی محنت اور تندہی سے دنیا میں اپنے لئے شایان شان مقام حاصل کرتی ہیں۔ وہ دوسروں کی دست نگر اور محتاج بن کر زندگی نہیں گزارتیں۔ بلکہ اپنے دست و بازو اور ذرائع و وسائل پہ بھروسہ کرتی ہیں۔ دنیا میں وہی قومیں سرفراز و کامران ہوتی ہیں، جو اپنی قسمت خود بناتی ہیں۔ وہ خود اپنے لئے جہان تازہ پیدا کرتی ہیں یہی

قرآن مجید کا نظریہ ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ؕ

یعنی " خدا اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے، نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے"

اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی علامہ اقبالؒ نے یوں کی ہے ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی   نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اور پھر غیرت مند اور غیور قومیں ذلت و رسوائی کی زندگی پر مر مٹنے کو ترجیح دیتی ہے بقول اکبر الہ آبادیؒ

اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی   جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

چین اور جاپان کی مثال

چین اور جاپان کے ترقی یافتہ ممالک نے جو ترقی و خوشحالی حاصل کی ہے وہ ہمارے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ چین نے ہم سے ایک سال بعد آزادی کی نعمت حاصل کی۔ لیکن آج وہی خواب غفلت کی شکار قوم شاہراہ ترقی پر اس قدر پیش قدمی کر چکی ہے کہ روس اور امریکہ جیسی سپر طاقتیں بھی اس سے خائف ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ)

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے   ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

چند سال ہوئے کہ چین کو سیلاب کی بے پناہ تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا اور جب کچھ بیرونی ممالک نے اُسے امداد کی پیش کش کی تو چین نے اسے شکریے کے ساتھ واپس کر دیا۔ چین نے ایک غیرت مند قوم کی طرح اپنے ذرائع و وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس ابتلا پر قابو پایا۔ اسی طرح جاپان سے دو مرتبہ ایٹم بم کی تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آج صنعت و حرفت اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اس سے امریکہ اور روس بھی مرعوب نظر آتے ہیں۔ اور بین الاقوامی مارکیٹ میں جاپانی مصنوعات کو اجارہ داری حاصل ہے۔ جاپان نے یہ اعزاز اپنی محنت کے بل بوتے پر اور قریباً سو فیصد شرح خواندگی کی بدولت حاصل کیا ہے۔

دو طرح کے انسان

مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اپنی شہرہ آفاق نظم "مسدس حالی" میں دو طرح کے انسان پیش کئے ہیں ۔ ایک قسم کے انسان تو قابل، محنتی اور مستعد کار ہیں۔ یہ لوگ شرف انسانیت ہیں۔ ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی کا سبب یہی لوگ ہیں۔

بقول مولانا حالیؔ ـــ

نہ راحت طلب ہیں نہ محنت طلب وہ   لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ   بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ
وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

دوسری قسم جاہل، بیکار اور نکمے لوگوں کی ہے ۔ یہ لوگ ننگ انسانیت ہیں۔ یہی افراد کسی قوم کے

زوال و انحطاط کا اصل باعث ہوتے ہیں۔ بقول مولانا حالی ؎

سب ایسے تن آسان و بے کار و کاہل — تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل
نہیں ان سے کچھ نوعِ انساں کو حاصل — نہیں ان کی صحبت کہ ہے سم قاتل
یہ جب پھیلتے ہیں، سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت

پاکستان ایک ایسے علاقے میں واقع ہے جس کی سیاسی، اقتصادی اور فوجی اہمیت مسلّم ہے پاکستان کے ہمسایہ ممالک میں عوامی جمہوریہ چین اور روس جیسی دو بڑی طاقتیں شامل ہیں، جن کی وجہ سے عالمی سیاست میں اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ بیشتر مغربی ممالک کی صنعتی ترقی کا انحصار خاصی حد تک خلیجی ممالک کے تیل پر ہے، جو بحیرۂ عرب اور بحر ہند سے گذر کر دیگر ممالک کو پہنچتا ہے۔ کراچی بحیرۂ عرب کی اہم بندرگاہ ہے۔ اس لئے پاکستان کی خارجہ حکمت عملی تیل کی آمد و رفت پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ پاکستان کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ پاکستان نے مشرقِ وسطیٰ اور خلیج کے مسلم ممالک سے بہت قریبی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے وسائل

قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالےٰ نے زمین کو پیدا کر کے قیامت تک کے لئے تمام انسانی ضروریات اس میں فراہم کر دی ہیں۔ اس لحاظ سے پاکستان کی سرزمین میں قدرت کے بیش بہا معدنی ذخائر چھپے ہوئے ہیں، ماہرینِ طبقات الارض کی رو سے پاکستان ان معدنی ذخائر کو بروئے کار لاکر ترقی یافتہ اور خوشحال ترین ممالک میں شمار ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں پاکستان قائدِاعظم کے ارشادات ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

" پاکستان کی سرزمین میں زبردست خزانے چھپے ہوئے ہیں، مگر اس کو ایک ایسا ملک بنانے کے لئے جو ایک مسلمان قوم کے رہنے بسنے کے قابل ہو، ہمیں اپنی قوت اور محنت کے زبردست ذخیرے کا ایک ایک ذرہ صرف کرنا پڑے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ تمام لوگ اس کی تعمیر میں دل و جان سے حصہ لیں گے۔"

" قدرت نے پاکستان کو بے حد و حساب معدنی دولت سے نوازا ہے اور وہ زمین کے نیچے پڑی انتظار کر رہی ہیں کہ اسے کھود کر استعمال میں لایا جائے۔"

اتحادِ عالمِ اسلام

مسلمان دنیا کے کسی خطے میں رہتا ہو، وہ ایک ایسی ملت کا فرد ہے جس کی بنیاد اسلام کے اصولوں رکھی گئی ہے۔ اسلام کی رو سے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس وقت دنیا میں قریباً پچاس آزاد و خود مختار مسلم ممالک موجود ہیں اور مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے تجاوز ہو چکی ہے، اسلامی ممالک مشرقِ وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا کے ایسے علاقوں میں

واقع ہیں جن کی سیاسی اور دفاعی اہمیت مسلم ہے۔ علاوہ ازیں مسلم ممالک قدرتی وسائل کی نعمت سے مالا مال ہیں جن میں خام تیل اور کئی قسم کی معدنیات قابلِ ذکر ہیں۔ بہت سے اسلامی ممالک اپنی زرعی پیداوار کی بدولت خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ اتحادِ عالمِ اسلام وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ سید جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال نے مسلم اتحاد کا جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر اسلامی کانفرنس کے قیام کی صورت میں نظر آتی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں مراکش کے صدر مقام رباط میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تمام مسلم ممالک ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے مشترکہ مسائل کا حل تلاش کریں، اپنے وسائل کو بروئے کار لائیں اور باہمی اخوت و تعاون کو مستحکم کریں اور عالمِ اسلام کو درپیش مسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں۔ اس صورت میں ایک زبردست اسلامی بلاک تشکیل پا سکتا ہے اور ہم غیر قوموں کی محتاجی سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔

بقول علامہ اقبالؒ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

جدید تقاضوں کی تکمیل

اگرچہ پاکستان کی سرزمین میں بیش بہا معدنی ذخائر چھپے ہوتے ہیں لیکن مالی مجبوریوں، تربیت یافتہ عملے کی کمی اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی پر پورا عبور حاصل کیا جائے۔ تاکہ ان ذخائر کو کماحقہ، بروئے کار لایا جا سکے۔ اگرچہ اس میدان میں کافی کچھ پیش رفت ہو رہی ہے، لیکن ابھی ہمیں اس کے فروغ کے لئے اور زیادہ وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ قائدِ اعظم کا ارشاد ہے:

"اس امر کی فوری اور اشد ضرورت ہے کہ ہمارے جوانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں تعلیم دی جائے۔ کیونکہ اسی سے ہماری مستقبل کی معاشی زندگی کا معیار بلند ہونے کی امید ہے۔ حصولِ تعلیم کے بعد لوگوں کو تجارت، کاروبار اور صنعت و حرفت میں داخل ہونا چاہیئے۔ یاد رکھئے ہمیں دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے جو انتہائی تیزی سے خود کو بدلتی ہوئی چل رہی ہے۔"

بڑی طاقتیں اور ہم

اس وقت دنیا دو بڑے بلاکوں میں بٹی ہوئی ہے: امریکی بلاک اور روسی بلاک۔ ان بڑی طاقتوں کے اپنے مفادات ہیں۔ ہمیں ان کا آلہ کار اور ان کے گھڑے کی مچھلی نہیں بننا چاہیئے۔ ہمیں آقاؤں کی نہیں، دوستوں کی ضرورت ہے۔ ہم سائنس و ٹیکنالوجی اور تجارت و ثقافت وغیرہ کے مختلف شعبوں میں ان سے استفادہ تو ضرور کر سکتے ہیں لیکن ہماری آزادی، خود مختاری اور عزتِ نفس پر حرف نہیں آنا چاہیئے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

پاکستان اور ایٹمی توانائی

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اسے اپنے تعمیر و ترقی کے جامع تر منصوبوں کی تکمیل کے لئے قوت و توانائی کے مزید وسائل درکار ہیں، کیونکہ موجودہ وسائل قطعاً ناکافی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایٹمی توانائی کا حصول ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ الحمدللہ پاکستان کے اس شعبے میں کافی پیش رفت کر چکا ہے۔ ڈاکٹر محمد منیر اور ڈاکٹر عبدالقدیر ہمارے مایہ ناز سائنس دان ہیں۔ کچھ بڑی طاقتیں بھارتی اور یہودی لابی کے زیر اثر ہمارے پرامن ایٹمی پروگرام کی مخالفت کر رہی ہیں۔ ہمیں کسی قسم کے دباؤ میں نہیں آنا چاہیئے۔ اور اپنے ایٹمی پروگرام کو بدستور جاری و ساری رکھنا چاہیئے۔ ہم ایک آزاد، خود مختار اور غیور قوم ہیں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے جائز استحقاق پر بے جا قسم کی پابندیاں عائد کرے اور ناروا دخل اندازی کرے۔

سیاسی استحکام

یہ ایک امر واقع ہے کہ ملکی استحکام اور ترقی و خوشحالی کے لئے سیاسی استحکام ضروری ہے جب تک ایک مربوط اور ٹھوس انتظامی ڈھانچہ موجود نہ ہو ملکی تعمیر و ترقی اور خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ افراد آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن ایک مضبوط انتظامی ڈھانچہ جاری و ساری رہنا چاہیئے۔ یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ پاکستان اپنی تاریخ کے مختلف مراحل میں سیاسی عدم استحکام اور انتشار کا شکار ہو رہا ہے۔ اب ہم اس قسم کی صورت حال کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں ایک ایسے صاف ستھرے جمہوری نظام کی ضرورت ہے جو اسلام کے زریں اصولوں کی پاسداری کرتا ہو۔ ہمیں پاکستان کو ایک مثالی اور فلاحی ریاست بنانا ہے۔ ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اس مقصد کے حصول کے لئے شبانہ روز کام کرنا چاہیئے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے　　کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

اگر قائدین صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں تو عام لوگ راہ راست سے نہیں ہٹتے

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے　　کہ میر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی　　(اقبال)

قائدین سے مراد

اس موضوع پر اظہار خیال کرنے سے پہلے ہمیں لفظ قائدین کا مفہوم متعین کرنا ہوگا۔ قائدین قائد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں لوگوں کا رہبر یا رہنما۔ اس طرح قائدین سے مراد وہ افراد ہیں جو لوگوں کی رہبری یا رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ان افراد میں حکمران بھی شامل ہیں اور وہ اشخاص بھی شریک ہیں جو دنیاوی و دینوی لحاظ سے عوام الناس کی قیادت کرتے ہیں، یعنی علماء و مفکر، دینی و سیاسی رہنما اور حکماء و فلاسفر وغیرہ۔ حکمران تو قوت و اختیار کے ذریعے

لوگوں کی قیادت کرتے ہیں، جبکہ مؤخر الذکر جلیلقے اپنے افکار و نظریات کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

عوام پیروکار

عام لوگ یا عوام الناس بالعموم پیروکار ہوتے ہیں۔ وہ بذاتِ خود زندگی کی راہیں متعین نہیں کر سکتے، بلکہ قائدین جو راہیں ان کے لئے متعین کر دیتے ہیں۔ وہ انہی پر گامزن ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام خود کوئی گہرا شعور و ادراک نہیں رکھتے کہ وہ اپنے لئے کسی مطلوبہ راستے کا انتخاب کر سکیں اور نہ ہی وہ اس قدر استطاعت و اختیار رکھتے ہیں کہ آزادی کے ساتھ اپنی متعین شدہ راہوں پر چل سکیں۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ: "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" یعنی "لوگ اپنے حکمرانوں کے دین ہی کی پیروی کرتے ہیں"۔

صراطِ مستقیم سے مراد

اب ہمیں "صراطِ مستقیم" کے مفہوم کا تعین کرنا ہے۔ اس کا تصور مختلف ادوار میں مختلف رہا ہے۔ انسان اپنے گمان و قیاس سے صراطِ مستقیم کے مختلف مطالب وضع کرتا رہا ہے، لیکن ہم ان میں سے کسی راستے کو بھی صراطِ مستقیم نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انسان محض اپنی عقل و شعور کے ذریعے صراطِ مستقیم کا تصور نہیں کر سکتا۔ اس لئے صراطِ مستقیم دراصل وہی ہے جسے خود خالقِ کائنات نے اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے متعین کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قریباً سوا لاکھ پیغمبر دنیا میں مبعوث فرمائے جو انسان کو صراطِ مستقیم دکھاتے رہے اور سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کے ذریعے صراطِ مستقیم کا تصور روزِ روشن کی طرح واضح فرما دیا۔

قرآنی نظریہ

قرآن مجید ایک طرف تو حکمرانوں کو ان کے فرائضِ منصبی یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف علمائے حق کو بھی اس کام پر متعین کرتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ حکمرانوں کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ:

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں"۔ (الحج)

علمائے کرام کی ذمہ داری کا تعین یوں کیا گیا ہے کہ:

"اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے"۔ (آل عمران)

پھر مترفین اور اربابِ اختیار کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو فواحش پر مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے، پھر اس پر عذاب کا حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا (بنی اسرائیل)

علمبردارانِ حق

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا۔ اس لئے اب انسان کے پاس وحئ الٰہی کے ذریعے صراط مستقیم کا تصور ممکن نہ رہا لہٰذا نبوت کے اس اہم فریضہ کی بجا آوری علمائے حق اور دیگر علمبرداران حق کے سپرد ہوئی۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے: "علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔ چنانچہ ہر دور میں ایسے نفوس قدسیہ ظاہر ہوتے رہے جو لوگوں کی کے نتیجہ میں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے رہے۔ ان علمبردارانِ حق نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف کر دیں اور لوگ انہی کی محنت و کاوش کے نتیجہ میں صراط مستقیم کا تعین کرتے اور اس پر چلتے رہے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

تاریخ کے آئینہ میں

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قائدین کو ہمیشہ معاملاتِ زندگی میں بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اگر کسی قوم کو صحیح قسم کا مثالی قائد میسر آ گیا تو اس قوم کی کایا پلٹ گئی۔ لیکن اگر کسی قوم کو غلط قسم کا قائد مل گیا تو اس نے اس قوم کی لٹیا ہی ڈبو دی۔ خلفائے راشدین کا دور مثالی دور اور مینارۂ روشنی تھا۔ بعد میں بھی اگرچہ مثالی قائدین منظر عام پر آتے رہے لیکن جہاں بھی غلط یا گمراہ قیادت کا عمل دخل ہوا، عوام زندگی کی خارزاروں میں بھٹکتے رہے اسپین، بغداد اور خود برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی وجہ نااہل قیادت ہی تھی۔

بقول علامہ اقبالؒ ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

قیام پاکستان

قیام پاکستان دورِ جدید کا ایک معجزہ ہے۔ ملت اسلامیہ غلامی کی زنجیروں میں سسک رہی تھی۔ مایوسی اور انحطاط کے اس دور میں مسلمان قوم کو ایسے بہترین قائدین میسر آئے، جنہوں نے اس قوم کی مسیحائی کرتے ہوئے اسے حیاتِ نو کا پیغام دیا۔ ان قائدین میں سرسید احمد خان، مولانا شبلی، مولانا حالی، مولانا نذیر احمد، علی برادران، مولانا ظفر علی خان اور سب سے بڑھ کر علامہ اقبال اور قائداعظم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس سے پیشتر حضرات مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ اور سید جمال الدین افغانیؒ جیسے اکابرین ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کر چکے تھے۔ پاکستان عظیم تر مقاصد کے حصول کے لئے قائم ہوا تھا۔ یہاں اسلامی معاشرے اور اسلامی نظام حیات قیام ہمارا نصب العین تھا۔ افسوس کہ قائداعظم کو زیادہ مہلت نہ ملی۔ ان کے بعد کچھ اچھے قائدین قوم کو ملے لیکن پھر قیادت ایسے طالع آزما اربابِ اختیار کے ہاتھ میں آ گئی، جنہوں نے اس ملک کا نقشہ ہی بگاڑ دیا اور پھر پاکستان دولخت ہو کر رہ گیا۔ بار بار کے مارشل لاء نے پاکستان کا کچومر نکال دیا۔ اور آج ہم ایسے بحران سے دوچار ہیں، جس میں ہر دردمند پاکستانی اپنے وطن عزیز کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہے۔

اصلاحِ احوال

اس وقت اگرچہ ہم انتہائی خطرناک اور نازک حالات سے دوچار ہیں لیکن مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ ہمیں ایک نئے عزم اور جذبے کے ساتھ اصلاحِ احوال کے لئے تگ و دو کرنی چاہیئے۔

اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ملک میں صحیح معنوں میں نمائندہ، صالح اور اہلِ قیادت برسراقتدار آئے جو ملک و قوم کو صحیح خطوط پر چلا سکے اور بگڑی کو بنا سکے۔ اس وقت قوم کو ایسے قائدین کی ضرورت ہے جو ملک کو بحران سے نکال سکیں اور قوم میں اتحاد و یک جہتی کی روح پھونک کر اسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیں۔ اعلیٰ اور صالح قائدین ہی ملک کے حال کو سنوار کر اس کے مستقبل کو درخشندہ و تابناک بنا سکتے ہیں۔

عالم اسلام کا اصل مسئلہ

اس وقت پورا عالم اسلام کچھ عجیب صورت حال سے دوچار ہے مسلمانوں کی تعداد سوا ارب ہو چکی ہے اور قریباً پچاس مسلم ممالک آزاد و خود مختار ہیں۔ لیکن ملت اسلامیہ ابھی تک زبوں حالی کا شکار ہے اور منزل کا حصول دشوار نظر آ رہا ہے۔ مولانا ابوالحسن ندوی جن کا تعلق بھارت سے ہے۔ دنیائے اسلام کے ایک جید اور نامور عالم دین اور مفکر ہیں۔ آپ نے بڑی عمدہ بات کی ہے کہ اس وقت عالم اسلام کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ کم و بیش ہر مسلم ملک میں عوام الناس تو دین کو قائم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ہیں، لیکن حکمران طبقہ اس راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ یہ تضاد اور تصادم ہماری زبوں حالی کا اصل سبب ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل، ذمہ دار اور صالح قیادت آگے آئے، تاکہ وہ ملک و قوم کی صحیح رہنمائی کر سکے اور اس کے نتیجہ میں مسلمان قوم پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لے۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ اسلامی کانفرنس کی صورت میں اتحادِ عالم اسلام کی بنیاد رکھی جا چکی ہے اور اس کے پانچ سربراہی اجلاس ہو چکے ہیں۔ لیکن اس اتحاد کو مزید مستحکم اور بامقصد بنانے کی ضرورت ہے۔ پاکستان اس سلسلے میں قائدانہ کردار ادا کر سکتا ہے۔ اسلامی بلاک کی صورت میں ایک ایسی قوت وجود میں آ سکتی ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی سپر طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔

گمراہ عالمی قیادت

اس وقت دنیا نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ارتقائی منازل طے کر رہی ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی نقطۂ عروج کو پہنچ چکی ہے انسان چاند کو مسخر کر چکا ہے اور دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ دنیا مادی ترقی کی چکا چوند تو پیش کر رہی ہے، لیکن روحانی قدریں بری طرح پامال ہو رہی ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت نظم عالم کی باگ ڈور گمراہ قیادت کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ قیادت خدا اور دین و مذہب سے بیگانہ بلکہ باغی ہے۔ چونکہ یہ قیادت صراطِ مستقیم سے بے بہرہ، ہدایت سے محروم اور گم کردہ راہ ہے۔ اس لئے انسانیت ایک خوفناک بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ یہ گمراہ اور ہدایت سے محروم قیادت انسانیت کے الجھے ہوئے مسائل تو کیا حل کرے گی، انسانی مسائل میں روز بروز اضافہ کرتی جا رہی ہے۔

ذرائع ابلاغ

موجودہ ایٹمی دور میں مختلف النوع ذرائع ابلاغ اس قدر ترقی کر چکے ہیں کہ ان کے ذریعے دنیا بھر میں مثبت و منفی نظریات و خیالات فوری طور پر پھیل جاتے ہیں۔

ان ذرائع کی بدولت دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، ٹیلیفون، وائرلس، مواصلاتی سیارے اور اخبارات و جرائد اور کتب وغیرہ کے ذریعے ان نظریات کی وسیع پیمانے پر اشاعت و تشہیر ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ان ذرائع ابلاغ پر ایسی قوتوں کو کنٹرول حاصل ہے جو صراطِ مستقیم سے ناآشنا ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ خیر کی قوتوں کے تصرف میں ہوں تاکہ دنیا میں خیر اور بھلائی کو فروغ حاصل ہو۔

ایک مفکر کا قول ہے کہ: "نظریات دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں"

اگر قائدین صراطِ مستقیم پر قائم ہوں گے اور حق اور خیر پر مبنی نظریات پھیلائیں گے تو عوام الناس اس ڈگر پر رواں دواں ہوں گے۔

پندرھویں صدی۔ اسلام کی صدی

اس وقت دنیا میں گوناگوں نظریات و افکار کی شدید کشمکش جاری ہے۔ گویا مختلف نظریات اور ازموں کو زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔ انسان روحانی سکون و سلامتی کا متلاشی ہے۔ آج کا انسان ایک شدید بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ آخر کار وہ تھک ہار کر اسلام کے فطری اور آفاقی دین کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہی دین انسانیت کے اُلجھے ہوئے مسائل کا تشفی بخش حل پیش کرتا ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ وقت کی پکار ہے کہ ۱۵ ویں صدی اسلام کی صدی ہو گی۔ اس وقت عالمِ اسلام کروٹ لے کر بیدار ہو رہا ہے۔ دنیائے اسلام میں بیداری اور حیاتِ نو کی لہر دوڑ رہی ہے۔ باطل اور شر کے اندھیرے چھٹنے والے ہیں اور دین قیّم کا آفتاب اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے۔

مشہور برطانوی مفکر برنارڈ شا نے کہا تھا:

• "آئندہ صدی میں یورپ کا مذہب اسلام ہو گا"

• "اگر محمد ﷺ جیسی شخصیت کو موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو اس کے تمام اُلجھے ہوئے مسائل حل ہو سکتے ہیں"

بقول علامہ اقبالؒ ؎

نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

تمہید

دنیا کے دوسرے مذاہب میں سے کوئی مذہب بھی انسان کے لئے جامع و مکمل ضابطۂ حیات پیش نہیں کرتا۔ ان میں سے کوئی مذہب تو دنیا کو دکھوں کا گھر قرار دے کر ترک دنیا کی تلقین کرتا ہے اور کوئی مذہب محض پوجا پاٹ پر زور دیتا ہے۔ کوئی مذہب محض اخلاقی و روحانی نظریہ پیش کرتا ہے اور زندگی کے عملی تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔ کوئی مذہب تناسخ کے تحت جونیں بدلنے پر یقین رکھتا ہے اور کوئی مذہب اپنے پیشوا کی قربانی کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیتا ہے۔ الغرض اسلام کے سوا جس قدر مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں، وہ اسی تناقص کا شکار ہیں۔ اس کے مقابلے میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب بلکہ دین ہے جو انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ وہ ایک جامع و مکمل ضابطۂ حیات کا علمبردار ہے۔ وہ ایمان و اخلاقیات سے لے کر زندگی کے تمام پہلوؤں اور تقاضوں کو مدنظر رکھتا ہے اور جملہ انسانی مسائل کو بطریق احسن حل کرتا ہے۔ سطور ذیل میں اسی نقطۂ نظر کی وضاحت کی جائے گی۔

ایمان

اسلام کی اولیں اساس ایمان ہے۔ ایمان کا تعلق انسان کے دل و دماغ سے ہے یہ انسان کی نیت اور ارادے کا دوسرا نام ہے۔ اسے عقیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام اور ایمان کا تعلق وہی ہے جو درخت کا تعلق بیج سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، بیج کے بغیر تو درخت پیدا ہی نہیں ہوتا اسلام میں ایمان کی اساس کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر استوار کی گئی ہے جب ہم "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہتے ہیں تو تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی بندگی کا اقرار کرتے ہیں اور جب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کہتے ہیں تو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ رسالت کی تصدیق کے ساتھ خود بخود یہ بات ہم پر لازم ہو جاتی ہے کہ خدا کی صفات، ملائکہ کتب آسمانی، انبیاء اور آخرت کے متعلق جو کچھ اور جیسا کچھ رسولِ اکرمؐ نے تعلیم فرمایا ہے۔ اس پر ایمان لائیں اور خدا کی عبادت اور فرمانبرداری کا جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے، اس کی پیروی کریں۔

عقیدۂ توحید کا انسانی زندگی پر اثر

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق مالک، کارساز، رزاق اور معبود صرف اللہ تعالےٰ ہے۔ کوئی دوسری ہستی اس قابل نہیں ہے۔ یہ انسان کی بہت بڑی توہین ہے کہ وہ اپنے جیسی یا اپنے سے کمتر ہستیوں کے سامنے سربسجود ہو۔ توحید کے ذریعے اسلام نے انسانیت کو اس کا صحیح مقام بخشا اور مخلوق میں تمیز اور تفریق کو ختم کر دیا۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

عقیدہ توحید انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ وہ انسان میں وسعت نظری، خودداری عزت نفس، عاجزی و انکساری، پاکیزگی نفس و حسن کردار، رجائیت اور اطمینان قلب، صبر و توکل، قوت و شجاعت، قناعت و بے نیازی اور پرہیزگاری و قانون الٰہی کی پابندی جیسے اعلیٰ اوصاف پیدا کرتا ہے۔

عقیدہ آخرت

اسلام میں عقیدۂ آخرت بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ یہ زندگی اور دنیا عارضی ہے۔ حدیث رسول ؐ کے مطابق دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور پھر اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی۔ جنت و دوزخ کی بنیاد اسی تصور پر ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے۔ حدیث رسول ؐ کے مطابق "دنیا گویا قطرہ ہے اور آخرت سمندر"۔ آخرت کا یہ عقیدہ انسان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے اور اسے راہ راست پر گامزن رکھتا ہے۔

تقویٰ و پرہیزگاری

ایمان و عقیدہ کی پختگی کے بعد اسلام سب سے زیادہ زور تقویٰ و پرہیزگاری پر دیتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کے دل و دماغ میں تقویٰ کی صفت رچ بس جائے تو پھر وہ ہر قسم کی نافرمانی، سرکشی اور گناہ سے بچ کر رہے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا"

تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ دلوں میں خدا کا خوف پیدا کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اس کے احکامات پر عمل کرنا چاہیئے اور اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے۔ جب انسان کے دل میں خدا کا خوف گھر کر جائے تو پھر وہ خود بخود نیکی کے راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ وہ قانون کے تازیانے کے خوف سے نہیں بلکہ صرف خدا کے خوف کے تحت نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے۔

طہارت و پاکیزگی

اسلام انسان کو ہر لحاظ سے پاک و صاف دیکھنا چاہتا ہے۔ پاکیزگی اور صفائی کے لئے عربی زبان میں طہارت کا لفظ استعمال ہوتا ہے طہارت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جسمانی۔ دوسری روحانی۔ اسلام نے ہر دو طہارت پر زور دیا ہے۔ اسلام میں طہارت کی اس قدر اہمیت ہے کہ فقہ کی کتابوں میں سب سے پہلے اسی پر بحث ہوتی ہے۔ کیونکہ جب تک جسم اور لباس پاک نہ ہو، عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ ابوجہل نے اعتراض کیا تھا کہ یہ کیسا رسول ہے، جو رفع حاجت کے طور طریقے بتاتا ہے؟ یہ ابوجہل کی جہالت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ طہارت سے لے کر تمام بین الاقوامی معاملات اس میں شامل ہیں۔

علامہ اقبال جرمنی میں زیر تعلیم تھے تو جب وہ رفع حاجت کے لئے جاتے تو پانی کا لوٹا ساتھ لے جاتے ان کے ساتھی متعجب ہو کر پوچھتے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ علامہ اقبال نے بتایا کہ "یہ ہمارے نبیؐ کی تعلیم ہے کہ اپنا جسم اور لباس پاک و صاف رکھو۔" انہوں نے اس بات کو پسند کیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ یعنی اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو۔" پھر ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝

"بے شک اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے، جو خوب پاک صاف رہتے ہیں۔"

ارشادِ نبویؐ ہے "طہارت آدھا ایمان ہے۔" پھر فرمایا: "اسلام کی بنیاد نظافت اور پاکیزگی پر ہے۔"

شرم و حیا و ستر پوشی

اسلام ایک دین فطرت ہے، جو انسانیت کا ایک بلند معیار پیش کرتا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لئے دوسرے حیوانات اور مخلوقات سے اس معاملہ میں بالکل مختلف ہے۔ حیوانات کے برعکس انسانی معاشرہ کچھ ضابطوں کا پابند ہے۔ انسان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کے والدین کا رشتہ اور حقوق کیا ہیں؟ بہن بھائی کا تعلق کیا ہے؟ شوہر اور بیوی کا کیا مقام ہے؟ اور دوسرے افراد معاشرہ سے اس کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں۔ ان تمام رشتوں کے بارے میں اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں اگر ان ہدایات پر عمل نہ کیا جائے تو معاشرہ بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ شرم و حیا عورت کا زیور اور مرد کی زینت ہے۔ حیا اخلاق کی روح ہے اور بے حیائی برائی کی جڑ ہے۔ جو شخص حیا سے محروم ہو جاتا ہے وہ بدی کا ارتکاب بے خوفی سے کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ مومن لغو باتوں اور بے ہودہ کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔"

قرآن مجید نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں"

عورتوں کو نقاب پوشی اور پردے کا حکم دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ

(باہر نکلا کریں تو) اپنے (موہنوں) پر چادر لٹکا (گھونگھٹ) لیا کریں"
نیز عورتوں کو حکم دیا گیا کہ:

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ

اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں میں) اظہار تجمل کرتی تھیں، اس طرح زینت نہ دکھاؤ"
ارشاد نبوی ہے "حیا جزو ایمان ہے" پھر فرمایا: ایک زمانہ آئے گا کہ عورتیں ایسا لباس پہنیں گی، گویا وہ برہنہ ہیں"

مکارم اخلاق

اسلام عقیدہ و ایمان ہی نہیں بلکہ وہ مکارم اخلاق کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ انسان کے اخلاق و عادات کو سدھارتا اور سنوارتا ہے اور انسان میں اخلاق حسنہ پیدا کرتا ہے۔ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس سے مراد صرف دوسروں سے حسن سلوک ہی نہیں، بلکہ اس میں انسان کی تمام عادات اور معاملات آجاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:
"بے شک میں اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں"
پھر فرمایا "تم میں بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں"
اسلام اخلاقیات کا مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو راست بازی، امانت و دیانت، صداقت، ایفائے عہد، عدل و انصاف، مساوات، اخوت، رواداری، ایثار و قربانی، عفو و درگذر مروت و احسان اور ان جیسے دیگر اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔
اس کے ساتھ ساتھ اسلام اخلاق رذیلہ مثلاً غیبت، چغل خوری، حسد، بغض، عداوت، نفاق ریاکاری، بخل اور فضول و اسراف وغیرہ کی بھرپور مذمت کرتا ہے اور ان سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے۔

حسن عمل

اسلام ایمان و عقیدہ کے بعد سب سے زیادہ حسن عمل پر دیتا ہے قرآن مجید میں بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ نجات و بخشش کے لئے ایمان و عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ گویا ایمان و عقیدہ دعویٰ ہے اور عمل اس کا اظہار و ثبوت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

"اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے"
اعمال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: عبادات، معاملات اور اخلاق۔ عبادات میں ذکر، دعا تلاوت قرآن پاک، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ارکان و فرائض شامل ہیں۔
معاملات میں والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق دیگر عام انسانوں کے حقوق، تجارت کاروبار، سیاسی و انتظامی معاملات و امور، بین الاقوامی تعلقات غیر مسلموں سے برتاؤ وغیرہ شامل ہیں۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ یہ تمام فرائض دین کے مطابق

ادا کرے۔ اخلاق کے بارے میں اوپر وضاحت ہو چکی ہے۔

فرد کی ذمہ داری

اسلام انسان کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے فرد کو بہت اہمیت دیتا ہے اور اسے بذات خود ذمہ دار و جوابدہ قرار دیتا ہے معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک مثالی معاشرہ اسی صورت میں معرض وجود میں آ سکتا ہے جبکہ ہر فرد اپنی ذمہ داری کو کماحقہ پورا کرے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

قرآن مجید اسی نظریے کو پیش کرتا ہے کہ ہر انسان خدا کے سامنے انفرادی طور پر اپنے اعمال کے لئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۚ اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ارشادِ نبوی ہے:

كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ ۔ "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

رسولِ اکرمؐ نے اپنی پھوپھی حضرت زینبؓ اور صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے فرمایا تھا کہ "اے میری پھوپھی اور اے میری بیٹی! قیامت کے روز تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے، محض میرا رشتہ تمہارے کام نہ آئے گا۔"

اگر ہر فرد اپنی ذمہ داری کا احساس کرلے اور اسے بطریق احسن سرانجام دے تو معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے اور ملت کا نام روشن ہو سکتا ہے۔

تصور اجتماعیت

جہاں اسلام فرد کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے۔ وہاں وہ اسلامی تمدن کا اجتماعی تصور پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے فرد دوسرے افراد معاشرہ سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اسلام ایک اجتماعی و عالمگیر نظریہ حیات پیش کرتا ہے۔ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ایک فرد کسی گوشے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف رہ کر اپنی عاقبت سنوارنے کی فکر میں رہے اور دوسرے افراد معاشرہ کو نظر انداز کر دے۔ اس کے برعکس اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے وہ دوسروں کو حق کی تلقین اور اشاعت و تبلیغ کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام نماز باجماعت کا حکم دیتا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ میں اخوت و محبت اور یک جہتی کے رشتے استوار ہوں۔ جمعہ اور عیدین اس سے وسیع تر اجتماعیت کا مقصد پورا کرتے ہیں اور حج ایک عالمگیر ملت اسلامیہ کے تصور کو اجاگر کرتا ہے۔ اسی طرح روزہ غرباء و مساکین کی بھوک پیاس کا احساس دلاتا ہے اور اجتماعی طور پر اسلامی معاشرے میں صفت تقویٰ بطریق احسن پیدا کرتا ہے۔ زکوٰۃ بے وسیلہ افراد سے ہمدردی و احساس کے جذبات ابھارتی ہے۔ الغرض اسلام اپنی زریں تعلیمات کے ذریعے ایک

اجتماعی معاشرے اور مربوط ملت کی تشکیل کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اور افراد پر اجتماعی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال کر انہیں باہمی تعاون، خیر سگالی، ہمدردی اور خدمت خلق کا حکم دیتا ہے۔

خاندانی زندگی

خاندان انسانی تمدن کا سب سے پہلا اور بنیادی دائرہ ہے اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے اس نے خاندانی زندگی کے تمام ارکان کے لئے حد بندیاں قائم کر دی ہیں، ہر ایک کے حقوق و فرائض بتا دیئے ہیں اور زندگی کو پر مسرت اور کامیاب بنانے کے لئے قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ اسلام نے خاندانی زندگی کی حد بندی میں توازن کو پیش نظر رکھا ہے اور میاں، بیوی، اولاد اور والدین کے حقوق و فرائض کی منصفانہ اور واضح تقسیم کر دی ہے تاکہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ ہو اور تعلقات کی خوشگواری سے ایک صالح اور جاندار تمدن وجود میں آئے۔

ارشاد خداوندی ہے: "عورتوں کے کچھ حقوق ہیں جس طرح کہ بھلائی کے ساتھ ان پر کچھ فرائض بھی ہیں اور مردوں کو ان پر ایک گونہ بڑائی حاصل ہے۔" (البقرہ۔ ۲۲۸)

پھر ارشاد ہوتا ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ "اور عورتوں سے نیکی کے ساتھ زندگی گزارو۔"

نیز فرمایا: خدا کے نیک بندے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے دل کی ٹھنڈک عطا کر۔" (الفرقان۔ ۷۴)

ارشاد نبویؐ ہے: "تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کریں۔"

پھر فرمایا: "جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو وہ قیامت میں میرے ساتھ اس طرح ہو گا جس طرح انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ہے۔"

نیز فرمایا: "اگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔"

معاشرتی زندگی

اسلام پورے معاشرے کو صحت مندانہ خطوط پر استوار کرنا چاہتا ہے یہ کام اسی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے، جب تمام افراد معاشرہ اپنی ذمہ داریوں اور حقوق و فرائض کا شعور وادراک رکھتے ہوں، تاکہ ان کی بجا آوری سے معاشرتی زندگی خوشگوار ہو سکے، معاشرے میں رشتہ دار، ہمسائے اور عام شہری شامل ہیں۔ اسلام نے ان سب کے حقوق و فرائض متعین کئے ہیں، سب سے پہلے رشتہ داروں کے حقوق ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ "اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

ارشاد نبویؐ ہے: "جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے رشتہ داروں سے ملاپ کرنا چاہیے۔"

رشتہ داروں کے بعد ہمسایوں کے حقوق ہیں۔ اسلام نے ان حقوق پر بہت زور دیا ہے۔
ارشادِ ربانی ہے: "اور ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، ناداروں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔"
ارشاد نبویؐ ہے: "وہ شخص ایماندار نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔" پھر فرمایا:
"جو شخص سیر ہو کر کھانا کھا لے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہے وہ مومن نہیں۔"
اسی طرح اسلام نے معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے اخوت و محبت، مساوات، عدل و انصاف، امدادِ باہمی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایثار و قربانی کی تلقین کی ہے۔

تجارت و کاروبار

اسلام نے تجارت و کاروبار کرنے کے لئے کچھ اصول و ضوابط وضع کئے ہیں جن کی پابندی کرتے ہوئے انسان اپنے ذریعۂ معاش کو حلال و جائز بنا سکتا ہے۔ تجارت و کاروبار کا اولین اصول امانت و دیانت ہے ایک تاجر و کاروباری شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ ناپ تول میں کمی نہ کرے، گاہک کو دھوکا نہ دے، مال میں ملاوٹ نہ کرے، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری نہ کرے اور دیگر ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے اجتناب کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۔
اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو، یعنی ڈنڈی نہ مارو۔"
ارشاد نبویؐ ہے: "مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔" جس شخص نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"
پھر فرمایا: "دیانتدار تاجر جنت میں میرا ہمسایہ ہوگا۔"

سیاسی نظام

اسلام کے سیاسی نظام کی اساس یہ نظریہ ہے کہ حکمرانی اور حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔
"وہ (خدا) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، بڑی برکت والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔"
سورۂ یوسف میں ارشاد ہوتا ہے:
"اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ بے شک حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں۔"
اسلام کے نقطۂ نگاہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ یا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ گویا انسان خدا کے دیئے گئے اختیارات کا امین ہے۔ اب انسان کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ دنیا

میں خدا کا نائب بن کر زندگی گزارے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ جب کسی فرد یا جماعت کو حکومت و اقتدار سے ہمکنار کرے تو وہ قانونِ خداوندی کے تحت نظام حکومت چلائے تا کہ خود ساختہ قوانین نافذ کرے۔ اس سلسلے میں اسوۂ رسولؐ اور خلافت راشدہ کا نظام ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اسلام کے نظریہ حاکمیت کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے۔ مسلمانوں کے امیر کا مقصد لوگوں پر حکومت کرنا نہیں، بلکہ ان کی خدمت کرنا ہے، جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے: "قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔" پھر فرمایا:

"عدل سلطان زمین پر خدا کا سایہ ہے۔" اسلامی فقہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں حکمرانی کے قوانین وضع کر دیئے گئے ہیں، جن میں حالات اور ضروریات کے تحت اجتہاد کے ذریعہ مناسب ترمیم ہو سکتی ہے۔

معاشی نظام

اسلام کا اپنا ایک مخصوص معاشی نظام ہے۔ یہ نظام دولت کی عادلانہ اور منصفانہ تقسیم پر مبنی ہے۔ اسلام ارتکازِ زر کا مخالف ہے، اس کے برعکس وہ دولت کی گردش پر زور دیتا ہے۔ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جس کے تحت مالدار لوگوں کو اپنے مال کا اڑھائی فیصد حصہ غرباء و مساکین اور بے وسیلہ افراد پر خرچ کرنا ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

"اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے مالوں میں حاجت مندوں اور ناداروں کے لئے معلوم و مقرر حق ہے۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ

"اے نبیؐ! یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کس قدر خرچ کریں۔ کہہ دو، جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔"

اسلام اس کے حق میں نہیں ہے کہ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتے جائیں۔ اسلام زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کی بھی تلقین کرتا ہے۔ اگر اسلام کے عادلانہ معاشی نظام پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے تو معاشی مسئلہ بہترین طور پر حل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (جنہیں عمر ثانی کہا جاتا ہے) کے دور میں اس قدر خوشحالی ہو گئی تھی کہ کوئی شخص زکوٰۃ لینے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔

عدالتی نظام

اسلام میں عدل و انصاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ معاشرے کے تمام افراد کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔ معاشرے میں ظلم، فساد اور بگاڑ اسی وقت پیدا ہوتا ہے، جب عدل و انصاف کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور افراد کے حقوق پامال کر دیئے جائیں۔ اسلامی نظامِ عدل میں چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔"

پھر فرمایا:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

"اور جب بات کہو تو خدا لگتی (عدل کی) کہو، اگرچہ وہ کسی رشتہ دار کے خلاف ہی پڑے"

رسولِ اکرمؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے عدل و انصاف کا بہترین نمونہ پیش فرمایا۔ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا "اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا" خلافتِ راشدہ میں ہمیں عدل و انصاف کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ خود عدالت میں پیش ہوئے اور قاضی کے فیصلے کو تسلیم کیا۔
نظامِ عدل میں معاملات کے فیصلوں کا دارومدار شہادت اور گواہی پر ہوتا ہے۔ اس لئے گواہی کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ اسلام جھوٹی گواہی کو گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۗ

"اور تم گواہی مت چھپاؤ، جو اس کو چھپائے گا، اس کا دل یقیناً گناہ گار ہے"

نظریۂ جہاد

اسلام صلح و آشتی کا مذہب ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی لاکھ بدخواہ اور دشمن ہو، اس سے حتی الوسع درگذر کیا جائے اور اس کی برائی کا جواب حسنِ سلوک سے دیا جائے۔ لیکن دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو نہ تو صلح کی آواز سنتے ہیں اور نہ نیکی کی ترغیب سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے، اس کے دین کو سربلند کرنے کے لئے اور کلمۂ حق کو پھیلانے کے لئے جہاد کیا جاتا ہے۔ یہ جہاد ظلم کے خلاف ہوتا ہے اور مظلوم کی حمایت کے لئے۔ سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ انسان راہِ حق میں اپنی جان کی بازی لگا دے۔ جب دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو، دشمن اہلِ اسلام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے، دشمن لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکے، دشمن شکستِ عہد یا غداری کا مرتکب ہو یا وہ فتنہ و فساد برپا کرے تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ جہاد کی بڑی فضیلت ہے۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ
بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

"بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں ایسے طور پر پرے
جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"

پھر فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۚ

بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں"۔

ارشادِ نبوی ؐ ہے "صبح کو یا شام کو خدا کی راہ میں جانا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے" پھر فرمایا "جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں، پھر ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوتی"۔

اسلام نے جہاد کے اصول و ضوابط متعین کئے ہیں۔ چنانچہ ان باتوں کی مخالفت کی گئی ہے: دشمن سے بدعہدی یا مالِ غنیمت میں خیانت۔ جنگ میں ناک کان کاٹنا۔ عورت، نابالغ، بوڑھے، اندھے یا اپاہج کو قتل کرنا۔ فصلوں اور پانی کے چشموں کو برباد کرنا۔ مذہبی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانا۔ قیدیوں یا سفیروں کا قتل، عام وحشیانہ افعال۔ دشمن کے علاقے میں عام لوٹ مار و تباہی مچانا۔ کسی کو باندھ کر بے دردی سے مارنا وغیرہ۔

دین و دنیا میں مطابقت

اسلامی تمدن کے سوا دنیا کا ہر تمدن دین اور دنیا میں تفریق کرتا ہے۔ مذہب کو عبادت گاہوں تک محدود کر دیتا ہے اور اس کی ہدایات کو صرف چند رسموں اور رواجوں تک محدود رکھتا ہے۔ دنیوی زندگی کو بالعموم مذہب سے خالی رکھتا ہے، بلکہ بعض تمدن مثلاً یونانی تمدن تو شہریت اور دنیوی زندگی کو مذہب کی عین ضد سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلامی تمدن میں دین و دنیا کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک دین اس چیز کا نام ہے کہ دنیوی معاملات کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایات کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ ارشادِ نبوی ؐ کے مطابق اسلام میں رہبانیت (ترکِ دنیا) نہیں ہے۔ دنیاوی معاملات کو دین کے مطابق چلانا دین ہی ہے جو شخص ایسا کرے گا، اس کی دنیا بھی دین بن جائے گی اور اس کا ہر لمحہ عبادت کہلائے گا۔ دین کا راستہ دنیا سے الگ نہیں بلکہ ایک شخص پکا دنیادار ہوتے ہوئے بھی صحیح دیندار ہو سکتا ہے۔

اقلیتوں کے حقوق

اسلامی معاشرے میں غیر مسلم اقلیتوں کو پورا پورا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ وہ غیر مسلم قومیں جو اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ رہتی ہیں اور اس سے وفاداری کا دم بھرتی ہیں، ان کے حقوق کا تحفظ، اسلامی حکومت پر فرض ہے۔ انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلم شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ اسلام نے اقلیتوں کو جو حقوق دیئے ہیں ان کی مثال کسی مذہب و ملت میں نہیں ملتی۔ اس ضمن میں اسوۂ رسول ؐ اور خلافت راشدہ کا طرزِ عمل ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ رسولِ اکرم ؐ نے ذمیوں کے ساتھ باقاعدہ معاہدے کئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر ؓ نے حکم

دیا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ اُسے قتل کر دیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ: "جو لوگ ذمی ہو چکے ہیں ان کا خون ہمارا خون ہے اور ان کا خون بہا ہمارا خون بہا۔" اسلامی حکومت ذمیوں کو مذہبی آزادی کا حق دیتی ہے اور مال اور جائیداد کے حقوق میں بھی مسلمان اور ذمی برابر درجہ رکھتے ہیں۔

خوشنویس: عبد الرزاق چٹھہ، افضل محمود چٹھہ (چوپالہ)

انسان اور اس کا ماحول

"زمین و آسمان میں جو کچھ ہے ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے" (قرآن مجید)

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں — محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(اقبالؒ)

تہذیبی ارتقاء

انسان اس دنیا میں آباد ہونے کے بعد تہذیب و ترقی کے مختلف مراحل طے کر کے آج کے مہذب دور تک پہنچا ہے۔ شروع میں انسان نے بھی دیگر جانوروں جیسی زندگی گزاری۔ پھر اس نے پتھروں کے اوزاروں سے مچھلیوں وغیرہ کا شکار شروع کیا۔ خوراک کی ضرورت پڑی تو جانوروں کی پرورش کی۔ پھر ان جانوروں کی مدد سے کھیتی باڑی شروع کی بعض علاقوں میں زمین سے معدنیات دریافت ہوئیں جو بے حد مفید ثابت ہوئیں۔

سائنسی ترقی

اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ وہ ذہانت اور ہمت سے کام لیکر ماحول پر قابو پا لیتا ہے۔ دھاتوں کی دریافت کے بعد پہیہ اور مشینیں ایجاد ہوئیں۔ بھاپ کی قوت سے صنعتی انقلاب آیا۔ جدید دور میں ایٹمی توانائی کی دریافت سے حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ اب انسان چاند کی تسخیر کے بعد دوسرے سیاروں کی طرف گامزن ہے۔

ماحول پر قابو

ہم جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے ماحول پر قابو پا کر اپنا مستقبل روشن کر سکتے ہیں۔ اس کے مختلف ذرائع ہیں۔ مثلاً تسخیر کائنات کے علاوہ صنعتی انقلاب، زرعی انقلاب، سمندری معدنیات، مصنوعی بارش سے صحراؤں کو قابل کاشت بنانا، سمندر کے کھاری پانی کو پینے اور آب پاشی کے قابل بنانا، شمسی اور ایٹمی توانائی کا پرامن استعمال وغیرہ

ماحول کا اثر

اگرچہ انسان اپنی ذہانت اور محنت سے ماحول پر قابو پا لیتا ہے لیکن وہ قدرتی ماحول سے لازماً متاثر ہوتا ہے۔ اس کی خوراک، لباس، رہن سہن اور معاشی ترقی اس کے قدرتی ماحول کے مطابق ہوتی ہے۔ جس میں وہ رہتا بستا ہے۔

جغرافیائی اختلاف:- زمین کے جغرافیائی حالات میں بہت اختلاف ہے۔ کہیں اونچے پہاڑ

ہیں۔ کہیں سطح مرتفع اور کہیں میدان، پہاڑی اور سطح مرتفع کے علاقے کاشتکاری کے لئے موزوں نہیں لیکن قدرت نے ان علاقوں کو معدنی دولت سے مالامال کر رکھا ہے۔ میدانی علاقے اور دریائی وادیاں قدیم زمانے سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہی ہیں۔ جدید دور میں انسان نے نہروں، سڑکوں اور دیگر ذرائع آمدورفت کے جال بچھا دیئے ہیں۔ آج زراعت اپنے عروج پر ہے۔

آب و ہوا کا اثر

انسان کی رہائش، زرعی اجناس کی پیداوار اور حیوانی زندگی کا انحصار طبیعی حالات، آب و ہوا اور نباتات پر ہے۔ موزوں آب و ہوا اور خوشگوار ماحول میں بہت زرعی و معاشی ترقی ہوئی ہے۔ لیکن ٹنڈرا کا علاقہ، ریگستان اور استوائی جنگلات کا خطہ غیر موزوں آب و ہوا اور ماحول کے باعث آبادی اور تہذیب و ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں

ماحولیاتی تبدیلیاں

کرۂ ارض کئی کروڑ سال پرانا ہے۔ سمندر، پہاڑ، میدان، گرم استوائی اور سرد قطبی علاقہ میں بڑی ماحولیاتی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ بعض تبدیلیوں کی رفتار سست ہے اور وہ براہ راست ہماری زندگیوں کو متاثر کر رہے ہیں جیسے جنگلات زمین کے اندر دھنسنے کے بعد حرارت اور دباؤ کی وجہ سے کوئلے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بعض تبدیلیاں اچانک اور فوری قسم کی ہوتی ہیں مثلاً آتش فشانی عمل اور زلزلے سے پہاڑ اور ریتیلے علاقے بن جاتے ہیں۔ اسی طرح دن رات اور موسموں کا ردوبدل ماحول پر گہرے اثر ڈالتا ہے۔

انسان اور قدرتی ماحول سے جنگ

انسان ہمیشہ سے اپنے قدرتی ماحول سے جنگ کرتا رہا ہے تاکہ اسے اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال سکے۔ یہی اس کی ترقی کا راز ہے۔ تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدرتی وسائل کے استعمال میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے لیکن یہ اندیشہ بھی ہے کہ بعض قدرتی وسائل کا ذخیرہ ختم نہ ہو جائے۔

ماحولیاتی آلودگی

قدرتی وسائل کے بے تحاشا استعمال کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی آلودگی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جو انسانی زندگی کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے۔ اس میں فضائی، آبی اور زمینی آلودگی سب شامل ہیں۔ سائنسی تحقیق کے مطابق بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی مستقبل کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ بڑے شہروں میں فضائی آلودگی کے مسئلے کا حل ضروری ہے۔ اس کی اصل وجہ فضا میں مختلف قسم کی مہلک گیسوں کی زیادتی ہے جو موٹر گاڑیوں اور کارخانوں کے دھوئیں کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ یوں مہلک بیماریاں بڑھ رہی ہیں۔

سائنسی ترقی کا منفی پہلو اور اصلاحِ احوال

اگرچہ سائنسی ترقی کے بہت فائدے اور سہولتیں بھی ہیں لیکن اس کا ایک نقصان دہ پہلو بھی ہے مثلاً انسان کی بے جا دخل اندازی سے زمین کی زرخیزی کم ہو رہی ہے زیرزمین

پانی کے ذخیروں کی قلت، سیم و تھور میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ معدنی وسائل روز بروز محدود اور جنگلی جانور ختم ہو رہے ہیں۔ ایٹمی تجربات فضائی آلودگی میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔ ثابت یہ ہوا کہ انسان کو اپنے ماحول پر مکمل اختیار حاصل نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نسلِ انسانی کو تباہی سے بچانے کے لئے قدرتی ماحول کو احتیاط سے استعمال میں لایا جائے۔ ماحول کی آلودگی کو دور کرنے کے لئے قومی و بین الاقوامی سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔

حاصل کلام

ہمیں اپنے گرد و پیش کے ماحول کو صاف ستھرا، پاکیزہ اور صحت مندانہ رکھنا چاہیئے۔ بے شک انسان نے سائنس اور صنعت و حرفت کے میدان میں بہت ترقی کی ہے اور اس کے روشن اور تعمیری پہلو بھی ہیں، لیکن اس کا ایک تاریک پہلو بھی ہے کارخانوں اور فیکٹریوں کے قیام سے ماحول گندا، خراب اور آلودہ بھی ہو گیا ہے۔ زہریلی گیسوں اور ایٹمی توانائی کے کارخانوں کے نتیجہ میں تابکاری اثرات بہت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ انسان ماحول سے جنگ میں مصروف ہے۔ اگر ایک مسئلہ حل ہوتا ہے تو ردعمل میں کوئی دوسرا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ماحول کی آلودگی کا علاج یہ ہے کہ دیہاتوں اور شہروں کو صاف ستھرا رکھا جائے۔ کارخانوں کے نقصان دہ پہلوؤں کا حل ڈھونڈا جائے۔ ٹریفک کو کنٹرول کیا جائے۔ احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ پودے اور درخت لگانے چاہئیں، پرندے اور جانور بھی دنیا کی رونق اور حسن ہیں۔ ان کی حفاظت اور پرورش بھی ضروری ہے۔ ان کے بے جا شکار پر پابندی لگانی چاہیئے۔ آبادی کے بے تحاشا اضافے سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا حل ڈھونڈا جائے۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

"بے شک اللہ پاک و صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

ارشادِ نبوی ہے کہ:

"طہارت اور پاکیزگی نصف ایمان ہے۔"

نیز فرمایا: "اسلام کی بنیاد نظافت اور پاکیزگی پر ہے۔"

فرائض سے پہلو تہی ہمارے عظیم وطن کی بربادی کا سبب بن رہی ہے

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے — تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں (اقبالؔ)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان ایک ذمہ دار ہستی ہے۔ وہ خود بخود وجود میں نہیں آگیا، بلکہ اللہ تعالیٰ

نے اسے پیدا کیا ہے، وہ اپنی گوناگوں قابلیتوں، عقل و شعور اور فہم و ادراک کی وجہ سے دوسری تمام مخلوقات سے اعلیٰ و افضل ہے۔ لیکن وہ خود مختار نہیں بلکہ اس کا اصلی مقام و منصب خدا کی نیابت ہے۔ وہ اس دنیا میں خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ "میں دنیا میں انسان کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجنے والا ہوں"

گویا انسان کا اہم ترین، فطری اور بنیادی فریضہ نیابت الٰہی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ابتدائے آفرینش کے موقع پر تمام ارواحِ انسانی سے یہ اقرار لیا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس کے جواب میں تمام ارواح نے بالاتفاق یہ اقرار کیا کہ قَالُوْا بَلٰی یعنی انہوں نے کہا کہ بلاشبہ (تو ہمارا رب ہے)۔ لہٰذا یہ انسان کا فطری فریضہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی عبادت و اطاعت کرے، جیساکہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ؕ

یعنی "میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے"۔

یاد رہے کہ علمائے کرام کی رو سے عبادت میں بندگی اور اطاعت دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ بنیادی طور پر انسان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالےٰ کی عبادت و بندگی کرے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ تعالےٰ ہی کے قوانین و ضوابط پر عمل کرے، چونکہ اللہ تعالےٰ ہی خالق کائنات ہے اس لئے وہی انسان کے فطری تقاضوں، ضروریات، حاجات اور نفسیات کو سب سے بڑھ کر جانتا اور سمجھتا ہے۔ لہٰذا انسان کی حقیقی فلاح و کامرانی اور نجات کا انحصار اللہ تعالےٰ کے تشکیل کردہ قوانین و ضوابط کی پابندی پر ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے قوانین و ضوابط کے جاننے کا ذریعہ کیا ہے؟ ظاہر ہے یہ ذریعہ ہمارے پاس رسالت و نبوت کی صورت میں موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ ان پیغمبروں کا بتایا ہوا راستہ ہی صراط مستقیم ہے اور انہی پیغمبروں کی تعلیمات کی تعمیل ہی میں انسان کی نجات اور حقیقی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ سب سے آخر میں اللہ تعالےٰ نے اپنا آخری کلام قرآن مجید کی صورت میں اپنے آخری محبوب رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما کر دین اسلام کی تکمیل کر دی اور اس دین کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا۔ جیساکہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ؕ یعنی "بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔

ہماری ان معروضات سے یہ نتیجہ نکلا کہ اب بنی نوع انسان کی حقیقی فلاح و کامرانی اور نجات کا

راز اس بات میں مضمر ہے کہ قرآن مجید کے پیغام یا دوسرے الفاظ میں پیغامِ محمدؐ کے تحت انفرادی و اجتماعی زندگی بسر کی جائے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی ترجمانی ان حکیمانہ الفاظ میں کی ہے ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

سطورِ بالا میں جو گذارشات پیش کی گئی ہیں، ان سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ انسان کی حقیقی نجات اور فلاح و کامرانی کا راز عبادت و اطاعتِ خداوندی میں مضمر ہے۔ اسی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر انسان فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن نہیں ہے تو اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اس نے عبادت و اطاعتِ خداوندی سے منہ موڑ لیا ہے یا اس کی حقیقی روح کو پس پشت ڈال دیا ہے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آج ہم جس زوال و انحطاط، ذلت و مسکنت اور انتشار و بحران سے دوچار ہیں۔ اس کا حقیقی سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلامی تعلیمات اور ان کی حقیقی روح سے روگردانی اختیار کر لی ہے۔ یہ اللہ تعالٰی کی سنتِ قدیمی اور قانونِ فطرت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ٥

یعنی "سو تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے"۔

علامہ اقبال نے اپنی شہرہ آفاق اور معرکۃ الآرا نظم "جوابِ شکوہ" میں اسی حقیقت کو یوں بے نقاب کیا ہے ؎

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

علامہ اقبال ایک اور مقام پر اس تلخ حقیقت کو یوں آشکار کرتے ہیں ؎

خوار از مہجوریِ قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

یعنی اے مسلمان! تو اس لیے ذلیل و رسوا ہوا ہے کہ تو نے قرآن مجید کو (یعنی اس کی تعلیمات کو)

ترک کر دیا ہے اور پھر تو انقلابِ زمانہ کی شکایت کرتا ہے ۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادیؒ بھی گہرا ملی درد رکھتے ہیں ۔ ان کا پیغام بھی وہی ہے جو علامہ اقبال کا ہے ۔ تفاوت صرف انداز بیان کا ہے ۔ موصوف نے سنجیدہ اور ظریفانہ کلام کے ذریعے اسی سوزِ نہاں کی ترجمانی کی ہے جو علامہ اقبال کے پیغام کا حاصل ہے ۔

علامہ اقبال موصوف کے بڑے مداح تھے ، چنانچہ ان کا قول ہے کہ :

" اکبر جیسا نکتہ داں شخص صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے ۔ "

موصوف ایک مقام پر یوں اپنے گہرے ملی دکھ درد کا اظہار کرتے ہیں ؎

مسلمانو! بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے؟ | تمہارے کیا مدارج رہ گئے ، اس پر نظر کچھ ہے؟
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے؟ | سلفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے؟

تمہیں معلوم ہے کچھ ، رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر

شمس العلماء مولوی الطاف حسین حالیؒ ہماری قومی شاعری کے بانی تھے ۔ انہوں نے شعر و ادب کی دنیا میں ایک انقلابِ عظیم برپا کیا ۔ ان کی شاعری اصلاحی اور بامقصد ہے ۔ "مسدس حالیؒ" ان کا عظیم شعری کارنامہ ہے ۔ اسی کے بارے میں سرسید احمد خاں کا قول ہے کہ :

" جب خدا قیامت کے روز مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں کہہ دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں ۔ "

اس شاہکار نظم میں مولانا حالیؒ نے نہایت خلوص اور دردمندی کے ساتھ مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان رقم کی ہے ۔ موصوف مسلمانوں کے زوال و انحطاط پر یوں ماتم کناں ہیں ؎

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا | ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا | وہ اُمت لقب جس کا خیر الامم تھا

نشاں اس کا باقی ہے صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں !

تنزّل نے کی ہے بری گت ہماری | بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری | نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری

پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

مولانا حالی نے "مسدس حالی" کے آخر میں بجناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات

"عرضِ حالات کے عنوان سے کچھ معروضات پیش کی ہیں۔ جنہیں گھٹا ٹوپ اندھیاروں میں روشنی کی ایک کرن قرار دیا جا سکتا ہے۔ موصوف فریاد کناں ہیں ۔ ؎

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس ہیں وہ آج غریب الغربا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ برگ و نوا ہے

فریاد ہے اے کشتئ امت کے نگہبان
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

کر حق سے دعا امتِ مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے، اگر حال برا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

ہمارے تنزل و انحطاط اور تباہی و بربادی کا ایک اہم سبب تو یہ ہے کہ ہم نے حقوق اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم حقوق العباد کو پامال کر رہے ہیں اسلام کی رو سے حقوق کی دو اقسام ہیں :

۱۔ حقوق اللہ ۲۔ حقوق العباد ۔

حقوق اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات میں ایک ماننا، صرف اسی کی عبادت اور بندگی کرنا اور صرف اسی سے دعا کرنا۔ اس کے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانا ہر نیک کام میں اس کی رضا کو مدنظر رکھنا اور ہر برے کام سے اس کے احکام کے تحت باز رہنا۔ اگرچہ حقوق اللہ بھی ضروری ہیں ۔ لیکن حقوق العباد کی خاص اہمیت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنے حقوق معاف کر سکتا ہے لیکن بندوں کے حقوق کو خدا بھی معاف نہیں کرے گا، جب کہ بندے خود یہ حقوق معاف نہ کریں۔ ان میں سب سے پہلے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہیں۔ بقول مولانا ظفر علی خاں ؎

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

یا بقول ابوالاثر حفیظ جالندھری ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان، مال، اولاد سے پیارا

بقول علامہ اقبالؒ ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست کہ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

پھر انسان کی اپنی جان کے حقوق ہیں۔ اس کے رشتہ داروں، ہمسایوں، عام شہریوں، اہل اسلام اور غیر مسلموں کے حقوق ہیں۔ وسیع تر بنیادوں پر دنیا بھر کے مسلم بھائیوں اور عام انسانوں کے حقوق ہیں۔ اسلام نے درجہ بدرجہ ان تمام حقوق کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کی ادائیگی پر زور دیا ہے۔ دراصل ان حقوق میں رخنہ اندازی ہی اصل خرابی اور فساد کی جڑ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے اس پر آشوب دور میں جذبۂ اخوت و محبت کا فقدان ہے۔ بھائی بھائی کا خون سفید ہو چکا ہے، رشتہ داریوں کا کوئی پاس و لحاظ نہیں ہے۔ قطع تعلقی اور ترک تعلقات کی وبا عام ہے۔ حالانکہ یہ ایک سنگین اخلاقی و معاشرتی جرم ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ ۝

یعنی "رشتہ داری کو قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

اسلام نے والدین کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

یعنی "اور تیرے رب کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ اولاد اکثر اپنے والدین کے حقوق بجا لانے میں کوتاہی برتتی ہے جس کے نتیجے میں ایک بڑا معاشرتی بحران پیدا ہوتا ہے اور یہ بات ہماری شامت اعمال بن کر بہت سے ابتلاؤں کا موجب بنتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ:

"بڑے بڑے گناہ یہ ہیں، خدا کا شریک ٹھہرانا، والدین سے بدسلوکی کرنا، ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔"

حقوق العباد میں سے پڑوسیوں کے حقوق بہت مقدم ہیں۔ آج کل یہ حقوق بھی بُری طرح پامال ہو رہے ہیں جس کے نتیجے میں ہم ایک زبردست معاشرتی بحران سے دوچار ہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ

"جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔"

ہمارے بنیادی اور اہم فرائض میں سے ایک اہم فریضہ احترام انسانیت ہے۔ احترام انسانیت میں جان مال اور آبرو کا احترام و تقدس ہے۔ بلاشبہ یہ تین بنیادی عناصر ہیں جن کے کماحقہ تحفظ ہی پر معاشرے کا امن و سکون اور خوشحالی و فارغ البالی کا انحصار و دارومدار ہے۔ انسان کے بنیادی اور فطری حقوق میں سے اہم ترین حق انسانی جان کا تحفظ اور سلامتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی جان بیحد قیمتی اور قابلِ قدر ہے جس معاشرے میں انسانی جان کو تحفظ سلامتی حاصل نہ ہو، وہ ہرگز انسانی،

فلاحی اور اسلامی معاشرہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ ایک انسان کا قتل گویا پوری انسانیت کا قتل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا

یعنی "جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں فساد

قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۝

کرنے کی سزا دی جائے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔"

کسی بے گناہ انسان کا قتل ناحق بلاشبہ کفر اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کی سزا دائمی جہنم کی صورت میں دی جائے گی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا

یعنی "اور جو مسلمانوں کو دیدہ دانستہ مارے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور

فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور اس پر خدا کی پھٹکار پڑے گی اور اللہ نے اس کیلئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

خانہ کعبہ کا احترام و تقدس سب سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ایک مومن کا قتل خانہ کعبہ کو ڈھا دینے سے بھی بڑھ کر سنگین اور شدید جرم اور گناہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

"لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئیں۔ جیسی اس دن کی، اس ماہِ مبارک ذی الحجہ کی اور اس شہر مکہ مکرمہ کی، تم سب خدا کے سامنے جاؤ گے اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔ دیکھو، کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو۔"

آج ہم قومی اور ملی طور پر جن اہم اور سنگین مسائل زندگی سے دوچار ہیں اور جن کی وجہ سے ہماری زندگی اجیرن بن چکی ہے، وہ بالاتفاق یہ ہیں، رشوت، بددیانتی، اغوا، چور بازاری، قتل و غارت فریب دہی، بدکرداری، بے راہ روی اور عریانی وغیرہ، ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ ہمارے دفتروں میں کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ جو لوگ رشوت کو شیرِ مادر سمجھ کر ناجائز دولت کے انبار لگانے کے درپے ہیں، ان کا ضمیر یکسر مردہ ہو چکا ہے اور وہ خدا کے خوف اور غضب سے کلی طور پر بے نیاز اور بے پروا ہو چکے ہیں۔ کیا وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ کسی وقت بھی وہ موت کے شکنجے میں جکڑے جا سکتے ہیں اور اس صورت میں ان کا سارا مال و متاع یہیں دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ رشوت کے بارے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا واضح ارشاد موجود ہے کہ :

اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ ۝

یعنی: "رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں "

ہمارے ٹھیکیدار اور افسران قومی تعمیری منصوبوں کی رقوم خرد برد کر دیتے ہیں. قومی خزانے کو بے دریغی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے. زندگی کے ہر شعبے اور ایک ایک سرکاری محکمے میں بدعنوانی اور کرپشن اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا کوئی اخلاقی ضابطہ اور اصول و قانون سرے سے موجود ہی نہیں ہے. حالات ایسے سنگین اور مخدوش ہو چکے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ آخر ہماری انتظامی مشینری اور سیاسی و معاشرتی ڈھانچہ اور نظام چل کیسے رہا ہے؛ کہیں ہم ہولناک تباہی و بربادی کی طرف تو نہیں بڑھ رہے؛ ہمارا با رسوخ اور با اثر طبقہ سمگلنگ کر کے ملک و ملت کے وسائل رزق و معیشت کو دشمن کے ہاتھ میں دے دیتا ہے ہمارے زمیندار اور تاجر ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کرتے ہیں اور ہمارے ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے. یہ سب کچھ کیا ہے ؟ یہ ساری کی ساری باتیں تخریب ملک و قوم ہیں اور ان سے بچاؤ کی صورت سوائے اخلاقی گرفت کو مضبوط تر کرنے کی کوئی نہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جب تک نظام اخلاق کو درست کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے. تعمیر قوم کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا. دراصل قوم کی اخلاقی حس جس وقت تک زندگی کے ہر شعبے میں بیدار نہ ہو سرے سے تعمیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا. بقول علامہ اقبالؒ ؎

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ۔۔۔ ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

ہم نے اخلاقی و روحانی اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ہوسِ زر اور جلبِ منفعت کو اپنا شعار بنا لیا ہے ہر شخص راتوں رات امیر سے امیر تر ہونے کے خواب دیکھتا ہے اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے جائز و ناجائز منصوبوں میں سرگرداں نظر آتا ہے. کچھ عرصے سے ہیروئن اور منشیات کا ناجائز اور سیاہ دھندا ایک وبا اور قومی ابتلاء کی صورت اختیار کر چکا ہے اور منشیات کے استعمال سے ہماری ہزاروں نوجوان زندگیوں کو گھن لگ رہا ہے. اور یہ سیاہ دھندا بلاشبہ ایک ناسور کی صورت اختیار کر چکا ہے. یہ ایک قومی المیہ اور لمحہ فکریہ ہے. اگر اس کی روک تھام کے لئے بروقت اور مناسب اقدامات نہ کئے گئے تو اس کے اثرات نہایت مہلک اور تباہ کن ہوں گے. دراصل دولت و اقتدار کی ہوس ہی خرابی کی اصل جڑ ہے. جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

یعنی، "تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن

نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔"

اس وقت ہمارے ملکی استحکام اور قومی تعمیر و ترقی کی راہ میں یوں تو سینکڑوں چیزیں حائل ہیں، مگر ان سب میں سب زیادہ مایوس کن بلکہ تباہ کن جو چیز نظر آتی ہے وہ ہماری معاشرتی اور اخلاقی بے راہروی ہے۔ اس کے نتیجہ میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کا جذبہ نہایت تیزی سے نشوونما پا رہا ہے۔ ایسے حالات اور مواقع پیدا ہو رہے ہیں اور پیدا کئے جا رہے ہیں جو قوم کے زوال اور انحطاط کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ یہ مینا بازار، یہ رقص و سرور کی محفلیں، یہ نام نہاد اور حیا سوز ثقافتی شو، یہ بے شمار بیوٹی پارلر، یہ خوشبوؤں کے دور، یہ سینما ہالوں کی فسق پروری، یہ طوفان ہائے عیش و طرب، یہ ریڈیو پر شب و روز فرمائشی گیتوں کے ترنم اور پھر یہ ٹیلی ویژن کی سکرین پر مادر پدر آزاد فنون لطیفہ، سب کے سب مل کر ہماری قوم کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں اور اس کے افراد کے جذبہ جہاد کو فنا کر رہے ہیں۔ بقول علامہ اقبال رحمہ اللہ

شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر   میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے!

ایک اور سنگین مسئلہ جو ملک و قوم کی تعمیر و ترقی اور استحکام کو بُری طرح متاثر کر رہا ہے، وہ قومی و ملی اتحاد و یک جہتی کا فقدان ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ہماری قوم ایک عجیب و غریب اور دلخراش فکری و ذہنی انتشار اور نااتفاقی اور پھوٹ کے بحران سے دوچار ہے۔ اس قسم کا قومی و ملی انتشار ایک عظیم ہلاکت اور تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ ایک عظیم قومی المیہ ہے کہ نہ تو ہماری سیاسی جماعتوں میں اتحاد اور اشتراک و تعاون کا جذبہ پایا جاتا ہے اور نہ ہی ہماری دینی جماعتیں اس احساس و جذبہ کی حامل و علمبردار نظر آتی ہیں۔

ہمارا یہ سیاسی و دینی انتشار ایک زبردست خطرے کا الارم ہے۔ اگر ہم نے اس انتشار اور پھوٹ کا بروقت مداوا اور سدباب نہ کیا تو پھر ہمارا مستقبل تاریک سے تاریک ہو کر رہ جائے گا۔

ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہمارا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے، کتاب ایک ہے، قبلہ ایک ہے اور پھر منفعت ایک ہے۔ کاش مسلمان بھی ایک ہوتے۔ ہمیں چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات میں نہیں الجھنا چاہیئے۔ علمی اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس اختلاف کو دشمنی، حسد اور نفرت کا موجب نہیں بننا چاہیئے اگر ہم اسی طرح فرقہ بندی اور انتشار کا شکار رہے اور ایک دوسرے پر ناحق کفر کے فتوے لگاتے اور کیچڑ اچھالتے رہے تو ہم اپنی منزل مقصود کو کھو بیٹھیں گے اور ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ قیام پاکستان کے موقع پر جو خونریز فسادات ہوئے تھے اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا تھا تو اس وقت ہمارے دشمن نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ یہ بریلوی مسلمان ہے یا دیوبندی۔ یہ اہلحدیث ہے یا شیعہ۔ وہ تو بس یہ دیکھتا تھا کہ یہ کلمہ گو مسلمان ہے۔ اب بھی اگر خدانخواستہ ہم پھر دشمن کی زد میں آ جائیں تو وہ یہ نہیں

دیکھے گا کہ کس کا کس ملک یا گروہ سے تعلق ہے بلکہ وہ تو ہر مسلمان کو اپنا نشانہ بنائے گا۔

بقول علامہ اقبال ؎

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج کے معاشرے میں جو خرابیاں، فتنہ و فساد اور بگاڑ نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے، معاشرے میں اسی وقت بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا ہے جب عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل نہ ہو۔ دوسروں کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے۔ ان پر ظلم روا رکھتے ہوئے ان کی حق تلفی کی جائے۔ طاقتور آدمی تو اپنا حق طاقت، قوت اور دولت کے ذریعے حاصل کر لیتا ہے لیکن ایک کمزور اور بے وسیلہ شخص اپنے بنیادی حق سے بھی محروم رہتا ہے۔ پھر ہمارا انتظامی ڈھانچہ اور عدالتی نظام اس قسم کا ہے کہ صاحب ثروت و اقتدار تو اپنا ناجائز حق بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن غریب اور بے وسیلہ شخص اپنے جائز حق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

جو معاشرہ جذبہ اخوت و محبت، ایثار و قربانی، مساوات اور رواداری جیسی صفات سے عاری ہو وہ ہرگز ایک مثالی انسانی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ آج کے معاشرہ میں ان صفات اور اوصاف کا دور دور تک نشان نہیں ملتا، بلکہ اس کے برعکس ہر طرف خود غرضی، حرص و طمع، تنگ نظری و تعصب، حسد و نفرت اور بغض منافرت اور منافقت کا دور دورہ نظر آتا ہے، ہم اپنے مفادات کی خاطر دوسروں کے مفادات کو پامال کرتے ہیں، قومی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم اس مثالی دور کے مثالی جذبۂ ایثار و قربانی کو فراموش کر چکے ہیں، جب ایک جنگ کے موقع پر زخمی صحابی مجاہدوں نے اپنے بھائی کی پیاس کو اپنی پیاس سے اہم تر اور مقدم سمجھتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا تھا۔

ہم جن قومی و ملی فرائض سے پہلوتہی کی پاداش میں جس سنگین صورت حال سے دوچار ہیں۔ ان میں سے ایک اہم اور بنیادی فریضہ نظام تعلیم کا ہے، یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ ہم ابھی تک مغربی نظام تعلیم کو اپنائے ہوئے ہیں اور اس حقیقت کا ادراک و شعور نہیں رکھتے کہ مغربی نظام تعلیم انگریز قوم نے اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے نافذ کیا تھا۔ اس نظام تعلیم سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی سرکاری اور حکومتی مشینری کے لئے کل پرزے حاصل کر سکے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم ابھی تک ایسا نظام تعلیم وضع نہیں کر سکے جو صحیح معنوں میں

ہماری ملی اقدار و روایات کا آئینہ دار ہو۔ مختصراً ہمارا نظامِ تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو ہمیں سچا مسلمان کامیاب انسان اور محب وطن پاکستانی بنانے میں مدد و معاون ثابت ہو اور اس کے ساتھ ہی سائنس و ٹیکنالوجی کے جدید تقاضوں کی خاطر خواہ تکمیل کرتا ہو۔ آج ہم جس تعلیمی بحران سے دوچار ہیں۔ وہ ایک قومی اور ملی المیہ ہے معیار تعلیم انتہائی پستیوں کو چھو رہا ہے۔ یہ رجحان ایک وبا کی طرح پھیل رہا ہے کہ بغیر محنت کے ڈگری مل جائے اور بغیر ڈگری کے ملازمت۔ امتحانات میں ناجائز ذرائع کا استعمال اس قدر عام ہو چکا ہے کہ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اب ان امتحانات کی سرے سے انعقاد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ امتحانی سنٹروں میں لوٹ کے ساتھ چاقو پستول بھی عام چلتا ہے اگر اس سنگین صورت حال کی اصلاح نہ کی گئی تو اس کے نہایت بھیانک نتائج برآمد ہوں گے

پاکستان کا قیام بلاشبہ بیسویں صدی کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ اسلامیانِ ہند نے اپنے لئے ایک آزاد و خود مختار مملکت کا مطالبہ اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنے عظیم تر اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔ اس لحاظ سے تشکیل پاکستان کے اہم مقاصد یہ تھے:

انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں اسلامی نظام حیات کا نفاذ، اسلامی معاشرے و اسلامی حکومت کا قیام، اسلامی تہذیب و تمدن کا تحفظ، معاشی مسئلے کا خاطر خواہ حل، قومی زبان اردو کا تحفظ، آزادانہ ملی نظام تعلیم کا نفاذ، اتحاد عالم اسلام کا حصول وغیرہ۔

ہم نے خدا و خلق کے سامنے برملا ان مقاصد کے حصول کا عہد اور دعویٰ کیا تھا، لیکن حصول پاکستان کے بعد یکسر ان مقاصد جلیلہ کو فراموش کر دیا۔ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو اتنی مہلت ہی نہ مل سکی اور موصوف کے بعد سوائے چند ایک مستثنیات کے، قوم کو ایسے رہنما ہی میسر نہ آئے جو ان اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کر سکتے۔ اس کے برعکس قوم و ملک کو ایسے ایسے نام نہاد دیانتداروں اور حکمرانوں سے واسطہ پڑتا رہا جن کے منفی اور مذموم اقدامات اور سرگرمیوں کے نتیجے میں وطن عزیز ایک سے ایک بڑھ کر بحران و خلفشار سے دوچار ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم اس مملکت خداداد کو دولخت کر بیٹھے اور پھر ہم اندھیروں اور تاریکیوں میں بھٹکنے لگے۔ رشید کاظمی مرحوم نے اس تمام صورت حال کا کسقدر المناک اور دردمندانہ اظہار کیا ہے۔ ؎

اے جوانانِ وطن کیا یہ تمہیں معلوم ہے؟ یہ وطن کیسے بنا تھا، اس کا کیا مفہوم ہے؟
ہے تخیل کس کا یہ کس کا تصور ہے وطن پاک ملت کے لئے کس نے چنا تھا یہ چمن
یہ وطن اقبال کے اک خواب کی تعبیر ہے قائداعظم کے دستِ عقل کی تعمیر ہے
قائداعظم نے مسلم لیگ کو زندہ کیا قائد ملت نے اس کا نام تابندہ کیا
بعد میں کچھ رنگ بدلا اس طرح حالات کا جس طرح بارات میں نوشہ نہ ہو بارات کا
باغبانوں نے گلستاں کی بہاریں لوٹ لیں کچھ لٹیروں نے شبستاں کی بہاریں لوٹ لیں

جو بھی آیا جھولیاں پھولوں سے بھر کر لے گیا ۔۔۔ اور کوئی بلبلوں کے پر کتر کر لے گیا
کوئی ظالم آگ گلشن میں لگا کر چل دیا ۔۔۔ کوئی ظالم آشیانوں کو جلا کر چل دیا
بلبلوں کے گیت جگنو کی چمک تک لے گئے ۔۔۔ قطرہ شبنم کے چہرے کی دمک تک لے گئے
چند بے دینوں کے گھر سونے کے مندر بن گئے ۔۔۔ جو گدا تھے وہ نصیبے کے سکندر بن گئے
العرض اس کشمکش میں مشرقی حصہ گیا!
اب ہمارے واسطے اک درد دائم رہ گیا

ایک اور مقام پر شبیر کاظمی مرحوم اس طرح اپنے درد پنہاں کا اظہار کرتے ہیں۔

شرق سے غرب تک میری پرواز تھی، ایک شاہین تھا میں ذہنِ اقبال کا
ایک بازو پہ اڑتا ہوں میں آج کل، دوسرا دشمنوں کو گوارا نہیں

یہ ہمارا عظیم قومی المیہ ہے کہ ہم قیام پاکستان کے بعد تشکیل پاکستان کے اعلیٰ مقاصد کو فراموش کر بیٹھے۔ ہم مملکت پاکستان کے لئے ایک مضبوط اور ٹھوس انتظامی ڈھانچہ فراہم نہ کر سکے۔ ہم اپنے وطن عزیز کے شایان شان آئین تیار نہ کر سکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم اپنے ملک میں صحیح معنوں میں جمہوری اور نمائندہ حکومت قائم نہ کر سکے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مناسب میعاد اور دورانیے کے بعد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد تسلسل کے ساتھ عمل میں آتا رہتا۔ یہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ ہمارا پڑوسی دشمن بھارت اپنے ملک میں تو آزادانہ انتخابات پورے تسلسل کے ساتھ منعقد کرا چکا ہے جبکہ ہمارے ہاں اب تک صرف تین عام انتخابات انعقاد پذیر ہوئے ہیں اور ان کے نتائج بھی نہایت ناخوشگوار رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارا وطن عزیز جمہوری اور آئینی اقدار کے بل بوتے پر معرض وجود میں آیا ہے اور ایک صحیح جمہوری اور نمائندہ نظام حکومت ہی اس کی بقا اور ترقی واستحکام کا ضامن ہے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں صحیح معنوں میں جمہوری نظام پنپ نہ سکا اور ملک بار بار مارشل لاء کی زد میں آتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ مارشل لاء کے بار بار انعقاد نے ملک کو زبردست اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہاں تک کہ پاکستان کے دولخت ہونے میں بھی بہت حد تک مارشل لاء کا عمل دخل ہے دراصل مارشل لاء ایک عارضی اور ہنگامی اقدام ہے جو اس وقت ناگزیر ہوتا جب ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو جائے یا حالات یکسر قابو سے باہر ہو جائیں اور پھر جب حالات نارمل ہو جائیں تو عام انتخابات کا اہتمام کرتے ہوئے ایک صحیح جمہوری اور نمائندہ حکومت کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ایک کمزور سے کمزور جمہوری نظام حکومت ایک اچھے سے اچھے مارشل لاء سے بہتر ہے

فوج کا بنیادی فریضہ محض دفاع وطن ہے۔

لیکن دوسری طرف ہماری یہ بھی بدقسمتی رہی ہے کہ یہاں جمہوریت کے نام پر بدترین قسم کا آمرانہ اور

ڈکٹیٹر شپ نظام کا دور بھی رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں جمہوریت پر اعتماد بھی بُری طرح مجروح ہو کر رہ گیا۔ اسی قسم کے جمہوری نظام کے بارے میں علامہ اقبال نے اس بیزاری کا اظہار کیا ہے

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں — بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

دراصل ہمارے لئے مغربی طرز کی جمہوریت قطعاً سازگار نہیں ہے۔ ہمیں تو ایسی جمہوریت مطلوب و درکار ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی اصول و اقدار کی آئینہ دار ہو اور جو صحیح معنوں میں عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرے اگر اس قسم کی صاف ستھرے جمہوری نظام کے تحت تسلسل کے ساتھ عام آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد ہوتے رہیں تو اصلاح ممکن ہے اور پھر ہمارا وطن عزیز صحیح معنوں میں شاہراہ ترقی و خوشحالی پر گامزن ہو سکتا ہے۔

ہمارے وطن عزیز میں ایک سال قبل عام انتخابات کے نتیجہ میں جمہوری نظام حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ہر خاص و عام کا یہ خیال اور پختہ یقین تھا کہ اب ہمارے اُلجھے ہوئے مسائل بطریق احسن حل ہو جائیں گے اور ہم اپنی منزل کو پالیں گے۔ لیکن اب ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں وہ انتہائی مخدوش، تشویشناک اور پریشان کن ہے۔ نہ تو ہمارے الجھے ہوئے مسائل حل ہوئے ہیں اور نہ ہی ہم اپنی منزل کا نشان پا سکے ہیں علاقائی، لسانی اور نسلی تعصبات ملکی سلامتی و استحکام کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں۔ آخر ہم کیوں عقل و شعور سے کام نہیں لیتے۔

اس کے برعکس ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنی منزل کو کھو بیٹھے ہیں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے، مرکز اور صوبوں کی روز افزوں محاذ آرائی اور چپقلش ملک کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی و استحکام کی راہ میں کوہ گراں ثابت ہو رہی ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ یہ سنگین صورت حال ہمیں کسی مہیب خطرے اور عظیم بحران سے دوچار کر سکتی ہے، بالخصوص سندھ کی صورت حال انتہائی گھناونی اور تشویشناک ہے۔ ان حالات میں اگر فوری طور پر کوئی مؤثر اقدام نہ کیا گیا تو پھر حالات قابو سے باہر ہو سکتے ہیں۔ وطن عزیز کے جملہ طبقوں پر یہ قومی اور ملی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر کوئی ایسا لائحہ عمل اختیار کریں جس سے ہم اس بحران سے سرخرو ہو کر نکل سکیں۔

ماشاءاللہ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہماری ان جملہ پریشانیوں اور الجھے ہوئے مسائل کا واحد علاج اور مداوا اسلامی نظام حیات میں مضمر ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ پورے خلوص دل اور نیک نیتی کے ساتھ اس نسخۂ کیمیا کو اپنالیں اور اپنے آپ کو اس مثالی نظام حیات کے لئے وقف کر دیں۔ اسی میں ہماری حقیقی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ جب ہم مسلمان ہیں تو پھر اسلامی نظام حیات کے بارے میں جھگڑا چہ معنی دارد؟ ہم اپنی ان معروضات کو قائداعظم کے ان ارشادات پر اختتام پذیر کرتے ہیں:۔

"ہم نے یہ خطہ پاکستان اس لئے حاصل کیا تھا کہ اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنا سکیں۔"

"ہمارا آئین بنا بنایا چودہ سو سال سے موجود ہے یعنی قرآن مجید۔"

"آپ کو چاہیئے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی، پٹھان وغیرہ کی باتیں نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے ایک سلطنت اپنے لئے بنائی ہے۔ ایک وسیع و عریض سلطنت یہ سب آپ کی ہے۔ یہ نہ پنجابی کی ہے نہ بنگالی کی نہ سندھی کی نہ پٹھان کی یہ آپ کی ہے۔ اگر ہم خود کو بنگالی، پنجابی اور سندھی وغیرہ پہلے اور مسلمان اور پاکستانی بعد میں سمجھنے لگیں تو پھر پاکستان لازماً پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"میرے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ایمانداری، خلوص دل اور بے غرضی سے پاکستان کی خدمت کرنی چاہیئے۔

منشیات کے استعمال کی وجوہات اور سدِباب

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (ارشادِ نبویؐ)

آج کے نام نہاد ترقی یافتہ اور مادہ پرستی کے دور میں انسان بہت سی ایسی اخلاقی اور سماجی قدروں سے دور ہوتا جا رہا ہے جو ہمیشہ سے شرفِ انسانیت کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہم گوناگوں پریشانیوں، الجھنوں اور مصائب میں گھر کر رہ گئے ہیں۔ بنیادی طور پر ہم مسلمان ہیں اور ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں ایک ایسا نسخہ کیمیا موجود ہے جو ہماری ان جملہ پریشانیوں اور مصائب کا بہترین انداز میں مداوا کر سکتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جب تک ہمارے وطنِ عزیز میں دینی و اخلاقی تربیت اور معیاری اور عام فہم اور سہل نظام تعلیم کو رواج نہیں دیا جاتا، اصلاح احوال ممکن نہیں ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں میں اچھائی اور برائی کا شعور وامتیاز پروان چڑھ سکے تو ہمیں یہ کام کرگزرنا ہوگا۔

انسان فطری طور پر بہترین اعلیٰ صلاحیتوں اور بھرپور عقل و دانش کے ساتھ اس جہانِ رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے لیکن جوں جوں وہ پروان چڑھتا ہے اس کی شخصیت و کردار پر سوسائٹی اور معاشرے کے اثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ لامحالہ وہ گردوپیش کے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ ایک کمپیوٹر کی طرح سوسائٹی کے اثرات کو محسوس و قبول کرتا ہے۔ چونکہ سوسائٹی میں ہر فرد اپنا شعور فرد اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ اس کا بنیادی حق بھی ہے۔ مگر دینی و اخلاقی تربیت اور

تعلیم کا فقدان اور معاشرہ میں دولت کی ریل پیل اور اس کا ناجائز استعمال اسے برائی اور شر کی طرف لے جاتا ہے اور جب وہ اپنے گردوپیش کی سوسائٹی میں اس بات کا بنظر خود مشاہدہ کرتا ہے کہ ہر انسان اخلاقی اقدار سے آزاد اور قانون شکنی پر تُلا ہوا ہے تو وہ بھی اس سوسائٹی کا حصہ بننے کے لئے ایسے اقدامات کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

منشیات کے بے تحاشا پھیلاؤ اور استعمال کی سب سے بڑی وجہ دراصل منشیات کا کاروبار کرنے والے وہ لوگ ہیں جو بین الاقوامی سطح پر یہ کالا دھندا کرتے ہیں، اور اپنے ملک میں اس وباء کو پھیلانے میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ منشیات کی سمگلنگ اور گھناؤنے کاروبار میں ہمارے ملک کی بعض اہم اور سرکردہ شخصیات ملوث رہی ہیں۔ بلاشبہ اس سے پہلے بھی منشیات کا استعمال اور کاروبار ہوتا تھا، لیکن وہ محدود پیمانے پر تھا اور چوری چھپے ہوتا تھا۔ لیکن اب اس کا دائرہ اثر بے حد وسیع ہو چکا ہے اور ہوس زر کے نتیجے میں یہ کاروبار ایک رستا ہوا ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ راتوں رات لکھ پتی اور کروڑ پتی بننے کے جنون نے اس کالے دھندے کو بے پناہ وسعت دے دی ہے۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ منشیات کا مسئلہ کس قدر سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ ہمارے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ رستا ہوا ناسور اندر ہی اندر سوسائٹی کو بُری طرح مفلوج اور زہر آلود کر رہا ہے۔ ان جدید قسم کی منشیات کا استعمال انسان کو بے کار اور ناکارہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ خاص طور پر یہ زہر ان نوجوانوں اور نونہالوں کی زندگیاں برباد کر رہا ہے جو ملک و قوم اور انسانیت کے درخشاں مستقبل کے معمار بننے والے ہیں۔

منشیات کے سدِباب کے لئے بین الاقوامی سطح پر منظم کوششیں جاری ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسا مہیب خطرہ ہے جو پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی روک تھام اور تدارک کے لئے وسیع بنیادوں پر بین الاقوامی سطح پر جہاد ہونا چاہیئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ایسے سخت ترین قوانین نافذ کیے جائیں، جو اس لعنت کا مکمل خاتمہ کر سکیں، اور آئندہ کے لئے کوئی فرد بھی اس کالے دھندے کے بارے میں اپنے ذہن میں تصور بھی نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں اربابِ اختیار پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ منشیات میں ملوث افراد کی مکمل سرکوبی کرتے ہوئے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے اور اس ضمن میں کسی قسم کی مصلحت یا چشم پوشی سے کام نہ لیا جائے۔

ہم نے اپنے طور پر اس صورت حال کا جو سروے یا جائزہ لیا ہے۔ اس کے نتائج بہت سنسنی خیز اور پریشان کن ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اس لعنت میں زیادہ تر نوجوان طبقہ اور نئی نسل ملوث و مرتکب ہے۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ غالباً اس کی سب سے بڑی وجہ معاشی بدحالی ہے۔ آپ لوگ حیران ہوں گے کہ یونیورسٹی کے طالب علم بڑے فخر سے نشہ کرتے ہیں، جن میں طالبات بھی شامل ہوتی ہیں۔ غربت اور مفلسی ایک ایسی لعنت اور بدنصیبی ہے، جو انسان کو ہلاکت کے دروازے تک پہنچا دیتی ہے۔

جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

"قریب ہے کہ مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دے۔"

نشہ بھی ایک ایسی بیماری اور لعنت ہے جو اپنے آپ کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

اس کے علاوہ اس مسئلے کا ایک سنگین پہلو یہ ہے کہ بعض معززاور اونچے گھرانوں کے چشم و چراغ بھی نشے کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ یہاں بھی وہی معاشی بدحالی اور ذہنی پریشانی کارفرما نظر آتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بڑے گھرانوں میں اس نئی پود کی حق تلفی ہوتی ہے۔ یہ نوجوان کچھ آزادی اور معاشی خوشحالی چاہتے ہیں لیکن محدود اخراجات اور محدود آزادی انہیں بغاوت پر اکساتی ہے اور جب وہ اپنی خواہشات اور امنگوں کا خون ہوتے دیکھتے ہیں تو وہ بھی حالات کے دھارے میں بہہ کر سوسائٹی کے محروم اور زبوں حال طبقے میں پہنچ جاتے ہیں۔ نتیجتاً وہ بھی نشے کی لعنت میں ملوث ہو جاتے ہیں اور پھر وہ اس کالے دھندے میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

اونچے گھرانوں کے افراد کا مطمعٔ نظر صرف اور صرف دولت سمیٹنا ہے، وہ راتوں رات کروڑپتی اور ارب پتی بننے کے جنون اور چکر میں گرفتار رہتے ہیں۔ یوں وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے پروگرام سے یکسر بے بہرہ اور لاپروا رہتے ہیں۔ انہیں کبھی اس بات کا موقع ہی میسر نہیں آتا کہ اپنی اولاد کی اصلاح و تہذیب کی طرف توجہ دے سکیں حالانکہ کسی معاشرے میں خاندان اور گھرانہ ہی اولاد کے لئے پہلی درس گاہ اور تربیت گاہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اولاد بالعموم اعلیٰ اخلاقی و دینی اقدار سے محروم اور تہی دامن رہتی ہے اور وہ طرح طرح کی منفی سرگرمیوں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔

پھر یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ ہم لوگ منشیات کے خلاف محض سیمنار اور مذاکرے منعقد کرنے پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں، جبکہ عملی طور پر ہماری کارکردگی صفر اور نہ ہونے کے برابر

ہے۔ محض منشیات پر پابندی لگانے سے منشیات کا استعمال نہیں روکا جا سکتا۔ بلکہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ منشیات کا استعمال مسلسل اور روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اور اس سلسلے میں ہماری تمام تر کوششیں بے اثر ثابت ہو رہی ہیں۔

منشیات کے فروغ کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ منشیات کی روک تھام کے اداروں کے مقابلے میں وہ ادارے اور ایجنسیاں بہت زیادہ طاقتور اور منظم ہیں، جو منشیات کے استعمال اور کاروبار کے فروغ میں شب و روز مصروفِ عمل ہیں۔ یہ ادارے اور ایجنسیاں زیرِ زمین بھی سرگرم عمل ہیں اور بعض سرکردہ افراد کی سرپرستی میں کھلم کھلا بھی مصروفِ کار ہیں۔ اگر ہم منشیات کی مکمل بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان اداروں اور ایجنسیوں کے خلاف منظم اور مربوط جہاد کرنا ہو گا اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ہو گا۔

ایک اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے ہاں قوانین تو تشکیل پاتے ہیں لیکن ان قوانین پر عمل درآمد کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قانون کا نفاذ عمل میں نہ آ سکے، وہ بیکار محض ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قانون بنانے والے اور اسے نافذ کرنے والے ادارے چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ قانون کو سرے سے نظر انداز کر کے اپنے مادہ پرستانہ مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ گویا قانون کے محافظ ہی قانون کی تحقیر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ سونے چاندی کی جھنکار پر اپنے ضمیر کا سودا کرتے ہیں اور اس طرح قانون شکن افراد پوری دیدہ دلیری کے ساتھ اپنا کام تیز تر کر دیتے ہیں اور وہ دولت کی ہوس میں اندھے ہو کر بلند سے بلند تر نام نہاد معیارِ زندگی اور کروفر کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں

ہمارے ہاں نشہ کے عادی لوگوں کے علاج اور فلاح و اصلاح کے لئے ہسپتالوں میں خصوصی یونٹ بنائے جاتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں ان سے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عادی نشہ کرنے والا جب ایسی یونٹ سے باہر آتا ہے تو وہ دوبارہ نشہ شروع کر دیتا ہے۔ گویا ع

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

منشیات کی موثر اور مکمل روک تھام کے لئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ باقاعدہ منظم پیمانے پر جدید خطوط کی طرز پر معیاری ادارے اور تربیت گاہیں بنائی جائیں اور ایسے افراد کو عبرتناک سزائیں دی جائیں جو اس کالے دھندے میں ملوث پائے جائیں لوگ انسانیت کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ اور اس قابل ہیں کہ انہیں سرِ عام

فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولی سے اُڑا دیا جائے۔ تاکہ
"نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری"۔

صوبہ سرحد یا دیگر علاقوں میں جن لوگوں کا ذریعہ معاش منشیات کی پیداوار ہے ان کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مناسب یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کے لئے متبادل اور نعم البدل کاروبار اور روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں تاکہ وہ جائز اور حلال طریقے سے اپنے معاشی و اقتصادی مسئلے کو حل کر سکیں۔ مستحسن بات تو یہ ہے کہ ایسے افراد کی ضروریات کے مطابق عملی امداد و معاونت کی جائے۔ بلاشبہ یہ اقدام منشیات کی روک تھام میں اہم رول ادا کرے گا۔

جو ادارے اور ایجنسیاں اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث پائی جائیں، ان کے ساتھ قطعاً کوئی نرمی نہ برتی جائے بلکہ پوری قوت اور سختی کے ساتھ ایسی فیکٹریاں یا کارخانے سیل کر دیئے جائیں یا پھر انہیں مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے۔ یہ شیطان کے اڈے ہیں اور ان کا مکمل خاتمہ ضروری ہے۔

جہاں تک ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے، انہیں بھی اپنے فرائض منصبی پوری ذمہ داری اور تن دہی سے سرانجام دینے چاہئیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ صرف ٹی۔وی اور اخبارات میں اشتہارات دینے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ قصبوں اور شہروں سے لیکر دیہات کی سطح تک آسان اور قابلِ فہم لٹریچر مہیا کیا جائے تاکہ پڑھے لکھے طبقے کی وساطت سے ہمارا جاہل اور ان پڑھ طبقہ بھی اس لٹریچر سے فیض یاب ہو سکے اور یوں اس کی اصلاح احوال ہو سکے۔

اس مسئلے کا ایک تاریک اور نہایت افسوسناک اور تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے بعض تعلیمی ادارے بھی نشے اور منشیات کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے اور تعلیمی اداروں میں منشیات کے استعمال کے خلاف منظم اور بھرپور جہاد کرنا چاہیئے۔ عملی اقدامات کے علاوہ لٹریچر اور سیمینار اور مذاکروں کے ذریعے نئی پود کو منشیات کے تباہ کن اثرات سے آگاہ کیا جائے۔

علمائے کرام نشے کی لعنت کو ختم کرنے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں علمائے کرام کو لوگ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ منشیات

کے خلاف منظم طور پر تبلیغ کریں۔ یہ بات حقوق العباد میں شامل ہے۔ یہ حضرات علمائے کرام کا دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔

ہمارے سیاستدانوں کو بھی اس سنگین مسئلے کا احساس کرنا چاہیے۔ وہ اپنے منشور میں وزارتوں کی تقسیم اور ملک و قوم کی تعمیر و خدمت کے بلند بانگ دعوے تو کرتے ہیں لیکن وہ منشیات جیسی گھناؤنی وبا اور لعنت کی طرف کم ہی توجہ دیتے ہیں بلکہ وہ تو سرے سے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے منشور میں منشیات کی روک تھام اور سدباب کے لئے بھی باقاعدہ لائحہ عمل اور پالیسی کا اعلان کریں اور پھر جب وہ برسر اقتدار آئیں تو اس لعنت کے خاتمے کے لئے بھرپور عملی اقدامات کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۷۹ء سے قبل ہیروئن عام نہیں تھی۔ لوگ اس کے نام ہی سے قطعاً ناآشنا تھے جبکہ افیون بھی سرکاری ٹھیکے پر دستیاب تھی۔ ہیروئن کی لعنت کو مغربی ممالک نے متعارف کرایا اور آج وہ ہیروئن کی زد میں آگئے ہیں تو وہ نشے کے خلاف شور مچا رہے ہیں۔ منشیات کی آماجگاہ مغرب میں ہے۔ جہاں اس کی بھاری قیمت ملتی ہے، جبکہ پاکستان میں اس کی قیمت بین الاقوامی قیمت کے مقابلے میں بہت کم ہے جس کی وجہ سے اس کے استعمال میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

معاشی ناہمواری، بے روزگاری اور نظام تعلیم کی ناکامی نے نوجوان طبقے میں نفسیاتی ڈپریشن کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے وہ نشہ کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ جب تک ہمارا نظام نہیں بدلے گا اس مسئلے پر قابو پانا دشوار ہے۔

ملک میں ایک فیصد لوگوں کے لئے بھی ایسی سہولتیں نہیں ہیں جو نشے کی لعنت کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ان کے خاندان کی کفالت کے لئے کسی قسم کی سہولیات نہیں ہیں۔ منشیات چھوڑنے والے افراد کو روزگار مہیا کیا جائے تاکہ وہ مستقبل کے بارے میں مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ یہ لوگ قابل نفرت نہیں بلکہ قابلِ رحم ہیں۔ ان کی اصلاح اور بحالی کے لئے مناسب اقدامات ضروری ہیں جس طرح عام طور پر کہا جاتا ہے کہ نفرت گناہ گار سے نہیں بلکہ گناہ سے ہونی چاہیئے، اسی حکمتِ عملی کے تحت ہم گناہ اور برائی کا خاتمہ کر سکتے ہیں اور ایسے افراد کی اصلاح و تہذیب کی جا سکتی ہے۔

نشے کی لعنت ختم کرنے میں غیر سرکاری تنظیمیں بھی موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ انتظامیہ

غیر سرکاری تنظیموں اور مختلف طبقہ فکر کے تعاون واشتراک سے اس مسئلے پر قابو پا سکتی ہے۔ اس ضمن میں لاہور ایجوکیشن کونسل، لاہور سپورٹس کونسل، لاہور انٹی نارکوٹکس کونسل لاہور سٹوڈنٹس سوشل سروس اور یوتھ کونسل برائے انسداد منشیات وغیرہ ادارے اور تنظیمیں قابل قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قسم کے ادارے اور تنظیمیں پورے ملک میں منظم ہو کر اس لعنت کے خلاف جہاد کریں۔

یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ ملک میں سات فیصد خواتین منشیات کا استعمال کر رہی ہیں جن میں ایسی خواتین شامل ہیں جن کے شوہر ملازمت کے سلسلے میں بیرون ملک میں مقیم ہیں۔ ایسی خواتین جو طلاق یافتہ ہیں وہ بھی نشے کا استعمال کر رہی ہیں۔ حکومت میں ایسے سرکردہ افراد موجود ہیں جو منشیات کا کاروبار کرنے والوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ بعض سیاستدان نشے کے عوض الیکشن جیتتے ہیں۔ منشیات کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے خواتین میں شعور و بیداری اجاگر کرنا ضروری ہے۔

اس مسئلے کا ایک اور تاریک پہلو یہ ہے کہ ہمارے قید خانوں اور جیلوں میں بھی یہ وبا عام ہو رہی ہے۔ بہت سے قیدی نشے کے عادی ہوتے ہیں اور وہ اپنے طور پر یا ارباب اختیار سے گٹھ جوڑ کر کے اس وبا اور لعنت کو فروغ دے رہے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ اس سلسلے میں سخت تادیبی اقدامات عمل میں لائے جائیں۔

ہمارا ادارہ "ورلڈ اسلامک ٹرسٹ" حتی الوسع محدود وسائل کے باوجود پورے ملک میں اور بین الاقوامی سطح پر منشیات کے سدباب کے لیے مصروف عمل ہے۔ اس ضمن میں مذکورہ ادارے نے درج ذیل لائحہ عمل پر عمل پیرا ہونے کی سفارش کی ہے جس کے نتائج انشاء اللہ خاطر خواہ ہوں گے۔

۱۔ "ورلڈ اسلامک ٹرسٹ" نوجوانوں میں ایک تعلیم یافتہ یونٹ قائم کیا جائے گا۔ جو اس کام میں عملی طور پر شامل ہو کر اس ادارے کے ذریعے اپنی سفارشات پیش کرے گا۔

۲۔ یہ کہ ورلڈ اسلامک ٹرسٹ ایک شعبۂ خواتین (Female Unit) بھی تیار کرے گا جو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ باشعور خواتین پر مشتمل ہو گا۔ یہ یونٹ گھر گھر جا کر منشیات کے خلاف مہم چلائے گا۔

۳۔ یہ کہ ہمارے دانشور صحافی اور ادیب بھی ورلڈ اسلامک ٹرسٹ کے ذریعے بین الاقوامی

سطح پر اپنی خدمات عملی طور پر پیش کریں گے۔ ان کی یہ خدمات بڑی اہمیت اور افادیت کی حامل ہوں گی۔

۴۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک کے علمائے کرام اور بڑے بڑے سیاستدان بھی ورلڈ اسلامک ٹرسٹ کے ذریعے اپنی خدمات انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے پیش کریں گے۔ اس سے بھی حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوں گے۔

۵۔ یہ ادارہ دیہی علاقوں میں کسانوں کا یونٹ تشکیل دے گا، کیونکہ ہمارے ملک کی آبادی کا بیشتر حصہ دیہات میں مقیم ہے۔ ظاہر ہے اس طبقے کی اصلاح و تربیت کی بیحد اہمیت ہے۔

۶۔ صنعتی علاقوں میں صنعتی یونٹ قائم کئے جائیں گے تاکہ مزدوروں اور عام ورکروں کو منشیات کی وبا اور لعنت سے دور رکھا جا سکے اور ملوث افراد کی اصلاح و بحالی کا کام ہو سکے۔

۷۔ شہری علاقوں میں خواتین کا یونٹ اور تعلیمی اداروں میں اسٹوڈنٹس یونٹ قائم کئے جائیں گے۔

۸۔ مذکورہ ٹرسٹ کا اہم ترین منصوبہ ان افراد کی اصلاح اور بحالی ہے جو منشیات کی لعنت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلے بین الاقوامی سطح پر ایسے افراد کے بارے میں معلومات اکٹھی کی جائیں گی۔ اور پھر ان کی بحالی کا کام کیا جائے گا۔ ان میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو وقتی طور پر منشیات چھوڑ کر دوبارہ اس میں ملوث ہو جاتے ہیں اور وہ دوسرے لوگوں کو بھی ملوث کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد کی اصلاح اور بحالی کے لئے ایسے انتظامات و اقدامات کئے جائیں تاکہ وہ دوبارہ اس لعنت میں گرفتار نہ ہو سکیں۔ ان افراد کو جدید قسم کے اصلاحی اداروں میں رکھا جائے اور پھر انہی افراد کے ذریعے منشیات کے خلاف بھرپور مہم چلائی جائے۔

یہ لوگ اس حقیقت کو تسلیم کریں اور برملا اس کا اظہار کریں کہ ہم منشیات کے عادی تھے اور یہ کہ ہم کس قسم کے اذیت ناک اور بھیانک دور سے گذر چکے ہیں، پھر ورلڈ اسلامک ٹرسٹ نے بے پناہ خلوص و محبت سے کام لیکر ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم از سر نو باوقار اور کارآمد شہری بن چکے ہیں اور اس طرح ایک نیا مثالی معاشرہ تشکیل پایا ہے اب ہم اس معزز و موثر ادارے کے ذریعے پوری دنیا کو منشیات کی لعنت اور وبا سے

پاک کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔


9۔ ورلڈ اسلامک ٹرسٹ" دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ منشیات کی پھیلتی ہوئی لعنت کے خلاف ان تمام یونٹس کے ذریعے بھرپور جہاد کرے گا۔ اس جہاد کو ایک تبلیغی جذبے اور مشن کے مطابق ہر مکتبۂ فکر کے تعاون و اشتراک سے جاری رکھا جائے گا اور موجودہ سماجی برائیوں میں سب سے بڑی لعنت منشیات و ہیروئن کیخلاف سیمیناروں، مذاکروں اور کارنر میٹنگوں کے ذریعے بھرپور جدوجہد کی جائے نیز بروشر اور پمفلٹوں کے ذریعے اس لعنت کی برائیوں اور خرابیوں کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی جائے۔

10۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جو لوگ ہیروئن کے عادی ہو چکے ہیں ان کو علاج معالجہ کے بعد بھی ایک اچھا معاشرتی ماحول میسر نہیں آتا۔ وہ وقتی طور پر علاج معالجے کے بعد بھی پھر اسی دلدل میں واپس چلے جاتے ہیں اس ضمن میں ورلڈ اسلامک ٹرسٹ" نے ایک مربوط لائحہ عمل اپنانے کا تہیہ کیا ہوا ہے وہ یہ کہ منشیات کے عادی افراد کو علاج معالجہ کے بعد ایک صحت مند اور باوقار معاشرہ دیا جائے اور ایک ایسا انسٹی ٹیوٹ (ادارہ) قائم کیا جائے جس میں حصول تعلیم کے علاوہ دیگر بنیادی ضروریات زندگی اور سہولیات بھی فراہم کی جائیں تاکہ یہ لوگ جس دلدل سے نکل آئے ہیں اور ایک اچھے اور باوقار ماحول میں قدم رکھ چکے ہیں۔ پھر دوبارہ اس دلدل میں جانے اور پھنسنے کا تصور بھی نہ کر سکیں گے۔ اس طریقے سے یہ ادارہ منشیات کے عادی افراد کو علاج معالجہ کے بعد ان کی فلاح و بہبود اور کماحقہ بحالی کے لئے اپنی سرپرستی میں اپنے انسٹی ٹیوٹ میں رکھے گا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جو افراد اس لعنت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ وہ قابل نفرت نہیں بلکہ قابل رحم ہیں۔ اگر ان کی مناسب طریقے سے نگہداشت اور سرپرستی کی جائے تو وہ از سر نو معاشرے کے ایک معزز کارآمد فرد اور شہری بن سکتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موجودہ دور میں منشیات کی وبا، روز بروز بڑھتی اور فروغ پاتی جا رہی ہے اس کی روک تھام اور سدباب کے لئے ہر ذی شعور فرد کو اپنی توانائیاں بروئے کار لانی چاہئیں اور ہم سب کو مل کر اجتماعی طور پر ورلڈ اسلامک ٹرسٹ جیسے اداروں سے بھرپور اشتراک و تعاون کرتے ہوئے منشیات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم صمیم کرنا چاہیئے۔

یاد رکھیئے، اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ وبا، اور لعنت خود ہماری ذات اور ہمارے گھرانے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اور پھر ایک دن پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آکر تباہ و برباد ہو جائے گی اور پھر سوائے حسرت و یاس کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

اٹھ کر خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں
(اقبال)


Candumahg Creek
Kinatakutan Creek
KINATACUTAN RIVER
Kinatakutan
Galimo
Amunt
Mampayunga
Katimo
Catimo
Kandalapdap
Tiquiwan Point
Coconut
Uncovers at low water
Sand
Coral
Lighthouse
Sibalon Island
MANILA
41
42
43
44
45
HYDROGRAPHIC DATUM . . . . MEAN LOWER LOW WATER
Depth curve (meters)
Foreshore flats
Mud

